

الحكمة من القرآن الكريم

حكمة عمل

مصنف

محمد بن عبد الله بن عبد الوهاب

١٩٠٤

هذا الكتاب من كتب التراث الإسلامي
والتي هي من كنوز الحكمة والعلوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ

دیباچہ

باز گلبانگِ رحمان سے زخم آتے در غدلیبان سے زخم
بسکہ لذت و دھم کہ کس طرح متاعِ صد نگدان سے زخم
افراد انسان کی ظاہری و باطنی مین اس قدر اختلاف ہے
اور اون مین بلحاظ صورت و سیرت - علم و کمال اس قدر تفاوت ہے
کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ اوس کے مدارج کس قدر ہیں - ایک طرف
انسان کا ادنیٰ درجہ اس قدر بتدل ہے کہ بعض حیوان جن کو قدرت
نے عقل حیوانی عطا فرمائی ہے اوس سے بہتر ہیں - دوسری طرف
اوس کا رتبہ اس قدر اعلیٰ ہے کہ ممکنات میں سے کوئی اوس کے مرتبہ
اور شان کو نہیں پہنچتا - خود ایک ہی شخص سے مختلف اوقات میں
ایسے مختلف افعال کا ظہور ہوتا ہے کہ اوس کی فطرت اور اصلی طبیعت کا
لے لے اللہ تو پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا تو ہی ہے عالم اور علیم ۱۲

پہچانا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ وہ خود بھی دھوکہ کھاتا اور اپنی جبلت کو
 نہیں پہچان سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان شیون مختلفہ کا مظہر
 ہے اور فطرت نے طرح طرح کی خاصیتیں اور انواع و اقسام کی قوتیں
 اوس میں جمع کی ہیں۔ اور جس وقت جس خاصیت اور جس قوت کا
 تقاضا غالب ہو اوسی کے موافق افعال اوس سے صادر ہوتے ہیں۔
 لیکن اس دنیا میں ایسے اشخاص بھی ہیں جن کے اخلاق میں ہمواری
 اور عادات میں استواری پائی جاتی ہے۔ اور اون سے ہر حالت میں
 قاعدہ عدالت کے مطابق افعال کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ
 نہیں ہے کہ اون کی فطرت پنجر کے عام قاعدہ کے خلاف ہے۔ بلکہ
 یہ باعث ہے کہ اون میں اپنی مختلف قوتوں کو منتظم رکھنے کی طاقت و
 ملکہ ہے اور یہی ملکہ انسانی کمال کا ایک درجہ ہے۔ علم اخلاق وہ
 اصول سکھاتا ہے جن پر کاربند ہونے سے ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ
 افعال محمود انسان سے بالمرادہ صادر ہونے لگیں اور انسان اوس
 سعادت کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہو جو انسانی زندگی کے لئے
 اقصیٰ الغایات ہے۔

اس عالم میں انسان کے اقتدارات جس قدر زیادہ وسیع ہیں۔
 اوس کی ذمہ داریاں بھی اوسی قدر زیادہ ہیں۔ یہ جس قدر زیادہ مقتدر
 ہے اوسی قدر زیادہ محتاج ہے۔ جس قدر زیادہ دانشمند ہے اوسی قدر
 زیادہ اسے رہنمائی کی حاجت ہے۔ ایک حیثیت سے جس قدر زیادہ
 قوی ہے دوسری حیثیت سے اوسی قدر زیادہ ضعیف ہے۔ جس قدر
 ترقی اور بلندی کی طرف پرواز کر سکتا ہے اتنا ہی پستی کی طرف تنزل
 کر سکتا ہے اور وہ چیز جو اوس کو بلندی و ہدایت کی طرف اُبھارتی
 یا پستی و ضلالت کی طرف دھکیلاتی ہے اوس کی معلومات اوس کا دل

اوس کے خیالات اوس کی خواہش اور اوس کا ارادہ ہیں۔
جب کسی قوم میں تنزل شروع ہوتا ہے تو پہلے اوس کے خیالات
میں فساد و رداات پیدا ہو جاتی ہے اور حقیقت کا میلان جاتا رہتا ہے
اور اوس کی عمدہ عمدہ قوتیں بے محل صرف ہونے لگتی ہیں۔ جو بُرا نتیجہ
پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً دولت فلاح اور بہبودی کے کاموں میں صرف کی
بجائے عیاشی اور غیر مستحقین کی پرورش میں خرچ ہوتی ہے۔ علم سے
معارف یقینی کے اکتساب کی بجائے مذہبی نزاع اور اعتقادات باطل
کی ترویج کا کام لیا جاتا ہے۔ شاعری سے عمدہ جذبات کی بجائے
ناپاک اثر پھیلانے جاتے ہیں لہذا کسی شخص یا کسی قوم کے خیالات
کی اصلاح کرنی اوس میں ترقی کی روح بھونکنی ہے۔ جس طرح لباس
میں اور چرک کے دھونے سے پاک ہوتا ہے۔ انسان تخیلات فاسدہ
کی اصلاح سے نیک اور سعید ہو سکتا ہے۔ انسان کی دینی اور دنیوی
ترقی کا مدار اعمال پر ہے۔ اور اعمال نتیجہ ہیں اوس کے خیالات یا
اوس کی طبعی تحریکوں کا۔

ہر زمانہ میں لوگوں کے طرز معاشرت۔ طریق تمدن۔ سلطنت و
تجارت۔ صنعت و حرفت۔ رسم و رواج اور اُور بہت سے خارجی
اسباب سے اون کی ضرورتوں اور ساتھ ہی اون کے خیالات میں
فرق پیدا ہو جاتا ہے جو لوگوں کے اخلاق میں بھی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے
اس واسطے ہر زمانہ میں ایسے اخلاقی اصول کے دریافت اور تحقیق
کی ضرورت واقع ہوتی ہے جو موجودہ حالات کی مناسبت سے سعادت
کے حصول میں مدد دیں۔ میں نے بھی جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا۔
اس کتاب کو اس زمانہ اور اس ملک کی ضرورتوں کے قابل بنانے
کی کوشش کی ہے۔ اور افراد انسانی کی روحانی ارتقا کی تدابیر کے

ساتھ ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کئے ہیں چونکہ معاشرت اور تمدن کی اصلاح کے لئے عورتوں کی حالت کی اصلاح اور حقوق کی نگہداشت ضرور ہے لہذا موقعہ بموقعہ اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ میں نے اس تمام کتاب میں جو بات زیادہ تر ملحوظ رکھی ہے اوس کا نواب ممتاز یار الدولہ بہادر نے اپنے ریویو میں جو کتاب کا مسودہ ملاحظہ فرما کر لکھا تھا اس طرح ذکر کیا ہے :-

” اس کتاب میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کو آزاد دلیر غیر متعصب با حوصلہ۔ پرجوش ہونے اور مهمات امور پر نظر رکھنے۔ جائز آرام اور لذائذ کا حظ اٹھانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ قوت فاعلہ کی ترقی سے انسان میں بلند حوصلگی پیدا ہوتی ہے اگرچہ قوت منفعلہ کی خوبیاں بھی جا بجا بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس انداز سے بین کہ اُن کا میلان پست ہمتی کی طرف نہ ہو۔“

۱۔ میر ممتاز علی نام ممتاز یار الدولہ خطاب ہے۔ پٹن صرف خاص کے کپتان ہیں اگرچہ زمرہ اہل سیف میں داخل ہیں لیکن علمی مذاق اور اہل علم کی قدر دانی ان کی طبیعت کا خاص وصف ہے۔ حیدر آباد کے ایجوکیشنل بورڈ کے ممبر اور مدرسہ آصفیہ کے سکریٹری ہیں۔ اس کے علاوہ انجمن اصلاح تمدن کے پریسیڈنٹ ہیں۔ یہ انجمن ۱۸۹۵ء میں خاص آپ کی کوشش سے قائم ہوئی۔ اہل فوج میں تمدن و معاشرت کی اصلاح کرنی اور اودن کے خیالات کو درست کرنا ایک ضروری اور اہم کام ہے جو یہ انجمن انجام دیتی ہے۔ مجھ کو نواب صاحب کی خدمت میں مدت سے شرف نیاز مندی حاصل ہے۔ نہایت متواضع خوش اخلاق۔ صاف دل شخص ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت میں جو دلچسپی انہوں نے ظاہر فرمائی اوس کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔

ہمز و کمال کی قدر دانی اس خاندان کا حصہ ہے سنہ ۱۹۰۸ء میں حضرت بندگان عالی کے جشن چہل سالہ سالگرہ کے موقع پر نواب لیاقت جنگ بہادر جو ان کے حقیقی بڑے بھائی ہیں پیش کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے تو انہوں نے ملک کی صنعت و حرفت کی سرپرستی کے علاوہ ایک کام یہ بھی کیا کہ اہل ملک کی تصنیفات کو عزت سے جگہ دی تاکہ عام طور پر علمی مذاق کو ترقی ہو۔

علم اخلاق صرف تمدن کی درستی اور قیام کے لئے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ سائنس کی ترقی بھی مکارم اخلاق پر منحصر ہے کہ انسان کسی حقیقت نفس الامر کے معلوم کرنے یا دنیا کو کسی نئی تحقیقات سے فائدہ پہنچانے کے لئے تخلیف و محنت برداشت کرتا ہے۔ اور اس واسطے نوع انسان کے دونوں گروہوں کو سب سے پہلے اس علم کا مطالعہ کرنا فرض ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت کم اشخاص ایسے اکتساب کی سعی کرتے ہیں۔ ہر شہر میں اگرچہ کثرت سے مدارس قائم ہیں لیکن علم اخلاق کی طرف سے اس قدر ذہول ہو گیا ہے کہ لوگ اپنے نفس کا علم بھی نہیں رکھتے اور بجائے اوس کا تزکیہ و تنزیہ کرنے کے بے سود مشاغل میں سرمایہ عمر خراب اور برباد کر رہے ہیں۔ اون میں سے وہ جو ہر مٹ گئے اور مٹتے جاتے ہیں جو کسی قوم یا کسی ملک کے نام کو چمکانے اور روشن کرنے والے یا اوس کو ترقی دینے والے ہوں اور یہ حالت زیادہ تر اوس شہر کے باشندوں کی ہے جو ہندوستان کا پایہ تخت علم و ہنر تہذیب و شائستگی فضل و کمال کا معدن تھا جس کی خاک سے سیکڑوں من چلے بہادر۔ عالی دماغ مدبر۔ روشن خیال فیلسوف۔ مسیحا نفس حکیم۔ شیریں مقال شاعر۔ سحر بیان نثار۔ تبحر عالم۔ پاک باطن صوفی۔ بے ریا زاہد۔ پیدا ہوئے۔ لیکن آج وہ ایک تجارت کی منڈی ہے۔ اور وہ ساری خصوصیتیں مٹ گئی ہیں جو اوہ بچہ ہندوستان کے شہروں میں مہیز و ممتاز کئے ہوئے تھیں یہ حالت دیکھ کر دل بھرا آتا تھا اور اپنی حالت زار پر خود ہی مرثیہ پڑھنے کو دل چاہتا تھا۔ لیکن نوحہ خوانی اوس درد کا علاج نہ تھا بلکہ علاج ایک ایسا نسخہ تجویز کرنا تھا جو امراض نفسانی کا استیصال

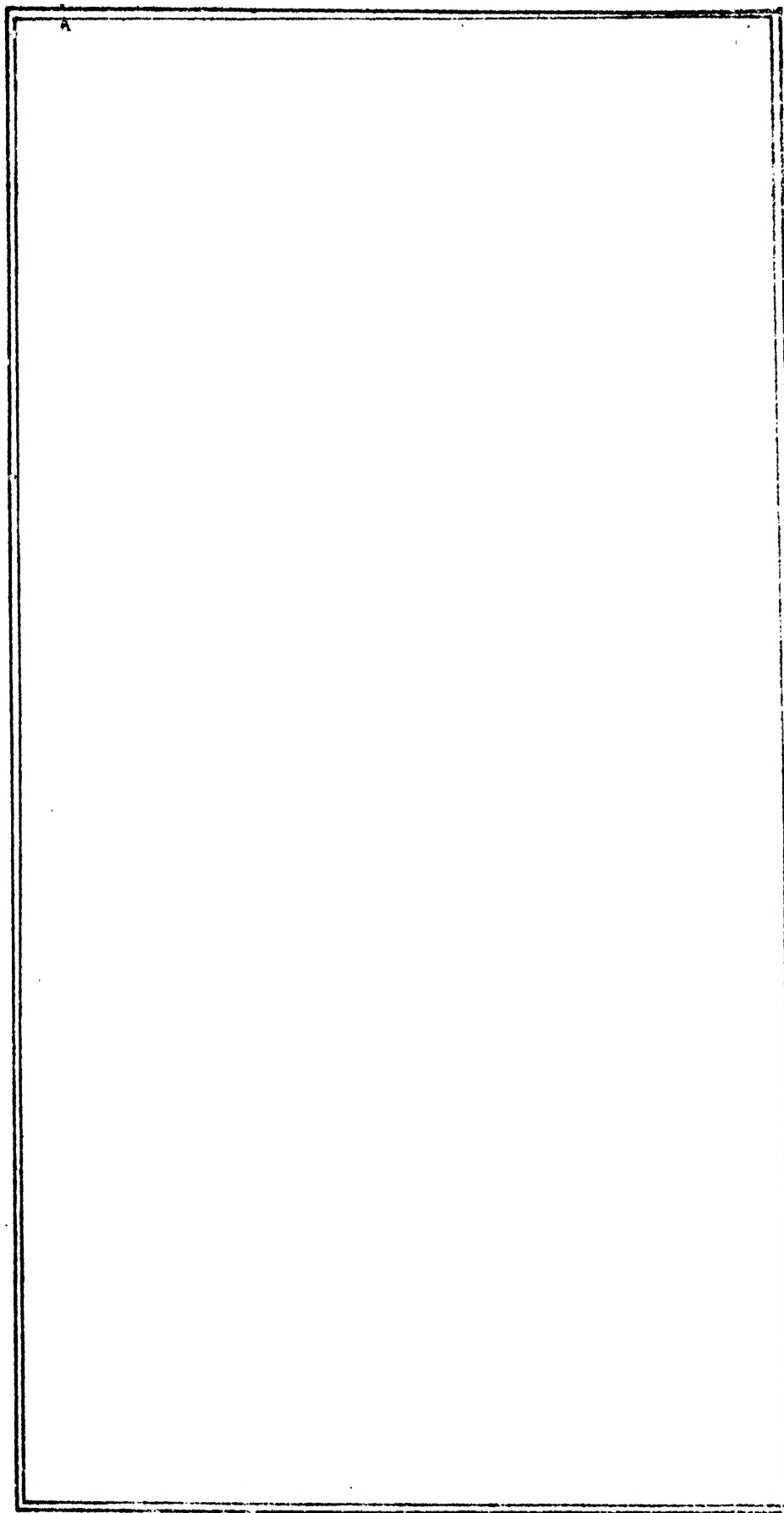
کرنے والا ہو۔ یہ کام جس قدر ضروری اور مفید تھا سچا و ایسے بے کمال اور بے استعداد شخص کے لئے اسی قدر مشکل تھا۔ لیکن قدرت کی فیاضیان بعض اوقات اپنی بیش بہا بخششوں کے لئے بہانہ ڈھونڈ لیتی ہیں۔ مولوی بشیر الدین احمد خان صاحب کی مہربانیوں نے نہ صرف دکن کو وطن بنا دیا بلکہ خیال کا دامن حکمت اور حقیقت کے جواہر ریزوں سے بھر دیا۔ میں نے صرف اتنا کیا کہ بزرگوں کی فیض تعلیم و تربیت اور حکماء کی کتابوں کے مطالعہ سے نفوس انسانی کی ترقی کے جو اسباب معلوم ہوئے وہ ایک جگہ اکٹھا کر دئے تاکہ میرے ہموطنوں کو جو اصلاح حال پر متوجہ ہوں ایک دستور العمل مل سکے۔ حکمت کے موتی جو ہر قوم اور

۱۵ مولوی نوب بشیر الدین احمد خان صاحب دلی کے خاندانی رئیس ہیں اسکے دادا نواب رکن الدولہ بہادر اکبر شاہ ثانی کے وزیر اور رکن دبار تھے۔ ریاست و امارت کے علاوہ علم و کمال کا حصہ قدرت نے خاص طور پر عطا فرمایا۔ حق پسند طبیعت اور حقیقت شناس آنکھ رکھتے ہیں۔ سٹھہء کے غدر کے بعد جب دلی کی صورت اور ساتھ ہی وہاں کے خاندانوں کی حالت بدل گئی تو دکن کا رخ کیا۔ اور ابتدا سے منصبہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ ہر محکمہ میں اپنے حسن انتظام تدبیر و جفا کشی سے نمایاں اصلاحیں کیں۔ ریاست کی وفاداری اور خیر اندیشی کے ساتھ دیانت و صداقت کا جوہر طبیعت میں راسخ ہے۔ بندہ حوصلہ فراخ دل۔ عالی دماغ اور روشن خیال شخص ہیں۔ اور اپنے افعال و اقوال کو حکمت کے اصول کا پابند رکھتے ہیں۔ حکمت و فلسفہ کے مسائل باتوں باتوں میں اس طرح سمجھاتے ہیں کہ دل پر نقش کا لچر ہو جاتے ہیں۔ اس بے کمال نے برسوں اون کے فیض صحبت و مثال سے سبق حاصل کیا ہے میرے حال ظاہر اور باطن کی اصلاح میں ہمیشہ مربیانہ شفقت و توجہ فرماتے ہیں۔ اخلاق کی کئی کتابیں میں نے مولوی صاحب سے سبقاً سبقاً پڑھی ہیں اور مضامین میں اصلاحیں لی ہیں۔ چونکہ خود صاحب کمال اور فضل و کمال کے جوہری ہیں۔ علمی و ادبی خدمتوں میں ذوق و شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ باوجود عظیم الفرستی کے اس کتاب کی تمام و کمال اصلاح اون ہی کی فرمائی ہوئی ہے۔

ہر ملک کے بڑے بڑے علماء و فضلاء نے اپنی عالی دماغی وسیع معلومات
 اور عمر بھر کے تجربوں کے ذریعہ سے بہم پہنچائے مشرق سے مغرب
 تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اون کو جابجا سے چنکر سلک مروارید بنانا
 مجھ جیسے کوتاہ نظر شخص کے لئے ایک مشکل کام تھا۔ لیکن شوق اور
 اس اُمید نے کہ شاید میری ناچیز کوشش اہل ملک کے لئے مفید
 ثابت ہو چین نہ لینے دیا۔ اور یہ مجموعہ تیار کیا۔ اگر یہ اُمید پوری ہوئی
 تو میری محنت ٹھکانے لگ جائیگی۔

محمد سجاد مرزا بیگ

{ حیدر آباد دکن
 ۱۴- جنوری ۱۹۰۶ء



مقدمہ

حکمت عملی کی تعریف

يُكُونُ الْحِكْمَةُ مِنْ لَبِثَاءٍ وَمِنْ يُّوتِ الْحِكْمَةُ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

موجودات عالم

کائنات کے مینا بازار میں جتنی چیزیں صنّاع قدرت نے آراستہ کی ہیں اصطلاح میں موجودات عالم کہلاتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں اپنی نوعیت اور وضع کے لحاظ سے مختلف اور ساخت کے لحاظ سے عجیب و غریب صنعت و کمال کا نمونہ ہیں کہ ان سے بہتر اور اعلیٰ اس وقت تک پیدا نہیں ہوا۔ جس طرح ان کی صورت اور ظاہری کیفیت مختلف ہے اسی طرح ان کے فوائد اور اغراض بھی جدا جدا ہیں اور ہر چیز فی حد ذاتہ ایسی کامل ہے کہ نہ صرف اس کی صورت ہی نظر فریب اور دوکان آفریش کی آرائش کا باعث ہے بلکہ اس سے وہ غرض بھی جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے بہت اچھی طرح پوری ہوتی ہے۔

اس بوقلمون سامان میں ایک کل کا پتلا ہے جس کا نام "انسان" ہے۔ یہ پتلا لمبا طویل خلقت تو موجودات عالم کا جزو او مینا بازار کی ایک نمائشی شے ہے لیکن اس سارے نگارخانہ کا تماشائی بھی ایک یہی ہے اور کل چیزوں پر اس طرح حاوی اور متصرف ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں کوئی صفت ایسی خاص ہے جو دیگر موجودات میں نہیں۔ اور یہی نہ صرف تمام مخلوقات میں زیادہ شریف ہے بلکہ خالق سموات والارض کی طرف سے اس تمام کارخانہ کا جسے دنیا کہتے ہیں خلیفہ اور ایجنٹ بھی یہی مقرر ہوا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْہِمْ خَلِیْفَۃً انسان کو اس دنیا میں مرتبہ تو بہت بڑا ملا ہے کہ سارے عالم میں اشرف المخلوقات اور خلیفہ خدا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی ذمہ داریاں اور فرائض کی تختیاں بھی اسی قدر ہیں کہ لے ترجمہ اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دیتا ہے اس کو بہت سی نیکیاں دیتا ہے۔

انسان

انسان کا مرتبہ

ذرا چوکا اور اپنے رتبہ سے گرا اس سبب سے تمام انسان اشرف المخلوقات نہیں بلکہ صرف وہی انسان اشرف واعلیٰ میں جن کی ذات میں وہ اوصاف موجود ہوں جو شرافت و کمال تک پہنچانے والے اور اس اعلیٰ خطاب کے شایان بنانے والے ہیں۔ یہ صفت جو انسان کو دوسری تمام مخلوقات سے اشرف واعلیٰ کرتی ہے ”حکمت“ ہے۔

حکمت ہے تو چھوٹا سا لفظ لیکن اس کے معنی اتنے وسیع ہیں کہ اس میں علم و عمل کی وہ تمام باتیں شامل ہیں جنہیں انسان کو کمال حاصل کرنے کے لیے جاننا اور اون پر کاربند ہونا چاہیے۔ ”علم“ موجودات کی حقیقت اور احوال کے جاننے کو کہتے ہیں تاکہ جہان تک انسان سے ممکن ہے وہ کسی خاص شے کی حقیقت جیسی کہ فی الواقع ہے معلوم کرے اور ”عمل“ یہ ہے کہ جہان تک انسان سے ہو سکے اسے مفید اور بکار آمد امور پر کاربند ہو جن کی مزا و نفع و مہارت اس کے گفتگو کو دور کرے اور خود اس کی ذات میں ایسا نیک پیدا ہو جائے جو کمال تک پہنچانے والا ہو۔ جس شخص کو یہ دونوں باتیں اچھی طرح حاصل ہوں وہ حکیم کہلاتا ہے اور اس کا رتبہ

دوسرے انسانوں سے زیادہ بلند اور زیادہ اعلیٰ ہوتا ہے پس حکمت نہ صرف علم ہی بلکہ عمل پر بھی شامل ہے کیونکہ اگر صرف علم ہی ہو اور اس کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ انسان کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ کتابیں الماری میں رکھی رہتی ہیں لیکن الماری کو اس سے کیا فائدہ ہے؟ اسی طرح مضامین حافظہ میں موجود ہوں لیکن اون پر کاربند نہ ہو تو انسان کو اس سے کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے؟ **اَلْعِلْمُ يَدْخُلُ فِي الْعَمَلِ وَبِالْعَمَلِ يَدْخُلُ فِي الْعِلْمِ** ضلالت ان جب علم و عمل دونوں ہوں تو حکمت پوری ہوگی اور انسان اپنے رتبہ اور شرافت میں مرتبہ بہ مرتبہ ترقی کرتا جائے گا۔ وہ علم جو انسان کو یہ سکھلائے کہ اس کو اپنے ارادہ و حرکات اور افعال میں کن کن مصالح کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ امور معاش و معاد کا انتظام درست ہو۔ اور اس کے نفس میں وہ قوت پیدا ہو کہ وہ کمال کی طرف ترقی کرنے لگے حکمت عملی کہلاتا ہے انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ یا تو اون طبعی قوتوں کے سبب سے ہوتے ہیں جو فطرت نے تمام انسانوں میں یکساں پیدا کی ہیں۔ مثلاً تمام انسانوں میں یہ خواہش

لے ترجمہ علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔

حکمت

علم

عمل

حکیم

تعریف حکمت عملی

حرکات طبعی

مشترک ہے کہ وہ مل کر رہیں دوسروں سے نفع حاصل کریں۔ اپنی مسرتوں کو دوسرے کریں وغیرہ اس لیے تمام لوگوں سے جو ایسے افعال صادر ہوں کہ اصلی تحریکوں کے سبب وقوع میں آئے ہوں وہ قریب یکساں ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح کے لیے ایک سے اصول مقرر کیے جاسکتے ہیں لیکن بعض باتیں ”وضعی“ ہوتی ہیں مثلاً آداب اور رسم و رواج قانون وغیرہ یہ مختلف ممالک میں مختلف مصالح کے سبب مختلف ہوتے ہیں اور ان کے لیے ایک قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ خود اس ملک کے حکماء اپنے تجربہ اور سمجھ سے حسب اقتضائی ضرورت و مصلحت مقرر کرتے یا اس میں اصلاح کرتے ہیں۔

حرکات منہوی

تہذیب اخلاق

تدبیر منزل

سیاست مد

اصول اخلاق کے لحاظ سے انسان کی حرکات طبعی اور وضعی تین قسم کی ہوتی ہیں اول تو وہ جن کا اثر صرف انسان کی ذات پر پڑتا ہے یا جو افراد انسان سے متعلق ہوں اس کے علم کا نام ”تہذیب اخلاق“ یا ”تہذیب نفس“ ہے۔ دوسرے وہ جو گہر بارے متعلق ہوں اور ان کا اثر ان لوگوں میں مشترک ہو جو ایک گہر کے نمبر میں مثلاً مسلمان ہوں یا اولاد بہائی ہیں مان بابت قریبی شہ دار وغیرہ ”تدبیر منزل“ کہلاتا ہے تیسری وہ جن کا تعلق اتنا وسیع ہو کہ شہر و ملک و قوم کے افراد تک پہنچتا ہے۔ یہ ”سیاست مد“ کہلاتا ہے حکمت علمی وہ اصول و قاعدی سکھاتی ہے جو تہذیب نفس۔ تدبیر منزل اور سیاست مد میں بکار آمد ہوں اور انسان نہ صرف فضیلت و سعادت کے معنی سے واقف ہو جائے بلکہ اس میں یہ تحریک پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے نفس میں ان صفات کے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس پر اس قدر قدرت حاصل کرے کہ رذائل سے بچ سکے۔ نیز لوگوں میں عدالت قائم ہو اور وہ صراطِ مستقیم سے نہ ہٹیں بلکہ فرداً فرداً اور مجتمعاً ان میں خیر و کمال پیدا ہو اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے موجودات عالم میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا کمال فطرتی ہے اور ان میں تغیر و تبدل واقع نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آفتاب و ماہتاب زمین اور تمام اجرام فلکی وغیرہ کہ جب سے ہیں اور جب تک رہیں گے ایسے ہی ہیں اور ایسے ہی رہیں گے۔ بعض ایسی ہیں کہ ان میں بتدریج کمال پیدا ہوتا ہے لیکن اس میں خود شے کے ارادہ کو دخل نہیں مثلاً درخت کہ رفتہ رفتہ بڑھتا ہے لیکن ان کی یہ حرکت ارادی نہیں ہے۔ بعض ایسی چیزیں ہیں کہ جب ایک حد

موجودات عالم کا کمال

معین پر پہنچ جائیں تو پہر اوس سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتیں اور اون کے تمام افراد کا کمال یکساں ہوتا ہے مثلاً حیوانات کہ ایک فرع کے سب جانور شعور و فہم میں برابر ہیں۔ بیا اپنا گہو نسلا بہت خوبصورت بناتا ہے لیکن اوس سے زیادہ عمدہ نہیں بنا سکتا نہ یہ اوس کے امکان میں ہے کہ مختلف قسم کا بنائے۔ بطحین پانی میں ترقی میں لیکن یہ صفت فطرتی ہے نہ اکتسابی۔ اس طرح حیوانات کے کمال میں بھی اون کے حرکات ارادی کو دخل نہیں اور اسی لیے حیوانات میں کوئی شریف اور کوئی رذیل نہیں ہے۔ انسان ہی ایک ایسا مخلوق ہے کہ اوس کو کوئی کمال حاصل کرنے کے لیے خود کو شمش کرنی پڑتی ہے اور اگر نہ کرے تو اوس میں اتنا کمال بھی پیدا نہیں ہو سکتا جتنا حیوانات کو حاصل ہے بطحین ترقی میں لیکن انسان جب تک سیکھے نہیں تیر سکتا۔ پرندے اپنا امتیاز بنا لیتے ہیں مگر انسان بغیر سیکھے اپنے رہنے کا مکان نہیں بنا سکتا۔ تمام جانور اپنی خوراک مہیا پاتے ہیں انسان کو اون کے لیے خود متروک کرنا ضرور ہے۔ یہی حال اوس کے اخلاق کا ہے کہ بغیر اکتساب کے ملکات شریف پیدا نہیں ہو سکتے غرض جب وہ پیدا ہوتا ہے تو بہائم سے کم ہوتا ہے اور خود اپنی سعی و کوشش سے وہ رتبہ حاصل کرتا ہے کہ عالم کی تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ بن جاتا ہے اور جو ذریعہ اوس کو میسر تیر بختا ہے وہ حکمت عملی ہے۔

علم حکمت عملی
کی شرافت

علم حکمت عملی تمام علوم میں زیادہ شریف اور زیادہ ضروری ہے۔ اور صرف یہی ایک ایسا علم ہے جو تمام افراد انسان کے لیے یکساں مفید اور سب کو حاصل کرنا فرض ہے۔ علم حکمت عملی طب روحانی ہے۔ کیونکہ اس کے جاننے سے نفس میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے جو اعتدال خلق کی حفاظت کرتی ہے اور خواہشات روئیہ و روحانی امراض میں دفع ہوتے ہیں۔ علوم کی شرافت تین طرح پر ہے۔ ایک تو یہ کہ اوس کا موضوع شریف ہو مثلاً علم طب۔ علم بيطاری سے زیادہ شریف ہے کہ طب انسان کے علاج کے لیے ہے اور بيطاری حیوانات کے لیے یا اوس علم کا فائدہ اور منفعت بہت زیادہ ہو جیسے علم حساب یا فلاحت۔ یا اون کے دلائل و براہین بہت قوی ہوں جیسے علم منطق و علم ہندسہ اس علم میں تینوں صفیتیں موجود ہیں اس کا موضوع نفس انسان ہے کہ اوس سے بہتر دنیا میں کوئی چیز نہیں اسکی منفعت

یہ سب ہے کہ جو چیز مہاتم سے کم ہو اس کو لایک سے افضل و برتر اور تمام کائنات میں برگزیدہ بنادے اور یہی حال برہانِ حجت کا ہے کہ اس کے کسائل کی صحت تجربہ سے ثابت اور دلائل عقلی سے متحقق ہے لہذا سب سے پہلے علم اخلاق حاصل کرنا چاہیے جسم انسان اگر اخلاطِ فاسدہ سے پاک نہ ہو تو جس قدر اس کو غذا دی جائے زیادہ مریض ہوتا جاتا ہے اسی طرح جب تک نفس میں سے رونی ملکات دور نہ ہو جائیں سائنس و فلسفہ مفید نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات کبر و نخوت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان الحاد و بے دینی میں پڑ جاتا ہے۔ اور اگرچہ بعض اشخاص کو کسی سائنس میں یدِ طولی حاصل ہو لیکن اون کی روح ضلالت سے نہیں نکلتی نہ وہ انہائے جنس کے ساتھ عدالت سے پیش آتے ہیں۔

حکمت عملی کا
منشاء

حکمت عملی کا منشاء یہ ہے کہ نفس میں ایسے ملکات راسخ ہو جائیں کہ بے تکلف و افعال محمود انسان سے سرزد ہونے لگیں اور یہ بات تعلیم اور عادت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ لوگوں کے مزاج مختلف واقع ہوئے ہیں بعض آسانی سے نیک بات قبول کر لیتے ہیں بعض بدشواری بعضوں کی طبیعت خیر کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے بعضوں کی کم اور بعضوں کی بالکل نہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن کے اخلاق ذمیمہ میں تغیر پیدا ہونا ممکن ہی نہ ہو بہت کم ہیں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں کہ اون کے اخلاق میں کوئی نقص اس سبب سے رہ گیا یا جڑ بیکار کیا ہے کہ بری تعلیم یا بری صحبت یا عدم توجہ نے اون کو اصلاح کی طرف مائل نہیں کیا یا اخلاق ذمیمہ کی مدتوں کی مزاولت کے سبب اون کی طبیعت میں وہ بُرا ملک ایسا مستحکم ہو گیا کہ اب چہرانا ممکن نہیں ورنہ انسان تو انسان مناسب وقت پر اگر حیوانات کو تعلیم دی جائے تو وہ بھی بہت کچھ سیکھ جاتے ہیں اور یہی خصائل بدل جاتے ہیں۔ گنا اور گہوارا تو بہت تربیت پذیر جانور ہیں۔ ماہی باوجودیکہ مدتوں جنگل میں وحشیانہ زندگی بسر کرتا ہے جب انسانی تعلیم سے مشرف ہوتا ہے تو کیسا مطیع فرمانبردار مہذب ہو جاتا ہے۔ وہ خونخوار جانور جن کی آواز کی گونجیں دل ہلا دیتی ہیں تربیت سے ایسے مہذب ہو جاتے ہیں کہ سرکس میں انسان کے ساتھ ٹکائے کرتے ہیں وہ شیر چیتے اور ریچھ جو کہ انسان کے خون کے پیاسے ہیں اوسے کا حکم ملتے ہیں اور ذرا آزار نہیں پہنچاتے۔ انسان قوت عقل و تمیز و ادراک و فہم میں تمام حیوانات سے ممتاز ہے تو تربیت کا

اوس میں اثر کرنا بالاولیٰ ممکن ہے اور اگر وہ عادت ڈالے تو اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ انسان سے جو افعال خواہ اچھے ہوں یا بُرے بسہولت اور بلاتامل صادر ہوتے یا ہو سکتے ہیں وہ خلق کہلاتے ہیں اور یہ کیفیت دو طرح پیدا ہوتی ہے یا تو خلقتاً یعنی کسی شخص کا مزاج فطرتاً یا سداً واقع ہوا ہو کہ کوئی خاص استعداد اوس میں زیادہ ہو اور اس حالت میں ذرا سے اشارہ اور تحریک سے انسان سے ویسے افعال صادر ہونے لگتے ہیں جن کی ادنیٰ طبیعت مقتضی ہو۔ یہ ”خلق طبعی“ کہلاتا ہے۔ دوسری چیز ”عادت“ ہے جو کوئی ملک پیدا کر سکتی ہے اور اس کو بھی انسان کے اخلاق میں بہت بڑا دخل ہے۔ عادت یہ ہے کہ انسان کسی فعل کی مزاولت کرے۔ یہاں تک کہ اتنی مشق بڑھ جائے کہ پہر اوس کام کے کرنے میں نہ وقت نہ ہو مثلاً کوئی شخص جس سے کبھی شجاعت ظاہر نہیں ہوتی اور جو دشمن کے مقابلہ میں جاتا ہو ہچکچاتا متبادل کو مضبوط کر کے لڑائی میں شریک ہو اور اپنی فوج کے سپاہیوں کو دوشجاعت دیتے دیکھے اس طرح بار بار شریک ہونے اور مستعدی ظاہر کرنے سے اوس کی طبیعت میں بھی شجاعت کا ملک پیدا ہو جائے یا کوئی شخص جو بے رحم آدمی نہیں تھا قزاقوں کے فرقہ میں شریک ہو جائے تو اگرچہ اول اول اوس میں مشکل سے غوریزی ہوگی لیکن پہر بے گناہ کے قتل کے ارتکاب میں ذرا بھی باک نہ ہوگا۔ یہ ملک جو مشق و عادت سے پیدا ہو ”خلق کسبی“ کہلاتا ہے اور اسی کو اچھی طرح کام میں لانے اور اوصاف حمیدہ کی عادت ڈالنے سے انسان کے مزاج بڑھتے ہیں اور وہ رتبہ انسانیت تک پہنچتا ہے یہ آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ لڑکے نیک آدمیوں کی صحبت میں عموماً نیک و صالح اور شہیروں کی مجالست سے رذیل و شریر ہو جاتے ہیں اور اون کے اخلاق میں بڑی تغیر پیدا ہو جاتا ہے اگر تغیر اخلاق ممکن نہ ہو تو قدرت نے جو قوت تمیز و فکر عطا فرمائی ہے بے فائدہ ہو اور تعلیم و ادیب بالکل بے اثر ہو جائیں۔ قانون۔ قواعد شرع۔ و نیات محض عبث اور لا حاصل ہوں۔ مرض علاج پذیر بھی ہوتے ہیں اور لا علاج بھی۔ انسان کے جسم میں مرض پیدا ہوتے اور طبیعت اون کے دفع کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے لیکن اوس کو مدد دینے اور ازالہ مرض کے لیے علم طب کی ضرورت ہے۔ اگر کسی شخص کا کوئی مرض دفع نہ ہو تو علم کا بطلان یا عدم ضرورت ثابت نہیں ہوتی۔ اسی طرح

خلق طبعی

عادت

اگر کوئی بُرا خلق کسی شخص میں سے نہ جائے تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ
تغیرِ اخلاق ممکن نہیں اور تمام انسانوں میں اخلاقِ ضمیمہ کی اصلاح ہو ہی
نہیں سکتی بلکہ علمِ اخلاق کی ضرورت اور فائدے ویسے ہی قائم رہیں گے
جیسے علمِ طب کے۔

وہ انسان نہایت برگزیدہ صالح اور سعید ہے جس نے نیک کاموں کی
مزاوت اور ممارست سے اخلاقِ حسنہ کا ملکہ طبعیت میں پیدا کیا ہو۔ اور جس نے
اپنے قوائے غضبی اور شہوانی کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا اور اپنی طبعیت کی
باگین خواہشاتِ ذمیمہ کے ہاتھوں میں دیکر خضائلِ ردیہ اختیار کئے وہ سب سے
بُرا شخص ہے اور یہ ملکات جب راسخ ہو جاتے ہیں تو انسان کو ایسا سخت
جکڑ لیتے ہیں جیسے آہنی زنجیریں قیدی کو۔ انسان صرف اپنی ہی کوشش
اپنی ہی سعی اور اپنی ہی مرضی سے کسی اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کی خواہش کو
دل میں راسخ کر سکتا ہے اور یہی طلبِ صادق ہے۔ اگر وہ دنیا میں صداقت
کے ممبر پر سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے تو خود اپنی ہی کوشش سے دوسرے کے
سہارے سے وہ ایک منٹ بھی نہیں ٹھیر سکتا۔ انسان اپنا اور اپنے افعال کا
حاکم اور مختار ہے وہ کذب چھوڑ کر راست گفتاری۔ شہوت پرستی چھوڑ کر زہد و
پرہیزگاری۔ جور و تعدی چھوڑ کر انصاف و رحم اختیار کر سکتا ہے اور اسی طرح تمام
فضائلِ حمیدہ اپنے نفس کو قابو میں کرنے سے حاصل ہوتے ہیں جو لوگ قوائے
جسمانی کو کام میں نہیں لاتے اور کسی قسم کی ورزش نہیں کرتے ان کے جسم
بھترے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں وہ محنت اور زور کے کام نہیں کر سکتے و
یہی حال قوائے روحانی کا ہے کہ جو لوگ ان کو معطل چھوڑ دیتے ہیں ان سے
افعالِ محمودہ صادر نہیں ہوتے نہ ان کو اپنے نفس پر اتنی قدرت حاصل ہوتی ہے
کہ ممنوعات اور قبیح باتوں سے پرہیز کریں۔ اگر کوئی نظمِ حفظ یاد کریں اور کبھی کبھی
اوسے پڑھتے پڑھتے نہ رہیں تو بھول جاتے ہیں۔ اصولِ اخلاق کی طرف سے بھی

اگر غفلت کی جائے اور اون کو یاد نہ رکھا جائے تو ایک بار کتاب کا پڑھ لینا کافی نہیں اور نہ صرف مطالعہ سے بلکہ عملاً اون کی اتنی ممارست رکھنی چاہئے کہ جو خواہش نفس میں نیک باتوں کی پیدا ہوئی تھی وہ نہ مٹ جائے اور نیک کام نہ بہ تکلف بلکہ عادتاً وقوع میں آنے لگیں۔ اور اسی واسطے مہدۂ فیاض سے انسان کو عقل عطا ہوئی ہے کہ بھلے بُرے کو سوچے اور بھلائیوں پر اس طرح عمل کرے کہ وہ نیک طبیعت کے بنجائیں۔



مقالہ اول

تہذیب اخلاق

مقالہ اول

تہذیب اخلاق

باب اول

عقل عملی کی تعریف

انسان کا اعمال
پر اختیار
بموجب

دنیا کی ساخت اور انسان کی خلقت کو بغور دیکھنے سے یہ قضیہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ نیک و بد راستہ کا اختیار کرنا انسان کی مرضی اور انتخاب پر محمول ہے۔ انسان دنیا میں اس طرح نہیں پیدا کیا جیسے کہ ایک سمندریں کو فی ٹھکانا ہو کہ پانی کی لہریں جہاں چاہیں اوسے بہا لیں جہاں بلکہ وہ دنیا کے سمندریں ایک ماہر تیراک کی طرح تیرتا ہے اور اپنی سعی سے جسطرح چاہتا ہے جاتا ہے۔ پانی کی لہریں اوس کی مزاحمت کرتی ہیں لیکن یہ بھی اون کا مقابلہ کر سکتا ہے اور جد ہول میں آتا ہے اور دھرا پنا رخ رکھتا ہے وہ فی حد ذاتہ اپنے اعمال و افعال میں مختار ہے اور اوسے آزادی دی گئی ہے کہ جو قوتیں اوسے عطا ہوئی ہیں اون کو کام میں لائے اور اسی سبب سے وہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ دنیا میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جو لوگ اس کا ریلوے تھیں اگر کسی سبب سے اپنی جڑاں

تلا فی مافات لکھا

خوگر ہوتا ہے او

اسی طرح اوسے

خود انسان کا غیر

بلکہ اوس کی محاک

ضائل رویت کے

ارتقاء کرنا چاہتا ہے تو کائنات (نفس لوامہ) اس کو روکتا ہے اور بچانے کی کوشش کرتا ہے اگر بچا اختیار میں نہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ طبیعت میں امور ذمیمہ سے بچے کا نقصان ہو بلکہ طبیعت انسانی خود جانتی ہے کہ اس میں بچنے کی قدرت ہے اور اگر انسان انکسہ بند کر کے خود کنوین میں گر پڑے تو آپ ہی ذمہ دار ہوگا۔

اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے بہت سے لوگ اپنے اعمال کی اس غرض سے تفتیح کیا کرتے ہیں کہ اپنے صحیح اوصاف سے آگاہی ہو اور اس سے غور و ان کے نفس کو خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن اکثر لوگ اپنی تصویر کے صرف ایک ہی پہلو کو دیکھتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خود میں اور خود پسند ہو جاتا ہے لیکن اگر بنظر اصلاح دیکھے تو اسے اپنی خوبیوں کے ساتھ اپنے عیوب بھی نظر آتے ہیں اور اپنی ساری باجی بری حقیقت آئینہ ہو جائے گی۔ اور پھر اس حالت میں وہ اپنے نفس کی اصلاح اور اپنے افعال کا انتظام کر سکے گا۔ وہ صاحب نظر جو اپنے عیوب کی خود خبر رکھتے ہیں اپنے تین ایسے سانچے میں ڈھالتے ہیں کہ دوسروں کو نمک چینی کی گنجائش نہیں رہتی اور اپنے افعال و اعمال کی خود اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح انسان کو اپنے حال پر غور و فکر کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ لیکن ابتدائی حالت میں یہ کیفیت ایسی کافی نہیں ہوتی کہ انسان اوس پر اکتفا کرے اور نہ اس سے اس قدر فائدہ پہنچتا ہے جتنا پہنچنا چاہیے۔ اپنے کسی فعل کی اصلاح کا خیال کر نیسکے لیے اسے ابتدا میں بہت بڑے عزم اور بہت بڑی جرات کی ضرورت ہوتی ہے اور جس قدر اس میں ہے اوس کی نسبت فائدہ کم معلوم ہوتا ہے۔

ستہ خاطر نہیں ہوتے

تہ کو زیادہ مستحکم اور

تفتیش اور پوری

سے جو اپنے نفس

لامت کرے تو

فعل کا ترک ہوگا

لیکن اپنے نفس کے امتحان کے لیے وہ ایسے موقع کا منتظر رہے گا کہ باوجود نفس شہوانی یا غضبی کی سرکشی کے اپنی طبیعت پر قابو رکھ سکے اور جب کہی ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی طبیعت کی باگ قوامی شہوانی یا غضبی کے ہاتھ میں دیدے اوس وقت اوس کی اصلاح کامل سمجھی جائے گی۔ اس وقت انسان کی روحانی کیفیت بدل جاتی ہے اور اوس کا رتبہ اتنا بالا ہو جاتا ہے کہ وہ بُرائی بھلائی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جیسے بلندی پر سے نیچے کی بیخون الگ الگ دکھائی دیتی ہیں۔ اور انسان پر تجلیات فاسدہ کا قابو نہیں چل سکتا۔ جب انسان بدو حافی طاقتوں کو قوت پہنچاتا اور خصائل حمیدہ کی عادت ڈالتا ہے اوس وقت وہ ملکاتِ رذیہ کا مقابلہ کرتا اور اون کے دور کرنے کی کوشش کر سکتا ہے اور چون کہ فضیلت حاصل ہوتی جاتی ہے اوسی قدر رذائل کی بجلی بھی ہوتی جاتی ہے اس وقت انسان کو رذائل سے نفرت ہونے لگتی ہے اوسے تعجب ہوتا ہے کہ اس وقت تک ایسے بدناما خصائل کا اوس پر کیونکر قابو تھا جس قوت کے ذریعہ سراسر انسان کے افعال میں اتنا بڑا تغیر پیدا ہوا وہ عقلِ علی کہلاتی ہے۔

عقلِ علی

عقلِ علی انسان کو یہ سمجھاتی ہے کہ جو جو وسائل اور اسباب اوسے دنیا میں حاصل ہیں اون سے کوئی کام کس طرح سب سے عمدہ اور بہتر ہو سکتا ہے یہ قوت انسان کی دیگر تمام قوتوں کو مناسب درجہ پر رکھتی ہے۔ اور اون میں انتظام اور ترتیب قائم رکھتی ہے۔ یہ قوت انسان کو یہ بتاتی ہے کہ اوس کا درجہ کیا ہے اور وہ دنیا میں کیا کر سکتا ہے۔ عقلِ علی انسان کو اون فرائض کے ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے جو اس وقت درمیش ہیں اور اس کی مدد سے انسان خیالی اور مہمی خوش آئندہ حالتوں کا انتظار نہیں کرتا نہ ناسف و نہ ناپسند کے عالم میں آنے زور و قوت کو ضائع کرتا ہے۔ بلکہ حالت موجودہ کو خوشگوار اور دل پسند بنانے کی سعی کرتا ہے۔ عقلِ علی کسی خاص قوت کا نام نہیں ہے بلکہ انسان کی مختلف قوتوں کے ملکر کام کرنے کا نام ہے۔

راست و غلط

عقلِ علی کا بڑا کام یہ ہے کہ وہ راست و غلط میں تمیز کرنا بتاتی ہے۔ اس صورت میں اس کو قوتِ تمیز بھی کہتے ہیں۔ راست و غلط ایسے دو لفظ ہیں جن کی صحیح صحیح حقیقت معلوم

کرنے پر تمام اخلاق کی بنیاد قائم ہے۔ اگر صحیح و غلط کی تمیز نہ ہوتی تو دیگر حیوانات کی طرح انسان خواہ کچھ ہی کرے اسے جائز ہوتا اور دنیا میں حسن و قبح پہلانی و بُرائی نیک نامی و بدنامی ایسے الفاظ ہوتے جن کے کچھ معنی نہ ہوں لیکن قوت تمیز صحیح و غلط جائز و ناجائز میں امتیاز کرنا سکھاتی ہے اور ایک کام کو اختیار کرنے اور دوسرے کو ترک کرنے کا حکم دیتی ہے۔ راست و غلط میں تمیز کرنا اور اصول اخلاق پر کاربند ہونا خود انسان کا کام ہے۔ بعض اوقات طبیعت کے تقاضے مختلف جانب رجحان پیدا کرتے ہیں لیکن جن کے دل نور حکمت سے معمور ہیں وہ تمام جذبات کو عقل کا مطیع رکھتے ہیں۔ وہ عادت اور خواہش کے محکوم نہیں ہوتے بلکہ اون پر حکمرانی کرتے ہیں۔

انسان کی تمام زندگی ایک مدرسہ ہے جس میں وہ ہر روز تجربہ کے نئے نئے سبق پڑھتا ہے۔ اس مدرسہ کے معلم کو ناگون افکارات نئے نئے امتحانات نئی نئی دقتیں۔ طرح طرح کی تکالیف اور مشکلیں ہیں لیکن یہ صبر و استقلال پر ہیزگاری۔ غریت تامہ۔ ہمت۔ قناعت۔ اور خدا پرستی سکھاتے ہیں۔ انسان کو اپنی نسبت نہ صرف یہ جاننا چاہیے کہ وہ کیا کر سکتا ہے بلکہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ وہ کیا نہیں کر سکتا۔ لیکن اس سبق کے حاصل کرنے کے لیے انسان کو دنیا میں مختلف لوگوں سے ملنا اور مختلف قابلیت کے آدمیوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانا لازم ہے۔ سوسائٹی میں بے بغیر انسان کو اپنی قابلیت کا پورا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ فوہین اور خود رائی رہتا ہے اور اپنی استعداد کے جانچنے میں غلطی کیا کرتا ہے۔ سوسائٹی میں ملنے سے اس کو بہت سے ایسے تجربے حاصل ہوتے ہیں جو اس کی عقل کو زیادہ اس کے دماغ کو روشن اس کی رائی کو مستحکم اس کی نظر کو بلند کرتے ہیں اور نیک و بد کی وہ تمیز جو عملاً کوئی اچھا کام کرنا سکھاتی ہے ایسے ہی تجربہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تجربہ کے علاوہ علم ہی انسان کے دماغ کو روشن۔ خیالات کو درست۔ رائی کو مناسب اور اعتقادات کی اصلاح کرتا اور عقل کو جلا دیتا ہے اور عقل علی اس معلومات سے جو تجربہ اور علم سے حاصل ہو فائدہ اٹھانا اور اس کام میں لانا سکھاتی ہے۔

باب دوم

حقائق نفس الامرو اشیا کی معرفت

۱۔ حصول علم

انسان اور دیگر
حیوانات میں
امتیاز

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم ہی وہ خاصہ ہے جس سے انسان اور حیوان میں تمیز ہو سکتی ہے۔ انسان کو جس بات سے دیگر حیوانات پر شرف و امتیاز حاصل ہے جب تک وہ اس میں موجود نہ ہو وہ انسان کہلا کر مستحق نہیں۔ انسان زو جہانی میں حیوانات پر شرف نہیں رکھتا کیونکہ اونٹ اس سے زیادہ زور آور ہے نہ قوی الجھڑ ہونے میں اس کو تفوق ہے کیونکہ ہتھی آدمی سے کہیں بڑا ہے۔ شجاعت کے سبب سے ہی انسان کو برتری نہیں ہے کیونکہ درندہ جانور انسان سے کہیں زیادہ دلیر اور شجاع ہیں۔ بہت سا کہا نا بھی باعث شرف و امتیاز نہیں۔ بیل کا بیٹ انسان سے بہت بڑا ہے بلکہ انسان کو دیگر حیوانات پر صرف اسی سبب سے شرف و امتیاز حاصل ہے کہ انسان عالم ہے اور اسی علم حاصل کرنے کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جس کو علم نہ ملا اسے دنیا میں کچھ ملا اور جسے علم حاصل ہوا اس سے کچھ باقی نہ رہا اگر کسی مریض کو کچھ دن کھانا پانی نہ دیں تو وہ مر جاتا ہے یہی حال دل کا ہے کہ جب علم و حکمت سے دل گور وک دیا جائے تو وہ بھی بہت جلد مر جاتا ہے۔ انسان کو اپنے دل کی بیماری اور موت کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ وہ دنیا کی محبت اور دیگر مشاغل میں ایسا منہمک ہوتا ہے کہ اس طرف سے بے حس ہو جاتا ہے اگر کسی شخص کو خوب نشہ چڑھا ہوا ہو تو زخم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب فضول دنیاوی مشاغل میں اہمک ہو جائے تو دل کی بیماری کی انسان کو خبر نہیں ہوتی ایک اور جگہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کا بدن نفس کی سواری ہے اور نفس محل علم ہے اور علم ہی انسان کا مقصود ہے جس کے واسطے انسان پیدا ہوا ہے۔ انسان کا رتبہ بہائم اور ملائکہ کے درمیان

لے مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد سوم باب اول۔

ہے اس واسطے کہ انسان باعتبار غذا اور نشوونما کے سبزہ ہے اور جس و حرکت اخیری کے جہت سے حیوان ہے۔ صورت قد و قامت کے اعتبار سے نقش بدیوار ہے لیکن اوس کی خاصیت اور فصل حقیقی حقائق اشیا کی معرفت ہے پس جس شخص نے اپنے تمام اعضا اور قوا سے اس طرح کام لیا کہ علم و عمل میں اوس کو استعانت ہو تو وہ فرشتوں کی مانند ہے علم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان میں نہایت بلند نہایت آزادانہ اور محققانہ خیالات پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان کی اخلاقی حالت درست ہو جاتی ہے اور وہ عمدہ قوتیں جو اوس کی طبیعت میں پوشیدہ ہیں ظاہر اور مجلی ہو جاتی ہیں جیسا کہ کچھ تئیں انسان بالکل وحشی ہوتا ہے لیکن جب اوس کو علم حاصل ہوتا ہے تو وہ مذہب اور شائستہ بن جاتا ہے اور اوس میں صداقت کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

علم کا فائدہ

✓

علم کی خوشی

علم کی قدر انسان کی طبیعت میں فطرتاً پیدا ہوتی ہے۔ جاہل سے جاہل آدمی بھی کسی امر سے واقفیت اور علم ظاہر کر کے خوش ہوتا ہے اسی طرح نادانیت کا اظہار کرتے شرماتا اور جہالت کی طرف منسوب ہونے سے چڑتا ہے اور چونکہ علم اکتسابی اور قیام پذیر ہے اس سبب سے جو شرف نفس کو حصول علم سے حاصل ہوتا ہے وہ انسان کا ذاتی جوہر اور کمال خیال کیا جاتا ہے جس میں شرافت انسانی کی طرح دوسروں کا کچھ حصہ نہیں ہے اور اسی سبب سے شرف علم اعتباری نہیں بلکہ حقیقی ہے۔

علم کی ضرورت

انسان کو علم کی ضرورت اکتساب معاش کے لئے نہیں بلکہ آدمی بننے کے لئے علم درکار ہے شیکسپیر کا قول ہے کہ جہالت خدا کی بیہکار ہے اور علم کے پروں سے ہم آسمان پرواڑتے ہیں اون نوجوانوں کی تعلیم سے جنہیں اپنا اکتساب معاش کسی پیشہ یا حرفہ سے کرنا ہے یہ مراد نہیں کہ وہ پڑھ لکھ کر ایسے کاریگر بن جائیں گے بلکہ اہل حرفہ اور پیشہ وروں کو عمدہ تعلیم دینے سے یہ مطلب ہے کہ جس طرح وہ صناعی میں پیشہ ہوں اسی طرح انسانی کے اعلیٰ جوہر بھی اون میں پائے جائیں تعلیم کا عام اثر یہ ہے کہ جرائم کی تعداد گھٹ جاتی ہے اور لوگوں کی طبیعتوں میں سے آوارگی جاتی رہتی ہے۔ علم ایک زینہ ہے جس کا ایک سر زمین پر ہے اور دوسرا سر آسمان سے باتیں کرتا ہے جو لوگ اس زینہ پر چڑتے ہیں

وہ ترقی کرتے کرتے ایک دن اوج کمال پر پہنچ جاتے ہیں۔ افلاطون کہتا ہے کہ انسان کے حق میں سب سے عمدہ چیز علم ہے اور جہالت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

کتاب

علم حاصل کرنے کی طریقتیں منجمدہ اور جمود کے ابتدائی اور نہایت ضروری طریقہ یہ ہیں کہ کتابیں پڑھیں۔ انسان کے لئے کتابیں ایسی ہیں جیسے کسی شخص کو اپنے حافظہ۔ اور ان میں ہماری قوم کے بزرگوں کے کارنامے درج ہوتے ہیں۔ ہماری ایجادیں۔ ہمارے اختراعات۔ ہماری ترقی و منزل کے حالات لکھے ہوتے ہیں۔

دوسروں کے علم اور ان کے تجربہ اور سرگزشتیں کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں معلوم ہوتی ہیں۔ صانع قدرت کی بے انتہا خوشنما و شہکاروں کے تذکرے کتابوں ہی میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں اپنے پاک مذہب کے قوانین اور خدا کی عزوجل کے تقدس و عظمت و جلال کے حالات اور اس کے احکام کتابوں ہی میں محفوظ ہیں و لکھنا جتنا کھم بکتاب فصلنا کا علی علم کتابیں شکل کے وقت ہماری معاون اور غم غصہ کے وقت دل بہلائی والی ہیں۔ کتابیں تکلیف اور ماندگی کی حالت کو خوشی اور تسکین کی کیفیت سے بدل دیتی ہیں اور ہمارے دل میں ایسے ایسے خیالات پیدا کر کے مسرت بخشتی ہیں جن سے ہمارا تہ عالی اور بلند ہو جاتا ہے جب ہم کسی بڑے مصنف فلسفی کی کتاب پڑھتے ہیں تو گویا اس سے باتیں کرتے ہیں اور اس کے خیالات اور رائے سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اسی طرح اگر کسی فن کی کتاب پڑھتے ہیں تو گویا اس کے موجد سے مشورہ کرتے ہیں اگرچہ مصنفوں کو اس دنیا سے گزرے ہوئے ہیں مگر وہ برس گزر گئے لیکن کتابوں نے ان کے بیش بہا خیالات اور ایجادات کا سبق دیا تو وہ نہیں بھولے ہمارے ایسے ایسے دوست جو نہایت عمدہ عمدہ مشورے دے سکتے ہیں جب

ہم سے مفارقت اختیار کرتے ہیں تو ہم ان کے مشوروں سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن کتابیں ایسی عمدہ مشیر ہیں کہ ہر دم اور ہر وقت مشورہ کو حاضر اور موجود رہتی ہیں پیڑ ڈاکٹر یا وکیلوں کا مشورہ نہیں کہ بات بات پر فیس ادا کرنی پڑے اور بار احسان جدا ہو۔

بلکہ بے دام اور بے منت۔ کتابیں استاد ہیں لیکن استادوں کی طرح جھڑکتی اور غصہ نہیں ہوتیں اور کیسے ہی بیش بہا مسائل کیوں نہ ہوں کہی بتائے میں نکل نہیں کرتیں عید الفری

کا بہانہ کر کے ظالمی ہیں اس لیے کتابوں کا ذخیرہ دولت کے ذخیرہ سے زیادہ قیمتی اور زیادہ بکار آمد ہے جو لوگ صداقت کے خواستگار عقل کے جوہر اور سامنس کے متلاشی ہیں وہ ضرور کتاب سے محبت رکھتے ہیں

کتاب کا مطالعہ بہت سے فائدہ بخشتا ہے۔ دل بہتا ہے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ تحریر و تقریر میں لطافت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ لیکن سہارے پر چڑھنے پر وقت ضائع کرنے کے لیے کتاب دیکھنا سستی اور کاہلی ہے۔ آرائش کی خاطر چھٹا نظر ہمارے اور تائیش ہے۔ البتہ علم کے دانشمندانہ نتائج پر چلا اور قہم و فراست کے اصول پر کاربند ہو کر اپنے تمام افعال کا تعین کرنا طالب علمی کا حقیقی ثمرہ ہے۔ جب سے یہاں کا فن ایجاد ہو اکتائیں کوڑیوں کے مول بکنے لگیں ہیں۔ ایک ماہ میں پان اور سگارا کا خرچ ٹھہرتے کتاب سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔ عمدہ اور دل حسب کتاب کے پڑھنے سے جو مزا آتا ہے وہ پان اور سگارا تو کیا دنیا کی کسی نعمت اور کسی دولت کے حصول سے بھی نہیں آسکتا۔ پہرچا اخراجات میں روپیہ برباد کرنا اور کتاب خریدنے میں کھاتے شعاری سے کام لینا عقل و ادب کے خلاف ہے۔

پڑھنے پڑھنے کا یہی طریقہ ہے۔ کتابوں کی ورق گردانی کرنا اور یہ کہہ دینا کہ اس میں کچھ دل چسپ بات نہیں ہے کتاب کا قصور نہیں بلکہ پڑھنے والے کی توجہ کا قصور ہے اور اس طرح کے پڑھنے سے کچھ زیادہ حاصل ہی نہیں ہوتا بلکہ جب کتاب ہاتھ میں لے تو اس میں محویت اور استغراق کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ مضامین اچھی طرح دیکھیں ہوں بلکہ ادن کی تصویریں ہو ہو سامنے نظر آئیں

علم سال بہر میں اتنا سکھا دیتا ہے کہ تجربہ بیس سال میں ہی نہیں سکھا سکتا تجربہ جو کچھ سکھا تا ہے وہ اس وقت کہ اکثر تیر از کمان رفتہ ہوا اور تلافی مافات نہ ہو سکے۔ بلکہ بعض اوقات عمر بھر تک ناہمی پڑے۔ دران حالیکہ علم قبل از وقت متنبہ کر دیتا ہے اور نقصان سے بچاتا ہے۔ وہ نقص کیا خاک ملاح ہو سکتا ہے جس میں جہاز رانی ہزاروں جہاز ڈوب کر سیکھا ہوا ریکڑوں و فہ اسے پڑے اور دوسروں کی جانوں کو معرض ہلاکت میں ڈالا ہو بلکہ جو شخص اس

مطالعہ

علم و تجربہ

کام کو شروع کرنے سے پہلے ہی کتابوں کے ذریعے سے سیکھ لے وہ کس قدر محفوظ و مامون رہ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص علم جغرافیہ سے ناواقف ہو اور بار بار دور دور کے چکر لگا کر کسی ملک کا نزدیک کا راستہ دریافت کرے تو اوس نے کیا فائدہ اٹھایا۔ عالم شخص ایک منٹ میں کتاب کے ذریعے سے معلوم کر سکتا ہے کہ کس راستہ سے جانے میں سہولت ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تجربہ کار آدمی کو خاص خاص معاملات یا خاص خاص امور کی زیادہ واقفیت یا زیادہ مہارت ہو لیکن عالم آدمی کی نظر تجویز کے ہر پہلو پر حاوی ہوتی ہے اور وہ جو منصوبہ کرتا ہے یا جس کام کو کرنا چاہتا ہے اوس کے کل لوازم کو یکساں خوبی اور پورے کمال سے انجام دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انسان میں عقل فطرتاً اور قدرتاً پیدا کی ہے لیکن علم سے عقل کو جلا ہوتی ہے اوسے میں کائنات کا جو ہر موجود ہے۔ لیکن تلوار کو صیقل کرنا ضرور ہے۔

کتابوں کا انتخاب

وقت فرصت کے لئے کتب بینی بیشک بہت اچھا مشغلہ ہے لیکن عمدہ کتابوں کا انتخاب کرنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ ہر شخص اس قابل نہیں ہے کہ اوس سے دوستی بھی جائے ایسی طرح ہر ایک کتاب اس قابل نہیں کہ وہ پڑھی جائے۔ پڑھنا تو درکنار بعض کتابوں کا تو رکھنا ہی ممنوع ہے۔ خراب کتابوں کے پڑھنے سے نہ صرف تصنیع اوقات ہوتی ہے بلکہ خیالات خراب اور دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے جو خوشی یا مسرت ایسی کتابوں کے پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے وہ ایسی بے ثبات اور جھوٹی خوشی ہے جیسے آوارہ مزاج لوگوں کو ہولعب یا عیاشی جیسے بُرے مشاغل میں مصروفیت سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کی بدقسمتی سے دنیا میں ایسی کتابوں کا ذخیرہ کچھ کم نہیں ہے اور وہ ایسے ایسے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے جس سے اوس کو مفید ظائق اور بکار آمد بلکہ قوم کی ترقی کی کنجی سمجھا جائے لوگوں کے مذاق اس قدر خراب ہو رہے ہیں کہ ایسی کتابوں کی طرف زیادہ توجہ اور اعتنا کیا جاتا ہے اور زبانوں میں ہی جن کو آج علمی زبان ہونے کا فخر ہے ایسی لغویات کی کمی نہیں ہے لیکن ان میں واقعی مفید اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں ہی نہایت کثرت سے ہیں اور ان کے مصنفوں کے دماغ اور مذاق ایسے اعلیٰ رتبہ پر پہنچ گئے ہیں کہ جو مضامین وہ

صرف دل پہلانے کے لئے لکھتے ہیں اون میں ہی قوم کو کسی مفید اور اعلیٰ خیال کا سبق دیتے ہیں۔ اردو کو بدقسمتی سے یہ رتبہ حاصل نہیں اس میں علمی مضامین کی بہت کمی ہے اور لوگوں کی توجہ متذلل ناول اور اشعار لکھنے کی طرف زیادہ مائل ہے جن میں سوائے حُسن و عشق کے راگ گانے اور بُرے جذبات کو اُگسانے کے اور کچھ نہیں ہوتا ایسی کتابوں کے اشتہار اگرچہ بہت آب و تاب سے دئے جاتے ہیں اور اون کو اخلاق کا سبق آموز بتایا جاتا ہے لیکن یہ دو کا ندھاری کی باتیں ایسی ہی غلط ہیں جیسی کہ اشتہاری دوافروش اپنی ناکارہ دوا اون کو بھی تمام امراض کے واسطے اکیسر کا خطاب دیا کرتے ہیں۔ بعض کتابیں ان سے بھی زیادہ بیوقوفوں سے پڑھیں کہ اگر وہ آدمی ہو تین تو شرعاً اون کو ہلاک کر نیک حکم دیا جاتا پس ایسی کتابوں کا پڑھنا مفید نہیں بلکہ اور زہر آلود خیالات پیدا کرتا علم حاصل کرنے کے لئے پڑھنا نہایت ضروری ہے اور بعض صورتوں میں استاد سے پڑھنا اور دوسروں سے تفہیم مطالب میں مدد لینا بھی لازمی ہے لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ ہمیشہ اور ہر مضمون کو جب تک استاد سامنے نہ ہو باتیں نہ لگائیں بلکہ خود مطالعہ کرنا اور اپنے غور و فکر سے مضامین کا حل کرنا بہت زیادہ مفید ہے۔ اس طرح کا حاصل کیا ہوا عمر بھر یاد رہتا ہے اور مضمون کے سمجھنے اور فکر کرنے کی قوت بہت زیادہ اور جلدی ترقی کرتی ہے جن لوگوں نے علم میں مدد طلبی حاصل کی ہے یا کسی سائنس کو ترقی دی ہے انہوں نے استاد کی پابندی نہیں کی۔ اگر کسی شخص نے مدرسہ میں زیادہ نہیں پڑھایا اس نے طالب علمی کے زمانہ میں جب دل خواہ ترقی نہیں کی تو دل شکستہ ہونے کی بات نہیں ہے وہ اپنے مطالعہ اور محنت سے وہ کچھ کر سکتا ہے جس پر مدارس میں پڑھنے والے رشک کریں۔ ایک دفعہ بہت کر کے محنت سے مطالعہ کرنے کی عادت ڈالنے کی کوشش کی جائے تو تھوڑے دن میں سہولت نظر آنے لگتی ہے۔ اور پھر پیشہ ایسا سہل اور بامزہ معلوم ہوتا ہے کہ چٹاؤ تو نہ چھوٹے۔ مدارس اور کالجوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ نہایت ابتدائی اور بہت ناکافی ہوتا ہے اور اگر یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کر کے مطالعہ چھوڑ دیا جائے تو جو کچھ حاصل کیا ہے وہ بھی بیکار

جاتا ہے بلکہ اسکی تکمیل آئندہ زندگی میں اپنے مطالعہ اور محنت سے کرنی چاہیے اور اسی کا نام 'سیلف ایجوکیشن' ہے۔ بہت سے آدمی یہ افسوس کیا کرتے ہیں کہ ہماری تعلیم ناقص رہ گئی اور ہم نے طالب علمی کے زمانہ میں فلان علم کی تحصیل یا تکمیل نہیں کی لیکن اگر دیکھا جائے تو انہوں نے صرف طالب علمی ہی کے زمانہ میں عدم توجہی نہ کی ہوگی بلکہ اس کے بعد بھی جبکہ اون کی صحت و درست اور قواء کام کے قابل تھے بہت سا وقت ضائع کیا ہوگا ورنہ شوق و رہنمائی کہ باشد رہے درکار نیست۔

اور جن لوگوں نے کسی علم میں نام روشن کیا ہے انہوں نے صرف مدرسہ کی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اون کی تمام زندگی طالب علمی کا ایک بڑا دن تھی اور اپنے مطالعہ سے انہوں نے کمال ترقی حاصل کی۔ دوسرے لوگوں سے سیکھنے میں جو علم آتا ہے وہ اس قدر یاد نہیں رہتا جیسا کہ خود اپنے مطالعہ سے کیونکہ اپنے مطالعہ سے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ دل میں نقش ہو جاتا ہے اور اس سے دماغی قوت اس قدر بڑھتی ہے کہ ایک مسئلہ خود حل کرنے سے دوسرے مسئلہ کے حل کرنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ مدرسہ میں قواء دماغی کو کام میں لانا سکھایا جاتا ہے اور اون کی اصلاح کی جاتی ہے اور طاقت کا مادہ پیدا کیا جاتا ہے لیکن خیالات میں ترقی اور بلند پروازی اس وقت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے جب مدرسہ چھوڑ دینا وقت ہوتا ہے اور اس سبب سے اگرچہ مدرسہ کی تعلیم بہت اعلیٰ درجہ تک حاصل کی گئی ہو لیکن اگر آئندہ مطالعہ کتب جاری نہ رکھا جائے اور مطالعہ فطرت نہ کیا جائے تو روشنی خیالات اور اصابت رائے حاصل نہ ہوگی۔ نہ دماغ کی ترقی اور اعصابی باطنی کی مستی دور ہو سکتی ہے عقل اس وقت پختہ ہوتی ہے جب انسان دنیا میں قدم رکھو اور جو علم حاصل کیا ہو اسکو عملاً کام میں لائے علم میں ترقی کرنے اور جو کچھ پڑا ہے اس کو ضبط و محفوظ کر نیکے لیے یہ مناسب ہے کہ تھوڑا وقت مضامین پر غور و فکر کرنے میں صرف کیا جائے اس طرح بیٹھ کر تھوڑی سی سوچنے سے جو نتیجہ نکلے گا وہ ساری کتاب پڑھنے سے نہیں حاصل ہو سکتا خیالات کا سلسلہ ایسا ترقی کرے گا کہ ہر وقت اعلیٰ اعلیٰ خیالات اور بیش بہا مضامین اور باریک

کا جو اہر خانہ پیش نظر رہتا ہے اور کتابوں کے مضامین جو علوم کے ذخیرہ ہوتے ہیں اپنے اصلی جوہر میں چھوٹی چھوٹی تصویریں بن کر حاضر و موجود ہو جاتے ہیں جن سے موجودات کی حقیقت اور حقیقت کی کنہ دریافت کرنے کا وہ مادہ پیدا ہوتا ہے جو کائنات کے رازوں کے معلوم کرنے کی کنجی اور انوشمندوں کو ہاتھ لگتی ہے۔ جن کے دل بیدار ہوں اور جو عمر بہ علم کے خزانہ کی تلاش کی دُہن میں لگے رہتے ہیں۔

علم کی صحبت

علم حاصل کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ جس فن کے سیکھنے کا شوق ہے اوس کے علماء کی صحبت اختیار کی جائے اور ان کی زبانی جو مسائل سنے وہ یاد رکھے جائیں اس طریقہ میں یہ سہولت ہے کہ باہم مکالمہ کے سبب دل نہیں گہرا تا اور یہ سنی ہوئی باتیں یاد خوب رہتی ہیں۔ ایک عالم شخص کی تھوڑی دیر کی گفتگو سے ایک بڑی کتاب کے مشکل سے مشکل مسائل کا خلاصہ نہایت سہولت سے ذہن نشین ہو جاتا ہے لیکن یہ طریقہ کتب بینی سے بالکل مستغنی نہیں کر دیتا اور اوس وقت بکار آمد ہوتا ہے جبکہ پہلے سے کچھ استعداد موجود ہو۔

علم کا شوق

جب طالب علم مدارس کے درجہ طے کر رہے ہوتے ہیں تو بہت سی باتیں اُن کو حصول علم کی طرف محرک اور اُن کی آتش شوق کو مشتعل کرنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً دوسروں پر ہیبت لیجانے کا شوق۔ امتحان میں کامیابی اور نام آوری کا دلولہ۔ دوسروں کی نظروں میں مستعدی اور شوق پیدا کرنے کا خیال۔ لیکن یہ باتیں اگرچہ ایک حد تک طلباء کے لئے تسخس ہیں اور اس سے بھی اُن کے ہونہار ہونے کی امید ہو سکتی ہے لیکن دراصل حصول علم کی خواہش نہیں ہیں بلکہ جب ایسے محرک اسباب نہیں رہتے اور یہ بھی انسان علم کا جو یار ہوتا ہے تو اُسکی کوشش سچے شوق کے نام کی مستحق ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو طالب علم مدارس میں بہت بڑھ کر رہتے تھے جب کوئی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں تو پھر اُن کی آتش شوق بجھ جاتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ سُستی کی حالت میں پڑ جاتے ہیں لیکن علم سے سچی محبت رکھنے والے اپنے قدم پستی سے اُگڑ پڑ پائی جاتے ہیں اور نہایت استقلال سے مشکلات اور موانع کا مقابلہ کرتے ہوئے مراجع کمال پر پہنچنے کی

عزت اور شہرت حاصل کرتے ہیں۔ اس وقت جو چیزیں اوس کو طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں دہندلی اور بہت دور کہانی دیتی تھیں صاف اور قریب نظر آتی ہیں اور زندگی کی خوشی اور لطف مصیبت اور تکلیف کی حقیقت اوس پر کھل جاتی ہے۔ اور چون وہ دنیا میں قدم بڑھاتا ہے ہر قدم پر اوس کا علم اور اوس کا تجربہ اوس کی رہنمائی کرتا ہے۔ جن لوگوں کے تجربہ ایسے اعلیٰ اور جن کا علم ایسا وسیع ہو دراصل وہ عالم کہلا بنے کے مستحق ہیں۔

کائنات کا مدرسہ بھی چشم حقیقت سے دیکھنے والے کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ جو لوگ مطالعہ فطرت کا شوق رکھتے ہیں ان کے خیالات بہت وسیع اور ان کے مذاق بہت اعلیٰ ہو جاتے ہیں۔ جو نوجوان علی الصبح یا شام کو کسی سنان اور سرسبز مقام میں صرف سیر کرتے ہیں ان کو کہی کہی ایسا معلوم ہوتا ہے گویا دماغ کے کوڑا کھل گئے اور اوس میں عجیب تازہ معلومات پیدا ہو گئی۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے لیکن بیشک ایسا معلوم ہوتا ہے گویا روح بشارت ہوتی ہے اور نظر عینی اور حقیقت میں ہو جاتی ہے طبیعت میں نئی باتوں کے دریافت اور معلوم کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے جو چیزیں کہ چشم بصیرت پر پردہ ڈالے ہوئے تھیں وہ مفقود ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح موجودات عالم کی ہر شے کو بنظر غور و تعمق دیکھنے سے معلومات کا نیا ذخیرہ ملتا ہے واقعات طرح طرح کی جہانی صورت میں سامنے آتے ہیں اور بہت سی حقیقتیں کھلے ملتی ہیں جو اور طرح اس آسانی سے نہ معلوم ہوتیں اسی کا نام ”مشاہدہ“ ہے۔

جس شخص نے کہی آنکھ کھول کر کسی کان کی شکل نہ دیکھی ہو اوس کو علم معدنیات کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اسی طرح علم نباتات علم حیوانات۔ علم طبقات الارض۔ علم کیمیا تعمیرات۔ نقشہ کشی۔ مصوری اور تمام فنون لطیفہ کا حال ہے کہ ان کا کمال مشاہدہ پر منحصر ہے اور جس شخص میں مشاہدہ کی قوت نہیں اوس کو ان علوم کے اصول جانتے اور بناتے یکساں ہیں۔ افسوس ہے کہ انسان کو دنیا میں آنکھیں دی گئی ہیں لیکن وہ موجودات کی حقیقت کو نہیں دیکھتا اور یہ نقص مشاہدہ کی قوت کے نہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ دنیا

میں ہزاروں بلکہ لاکھوں نادرجیزین ہیں کہ سرسری نظر سے اون کی صورت دیکھ لینا کام نہیں آتا بلکہ اون کی ماہیت معلوم کرنی چاہیئے۔

علم کی فہمی

کسی چیز کے حسن کو دیکھنے یا کسی خوش آواز کو سننے کے لیے صرف انکھوں اور کان ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ روح کی ضرورت ہے جو درکات حسی اور عقلی کو لطف اور حظ کو حاصل کر سکتی ہے اور روح جس قدر زیادہ پاک جس قدر زیادہ منترہ جس قدر زیادہ بلند ہوگی اسی قدر درکات کا احساس اور احساس کی لذت زیادہ ہوگی اور چونکہ علم روح کو ترقی دیتا ہے لہذا وہ درکات کے لطف کے بڑھانے میں بھی مدد ہے۔ اگر ایک نادان بچہ یا جاہل شخص کائنات قدرت کا نظارہ کرے یا کسی فاضل کا کچھ سننے تو اسے کیا اچھا معلوم ہوگا لیکن اگر ایک پڑھے لکھے صاحب استعداد شخص کو ایسا موقع ملے تو وہ بہت سی نئی معلومات سے اپنا دامن بھر لے گا۔ اور اس طرح ادراک محاسن سے اسے خوشی حاصل ہوگی اگر کسی شخص کی قوت ادراک اتنی قوی نہ ہو جیسی کہ ایک فلسفی کی ہوتی ہے لیکن اس کے دل میں تھوڑی بہت علم کی روشنی ہو اور اسے بہ معلوم ہو کہ قواء دماغی کو کیونکر کام میں لاتے ہیں تو اسے تمام صور محسوسات اور معقولات میں بے انتہا دل چسپی کے سامان ملین گے مخلوقات عالم کی ماہیت فنون و حرفت کا کمال و ترقی نظم کی بلند خیالی اور نزاکت۔ تاریخی واقعات و سوانحات۔ زمانہ موجودہ اور گزشتہ انسانوں کے اومناع و اطوار وغیرہ کل باتیں اس کے لیے ایک وجدانی مسرت کا سامان ہونگی۔ جو لوگ علم طبیعیات۔ علم کیمیا۔ علم نباتات علم حیوانات یا کسی سائنس سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سائنس زندگی کی دلچسپی اور اس کے آرام کو کس قدر بڑھاتا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ سائنس غیر دل چسپ مضمون ہے غلطی ہے بلکہ سائنس کی دل چسپی نے اس کی مشکلات کو سہل کر دیا ہے اور عام فائدوں نے دنیا کے آرام و آسائش کے سامان اور سہولتوں کے پیدا کرنے میں بہت مدد دی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو نباتات یا تعمیرات سے ناواقف ہے کسی عمدہ درخت یا پہول یا نئی عمارت کو دیکھے تو جو دل چسپی اس کو حاصل ہوتی ہے وہ ادن لوگوں کو

نہیں حاصل ہوتی جو ممکنات کے علم سے جاہل ہیں۔

سائنس

سائنس مشاہدہ کی قوت کو تیز اور مکمل کرتا ہے۔ اشیاء موجودات اور تغیرات عالم کو سب ہی دیکھتے ہیں لیکن اکثر لوگوں میں مشاہدہ کی قوت نہیں ہوتی اور وہ نہیں جانتے کہ خاص خاص نتائج کیوں پیدا ہوئے لیکن سائنس دان آدمی کا مشاہدہ صحیح نتیجہ نکال لیتا ہے وہ علت و معلول کے تعلق اور سلسلہ کو جانتا ہے اور اپنے مشاہدہ سے اس سلسلہ کا کوئی لگاؤ لگاتا ہے وہ موجودات کے انتظام اور تعلقات و روابط سے واقف ہوتا ہے اور اس طرح اپنے دلائل سے بہت جلدی صحیح نتیجہ پہنچ جاتا ہے۔

سائنس کی قوت

سائنس کے جاننے سے صرف حسن و آرائش ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ قوت حاصل ہوتی ہے وہ قومیں جو آج سائنس سے کام لیتی ہیں ترقی کے آسمان کا تارہ بن رہی ہیں۔ یہ سائنس ہی کا نتیجہ ہے کہ سمندرون میں جہاز اور خشکی پر ریلین دوڑ رہی ہیں اور جو مسافت پہلے برسوں میں طے ہوتی تھی اب گھنٹوں میں گزر جاتی ہے۔ عالم مسافت میں جن احباب کے مرنے جینے کی خبر ہی نہ معلوم ہوتی تھی اب تار بقی (تکرام) کے ذریعہ سے ان سے ہر وقت باتیں کر سکتے ہیں۔ ٹیلیفون میں ہر وقت بالمشافہ باتیں کر نیکالطف حاصل ہے۔ سائنس نے قدرت کی اون اشیاء کو انسان کا محکوم بنا دیا ہے جو انسان کے وہم و خیال سے بھی بالاتر تھیں۔ اب آفتاب کی کرن دو ستون کی عکسی تصویر بنی جاتی ہے۔ اور آواز فونو گراف کے پردوں میں مقید ہو جاتی ہے تاکہ جن شیریں زبانوں کے لب و لہجہ سے محبت ہے ہر وقت اون کی آواز بے منت سن سکیں۔ سائنس نے خرد میں اور دور میں ایجاد کی اور دور و پاس کی ہر ایک چیز کی حقیقت کا پردہ فاش کر دیا۔ سائنس کی قوت کی ادنیٰ کرامت یہ ہے کہ لاکھوں کرڈروں میں کا بوجہ جراثیم میں تنگے کی طرح اوٹھالیتا ہے بجلی کی روشنی چاندو سورج کو شرماتی ہے اور رات کو دن کر دکھاتی ہے۔ سائنس نے انسانی محنت اور محکیمت کے کم کرنے میں بڑی مدد دی ہے جو کام وہ برسوں میں پورا کرتا تھا اس سے اچھا گھنٹوں میں تیار کرتا ہے۔ سیکڑوں اور ہزاروں طرح کی مشینیں ایجاد کیں

جو ایسے ایسے نادور کام کرتی ہیں کہ انسان کے ہاتھ بمشکل ویسا بنا سکتے ہیں اور اس قدر کم عرصہ میں بنانا تو ناممکن جو آج اس سائنس کے طفیل سلطنتیں تہی ہوئی ہیں اور اس کے سبب سے ہزاروں میل دور ملکوں پر حکمرانی کرتی ہیں سائنس کی مدد سے انسان ایسے ایسے کام کرتا ہے کہ بادی النظر میں معجزہ اور کرامت معلوم ہوتے ہیں اور سائنس ہی وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا قوت ہے۔ اور ابھی انسان نے سائنس کے مسائل کو معلوم کرنا شروع ہی کیا ہے اور موجودات عالم کی بے انتہا حقیقتیں ابھی معلوم نہیں۔ علم کا ایک بے پایان سمندر موجود ہے جس کی تہ میں معلومات کے بیش بہا موتی چھپے ہوئے ہیں۔

علمی تحقیقات

تمام علوم میں اس طرح ترقی ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی چیزوں کا غور و غوض سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور ذرہ برابر دریافت کو نہایت احتیاط سے قائم رکھتے ہیں۔ یہہ دریافتیں دوسری جدید معلومات سے مل کر رفتہ رفتہ ایک علم بن جاتی ہیں اور جب اون کو عملاً کام میں لایا جائے تو غضب کے کرشمہ دکھاتی ہیں۔ ریاضی کے سارے اصول ایک دن میں نہیں معلوم ہو گئے تھے اور ابتدا میں جو اصول دریافت کئے گئے وہ بے کار اور فضول معلوم ہوتے تھے لیکن جب اون کی تکمیل ہو گئی تو آج اون کی بدولت جرنیفل کے عمل ہوتے ہیں اور تراشہا می مخروطی کے اصول پر قطب نما بنتے ہیں جس کے طفیل جہازوں کو ناپید اکنار سمندر میں راستہ ملتا ہے۔

سائنس کی تعلیم

سائنس قومی ترقی کا زینہ ہے اور ملک کی رفاه و بہبودی ترقی مقول سائنس پر منحصر ہے۔ افسوس ہے کہ ایسی ضروری چیز اور اسی کی تعلیم سے ہمارے ابنائے ملک کو بے پروائی اور بے اعتنائی ہے۔ ملک کے نوجوانوں کو اس طرح تعلیم دینی چاہیے کہ وہ موجودات کی حقیقت اور ماہیت کو سمجھنے لگیں اور نئی نئی چیزوں کی ایجاد اور مسائل سائنس کے دریافت کرنے میں اون کو دل چسپی اور خوشی حاصل ہو وہ ملک کی تاریخ پر فخر کریں اور اپنے ملک کی عظمت و شان کے گیت گائیں۔ مدارس کی یہ تعریف بہت کم ہے کہ وہاں چند خشک اور بد مزہ مضامین پڑھائے جاتے ہوں بلکہ اگر مدارس اپنا فرض

اداکرنا چاہتے ہیں تو طالب علموں کو اس طرح تعلیم دین کہ وہ دانشمندی کے اون کاموں کی قدر کرنا سیکھیں جو ادنیٰ اعلیٰ امیر و غریب سب کے لئے یکساں مفید ہیں اور سب کو یکساں خوشی بخشتے ہیں ملک میں عالی شان اور اونچے اونچے مکان بنانا مفید نہیں بلکہ مکافون کی چستیں بلند کرنے کے عوض لوگوں کے خیالات بلند کرنا زیادہ بہتر ہے۔

۲۔ اشاعتِ علوم

علم و عالم

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حقائق موجودات کا علم ہی وہ چیز ہے جس پر صحیح صحیح اَلْعِلْمُ قُوَّةٌ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں تلگرام ٹیلیفون ریل وغیرہ سب سائنس کے ادنیٰ کرشمہ ہیں۔ پولیٹیکل اکائی نے تجارت اور قومی دولت کی ترقی میں بے انتہا مدد دی ہے۔ ڈاکٹری اور طب کے طفیل ہزاروں بلکہ لاکھوں مریض روزِ شفا پاتے ہیں انجینئرنگ۔ بوٹانی۔ اگرچہ کچھ وغیرہ نے اپنے اپنے متعلقہ کاموں میں ایسی مدد دی ہے کہ ان فنون کے جاننے سے انسان کے ہاتھوں میں دیو کی طاقت آگئی۔ فنِ حرب نے دنیا میں زلزلہ ڈال دیا ہے ملک اور قوم کی حفاظت اور مخالف کے استیصال میں کیا کچھ نہیں کیا قس علیٰ ہذا پس ظاہر ہے کہ جس قوم کے بہت سے افراد میں علم کی طاقت ہوگی وہ قوم کیسی زبردست کیسی طاقتور اور کس رتبہ ترقی پر پہنچی ہوگی کسی قوم کے ترقی یافتہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ بہت سے افراد میں کمال کا جوہر موجود ہو نہ علم کے یہ معنی ہیں کہ حروف کی خاص شکلوں اور کسی زبان کے الفاظ کے خاص معنی سے واقفیت ہو بلکہ اگر کسی شخص کو بالکل سہی لکھنا پڑھنا آتا ہو تو ممکن ہے کہ وہ عالم ہو۔ مثلاً ایک باغبان جسے اپنے فن میں عمدہ نگاہ حاصل ہے اور جسے ان اصول سے پوری واقفیت ہے جو فنِ باغبانی کی کتابوں میں مصنفوں نے اس ہی کی طرح تجربہ کر کے درج کیے ہیں اس پر سے لکھے شخص سے اس فن میں زیادہ عالم ہے جسے باغبانی میں بالکل واقفیت نہیں۔ اس طرح عمدہ معمار۔ مصور۔ لوہار۔ بڑھئی۔ سنگ تراش۔ سنار۔ اور تمام صنّاع جو اپنے اپنے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اس فن کے عالم ہیں اگرچہ وہ نوشتہ خواندہ سے عاری ہوں یا اس میں بہت کم استعداد رکھتے ہوں اور ان لوگوں کا وجود بھی

قوم کی ترقی اور ملک کی سہوودی کے لیے نہایت ضروری ہے اور کتابوں میں ان فنون کے اصول مدون کرنے سے یہ مطلب ہے کہ دوسرے لوگ یا آئندہ نسلیں ان تجربوں سے آسانی سے اچھی طرح واقف ہو کر اپنے نئے تجربات کا علم زیادہ کریں اور اس طرح یہ فن روز بروز زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے ایک شخص کے تجربہ کا جاننا دوسرے کے لیے علم ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنے تمام علم حاصل کرنے کے لیے خود ہی تجربہ کرنے پڑیں تو دنیا میں علم کی مقدار بہت ہی کم رہ جائے گی اور شاید کوئی شخص یا کوئی فن ابتداء میں مرتبہ سے زیادہ ترقی نہ کر سکے اور اس سبب سے جن لوگوں نے کسی خاص فن کی اشاعت میں بخل کیا اور اسے اپنے ہی لوگوں اور اپنے ہی خاندان میں محفوظ رکھنے کے لیے سینہ پسیہ تلقین کیا۔ رفتہ رفتہ وہ فن ہی اوس قوم سے جاتا رہا پس قومی ترقی کے لیے ضرور ہے کہ علوم و فنون کی اشاعت بھی کی جائے اور قوم کے مختلف افراد اپنے اپنے مذاق کے موافق مختلف علوم و فنون میں تحصیل اور کتاب کمال کریں اس کے لیے سب سے پہلے ضرورت یہ ہے کہ بہت سی تعلیم گاہیں قائم کی جائیں اور ان میں عام طور پر ہر شخص کو اوس کے مذاق کے موافق ایک خاص علم اور خاص فن کی تعلیم دی جائے آج کل بہت سے مدارس دیہات اور قصبہات تک میں قائم کیے گئے ہیں اور داخلہ کی عام اجازت بھی دی گئی ہے لیکن ان میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی نصاب کی تعلیم دیتے اور طلباء کے مذاق اور میلان طبع کا بالکل خیال نہ کر کے مختلف علوم کی ابتداء میں پڑھاتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مدارس میں پڑھنے والوں کی بہت سی جماعت بیکار ثابت ہوتی اور جو وقت کہ ان مختلف علوم میں جن کی طرف طالب علم کا میلان تھا صرف ہوا سب بیکار گیا۔ بلکہ ان علوم کے اکتساب کے مشاغل نے اوس خاص علم کے کما حقہ حاصل کرنے سے محروم رکھا جس کے واسطے قدرت نے اوسکی طبیعت مناسب بنائی تھی۔ علاوہ ازیں سولے علم اخلاق کے اور کوئی تعلیم مہی کیون نہ ہو خواہ کتنی ہی مفید اور ضروری ہو تمام اشخاص کے لیے مفید اور ضروری نہیں ہو سکتی اور بالآخر

اس میں اور
اوسکی تعلیم

ایسی تعلیم کا نتیجہ بے قدری اور تنزل ہوگا۔ اور یہ نتیجہ آج کل کے مدارس کے تعلیم یافتہ اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نصاب تعلیم کے نقص جتنے اگرچہ ضروری ہیں لیکن چونکہ اس مضمون کی بحث سے خارج ہیں اور ان پر بہت کچھ رد و قدح کیا جا چکا ہے لہذا صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ اگر یہ تعلیم صرف قوائد و معانی کے تیز اور روشن کرنے کے لئے دی جاتی ہے تو یہی اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر کسی شخص کو اوسے مناسبت طبیعت کسی خاص علم کی کما حقہ تعلیم دی جائے تو اوس تعلیم سے بھی یہ نتیجہ بہت اچھی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ غرض ملک میں مختلف علوم و فنون کے بہت کثرت سے مدارس قائم کیے جائیں۔ اور ہر طالب علم کو اوس کے مذاق کے موافق صرف ایک فن میں صاحب کمال بنانے کی کوشش کی جائے۔ یہ صاحب کمال ایک ایسا شخص ہو گا جو اپنی اعلیٰ اور محققانہ تعلیم اور تصنیف سے بہت سے ایسے صاحب کمال پیدا کریگا اور اپنی کامل قابلیت سے اس فن کو اور ترقی دیکے۔ ایسے مدارس کے داخلہ کے لئے فضول شرائط اور غیر ضروری قیود نہ لگائے جائیں۔

ملکی زبان
میں تعلیم

دویم تعلیم ملک کی زبان میں ہو۔ ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں بہت سی مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور بدقسمتی سے ان میں ایک ہی علمی زبان نہیں۔ فصاحت و بلاغت کی دیسی سنسکرت آج مردہ زبان ہے۔ عربی جو مسلمانوں کی زبان ہے جس میں علوم و فنون کے خزانہ موجود ہیں اور جس میں ہر مضمون کو کما حقہ ادا کرنے کی قوت ہے ہندوستان کے مسلمانوں سے کنارہ کش ہے۔ اردو ابھی عالم طفولیت میں ہے لیکن مبصر جانتے ہیں کہ اس نو نہال ہی میں ایسے آثار نمایاں ہیں کہ سارے ہندوستان پر ملکی زبان کی حیثیت سے حکمرانی کی قابلیت رکھتا ہے اور آج اس ہی میں علمی زبان بننے کی قابلیت ہے پس جو لوگ ہندوستان میں اشاعت علوم کے شائق ہیں انہیں اردو کو علمی زبان بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور دنیا کی مختلف زبانوں سے ہر علم اور ہر فن کی کتابیں اردو میں ترجمہ و تالیف کرنی چاہئیں۔ یہہ عذر کہ اردو میں علمی اصطلاحات کے ادا کرنے کی قوت

نہیں لائق تسلیم نہیں ہے کوئی زبان شروع سے علمی زبان نہ تھی مصنفین ہی نے
 اسے بڑایا اور درجہ کمال تک پہنچایا۔ جب نئے نئے علوم و فنون آتے ہیں
 تو ان کے ساتھ نئے نئے الفاظ نئی نئی اصطلاحیں بھی آجاتی ہیں اور اس طرح
 زبان میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت انگریزی یا کسی غیر زبان کا حاصل
 کرنا اور اس کے بعد کسی فن کی طرف متوجہ ہونا بہت مشکل کام ہے اور غیر زبان
 کے حاصل کرنے میں اس قدر وقت صرف ہو جاتا ہے کہ پھر فن کے حاصل کرنے کی
 مہلت نہیں ملتی۔ اگر اپنی زبان ہی میں علوم و فنون موجود ہوں تو اگر کوئی شخص باقاعدہ
 طور پر مدارس میں تعلیم حاصل نہ بھی کرے تو بھی وقت بوقت بہت کچھ سیکھ سکتا ہے
 اور بہت کم عمر میں اور بہت سے لوگوں کو وہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے جو اب بہت تھوڑے
 لوگوں کو بھی بہت سی عمر صرف کر کے نہیں حاصل ہوتا۔ اگر گورنمنٹ نے اس طرح
 توجہ کی ہوتی اور اردو زبان میں علوم و فنون مدارس میں پڑھائی تو آج کو اردو کا پایہ
 کہیں سے کہیں بلند ہوا ہوتا صرف دفاتر میں اردو جاری کرنے کے بجائے اردو کو
 اتنے تھوڑے عرصہ میں اس درجہ پر پہنچا دیا تو کاجون اور مدارس میں اردو تعلیم سے
 کیا اس نے علمی زبان بننے کا درجہ حاصل نہ کر لیا ہوتا لیکن جب اردو میں علوم کی
 تعلیم ہی رائج نہیں تو کسی شخص کے دل میں اردو زبان میں تصنیف کرنے کی تحریک
 کیونکر پیدا ہو۔ ہندوستانی زبان کی ڈکشنری میں ریل۔ اسٹیشن۔ انجن ٹکٹ۔
 پلیٹ فارم وغیرہ الفاظ بالکل موجود نہ تھے لیکن جب ہندوستان میں ریل چلانے کی
 ضرورت ہوئی تو شاید ایک دن ہی ان الفاظ کے موجود نہ ہونے سے ریل کی رفتار میں
 ہرج واقع نہ ہوا اور اب اس قسم کے سیکڑوں الفاظ ہیں جو محکمہ ریل یا تار یا ڈاک وغیرہ
 سے تعلق رکھتے ہیں اور اردو الفاظ کی طرح ملک میں رائج ہیں اگر علوم و فنون جدید بھی
 اردو میں نقل کیے جائیں تو کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اردو میں فنون جدیدہ کے اصطلاحات
 کی عدم موجودگی رائج ہو سکے گی۔ غیر زبان خواہ کسی قدر وسیع کیوں نہ ہو ملک میں ان کے
 جاننے والے کتنے ہی موجود کیوں نہ ہوں بلکہ زبان نہیں بن سکتی اور ہر شخص اس سے

فائدہ نہیں حاصل کر سکتا آج سے صرف ساٹھ برس پہلے کی بات ہے کہ دفاتر سرکاری اور خانگی خط و کتابت میں بھی زبان فارسی استعمال ہوتی تھی۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کے پورے چہرے سو برس کے زمانہ میں فارسی نے ادنیٰ اور اعلیٰ کی زبان پر قبضہ کر رکھا تھا لیکن آج فارسی کس حالت میں ہے؟ غرض صرف ملک ہی کی زبان جب تک علمی زبان نہ ہو اور اس میں کثرت سے ہر علم فن کی کتابیں موجود نہ ہوں اشاعتِ علوم محال ہے۔

تصانیف

سوم۔ ہر علم و فن کی کتابیں کثرت سے تصنیف کی جائیں اور جہاں تک ممکن ہو اربابِ قیمت پر فروخت ہوں۔ ہندوستان میں اعلیٰ تصنیف اور مصنف دونوں کی کمی ہے۔ بہت سے جدید علوم یورپ کی زبانوں میں ایسے ہیں جن کی ایک ابتدائی کتاب بھی ہمارے کسی اعلیٰ مصنف نے تصنیف نہیں کی دران حالیکہ وہ ان اوس مضمون پر چوٹی بڑی صد ہا کتابیں نہایت قابلیت اور تحقیق سے لکھی جا چکی ہیں۔ یورپ کے کتب فروش اور صاحبِ مطابع وہاں کے علوم و فنون کی اشاعت میں جس قدر مدد دیتے ہیں اور اپنے ملک کے مصنفین کی جیسے قدر کرتے ہیں احمدستان کی کوئی ریاست بھی ویسا نہیں کرتی۔ وہاں خود صاحبِ مطابع طرح طرح کے عمدہ سیریز (سلسلہ) شائع کرتے ہیں جس میں بڑے بڑے مصنفین حصہ لیتے ہیں اور یہ سیریز (سلسلہ) کوڑیوں کے مول فروخت ہوتے ہیں۔ وہاں کی علمی سوسائٹیاں علمی تحقیقات میں لگی ہوئی ہیں اور ہر ملک و ہر قوم سے علم کا ذخیرہ لیکر اپنے خزانہ میں بھر رہی ہیں۔ دران حالیکہ ہندوستان میں ایک جماعت بھی ایسی نہیں ہے جو متحدہ طور پر علمی تحقیقات اور اس کی اشاعت میں مصروف ہو اگر ہم نئی تحقیقات نہ بھی کریں تو اتنا تو کریں کہ جو کچھ وہ علمی سوسائٹیاں جدید تحقیقات کریں اوسے ذریعہ ترجمہ یا تالیف اپنی زبان میں منتقل کر لیں اور بیشک نئی تحقیقات کرنے کی قابلیت تو ہم میں بہت عرصہ میں ہوگی اول تو موجودہ ذخیرہ کو اپنے قبضہ میں کرنا ہی بہت بڑا اور بہت مفید کام ہے قوم کی موجودہ حالت سے امید نہیں ہے کہ وہ غیر گورنمنٹ کی استعانت کے کچھ کر سکے البتہ اگر گورنمنٹ ذرا بھی توجہ کرے تو یہی لوگ سب کچھ

کرنے کے قابل ہو جائیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے کسی خاص کتاب یا کسی خاص فن کے ترجمہ یا تالیف کی نسبت اشارہ ہونا کافی ہے لوگ خود اوس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور تہوڑے عرصہ میں بہت کچھ کر لیں گے۔ طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ کسی خاص کتاب کے ترجمہ کے لئے ہشت تہار دیگر مختلف نمونوں میں سے ایک نمونہ انتخاب کیا جائے اور اوس شخص سے ساری کتاب کا ترجمہ کرایا جائے اگر کسی فن میں کوئی تالیف مطلوب ہے تو لوگوں کو کمپٹیشن (منافست) کا موقع دیا جائے۔ اور سب سے اعلیٰ کتاب لکھنے والے کے لئے کوئی مناسب انعام مقرر کیا جائے اسی طرح تہوڑے عرصہ میں چند کتابیں تصنیف ہوں گی اور اون میں سے صرف ایک پر گورنمنٹ کا روپیہ صرف ہوگا۔ باقی مصنفین کو جن کی تصنیف اس قابل خیال کی جائے کچھ تہوڑا انعام یا صرف طبع کرانگی اجرت دیدی جائے کہ وہ خود طبع کر اگر فائدہ اوٹھائیں اس طرح لوگوں کے دلوں میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ اور تحصیل علم کی تخریک اور دوسروں پر علم و فضل میں تفوق حاصل کرنیکا شوق پیدا ہوگا جو کتاب گورنمنٹ خود خرید کر کے اپنے دارالاشاعت میں طبع کرالے گی اوس سے گورنمنٹ کا مالی فائدہ بھی ہے اور اس طرح تہوڑے عرصہ میں یہہ محکمہ شاید اس قابل ہو جائیگا کہ خود اپنے اخراجات کا کفیل ہو سکے اور صرف گورنمنٹ کا نام اور نگرانی کا محتاج رہے۔

یہ چارم۔ کتابوں کی قیمت جہاں تک ممکن ہو کم رکھی جائے تاکہ غریب شوقین لوگ بھی باسانی خرید سکیں اور ہر شخص فائدہ اوٹھاسکے اور ہر اعلیٰ اور علمی کتاب کا ایک رزان اوڈیشن ضرور شائع کیا جائے۔

کتاب کی قیمت

کتاب خانہ

پنج ملک میں ایسے کتب خانہ بھی ہوں جن میں ہر زبان اور ہر فن کی عمدہ عمدہ تصنیف جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور ایسی قدیمی کتابیں بھی جو اب کیا ب میں جمع کی گئی ہیں ہر شخص کو بلا فیس داخل ہونے اور مطالعہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ مصنفین اور عام طلبہ کو کسی ایسی کتاب کے مطالعہ میں ذرا وقت نہ ہو جو وہ کسی وجہ سے نہیں حاصل کر سکتے۔ ہندوستان کے تمام مصنفین اور اہل مطابع کے ذمہ لازم کر دیا جائے کہ جو نئی کتاب

وہ شائع کریں اوسکی ایک جلد کتب خانہ میں داخل کریں۔

ملک میں مدارس اور کتب خانہ قائم کرنے سے کچھ ہی فائدہ نہیں ہے کہ لوگ حرفت آشنا بن کر خانگی اور دفاتر کے کام انجام دیں گے بلکہ اونکی عقل اون کے دل و دماغ علم کی روشنی سے ایسے منور ہو جائیں گے جن سے اونکی تمام زندگی مسرت بخش ہو راعلیٰ ہو جائے گی خصوصاً ایسے بڑے شہروں میں جہاں لوگ تجارت یا خاص خاص صنعت و حرفت زیادہ کرتے ہیں عام کتب خانوں کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ وہ تمام دن ایک ہی مشغلہ میں زیادہ لگے رہتے ہیں اور چونکہ اس سے اکتساب معاش ہوتا ہے اون کی عمر ہی اوس کام میں صرف ہو جاتی ہے ان کے لئے اس سے بہتر دوسرا دلچسپ اور مفید مشغلہ نہیں ہے کہ فرصت کا وقت کتاب بینی میں صرف کریں۔

ششم لیکچر۔ ہر فن کے صاحب کمال کبھی کبھی اپنی معلومات کا اظہار بذریعہ لیکچر کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ عام جلسوں میں لیکچر سننے سے لوگ ایسی بہت سی باتوں سے واقف ہو جاتے ہیں جو اوس سے پہلے اون کو معلوم نہ تھیں اور پہرہ سخی ہوئی باتیں کبھی نہیں ہو لیتیں اور سامعین کے دل میں اوس علم کے حاصل کرنے اور اوس میں کمال حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

ہفتم۔ ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے کہ تعلیم لازمی قرار دینا کس طرح ممکن ہے اور وہ تعلیم کیا ہونی چاہیے اور اوس کا نتیجہ کیا ہوگا اگرچہ میراول یہ نہیں چاہتا کہ کسی غریب آدمی کو اگرچہ وہ خاکروب ہی کیوں نہ ہو ذلیل کہوں یا کسی پیشہ کو جس میں دیانتداری سے اکتساب معیشت ہوتا ہے بتدل بتاون لیکن دنیا میں ضرورتاً ایسے لوگ پیدا کیے گئے ہیں جن کی حالت اس سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتی لیکن ان کے علاوہ ہر شخص کو بلکہ شاید ان کو بھی ابتدائی تعلیم دینی مفید ہوگی اور یورپ کی جن قوموں نے تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے اونہوں نے اس سے بہت فائدے اٹھائے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے بہت سے مدارس قائم کرنے پڑیں گے اور نہ صرف تعلیم ہی بغیر فیس دینی ہوگی

لیکچر

جبری تعلیم

بلکہ شاید کچھ اس سے زیادہ باریک گرنٹھ کو اوٹھانا پڑے۔

یہ تعلیم جہاں تک ممکن ہو بہت کم عرصہ میں ختم ہونی چاہیے اور نہایت ضروری معلومات اس زمانہ میں پیدا کی جا سکیں۔ ابتدائی تعلیم صرف اسی قدر ہونی چاہیے کہ انسان کو کاروباری آدمی بنانے کے یعنی ماورسی زبان میں اس قدر مہارت کہ تحریر و تقریر اور ادائی مطلب پر قدرت حاصل ہو اور نیز اصول علم حساب کہ دنیا کی معاملات میں غلطی نہ کرے۔ اوس کے بعد ہر شخص اپنی معلومات اور میلان کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرے یا نہ کرے یہہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم کا لازمی قرار دینا اہل حرفہ کو اپنے فن میں مہارت حاصل کرنے سے باز رکھے گا اور تعلیم یافتہ اشخاص کی کثرت کا جو نتیجہ آج ہے اوس سے اور بدتر ہو جائیگا۔ لیکن یہ خرابی اوس صورت میں واقع نہ ہوگی جب یہ خیال رکھا جائے کہ ابتدائی لازمی تعلیم میں اس قدر کم زمانہ صرف کیا جائے کہ اکتساب فن میں باہج نہ ہو اور تعلیم کاروباری آدمی بنانے کے لیے دی جائے تاکہ وہ اوس فن میں اور ترقی کر سکیں اور اپنے کاروبار کو بخوبی سنبھال سکیں۔ موجودہ طرز تعلیم میں یہ خرابی ہے کہ اوس میں عمر کا بہت سا حصہ صرف ہوتا ہے اور ابتدائی میں وہ علوم شروع کر اوسے جاتے ہیں جو کاروبار میں زیادہ مدد نہیں دیتے اس طرح ضروری تعلیم ہی ایک اتنے عرصہ میں جا کر ختم ہوتی ہے جب عمر اور قوادوسرے فن کے اکتساب کے لائق نہیں رہتے۔ قدرت کا فیض کسی کے لیے بند نہیں ہے اور اوس نے غریب آدمیوں کو بھی قواد عقلی اور دماغی اعلیٰ اعطا فرمائے ہیں۔ لیکن اون کی زودہ حالت اور جہالت کے سبب نہ اون قواد میں جلا ہونے پاتی ہے نہ اوس کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح ہر شخص اپنے قواد باطنی کو کام میں لاکر اوس درجہ تک ترقی کر سکے گا جو قدرت نے اوس کے واسطے معین فرمایا ہو۔

ہشتم۔ ابتدائے لیکر انتہا تک ہر فن کی تعلیم اپنے ہی ملک میں ہو۔ ہمارے زمانہ میں اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لیے ولایت جانا پڑتا ہے لیکن یہ امر اشاعت اور ترقی علوم میں بہت مانع اور نہایت باہج ہے وہاں جا کر رہنے اور تعلیم حاصل کرنے کے

اپنے ملک میں
تعلیم

موقع اوس ہی شخص کو مل سکتے ہیں جو اس قدر وسیع فرصت اور بڑی استطاعت رکھتا ہو اگرچہ اوس کی قابلیت اوس غریب شخص سے کم ہو جو صرف کم استطاعت کی وجہ سے وہاں جانے سے محروم رہ گیا اور اگر اوس کو موقع ملتا تو اوس شخص سے زیادہ ترقی کرتا۔ اگر ان درجوں کی تعلیم جو ولایت میں محدود رکھے گئے ہیں ہمارے ملک میں دی جائے تو ہر شخص کو داخل ہونے اور ترقی کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور اب کی نسبت ہزاروں قابل آدمی ہمارے ہاں زیادہ ہو جائیں۔ یہ عذر کہ یہاں ویسے کالج اور پروفیسر نہیں ہیں قابل تسلیم نہیں۔ کالج قائم کیے جائیں اور ویسے ہی لائق پروفیسر ملائے جائیں نیز ہسپتال عرصہ میں خود ہمارے ہاں ایسے لائق آدمی پیدا ہو جائیں گے جو پروفیسری کی کرسی کے شایان ہوں۔ ہوا اور ابر کا فیض کسی کے لیے بند نہیں ہے علم کہ غذائی روح ہے کسی کے لیے بند نہ ہونا چاہیے۔

۳۔ تعلیم نسوان

موجودات عالم میں کوئی شے اوس وقت تک کامل نہیں خیال کی جاسکتی جب تک اوس کے تمام اجزاء کامل نہ ہوں اگر کسی لپ کی جمنی ٹکنتہ یا میلی ہو تو خواہ وہ کیسا ہی قیمتی اور خوشنالمپ ہو اوس کی روشنی پوری صاف نہ ہوگی۔ انسان کیسا ہی عالی خاندان کیسا ہی نجیب الطرفین اور دولت و ثروت و حکومت کے لحاظ سے کیسا ہی عالی متکبر نہ ہو بلحاظ شرافت اوس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اوس کا دماغ علم کی روشنی سے منور نہ ہو۔ جب تک اوس کے اخلاق و فضائل مسلمہ عمدہ اور قابل تعریف نہ ہوں کوئی انسان کیسا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اوس کی صحت کامل نہیں تسلیم کی جائیگی جب تک اوس کے تمام اعضا اپنا کام اچھی طرح نہ ادا کرتے یا نہ ادا کر سکتے ہوں یہی حال قوم کا ہے کہ کسی قوم کا تمدن اوس وقت تک اعلیٰ نہ ہو گا جب تک کہ اوس کے اکثر افراد میں اعلیٰ قابلیت نہ ہو اور کوئی قوم برگزیدہ شریف اور ترقی یافتہ نہیں ہو سکتی جب تک اوس کے اکثر افراد روشن خیال نیک صفات اور دانشمند نہ ہوں۔ انسان کا گروہ مرد اور عورت سے مرکب ہے اور ان کے تعلقات استعدادی ایسے ضروری اور با اثر ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے

کمال کی ضروری
شرط

مرد و عورت

کے بغیر ناممکن ہے۔ ایک کی آسائش خوشی انتظام۔ بقا دوسرے پر منحصر ہے اور کوئی گھر جس میں صرف دو آدمی رہتے ہوں اس وقت تک گھر نہیں کھلایا جاسکتا جب تک انہیں سے ایک عورت نہ ہو پس انسان کا گروہ اس وقت تک شایستہ مہذب ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا جب تک یہ دو افراد انسانی باہم ترقی نہ کریں۔ عورت و مرد ایک تصویر کے دو رخ ہیں اور دونوں کی خوبی تصویر کا حسن ہے جس طرح قوار انسانی کی تہذیب کیلئے دل و دماغ دونوں کی قوتوں کی نگہداشت کرنی پڑتی ہے اسی طرح سوسائٹی کی تہذیب کی واسطے عورت و مرد دونوں کی تعلیم کی حاجت ہے۔ مرد و عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیہ ہیں اور منزل مقصود تک صحیح و سلامت پہنچنے کے لئے دونوں پہیوں کا استحکام لازم ہے۔ جو لوگ صرف مردوں کو تعلیم دیکر قوم کو ترقی دینا چاہتے ہیں وہ شاید یہ امید رکھتے ہیں کہ پرندہ ایک پرست آسمان پر اڑ جائیں اور گاڑی ایک ہی پہیہ سے منزل مقصود تک پہنچ جائے فطرت نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کے لئے ایک خاص غرض اور غایت معین فرمائی ہے عورتیں دنیا میں محض بیکار و فضول نہیں پیدا کی ہیں بلکہ ان کے لئے کئی کئی واسطے خاص کام ہیں اور وہ اگرچہ مردوں کے کام سے مختلف قسم کے ہیں لیکن ایسے ہی ضروری ایسے ہی لابدی ایسے ہی اہم اور ایسے ہی مشکل ہیں جیسے مردوں کے کام اور ان کاموں کے لئے تعلیم تربیت عقل و فراست پیش منی۔ انتظام کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ مردوں کو اپنے کاروبار کے لئے ان چیزوں کی حاجت ہے۔ عورتوں کے کام مرد اور مردوں کے کام عورتیں نہیں کر سکتیں اور اگر یہ تفریق اوٹھ جائے تو نظام تمدن بگڑ جائیگا بلکہ ہر ایک کو اپنے اپنے کام با حسن الوجہ پورے کرنے فرض ہیں اور تمدن کی ترقی اور قومی حالت کی رفاه بلکہ نسل انسان کی بہبودی کیلئے دونوں کی تعلیم برابر توجہ سے ہونی چاہیے عورت مرد کی ساتھی مرد کی مشیر مرد کی رازدار اور مرد کے گھر کی مالک اور اس کے ساتھ برابر کی حصہ دار ہے لیکن عورتیں مرد سے قوت و زور جسم و توانائی میں بہت کم ہیں۔ مرد کے اعضا زیادہ سخت زیادہ قوی زیادہ بڑے ہیں۔ عورت کے اوتنی نسبت چھوٹے۔ نازک۔ دُبلے پتلے۔ ہوتے ہیں لیکن اگر مرد کی دماغی قوتیں عورت کی نسبت زیادہ ہیں

عورتوں کے کام اور ان کی ضرورت

عورت کے اوصاف

عورتوں کو تعلیم
کی ضرورت

تو عورت کے دلی جذبات مرد سے زیادہ قوی ہیں۔ عقل۔ دور اندیشی تدبیر میں
خود وہ مرد کے برابر نہ ہو لیکن اوس کے دل میں محبت رحم غم غصہ خوشی۔ انفعال کا
احساس مرد کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ مرد اگر سوسائٹی کا سر ہے تو عورت دل اور
جس طرح ایک شخصی تہذیب کے لیے دل و دماغ کے قواء کی تہذیب ضروری ہے
اسی طرح نوعی تہذیب کے واسطے فرد و عورت کی تعلیم لازم ہے اور صرف یہی نہیں
کہ مرد و عورت کے دماغ اور عورتوں کے دل کی تہذیب کی جائے بلکہ اس کے عکس
عورتوں کے دماغ اور مردوں کے دل کی تہذیب کی بھی حاجت ہے بلکہ کمزور حصہ
کو تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایک مردہ دل اور بے حس شخص سوسائٹی میں
رہنے کے قابل نہیں اسی طرح ایک دیوانی عورت بھی گھر کے کام کی نہیں ہے جس
مرد کے دل میں خدا کا خوف انسانی ہمدردی۔ انصاف نہ ہو وہ خود غرض۔ آزار دہ
ہوگا اسی طرح جس عورت کے دماغ میں عقل و ذکاوت و فہم نہ ہو وہ اگر خوبصورت
خوبصورت بھی ہے تو جینی کی مورت ہے اس لیے عورتوں کی قوت عقل کو
ترقی دینے کے لیے تعلیم کی حاجت ہے۔ تعلیم سے انسان کے قواء باطنی ایسے
مکمل ہو جاتے ہیں کہ وہ مشاہدہ اور تجربہ سے صحیح صحیح نتائج استنباط کرنے کے قابل
ہو جاتے ہیں اور جو واقعات پیش نظر ہیں یا جو حالیتیں گزر رہی ہیں ان کی نسبت صحیح رائے قائم
کر سکتا اور اوس کا خیال اوسکی صحیح کیفیت ظاہر کر سکتا ہے۔ نیز وہ اپنی معلومات کے
وسیلہ سے صحیح استدلال قائم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم انسان کو اس قابل
بناتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اہم فرائض کی حقیقت کو سمجھتا اور اوس کو باحسن و جود
انجام دے سکتا ہے اس لیے عورتوں کو بھی تعلیم کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ مردوں
لیکن یہ تعلیم ایسی ہی نہیں ہونی چاہیے کہ عورتوں میں سے اوس خصوصیت بلکہ اوس
جو ہر کو کھودے جو قدرت نے مصلحتاً اُن کو عطا فرمایا ہے بلکہ یہ تعلیم و تربیت اس قسم کی ہو
کہ اگرچہ قواء دماغی کی تہذیب ہو لیکن قواء دلی کی وہ حالت جو فطرتاً ہی لگی ہے اور زیادہ
ترقی کرنے کی تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ انسان کے فطرتی خواص کو بدلے بلکہ یہ منشاء ہے

عورت کا رتبہ

عورت کی خدمات

کہ جو خاصیتیں قدر تائید الکی گئی ہیں اون میں جلا اور صقل ہو جائے اس لیے اس سے پہلے کہ یہ سوچا جائے کہ عورتوں کو کیا تعلیم دی جائے یہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا میں عورتوں کو قدرت نے کیا مرتبہ دیا ہے اور کس قسم کے کام اون کے سپرد کیے ہیں عورتیں اگرچہ مردوں کی لونڈیاں نہیں ہیں لیکن مردوں کو اون کی فضیلت حاصل ہے۔ سو سائٹی میں قدرتا عورت کا رتبہ مرد کے بعد ہے۔ **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ** بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ مرد اپنے بل پر بڑھتا اور اپنی قوت بازو پر نہروں کرتا ہے۔ مرد کو سکھایا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں صرف اپنے ہی کیے سے کچھ نہ سکتا ہے اور دنیا میں اسے بلا کسی کے سہارے کے آگے بڑھنا چاہیے لیکن عورت بلا سہارے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ضرور ہے کہ عورت اپنے باپ اپنے بھائی اپنے خاوند پر مہروسہ کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ بلکہ اس کے پیچھے پیچھے چلے اگر عورت کو بلا سہارے چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک دن میں برباد ہو جائیں اون کی فطرتی نزاکت عموماً دنیا کے حوادث اور سختیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مرد عورت کا محی فطہ ہے اور عورت مرد کی معاون۔ اور وہی تعلیم زیادہ عمرہ۔ زیادہ مفید ہوگی جو عورتوں میں اس معاونت کی قابلیت کو بڑھائے تاکہ سو سائٹی کا قوام نہ بگڑے اور ہر جنس اپنے اپنے کام کو اچھی طرح انجام دے۔ عورتوں سے یہ معاونت محبت اور مہربانی کی خدمتوں میں ظاہر ہوتی ہے نئے نئے بچوں کی پرورش آسان کام نہیں اور عورت سے زیادہ دل چسپی سے اسے کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ بیماروں کی نیار داری جس سلیقہ اور دلی جوش سے عورت کرتی ہیں اور حبیباً آرام وہ بیمار کو پہنچاتی ہیں مردوں سے ممکن نہیں۔ رنج۔ مصیبت افلاس اور سختی کے زمانہ میں عصبی تشکیں عورتوں سے بہت بختری ہے اور عصبی خاموشی اور استقلال سے وہ مردوں کا ساتھ دیتی ہیں اور صبر و برداشت کرتی ہیں وہ خاص ان ہی کا حصہ ہے۔ انتظام خانہ داری میں عورت سے زیادہ کسی شخص سے انسان کو وہ آرام و راحت نہیں مل سکتی جو عورت سے ملتی ہے اور گھر کا انتظام چھوٹی سی بات

۱۔ مرد عورتوں کے سردہرے میں اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر

عورتوں کا اخلاقی
خصوصیات

نہیں بلکہ ایسی شے ہے جس پر انسان کی زندگی بہر کی راحت خوشی بلکہ کامیابی کا دار مدار ہے اور جس شخص کے گہر کا انتظام مگر اہو ای اوس کو خواہ امیر ہو یا غریب یا مسکین چاہے عورتیں جسمانی طاقت میں مرد کی نسبت کمزور ہوتی ہیں اور اون کے بدن بچی مردوں کی نسبت نازک ہوتے ہیں اسی طرح اون کی قوت ادراک اور فہم مرد کی نسبت کم اور اون کا دل بھی کمزور یا نازک ہوتا ہے عورتوں میں حیا اور اخلاق کے حامل کرنے کی قابلیت مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اون کے مذہبی عقائد بھی مردوں کی نسبت زیادہ مستحکم اور قوی ہوتے ہیں لیکن اوہام رستی اور ضعیف الاعتقاد ہی بہت ہوتی ہے۔ عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ باعصمت اور زیادہ پرہیزگار ہوتی ہیں اور وہ اس کو اپنی غت و آبرو کا باعث خیال کرتی ہیں عورتوں میں محبت اور نفرت کے دونوں مادہ مردوں سے زیادہ ہوتے ہیں لیکن اونکی محبت یا بغض کا دائرہ وسیع نہیں ہوتا۔ قومی کاموں میں عورتیں شاذ و نادر ہی حصہ لیتی ہیں اون کی محبت اپنے بال بچوں اور گھر والوں تک محدود رہتی ہے لیکن ہمدردی اور شفقت کا مادہ عورتوں میں زیادہ تیز اور قوی ہوتا ہے اور مصیبت زدہ کے حال پر عورتوں کو زیادہ رحم آتا ہے اور اگر زدہ اوسکی مدد کرنے میں مردوں سے زیادہ تکلیف ہی برداشت کر لیتی ہیں۔ اور عام طور پر اونکی حالت کا اقتضایہ ہے کہ گھر کے کاروبار اون کے ہاتھوں میں رہے جائیں اور مرد باہر کے کام سرانجام دیں اگر عورت اور مرد کی ایک ایسی تصویر کھینچی جائے جس سے اون کے خصائل اسی طرح معلوم ہو سکیں تو مرد کی تصویر سے دلیری ہمت۔ تدبیر ظاہر ہوگا۔ اور عورت کی تصویر دکھیں تو شرم۔ حیا۔ خوف۔ بہرہ و نرم دلی پائی جائیگی۔ اور یہی ایسے صفات ہیں جو عورت و مرد میں تمیز پیدا کرتے ہیں۔ عورتیں صرف مردوں کے دل بہلانے کے لیے ہی نہیں پیدا کی گئی ہیں بلکہ وہ دنیا کے انتظام میں حصہ دار اور امن و آسائش کی کارپرداز ہیں وہ زندگی کو خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مفید اور بکار آمد بناتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اون کو دماغ اور قوت متحجذ عطا فرمائی ہے۔ اگرچہ یہ قوت مردوں کی نسبت کم ہو لیکن یہ کمی اتنی

تعلیم نسوان

کمی نہیں ہے کہ صفر کے درجہ پر ہو جو کام اون کو بطور فرض ادا کرنے پڑتے ہیں اون کے
 لئے ہمدرد دل اور فہم رسا کی ضرورت ہے۔ عورتوں کا صرف یہی کام نہیں ہے کہ وہ اپنا
 سارا وقت آرائش و نگہار میں صرف کریں اور اگر ایسا کریں گی تو شاید حسن صورت میں
 نظریہ پیدا کریں لیکن زندگی کے کاروبار اس سے نہیں چل سکتے بلکہ اس استعداد
 کے حاصل کرنے کے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ تعلیم سے یہ مراد
 نہیں کہ مردوں کی سی تعلیم دی جائے بلکہ اون فنون کی تعلیم سے مراد ہے جو عورتوں کے
 لئے ضروری اور بکار آمد ہیں اور جن کی مقدار اسی قدر ہو جتنی کہ مردوں کی تعلیم کی۔
 اگرچہ مضامین میں اختلاف ہو۔ تعلیم عقل کو روشن کرتی اور قوار دماغی کو جلا دیتی ہے
 اور گہر کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں عورت کی دانش اور فراست سے اس کی عمرگی
 نہ بڑھتی ہو۔ تعلیم عورت میں خیالات کی بلندی اور پیش بینی پیدا کرتی ہے اور تعلیم کے
 عورت اس قابل ہو سکتی ہے کہ وہ گہر کا انتظام بلکہ اپنے اور دوسروں کی زندگی کا انتظام
 سوچ سمجھ کرے اور انتظام خانگی کے عمدہ عمدہ اصول سوچے۔ تعلیم ہر طرح عورت کو
 ایسی تقویت دیتی ہے جتنی کہ مردوں کو تقویت بخشی ہے۔ تعلیم عورت کو دہوکہ اور فریب
 سے بچاتی اور اس کو بہت سے جاہلانہ لالچوں اور اوہام پرستی سے محفوظ رکھتی ہے
 تعلیم عورت کا اثر زیادہ قومی اور ساتھ ہی اومید بھی دیتی ہے کیونکہ جو کچھ وہ کہتی یا کرتی ہے
 وہ کہنے اور کرنے کے قابل ہوتا ہے اور ہر دل اس کو نہ صرف بہت بلکہ حبیب خاطر
 منظور کرتا ہے۔ اگر عورتوں کے اخلاق کمزور اور اون کے دل ناپاک ہوں تو مرد او
 اثر سے نہیں بچ سکتے کیونکہ انسان کی اخلاقی تعلیم زیادہ تر اس کے گہر کی حالت پر منحصر ہے
 اس لئے عورتوں کی تعلیم نہ اون کی ذات کے لئے مفید ہے بلکہ قومی بہبودی اور ترقی
 کا زینہ بھی ہے۔ جس قدر عورت اور مرد دونوں کے قواء عقلی اور عینسی مہذب اور شائستہ
 ہوں گے جس قدر اون کے دل آلائش سے پاک اور منہ ہوں گے اور جس قدر اون کے
 قوار کی باگ عقل کے ہاتھ میں ہوگی اسی قدر سوسائٹی میں امن و ترقی بہبودی اور
 آسائش ہوگی اور اسی قدر انسان کا تمدن اعلیٰ درجہ پر ہوگا۔ اس لئے عورتوں کو تعلیم

تعلیم نسوان کا اثر
 مردوں پر

دینا گویا مردوں کو تعلیم دینا ہے اور عورتوں کا رویہ اور عقل درست کرنا مردوں کا اخلاق درست کرنا ہے۔ جہاں کہیں عورتوں کی حالت خراب ہوگی وہاں مردوں کی حالت خراب ہونی لازمی ہے کسی قوم کی حالت کے خراب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوس کے ممبروں کی حالت درست نہیں ہے اور لڑکوں کی اتر حالت اس کا نتیجہ ہے کہ مابین جاہل ہیں بچوں کی صحت اخلاق۔ ابتدائی تعلیم سب ماؤں کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ خصوصاً صحت کا مسئلہ ایسا ہے کہ اخلاق اور تعلیم سب اوس کے تحت میں آجاتے ہیں جو عورتیں صحت کے اصول سے ناواقف ہیں یا اصول اخلاق سے جاہل ہیں وہ اپنے بچوں کو کسی طرح عمدہ تربیت نہیں کر سکتیں اور اس وقت کی بے تربیتی یا فساد صحت آئندہ عمر بھر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ تعلیم یافتہ عورت ابتدا ہی سے اپنی اولاد میں حسن اخلاق کی جڑ قائم کر سکتی ہے۔

تعلیم نسوان
کے خصوصیات

ہر چیز کی خصوصیت اوس کا جوہر ہے۔ آفتاب کی تمازت اور تیز روشنی اوس کا خاصہ ہے۔ ماہتاب کی ہلکی اور ٹہنڈی روشنی۔ ماہتاب کی دلاویزی اور خوشنمائی اور عام پسند ہونے کا باعث ہے اگر ماہتاب کی یہ خاصیت جاتی رہے اور وہ آفتاب کی ہمسری کرنے لگے تو رات کی بہار اور راحت مٹ جائے اور ساتھ ہی ماہتاب بے قدر ہو جائے۔ اگر کوئی تعلیم عورتوں میں سے عورتوں کے جوہر مٹا دے تو وہ سوسائٹی کے راحت و آرام اور امن و آسائش کو کھو دیگی اور نہ صرف مرد ہی بلکہ عورتیں بھی مصیبت میں پڑ جائیں گی۔ دنیا میں جو شخص جس کام کی واسطے پیدا کیا گیا ہے اوسے پورے طور پر انجام دینا اوس کی سعادت و عزت کا باعث ہے اور اوس حد سے انفرط و تفریط میں سجاوڑ کرنا اور دوسروں کی نقیضین اُتارنا اپنی عزت کا کھو دینا ہے اگر کسی عورت سے کوئی ایسا کام بن آئے جو عموماً عورتوں کا حصہ نہیں ہے تو بعض اوقات سوسائٹی کی غلط فہمی سے اس پر بہت واہ واپہ ہوتی ہے لیکن وہ صرف تعجب کا اظہار ہوتا ہے اور اوسے وقت تک رہتا ہے کہ ایک دوسرے سرزد ہوا ہو۔ گھوڑے کی صفت تیز رفتاری اور اطاعت سوار ہے بندر کی

طرح ناچنا اور کرتب دکھانا گھوڑے کی صفت نہیں ہے لیکن سرکس کے گھوڑے
کرتب دکھاتے ہیں اور تماشائی اُن کی تعریف کرتے ہیں اسی طرح سوسائٹی میں
بعض عورتیں غیر معمولی طور پر مردوں کے سے کام کرتی ہیں اور اُن کی تحسین و آفرین
ہی ہوتی ہے لیکن وہ صرف اظہارِ تعجب ہے۔

سوسائٹی پر عورتوں کے حقوق ہیں اور اُن میں سب سے بڑا حق یہ ہے کہ
عورتوں کو تعلیم دی جائے۔ **طَلِّبِ الْعِلْمِ فَرُبَّمَا عَلَى الْكُلِّ مُسْلِمٌ وَمُسْلِمَةٌ** لیکن
فرض وہ تعلیم ہے جو عورتوں کے ذاتی جوہروں کو نہ صرف تمام ہے بلکہ ترقی دے۔
اول مذہب کی تعلیم عورتوں کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ مذہب کی تعلیم
خدا کا خوف۔ ایمانداری۔ صداقت۔ پرہیزگاری۔ عصمت۔ رحمہلی۔ انصاف۔
فیاضی۔ رقت قلب۔ صبر۔ توکل۔ پیدا کرتی ہے اور یہ ایسے اوصاف ہیں جو
ایک عورت میں لازمی طور پر ہونے چاہئیں۔

مذہب کی تعلیم

عورتوں میں مذہبی تعلیم تمام سوسائٹی کو مذہب کی طرف مائل رکھتی ہے چونکہ
قاعدہ ہے کہ جو کچھ وہ گہر میں دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں اور جو مذہب مان کے دودھ
کے ساتھ اُن کو حاصل ہوتا ہے وہ رگ رگ میں ایسا پیوستہ ہو جاتا ہے کہ یہ ہر اک
دل سے اُس کے اعتقادات نہیں بھول سکتے۔ مان کا اثر چونکہ روئیہ کو
بہت کچھ بناتا یا بگاڑتا ہے جس طرح بچے بچپن میں عورت کے دودھ سے پرورش
پاتے اور اُسکی گود میں پلتے ہیں اسی طرح اُس عالم طفولیت میں مان کے اخلاق
سے اُن کی روح نشوونما پاتی ہے۔ اگر وہ دینداری کی ہوا میں پلتے ہیں تو ضرور
بڑے ہو کر بھی اُن کے دل میں مذہب کی چمک رہتی ہے اور جو کچھ اپنے گہر میں
جہالت کا اندھیرا دیکھتے ہیں اور بے دینی اور لامذہبی کی باتیں سمجھتے ہیں اُن کے
دل میں گہر کر چمکتی ہیں تو بڑے ہو کر اگر اُن کو علم دین پڑایا جائے تو اُس کی جڑ
مضبوط نہیں ہوتی **اَلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ**۔ عالم طفولیت میں چونکہ عورت کا اثر بانیق
مستطاب کرتا علم کا فرض ہے ہر مسلمان مرد اور عورت پر۔

کی جہت سے ہوتا ہے۔ جو انون پر عورت مشیر صلیح کا بہم دہمراز بن کر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ غرض کہی مان بہن کی جہت سے اور کہی بیوی کی حالت میں مردون پر عورت کا اثر رہتا ہے اور انسان کی قسمت میں یہ اثر اچھا اور بُرا ہو سکتا ہے۔ دیندار عورت کا اثر ہمیشہ اچھا۔ ہمیشہ مفید اور قابل اعتماد ہوگا اور جہان عورت کی بے دینی اپنا اثر ڈال رہی ہو مان کی نحوست اور بربادی کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

اپنی زبان کی تعلیم

دویم اپنی زبان کی تعلیم ہونی چاہیے۔ کلام کی شستگی اور لطافت عورتون کی زبان کا جوہر ہے۔ اون کے محاورے اور ادائی مطلب کی آسان اور دلکش ہیں اون کی ضرب الامثال۔ زبان میں شیرینی اور شستگی پیدا کرتی ہیں اور اوسکی سادگی اور حسن کو قائم رکھتی ہیں۔ زبان کی آراستگی میں مردون سے زیادہ عورتوں کا حصہ ہے کیونکہ جو صفائی اور شیرینی مرد بہ تکلف زبان میں پیدا کرتے ہیں عورتیں بے ساختہ اور ترقی طور پر اسے ادا کرتی ہیں اس لئے اپنی زبان کی تعلیم عورتون کو اعلیٰ درجہ کی دینی چاہیے۔ یہ تعلیم نہ صرف عورتون کے جوہر کو ترقی دے گی بلکہ خود سوسائٹی کو اس سے بہ فائدہ پہونچے گا کہ زبان میں وسعت اور لطافت پیدا ہوگی۔

جو عورتیں اپنے عزیزوں یا خاوندوں سے دور ہوتی ہیں اور جہالت کے سبب اون کو خط تک نہیں لکھ سکتیں اون کی تکلیفیں اور وقتیں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں وغیرہ خط لکھوانے یا پڑھوانے پڑتے ہیں اور کوئی بات خواہ کسی قدر راز کی کیون نہ ہو پوشیدہ نہیں رکھ سکتیں۔ اپنی زبان پر اتنی قدرت کہ ہر طرح کے مضمون کو بے آسانی ادا کر سکیں عورتون کو حاصل ہونی چاہیے۔ جو شخص اپنے مافی الضمیر کو مناسب الفاظ میں ظاہر نہیں کر سکتا وہ گونگا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ اوسکی بیوی اوسکا مطلب سمجھ سکے یا اپنا مطلب نہ ادا کر سکے۔ اسی طرح عورتون کا خط بھی پاکیزہ اور پختہ ہونا لازم ہے وہ اگر خوشنویس نہ ہوں تو صاف اور مایقرا ضرور لکھتی ہوں۔ حروف میں اس قدر خوشنمائی ہو کہ اچھے معلوم ہوتے ہوں۔ ذاتی کمالات کی خوشنمائی ظاہری اور عارضی بناؤں گہار سے زیادہ دلفریب اور قدرا فرزا ہوتی ہے۔ ایک عورت کے ہاتھ میں

خوشنما خلنگن اور چوڑیوں سے زیادہ دلکش ہے اور اسکی وقعت اور عزت کو بہت یاد دیتا ہے سویم علم حساب - یہ ضرورت نہیں ہے کہ دفاتر کے محاسب اور تجارت پیشہ اشخاص کو ہی حساب میں مہارت ہو بلکہ حساب ہر مرد اور ہر عورت کو جانا چاہیے۔ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ انسان کو علم حساب کے اصول سے کام نہ پڑتا ہو ہر چوڑے سے چوڑے گہرے کے انتظام کے لیے ہی حساب جاننے کی ضرورت ہے امیر و میوگی بیویوں کو تو علم حساب سے ہر روز زیادہ کام پڑتا ہے کیونکہ ان کو اپنے گہر کا انتظام بڑے پیمانہ پر کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ عورتیں علم حساب سے ناواقف ہوتی ہیں اس سبب سے گہر کے کاروبار کے انتظام میں وہ اتنا حصہ نہیں لے سکتیں جتنا لینا چاہیے اور اپنے مرد کا خانگی انتظام میں ہاتھ نہیں بٹاتیں۔ بعض مردوں کی نسبت عورتوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ وہ خود خرچ اوٹھاتے ہیں بیشک گہر کا خرچ اوٹھانا عورت کا حق ہے لیکن عورتوں کو اپنے تئیں اس لائق بنانا چاہیے کہ وہ آمدنی کو سلیقہ سے خرچ کر سکیں اور آمد خرچ کا حساب مرتب رکھ سکیں۔ جاہل عورتیں ذرا ذرا سے لین دین میں دہوکہ کہا جاتی ہیں اور گہر کی آمدنی کا ایک حصہ اپنی جہالت کے ہاتھوں برباد کرتی ہیں عورتوں میں کاروبار کی قابلیت ایسی ضروری ہے جیسی کہ مردوں میں اور ایسے منظم گہر میں آرام و فلاح قائم رکھنے کے لیے عورت میں کام کرنے کا سلیقہ ہونا لازم ہے کام سے یہ مراد نہیں ہے کہ تجارت ہو بلکہ زندگی کا معمولی کام جو روزمرہ کیا جاتا ہے ایسا ہی ضروری ہے اور ہر چیز جو گہر کے استعمال کے لیے خریدی جائے یا گہر کی کوئی خیر فرخت کی جائے یا بنائی جائے کام ہے اور ان سب کے لیے علم حساب جاننے کی ایسی ضرورت ہے جیسی کہ دوکانداری کے لیے۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہزاروں روپیہ خود عورتوں کو خرچ کرنا پڑتا ہے اوچھوٹی بڑی ہزاروں چیزیں خریدی اور بنائی جاتی ہیں کیا ایسے وقت علم حساب کا جانا ضروری نہیں ہے۔ علاوہ ازیں علم حساب طبیعت میں غور محنت اور کفایت شعارمی کی علامت ڈالتا ہے اور ترتیب ہوشیاری پابندی طریقہ اور صحیح نتیجہ نکالنا سکھاتا ہے۔ علم حساب کی ضرورت روپیہ پیدا کرنے کے لیے اس قدر

نہیں ہے جس قدر روپیہ خرچ کرنے کے لیے ہے اور گھر کاروبار و بیہ عورتیں ہی نہ خرچ کر سکیں
 چارم اصول خانہ داری تدبیر منزل کے بیان میں۔ خانہ داری کی لیاقت کی
 ضرورت پر کسی قدر وضاحت سے بحث کی گئی ہے۔ شاید اس بات کے ثابت
 کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ عورت کو اصول خانہ داری سے واقف ہونا لازم
 ہے اور یہ ضرورت امراء کو غریب کی نسبت بہت زیادہ ہے جس قدر کسی گھر میں دولت
 زیادہ ہو اوسی قدر گھر والی میں انتظام خانہ داری کی لیاقت زیادہ ہونی چاہیے۔
 اگر کسی انجیئر کو فن تعمیر میں واقفیت نہ ہو۔ یا ڈاکٹر کو علم طب سے آگہی نہ ہو یا سپاہی کو
 استعمال آلات حرب نہ آتا ہو تو وہ اپنا فرض ادا نہیں کر سکتا۔ جس عورت کو اصول
 خانہ داری سے آگہی نہ ہو وہ خواہ مردوں کے سے کام کرے بلکہ اون سے بہتر
 کرے لیکن عورت کے کام انجام نہیں دے سکتی۔ کوئی کام کیوں نہ ہو اوسکا
 طریقہ آنا ضرور ہے اور اسی کا نام سلیقہ ہے۔ علاوہ ازیں پیش بینی بھی سرانجام
 امور میں مدد دیتی ہے اور پیش بینی اوس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب دماغ میں
 امور کے جانچے سوچے اور نتیجہ نکالنے کی قوت ہو اور علم و تجربہ فی قوت تخیلہ کو قوت دی ہو
 افسوس ہے کہ ملک میں اس وقت ایسی کتنی راجہ نہیں ہیں جو اصول
 خانہ داری سکھاتی ہوں۔ سینا پر ونا کہا ناپکنا۔ گھر کا خرچ چلانا۔ نوکردن کی نگرانی
 بچوں کی نگہداشت اور پردریش اون کی تربیت وغیرہ ایسے سہل کام سمجھے جاتے
 ہیں کہ اون کی طرف ہمارے مصنفین نے ابھی تک التفات نہیں کیا اور اوس
 آسائش و برکت کے حاصل کرنے میں مدد نہیں کی جسکی ہر شخص کو ضرورت ہے۔
 عورتوں کو اون کے مناسب حال تعلیم نہ دینا ایک غلطی سے محال کردوسری غلطی
 میں ڈالنا ہے اون کو دنیا میں وہ کام نہیں کرنے جو مردوں کو کرنے میں پیہر و نو کو
 ایک سی تعلیم کیا فائدہ دیگی؟ عورتیں تو عورتیں تمام مردوں کو ایک سی تعلیم مفید و بکار
 نہیں ہو سکتی اور اس زمانہ میں قومی تنزل کا بڑا سبب یہی ہے کہ مردوں کو ضرورت
 زمانہ کے مطابق تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ سب کو ایک لکڑی ہانکا جاتا ہے اگر اس گروہ

میں جو رتین بھی شامل ہو گئیں تو سوسائٹی ترقی تو کرے گی لیکن معکوس! خانہ داری کا علم عورت کا خاص حصہ ہے اگر دیگر علوم میں اسے کمال دیکھا حاصل ہو لیکن خانہ داری کے اصول سے ناواقف ہو تو وہ عورت عالمہ و فاضلہ کہتی ہے لیکن عورت نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص جو علم حساب سے ناواقف ہو تاجر نہیں ہو سکتا اسی طرح عورت خانہ داری کی قابلیت کے بغیر عورت کہلانے کی مستحق نہیں۔ عورت کو خواہ امیر ہو یا غریب۔ جوان ہو یا بڑھیا۔ منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ ہر حال میں گھر کے ہر کام کرنے کی لیاقت اور ہر کام کو اچھی طرح انجام دینے کی استعداد حاصل ہونی لازم ہے کیونکہ یہ عورت کا بڑا فرض ہے اور اگر ان کاموں کا اسے علم نہ ہو تو یہ کام آسان نہیں بلکہ مشکل نظر آئیں گے۔ اور مشکل بھی ایسے کہ نہ خود کرنے کی لیاقت اور نہ خادموں سے کام لینے کی قابلیت۔

تعلیم نسوان کا جہان ذکر کیا جاتا ہے وہاں حروف کی شکلوں اور الفاظ کے معنی جاننے سے مراد لی جاتی ہے لیکن تعلیم صرف اسی کا نام نہیں ہے بلکہ ہر پیشہ اور سر کام کی تعلیم جو کسی خاص شخص یا فرقہ کے لیے ضروری ہے اسے حاصل کرنی چاہیے ورنہ وہ اوس فن میں جاہل رہے گا۔ کسان اور زمیندار کو فلاح و زراعت۔ باغبان کو باغبانی معمار کو عمارت کا علم جاننا ضروری ہے۔ اسی طرح انتظام خانہ داری کا علم عورت کی لئے فرض ہے اور تعلیم نسوان کے حامیوں کو سب سے پہلے یہ تعلیم دینی چاہیے خصوصاً طفولیت کے زمانہ میں اس میں مہارت پیدا کرنی لازم ہے اگر ابتدائی عمر میں اس طرف توجہ نہ کی جائے تو آئندہ بھی اس کام میں دل نہ لگے گا۔ بعض عورتوں کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ شعر خوب کہتی ہیں بعض ہارمونیم خوب بجاتی ہیں کسی نے کسی غیر زبان میں مہارت حاصل کی ہے لیکن یہ اوصاف اوس وقت تک بہت عجیب اور سحر منعم معلوم ہوتے ہیں جب قوم کے کڑوڑوں افراد میں ایک دو نے یہ خصوصیت حاصل کی ہو اگر تمام عورتیں صرف اسی طرف متوجہ ہو جائیں اور گھر بار کے کام بیوڑ دین تو آج گھر کا شیرازہ بکھر جائے اور لوگوں کو جاہل لیکن سلیقہ مند عورتوں کی

تلاش ہو اگر یہ سلیقہ مند عورت کو جاہل کہنا زیبا نہیں ہے۔ شاید کوئی شخص ایسی عورت پسند نہ کرے جیسا جو میان اور بچوں کے کپڑے سینے تو درکنار اپنے کپڑے بھی سینے کے لئے درزی کو دے اور اگر کبھی باورچی یا مایکانیوالی نہ ہو تو اس دن گھر کے گھر کو فاقہ کرنا پڑے اور بجائے سینے اور پکائے اونسے میان کو سناٹا کیا عہ غل گھر کی جو اگر اوقات باقاعدہ صرف تھکے جائیں اگر ہر کام مناسب وقت پر اور مناسب طریقے سے کیا جائے تو عورتوں کو اتنا وقت ملتا ہے کہ وہ گھر کے کام دھندے کے بعد لکھنا پڑھنا سیکھ سکیں اور بعض عورتیں کوئی خاص علم ہی اچھی طرح سیکھ سکتی ہیں۔ امیر آدمیوں کی بیویاں اور بیٹیاں گھر کے کام کرتے ہوئے اس سبب سے شرماتی ہیں کہ وہ کام اون کی خلاف شان ہیں لیکن یہ جھوٹی شرم ہے جو کام جس کے کرنے کا ہے اس کے کرنے میں ذلت نہیں عزت ہے۔ گھر کا کوئی کام عیب اور قابل شرم نہیں بلکہ یہ کام نہ کرنے اور نہ سیکھنے قابل شرم ہیں اور ان کاموں میں جس قدر اعلیٰ مہارت ہوگی اسی قدر وہ عورت زیادہ قابل قدر خیال کی جائے گی۔ اس سے عورت کا مذاق اس کی ذہانت اور طبیعت کی کیفیت معلوم ہوتی ہے کیونکہ گھر کو بنانا اور سنوارنا آرائش اور زیبائش کا سبب ہے عمدہ کہانا اور کپڑا تیار کرنا صرف پکانا اور سینا ہی نہیں ہے بلکہ جس کے واسطے کیا گیا ہو اس کی محبت کا اظہار اور اس کے واسطے تفریح اور راحت کا سامان ہوتا ہے جس کی دل عزت اور قدر کرتے ہیں۔

علم حفظانِ صحت اور
غیب و ڈاکٹری کی
تعلیم

پنجم۔ علم حفظانِ صحت۔ انسان کی صحت اس کا حسن ہے اور عورت کا حسن اس کی قیمت زیادہ کرتا ہے۔ عورتوں کو صحت و توانائی کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی مردوں کو۔ عورتوں کے ذمہ خانہ داری کے کام ہیں لیکن وہ کام آسان نہیں اور اچھی نگرانی اور انجام دہی بغیر کامل صحت کے ناممکن ہے علاوہ ازیں صحت قیام و ثبات ذات کا سبب ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ عورت کی ذات دنیا میں ایسی ناکارہ ہے کہ اس کے قیام و ثبات کی نگہداشت نہ کی جائے اس واسطے عورتوں کو اصول حفظانِ صحت کی تعلیم دینی لازم ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اگر کسی شخص میں خود اپنی صحت

کی نگہداشت کی لیاقت نہ ہو تو ڈاکٹر اور حکیم اوس کی صحت کی ذمہ داری کر سکیں بعض
 موقع اور حالتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہاں کسی عمدہ طبیب کا میسر آنا ناممکن ہوتا ہے یا بعض
 بے احتیاطیان بیماریاں پیدا کرتی ہیں اور یہ بیماریاں اگرچہ ابتدا میں خفیف معلوم ہوتی
 ہیں لیکن پھر عمر بھر کے لئے روگ لگا دیتی ہیں۔ جب تک خود انسان کو حفظ صحت کے
 اصول نہ معلوم ہوں وہ صحت جیسی نازک اور ضروری چیز کو اچھی طرح قائم نہیں رکھ سکتا۔
 بچوں کی صحت کا مسئلہ اور بھی زیادہ نازک ہے اور اونکی پرورش بالکل عورتوں
 ہاتھ میں سے ہے بے احتیاط اور ناواقف عورتیں بچوں کی صحت کو ایسا خراب کر دیتی ہیں
 کہ وہ بڑے ہو کر ہمیشہ مریض اور ناتوان رہتے ہیں اس واسطے لازم ہے کہ عورتوں کو
 حفظان صحت کے اصول سے آگاہی ہو۔ اس کے علاوہ بعض عورتوں کو طب و ڈاکٹری
 میں پوری مہارت بھی حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنی قوم اور ملک کی عورتوں کی خدمت
 کر سکیں۔ عورتوں کی بعض بیماریاں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ وہ ڈاکٹروں سے بیان کرتے
 شرماتی ہیں بعض وقت یہ ضرورت آپڑتی ہے کہ اگر کوئی عمدہ ڈاکٹر مشورہ اور مدد نہ دے
 تو ان کی جان پر بن جاتی ہے اور ان تمام موقعوں پر عورتوں کی خدمت کی زیادہ
 حاجت ہوتی ہے۔ عورتیں فرقہ انات کے ضروریات و مخصوص حالات اور تکالیف سے
 خود واقف ہوتی ہیں اس سبب سے اون کے امراض اور کیفیت کو زیادہ سہولت سے
 سمجھ سکتی ہیں اور چونکہ اوس تکلیف کا احساس کر سکتی ہیں اون کو قد زنا بیمار سے زیادہ ہمدردی
 اور اوس کے حال پر زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ ایک شریف عورت جس طرح ایک لیڈی
 ڈاکٹر سے اپنی کیفیت بیان کر سکتی اور آزادی سے اپنے تئیں اوس کے حوالہ کر سکتی ہے
 یہ گوارا نہیں کرنی کہ مردوں کو اوس کی خبر ہی ہو۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر عورتوں کی ضرورت
 اس قدر زیادہ ہے کہ غیر ملکوں سے ڈاکٹر عورتیں یہاں آکر ہندوستانی عورتوں کی خدمت
 کرتی ہیں۔ یہ ملک جس طرح تجارتی اشیاء میں دوسروں کا محتاج ہے اسی طرح حفظ صحت
 اور بقایا شخص کے لیے بھی دوسروں کی معاونت کا حاجت مند ہے۔ یورپین و امریکن ڈاکٹر
 عورتوں کی تعداد اول تو اس قدر کافی نہیں ہے اور کبھی کافی نہیں ہو سکتی کہ اتنے بڑے

ملک کی خدمات پورے طور پر انجام دے سکیں۔ بڑے شہروں میں صرف امراء ایسے ایسے نازک موقع پر اون سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ جب جان پر آسے اور اون کی طلب کے بغیر علاج ہی نہ ہو۔ باقی چھوٹے چھوٹے شہروں کے باشندے اور ہر طبقہ کے اکثر اشخاص ان کی خدمت سے محروم ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ غیر ملک کی عورتیں ایسی ہمدردی اور دل سوزی سے توجہ نہیں کر سکتیں جیسی اپنی قوم اپنے ملک اپنے مذہب کی عورتیں بکار آمد ہو سکتی ہیں۔ جن کو کچا نگت کے سبب بہہولت اور ہر وقت طلب کرنا اور مشورہ لینا ممکن ہو۔ متوسط حال اور غرباء تو یورپین لیڈی ڈاکٹروں سے ادائیگی کی عدم استطاعت کے سبب رجوع نہیں کر سکتے اور جو کرتے ہیں تو بیماری سے زیادہ اخراجات کی تکلیف سے مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔ اختلاف زبان بھی پورے طور پر فائدہ حاصل کرنے نہیں دیتا۔ نہ یہاں کی عورتیں اپنے مطالب اور حالت کو اون کی زبان میں ادا کر سکتی ہیں نہ وہ یہاں کی زبان اچھی طرح سمجھتی ہیں۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے سے الگ اور ناواقف رہتے ہیں اور علاج جیسے نازک کام میں دقت واقع ہوتی ہے۔ اگر اپنے ملک کی عورتیں طب و ڈاکٹری میں مہارت حاصل کر لیں تو یہ دقتیں رفع ہو جائیں اور ہزاروں جانیں تکلیف و مصیبت سے بچ جائیں۔

دیگر مضامین
کی تعلیم

ششم۔ عام واقفیت۔ یہ ضرور نہیں کہ عورتوں کی تعلیم کو ان ہی مضامین پر محدود رکھا جائے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ بلکہ یہ چیزیں تعلیم کا لازمی جزو ہیں اور ابتداء میں ان سے واقفیت حاصل کرنی فرض ہے جس طرح لباس زیور پر مقدم ہے۔ اسی طرح یہ مضامین دوسرے مضامین پر مقدم ہیں۔ ان میں جہاں تک کمال حاصل کیا جائے بہتر ہے اس کے علاوہ اگر فرصت و موقع ہو تو علم و فضل میں زیادہ کمال حاصل کرنا اور قوار دماغی کو ترقی دینا شرافت و سعادت کی تکمیل ہے۔



باب سویم خدا کا فرض انسان پر مذہب

مذہب کی ہے

علم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اسے اُن فرائض کے ادا کرنے کی تدبیر معلوم ہو جاتی ہے۔ انسان کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت کرے اور ایک نام رکھے دنیا میں چننا ایسے فلاسفر بھی ہوئے ہیں جنہوں نے باوجود علم و فضل مذہب کے انکار کیا ہے مگر اُن کی تعداد مذہب کے ماننے والوں سے کم بلکہ بہت کم ہے اور تاریخ میں قدیم سے قدیم زمانہ میں جہاں کسی قوم کا پتہ لگا ہے وہاں اُس کے مذہب کا ضرور پتہ لگا ہے اگرچہ کیسی ہی ضعیف الاعتقادی کی بنیاد پر کیوں نہ ہو جس زمانہ میں شائستگی اور تہذیب کا نام بھی نہ تھا اور انسان اپنی ضروریات زندگی صرف جانوروں کی طرح یا اُس سے کسی قدر بہتر ہو کر کرتا تھا۔ جب وہ درختوں کی جڑوں اور پہلوں اور پتوں پر گزارہ کرتا تھا۔ جبکہ وہ زمین کے بہت یا جھوڑوں میں رہتا تھا تو اُس وقت بھی کسی مذہب کا پیر نہ تھا اس سے ظاہر ہوا کہ مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ قدرت طبعی طور پر ہمیں سکھاتی ہے اور نیچر میں کوئی امر و دعیت نہیں کیا جاتا جو ضروری اور سچا نہ ہو۔ اگر دنیا میں سے مذہب اٹھ جائے تو اخلاق کبھی قائم نہیں رہ سکتا اور دنیا فشر ناسیدمی اور یاس کا منظر ہو جائے کوئی شخص اپنے انجام یا آخرت یا موت کو امید سے نہ دیکھے اور تسلی نہ حاصل کرے اور زندگی کا آخر زمانہ نہایت تاریک اور دل خراش ہو اور کوئی شخص روحانی زندگی کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ صرف امور دنیوی کے سرانجام اور خود غرضی کے خیالات رہ جائیں اور روز بروز زیادہ پست ہوتے جائیں مذہب نے دنیا میں جس قدر ترقی پہلائی اور جس قدر اعلیٰ نتائج مذہب کے ادنیٰ اشارہ نے پیدا کیے اُن سے دنیا بے خبر نہیں ہے وہ قوین جو بالکل کمزور حالت میں

مذہب کا اثر
دلوں پر

مذہب کا اثر
اخلاق پر

یڑھی تہیں مذہب کے اثر سے اون میں شجاعت اور دلیری پیدا ہو گئی۔ بزدل اور بے ہمت بہادری کا دم بہرنے لگے۔ جو لوگ غلامی کی حالت میں تھے مذہب نے اون کو آزادی دی اور وحشی اور خونخوار قومیں مہذب و تہذیب ہو گئیں مذہب کے سوا اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو انسان میں یکایک ایسی تحریک پیدا کر دی اور ان کی کلیاں کھول دیں جہاں قانون کی دسترس نہیں وہاں مذہب ہی راہ راست پر لاسکتا اور رکھ سکتا ہے انسان کو ایسے ہزاروں موقع ملتے ہیں کہ اگر وہاں کوئی گناہ کرے تو قانون نہیں چل سکتا اور قانون کی سزا کا خوف کہی اون مواقع پر باز نہیں رکھ سکتا مگر صرف خدای تعالیٰ کے عظیم و بصیر ہوئے کا ایمان اور سزا و جزا کا یقین ہی بچا سکتا ہے۔ اور کوشش جن امور کو صحیح و غلط بتاتا ہے اون پر عمل صرف مذہب ہی کر سکتا ہے۔ خفیہ خیالات اور ارادوں پر صرف مذہب ہی کا قابو چل سکتا ہے واللہ اعلم بذات الصدور صرف مذہب ہی انسانی جنس کے ساتھ عدالت۔ محبت۔ مروت۔ ہمدردی سکھاتا ہے۔ خود مذہب عصمت پاکہ امنی پر قائم رکھ سکتا ہے اگر مذہب نہ ہو تو قانون ہیج ہے نہ کہی قانون کی روک کافی ہو سکتی ہے اگر مذہب اوثہ جائے تو انتظام دنیا بالکل اتر ہو جائے قانون اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جو لوگ خاص معاملہ میں مذہب کے قانون سے تجاوز کریں اون کو اپنی دسترس کے موافق درست کرے۔ مذہب تمام اخلاق کی جڑ ہے اور سچی مسرت صرف مذہب ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ مذہب دنیوی رشتوں میں اتحاد و لوگوں میں اخوت و دوستوں میں محبت و یگانگت۔ مصیبتوں میں استعلا اور آرام۔ صبر و شکر و غم و الم میں تسکین و مدد۔ معاملات میں عدالت۔ غرض تاریکی میں نور اور موت میں امید پیدا کرتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلِی النُّوْرِ۔ جب دنیا کے کاموں میں ناامیدیوں کی انتہا نہیں رہتی اور تکلیفیں اور مشکلیں چاروں طرف سے گہرتی ہیں تو خداوند عزوجل کی ذات پاک کا یقین اور اس کے انعامات کے وعدوں پر بہرہ ور ہی زندگی کا وسیلہ رہتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی خاص مذہب کی فضیلت

ملے ترجمہ اور اللہ جانتا ہے جو دلوں میں ہے۔ تہ اللہ دوست ہے اون لوگوں کا جو ایمان لائے نکلتے ہیں اون کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف۔

جتاؤن یا کسی خاص مذہب کے اصول کی تعلیم کروں بلکہ صرف اس قدر جتنا ہے کہ مذہب لادبی اور ضروری چیز ہے اور اصلاح امور معاش و معاد و اخلاق و تمدن میں اس سے بڑھ کر رہنا اور اس سے عمدہ معلم اور اس سے قوی حاکم اور کوئی نہیں۔ اور خداوند عزوجل پر ایمان اور اس کی عظمت و مجتہد و سیاست گزاری کا اثر طبیعت کو بچاؤ اور منور کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ انسان کے افعال و اقوال کو دیکھتا اور سنتا ہے خداؤن کی نگہداشت کرتا اور اون پر رحمت نازل کرتا ہے اور جو اس کی مدد کے خواہاں ہیں اون کی مدد فرماتا ہے۔ **وَكُفِّنِي يَا اللَّهُ وَكِيلًا**۔

جو لوگ الحاد کی تعلیم دیتے ہیں یا الحاد کے قائل ہیں وہ نسل انسان میں سے تمام اصلی آرام۔ دلی تسکین اور اطمینان قلبی۔ امید۔ مدد اور حیات جاودانی کی بیج گنی کرتے ہیں۔ اگر یہ ممکن ہو کہ تمام ستاروں کی روشنی بھادی جائے تو رات کیسی تیر و تار ہو جائے پس اس ستارہ کو بچانا جو روح کو روشن کرتا ہے کیسا خوفناک ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت شناس آنکھ دی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ صانع قدرت کا جلوہ موجودات کے ہر ذرہ میں موجود ہے اور ادنیٰ و اعلیٰ ہر ایک چیز ظاہر کر رہی ہے کہ اس کا کوئی ایسا صانع ہے جس کی قدرت اور حکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ **أَنِّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَخَلْقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ**۔ زمین و آسمان دریا و سمندر پہاڑ پھل پھول۔ چاند اور سورج سیارے۔ ستارے انسان و حیوان وغیرہ کل نظام قدرت اس کے بے انتہا علم اور غیر محدود دانش کی مثالیں ہیں۔ جن لوگوں نے نظام قدرت کے اصول ختم غور و تحقیق سے ملاحظہ کیے ہیں وہ ذرا ذرا سی بات میں ایسی ایسی اسرار مخفی پاتے ہیں کہ انسان خواہ کیسی سہی کامل کیوں نہ ہو بغیر استعجاب کر رہ نہیں سکتا اور اس کو کم از کم اتنا ماننا پڑتا ہے کہ قوت بشری ایسے انتظام کرنے سے قاصر ہے۔ پس جب انسان کہ

لے اور بس کرتا ہے حند اکام بنائے والا۔ لے تحقیق پیدا کرنے میں آسمان و زمین کے اور آگے پیچھے آنے میں رات دن کے البتہ نشانیاں میں معلمندوں کے لئے۔

بیرہنی کا اثر

تمام آفرینش کے خالق کو ظاہر کر رہا ہے

اشیاء المخلوقات ہے ایسا عاجز و نارسا ہے تو دیگر ان پر رسد۔ کارخانہ عالم میں ایک نظام شمسی ہی ہے کہ عقل دیکھ دیکھ کر دنگ ہوتی ہے اور خجھ جانتے ہیں کہ ایسے ایسے سب تعداد نظام ہیں اور اس زمین اور اس دنیا سے بڑے بڑے اور بہترے کردہ ہیں جن پر وہ قادر و الجلال حکمرانی کرتا ہے۔ اس نظام میں ایک سیارہ دوسرے سیارے کے گرد اس طرح گردش کرتا ہے اور وہ لمحاظ قد و قامت فاصلہ سمت رفتار ایسا ٹھیک اور مناسب ہے کہ کل مل کر ایک عمدہ انتظام اور اتحاد پیدا کرتے ہیں۔

پروفیسر فلنٹ بیان کرتے ہیں کہ زمین چاند اور سورج سے اس طرح متعلق ہے کہ موسموں کے تغیر و تبدل فصل کی آمد و رفت مد و جزر کے وقوع میں نہ لہی بی ترتیبی ہوتی ہے نہ دھوکہ اور اس نظام شمسی جیسے اور اس سے کہیں بڑے بڑے کردہ اور نظام ہیں اور لاکھوں سورج اور ستارے فضائیں پہلے ہوئے ہیں لیکن انہیں ایسی ترتیب اور تعلق ہے اور ایسے ریاضی کے اصول پر قائم ہیں کہ وہ باہم ایک دوسرے کی اور کل نظام کی کامل محافظت کرتے ہیں اور ہر جگہ اتحاد و خوبی پیدا کرتی ہیں ہر ایک مدار دوسرے مدار پر اثر دالتا ہے اور ان کا تجاذب اس طرح ہے کہ اگر اوس میں ذرا فرق واقع ہو تو تمام نظام منتشر ہو جائے لیکن یہ نظام ایسے حیرت انگیز اصول پر قائم ہے کہ یہ ظاہری خوفناک پہیلا دے بہ بادی کے رد کے اور عام خوبی پیدا کر کے باعث ہوتے ہیں کیونکہ دوسری قوتیں مناسب قاعدی پر اوہنیں درست رکھتی ہیں یہ مسلم ہے کہ مادہ میں ارادی اور تجویزی قوت نہیں ہے نہ اوس میں یہ لیاقت ہے کہ کوئی ایسا قاعدہ مقرر کرے کہ تمام امور ٹھیک ٹھیک اور مفید واقع ہوں۔ اگر یہ بھی ہی فرض کر لیا جائے کہ مادہ فی نفسہ خاص خاص خواص رکھتا ہے جن کا اثر نظام عالم پر پڑتا ہے۔ مگر اویسی ترکیب کیونکر حاصل ہوتی کہ ہر فعل کا نتیجہ مفید اور موبد بہ نظام پیدا ہوا۔ کیونکہ انہیں اوس میں بے ترتیبی اور خلل واقع ہوتا اور وہ خاصیتیں کہسی کوئی بے ڈھنگا نتیجہ کیونکہ پیدا نہیں کرتیں۔ یہ خاصیتیں اوس قاعدے سے جو کہ سموات والارض نے مقرر فرما دیا ہے اگر ذرا انحراف کریں تو تمام عالم کو ایک دم میں تہ و بالا کریں

مادہ میں قوت
ارادی نہیں ہے

یہی منضابطہ
دقانون

اگرچہ میں کوئی ترتیب اور قاعدہ نہ ہوتا تو اس امر کے شبہ کرنے کی وجہ ہوتی کہ اوس پر کوئی حکمران نہیں ہے۔ مگر نیچر کے تمام سلسلہ نہایت مدبرانہ ترتیب اور کامل قوانین سے وابستہ ہیں۔ جن کو نہ کہی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے نہ جس میں کہی تغیر واقع ہوتا ہے اور یہ قاعدہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ مادہ کی تمام خاصیتیں جو نہایت تیز اور قوی ہیں اوس کے حکم کی مطاعت سے نہ صرف نظام پیدا کرتی ہیں بلکہ کوئی فعل حکمت اور کسی بہلائی سے خالی نہیں ہے پہر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ مادہ نے اپنی سرکش طاقتوں کو اس طرح قابو میں رکھا اور ان حالیکہ کوئی حاکم نہ ہوا۔

خدا قوانین قدرت
کا مقصد ہے

قوانین قدرت اپنے مقصد کی بے انتہا قدرت کا اظہار اپنے فعل میں کرتے ہیں جیسا کہ کسی فاضل کی ایذاقت کا نمونہ اوس کی ایجاد کی ہوئی مشین کے پرزوں اور حرکت سے ہو۔ مثلاً ایک گھنٹہ ہی ہے کہ پرزوں میں کام کرنے کی قوت ہے مگر جب تک وہ بالترتیب نہ جائیں اور نہ سے ٹھیک ٹھیک وقت معلوم کرنا ناممکن ہے۔ یہ خیال کیسا مضحکہ آمیز ہوگا۔ اگر کوئی شخص بان کرے کہ بغیر گھڑی سے کسی قوت فکر کے تمام پرزے اس طرح جمع ہو گئے اور فسر چلنے لگا۔ اگرچہ وقت گھنٹہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن تمام شکریہ کا مستحق موجد ہے یہ گھنٹہ۔

گرچہ تیر از کسان ہی گزر د از کما نذر بسند اہل خرد

تمام کائنات کے
محسوسات کو
کرنے سے جس
خمسہ عاجز ہیں

یہ کوئی دلیل نہیں کہ ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ خدا تو خدا ہم تو ہوا کو بھی نہیں دیکھ سکتے اور ہوا کے احساس میں قوت ہائی شامہ باصرہ اور ذائقہ تینوں بیکار ہیں صرف سامعہ اور لامسہ اسے احساس کر سکتی ہیں پس جس طرح کسی چیز کا بعض حواس سے معلوم ہونا محال ہے ممکن ہے کہ کسی چیز کے احساس میں پانچوں حواس ظاہری بیکار ہوں اور عقل و فو را بیان ہی اوس تک راہ نمائی کر سکے۔

انفاق کوئی فاضل
میرزا نہیں ہوتا
نکوئی شریعت آہونی
ہے

ہم خدا کو نہیں دیکھتے لیکن خدا کے کاموں کو دیکھتے ہیں۔ یہ عجائبات فی حدائقہ ایسے مکمل اور ایسے اعلیٰ ہیں کہ ان سے زیادہ بہتر ہونا ممکن نہیں اگر کوئی ان کا بنا بیولا نہیں ہے تو ان کی ایسی حیرت انگیز ساخت کیونکر ہوئی؟ اور یہ کمال و خوبی کہاں سے

آئی؟ جو لوگ خداوند تعالیٰ کی ذات کے قائل نہیں وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ اتفاق سے مادہ نے ایسی صورت اختیار کی اور اتفاق سے اس کو وصفاً ایسی بنا کر ایسے خوبصورت اور ایسے اعلیٰ ہوئے لیکن فی الاصل اتفاق کوئی چیز نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو وہ اندھا دھند کام کر سکتا ہے نہ اس میں اشتیاء کے جانچنے کی تمیز ہو سکتی ہے نہ اون کو انتخاب کرنے اور ترتیب کی عقل۔ اتفاق سے یہ کیونکر ممکن ہے کہ اتنی بڑی اتنی وسیع گوناگون اور بوقلمون کائنات پیدا کرے اور اس میں یہ انتظام اور ترتیب ملحوظ رکھے جو تدبیر و اندیشہ کی حد سے بہت بالاتر ہے اس لیے ضرور ہے کہ اس تمام کائنات کا ایسا خالق ہو جس کی غیر متناہی قدرت جس کی بجد و اندازہ عقل ہو۔ جس کی تدبیر اتنی سلیم اور درست ہو کہ اس کے کاموں میں ہر اصلاح کی گنجائش اور نقص کا نام باقی نہ رہے نہ کہ وہ بے ارادہ اور بلا اندیشہ پیدا ہوتی عمدہ نظم کی کتاب نو اور پڑ ہو۔ کیا کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ کسی قادر الکلام شاعر کے بغیر یہ نظم پیدا ہو گئی اور حروف جو ایک زمانہ میں علیحدہ علیحدہ تھے خود بخود اگر اس طرح جمع ہوئے کہ اون سے الفاظ بنے اور پہر الفاظ اس طرح مرتب ہوئے کہ اون سے فقرے بنے اور وہ بھی مقفی اور مہورن۔ پہر الفاظ کی ترتیب ایسی باقاعدہ اور درست واقع ہوئی کہ اس سے نہایت باریک اور نازک معنی پیدا ہوئے۔ اور معنی بھی مسلسل۔ واقعات کا خاکہ کہنچا تو ایسا کہ تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ گئی۔ کسی منظر کا بیان کیا تو ایسا ہی دلفریب کہ رقص ہنسنے والا محو ہو گیا۔ غم و غصہ۔ محبت و مبغضت کی تصویریں کہنچیں تو ایسی عمدہ کہ آنکھوں کے سامنے سماں بندہ گیا۔ غرض ایک کتاب طرح طرح کی دل چسپ اور مفید مضامین سے آراستہ ہوئی۔ اور یہ صرف حروف کے اتفاقاً مل جانے سے ہوا اور کسی شاعر کی قوت تخیل کو اس میں دخل نہیں! جس اتفاق میں اتنی قدرت نہیں کہ ایک مصرع گھڑ سکے تو ساری نظم گھڑ لینا کس طرح ممکن ہے۔ کوئی فلسفی جو قدرت الہی کے بطلان پر قائل تھا ہے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کوئی نظم حروف کے اتفاقاً جمع ہونے سے پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ کتاب فطرت

جو عمدہ سے عمدہ نظم و نثر کی کتاب سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے کیونکہ بغیر مصنف کے پیدا ہو گئی! اگر پر وہ کے پیچھے سے ستار بجنے کی آواز آ رہی ہو تو کون ایسا بیوقوف ہو گا کہ جو یہ اعتبار کرے کہ بغیر انسان کے ہاتھ کی مدد کے ستار کے تار آپ ہی آپ پڑے بچ رہے ہیں اور دلکش ترانہ پیدا کر رہے ہیں یا ایک سنسان جنگل میں ایک پتھر کی مورت کھڑی ہوئی ہو تو فلسفی یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یقیناً یہاں پہلے آدمی رہتے تھے۔ اور اون کو سنگ تراشی میں بہت بڑا دخل تھا۔ مورت کے اعضا کی موزونیت۔ تراش کی خوبی اور صفائی۔ صورت اور خط و خال کی مناسبت۔ ساخت اور استادگی کے طرز میں انسان سے بالکل مشابہت صنم کی ہنرمندی پر دال ہیں اگر کسی فلسفی سے یہ کہا جائے کہ اس مورت کو انسان نے کبھی نہیں بنایا بلکہ مادہ (خاک) کے ذرے خود بخود اگر اس طرح جمع ہونے لگے کہ ہر روز زمانہ اس قسم کی ایک مجموعی صورت پیدا ہو گئی جو انسان کی شکل سے بالکل مشابہ ہے اور ایک صدمہ کے بعد اس میں چلنے پھرنے سوچنے سمجھنے اور استدلال کرنے کی عقل پیدا ہو جائے گی تو کون اس کا یقین کرے گا؟ لیکن تعجب ہے کہ ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ انسان جس کی تصویر بغیر بنائے نہیں بن سکتی خود بغیر صنم کے پیدا ہو گیا اور اتفاق جو ریت کے ذروں کو ایک جگہ جمع نہیں کر سکتا کہ ایک عورت بنا دے اوس نے زمین۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ سیارے۔ درخت۔ پتھر۔ انسان۔ حیوان اور لاکھوں کڑوڑوں طرح کے کامل نظام پیدا کر دیے جن میں سے ایک انسان بھی ہے کہ اپنی ساخت میں ایک حیرت انگیز صنم کا مجموعہ ہے دیگر مخلوقات کی طرح یہ بھی مادہ سے بنا ہے لیکن اس میں عقل اس درجہ پر ہے کہ کسی اور شے میں نہیں سوچنے کی قوت اور حیوانات میں بھی ہے لیکن بہت کم۔ سوال یہ ہے کہ کیا مادہ میں سوچنے کی قوت اور عقل و تہذیب ہے اور قوت عقل و تہذیب کوئی علیحدہ چیز ہے جو انسانی مادہ میں زیادہ کی گئی ہے؟ اگر خود مادہ میں یہ قابلیت ہے کہ بغیر کسی مادی قوت کے قوت تخیلہ اوس میں موجود ہو تو یہی کم از کم یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام مادہ سوچنے کی

مادہ میں قوت اور اک و فہم نہیں ہے۔

قوت نہیں رکھتا اور جو مادہ کہ آج سوچ سکتا ہے پچاس برس پہلے سوچنے اور سمجھنے پر قادر نہ تھا۔ مثلاً وہی مادہ جس کا ایک نوجوان لڑکے کا جسم بنا ہے دس برس پہلے جب وہ پیدا ہوا نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مادہ میں تجزیل کی قوت ایک خاص قسم کی ترکیب اور ترتیب اور بعض اجزاء کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک پتھر یا لکڑی یا پھل پھول سوچنے کی قوت نہیں رکھتا اور ان کو متحیل بنانے کے لیے ان کے تمام اجزاء کو ایک نئے ڈھنگ سے ترکیب دینا اور خاص طریقہ سے ایک درجہ پر پہنچانا ضرور ہے۔ وہ کون ہے جسکو یہ اندازہ ہے کہ مادہ میں اس طرح یہ تغیر پیدا کیا جائے اور اس درجہ تک (نہ ذرا کم نہ ذرا زیادہ) اس کی ترکیب بدلی جائے۔ کہ یہ بے ڈھنگا مادہ ایک لڑکے کی صورت اختیار کرے اور اس میں رفتہ رفتہ ادراک فہم۔ ذہانت۔ عقل۔ شعور۔ پیدا ہو یہ مسلم ہے کہ وہی مادہ جس سے یہ صورت بنی ہے عقل سے خارج ہے پھر عقل کا پیدا کرنا اور ایسا حکیمانہ کام کرنا اس سے کیونکر ممکن ہے۔ مادہ سے بیشک سب چیزیں بنتی ہیں لیکن اس سے زیادہ احمقانہ خیال اور نہیں ہو سکتا کہ مادہ سب چیزوں کو بناتا ہی ہے اور وہ اوصاف اون میں پیدا کرتا ہے جو خود مادہ میں نہیں اگر یہ کہا جائے کہ مادہ اور عقل دو علیحدہ چیزیں ہیں اور انسان کا جسم ایک مادہ سے بنتا ہے اور عقل اس میں زیادہ کی جاتی ہے تو یہی کسی صانع کی ضرورت ہے جو عقل جیسے پیش بہا جو ہر کو مادہ میں ملائے کی قوت رکھتا ہو۔

محد فلاسفہ کا قول ہے کہ دنیا اور اس کی چیزیں انسان کے لیے یا کسی مطلب کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں بلکہ خود انسان نے دنیا اور اس کی تمام چیزیں اپنے مطلب کا بنا لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان قدرت کی لاکھوں چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور ان سے آرام پاتا ہے لیکن قدرت نے ان چیزوں کو انسان کے آرام کے لیے نہیں بنایا بلکہ یوں ہی بے تمیزی سے پیدا کر دیا تھا انسان نے جن چیزوں کو جس طرح اپنے مطلب کا پایا برتا۔ مثلاً کوئی دہقان کسی

کائنات کی کُل
چیزیں بیکار پیدا
نہیں ہوئیں۔

کسی پہاڑ کے نامہوار پتھروں پر پاؤں رکھ کر اوپر جایا اور نیچے آیا کرے تو اس سے
یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ نامہوار چٹانیں اس لیے بنائی گئی تھیں کہ وہ حقانوں کو
سیڑھیوں کی طرح استعمال کرے یا اگر خوب زور کا مینہ پڑ رہا ہو اور کسی شخص کو
وہاں کوئی ایسا غار مل جائے کہ اس میں پناہ لے لے تو اس سے یہ ثابت نہیں
ہوتا کہ وہ غار خاص اسی کام کے لیے بنایا گیا تھا بلکہ انسان نے اس حسن اتفاق
سے فائدہ اٹھایا۔ یہی دنیا کی تمام موجودات کا حال ہے کہ اتفاق سے بن گئیں
نہ ان کے بننے کا کوئی خاص مطلب تھا نہ غرض خود انسان نے ان کو اپنے مطلب کا
پایا اور استعمال کرنے لگا۔ پس اگر تعریف ہے تو انسان کی یہ کہ اسے اپنے
گرد و پیش کی چیزوں کے کام میں لانے کا ذہب آتا ہے بلکہ یہ کی یہ بڑی دلیل
ہے لیکن اس سے زیادہ کمزور دلیل اور کوئی نہ ہوگی جسے سن کر منہسی آتی ہے
دنیا کی مثال چٹان یا غار کی سی نہیں ہے جس کے ذریعہ سے انسان پہاڑ پر چڑھا
یا دم کے دم اس نے پناہ لی بلکہ دنیا کی مثال ایک مکان کی سی ہے جس کی عمارت
شاذ ار اور وسیع ہے اور جس کے دالان اور کمر ضرورت کے لیے مناسب اور
ایک دوسرے کے متناسب بنائے گئے ہیں جس میں نہ صرف تعمیر کی خوبصورتی
کا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ کمین کی ضرورتوں کے لحاظ سے آرام اور صحت کا بھی
یہ اور خیال ہے اور جس میں تمام بیش قیمت اور بوقلمون اسباب ایسی عمدگی سے
آراستہ کیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ بہتر ممکن نہیں ہے اور اس کی ایک ایک
چیز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی سوچ سمجھ کر اس کام کے لیے بنائی گئی تھی۔
اس مکان میں کوئی چیز ناموزون اور بے جڑ نہیں ہے اور ڈھونڈنے سے بھی کوئی
ایسی چیز نہیں ملتی جو کسی خاص فائدہ یا غرض کے لیے نہ بنائی گئی ہو ایسی عمدہ ایجاد کی
نسبت کیونکر سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کی تکوین برفائدہ اور بضرورت کی گئی تھی اور اتفاق سے
وہ سب سب اور مناسب اور مفید نکلی۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ معمار قدرت کا یہ منشا تھا کہ اس کے
بنائی ہوئے محل نہ صرف لفریب ہی ہوں بلکہ مفید بھی اور ان فائدہ کو اس نے پہلے سے سوچ سمجھ لیا تھا

صفات انہی

پس جب اللہ تعالیٰ موجودات کے ذرہ ذرہ پر قادر اور حاکم علی الاطلاق ہے تو ضرور ہے کہ اوس کا علم موجودات کی ہر فرد سے زیادہ اوس کی قدرت کائنات کی ہر شے سے برتر اوس کے صفات تمام نقائص سے منزہ اوس کی ذات خواہ بشری سے پاک و مبرا ہو اوس کی رحمت ہر دل کو ڈھارس دے اوس کا عدل ہر شخص کو تنبیہ اور تادیب کا خوف دلائے اوس کے جلال اور اوس کے قہر سے ہر وقت انسان ڈرتا رہے اور جانے کہ کوئی آنکھ نہیں ہمیشہ دیکھتی ہے کوئی ہاتھ نہیں پکڑے ہوئے ہے اور جب تک ہم اوس کی مرضی کے مطابق نہ چلیں اور اوس کے احکام کی بجا آوری نہ کریں نہ دنیا میں کوئی ٹھکانا ہے نہ دین میں اور ہماری خوش قسمتی سے اگرچہ مذہب کے بہید سمجھنے میں ہماری سمجھ قاصر ہو مگر احکام ایسے آسان اور صاف ہیں کہ نہ اون پر کار بند ہونا اگر ان سے نہ اون کی تفہیم میں ذرا دقت ہے مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُنِيعُمْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ پہر یہ کس قدر خوبی ہے کہ حسن تمدن اور حسن معاشرت ہی بشریت کی تعلیم ہے اور دنیوی فرائض کی بجا آوری اور حقوق کی نگہداشت ہی خدا کی خوشنودی اور رضا مندی کا باعث ہے پس اصول شریعت پر کار بند ہونا علی وجہ الکمال سچا لائف کی صلاح ہے کیونکہ احکام شریعت معاملات میں عدالت ابائی جنس کے سنا رعایت اور صداقت نیز ادا می فرض سکھاتے ہیں اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنا علم انسان کو دیا ہے کہ انسان خدا ہی سے مدد طلب کرے اور اوس کی مرضی کے موافق کام کرے شریعت اوس کی رضا جوئی کا خاص طریقہ پس احکام شریعت میں فرصت و تنہائی کے وقت جب انسان خدا ہی عزوجل کے سامنے سرسبز جہکاتا ہے اور اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہے تو اوس کا رتبہ زیادہ بلند ہو جاتا ہے اوس کی روح میں تازگی اور جلایا پیدا ہوتی ہے اور اوس کو یہ اطمینان اور تسکین حاصل ہوتی ہے کہ وہ ایسی بارگاہ میں موجود ہے جس سے بڑا کوئی دربار نہیں اور ایسے عظیم الشان شہنشاہ

احکام مذہب

عبادت کا
انسان پر اثر

لہ خدا نہیں چاہتا کہ تمہاری لیے کوئی ہرج کرے بلکہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تمہاری نعمت پوری کرے شاید تم کو

تعلق اخلاص و عبودیت قائم کرنے سے اوس کے دل کو ایسی تقویت حاصل ہوتی ہے جو کسی فانی بادشاہ کے اکرام اور وعدوں سے ممکن نہیں۔ خواہ کیسی ہی سہانی اور ہموکا مقام کیوں نہ ہو عبادت الہی کی حالت میں خوف و پریشانی معلوم نہیں ہوتی اور فتنے گران گزرتا ہے انسان کے خیالات اور دلی جذبات اسفل سے اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اسی سبب سے عبادت میں انشراح خاطر حاصل ہوتا ہے کیونکہ اوس کے دل میں غی امیدیں پیدا ہوتی ہیں اور نئی کیفیتیں اوس پر اپنی تخلیقی ڈالتی ہیں۔ خوف و سرخ و ہراس و انقباض رفع ہو جاتا ہے اور ایک طیمان کی اعلیٰ کیفیت اور استغنی کا سادہ و حاصل ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ لَہُمْ اَجْرٌ ہُمْ عِنْدَ رَبِّہُمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

عبادت کرو و نخواست
سے بجاتی ہے اور
خود داری قائم
رکھتی ہے

انسان مختلف خیالات اور مختلف حالتوں کا مجموعہ ہے کہی اوس کا علم اتنا وسیع ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کی ماہیت اور حقیقت کی کُنہ معلوم کرتا ہے اور کہی اوس پر اس قدر جہالت طاری ہوتی ہے کہ اپنی ذات اور اپنے رتبہ کو بھی نہیں پہچانتا اور اپنے رتبہ کی شناخت میں اتنی غلطی کرتا ہے کہ جب غرور و نخوت عجب و سر تکندی کی طرف رجوع ہوتا ہے تو ریاست و شہنشاہی سے گزر کر خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور خود بینی میں ایسا گرفتار ہو جاتا ہے کہ اپنے سوا کوئی چیز اسے اعلیٰ اور برتر نہیں سوچتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جابر اور ظالم۔ ناخدا ترس۔ سفاک بن جاتا ہے لوگوں کے حقوق تلف کرتا ہے اور اپنی قوت غصنی کے جوش میں ملک کو برباد اور ویران کرتا ہے۔ وہ ایک مست ہٹی یا جہلائے ہوئے شیر کی طرح ہر طرف حملہ کرتا ہے اور خوف و ہراس پھیلاتا ہے۔ دوسری جانب تنزل کی طرف مائل ہوتا ہے تو اپنے رتبہ سے اتنا گر پڑتا ہے کہ جمادات اور نباتات کی پرستش کرتا ہے۔ حیوانات کو معبود جانتا ہے تو ہمت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ضعیف الاعتقاد ہی ہر ادنیٰ چیز کے سامنے

لے خقیق جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ایسے کام کئے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دی اور ان کے لئے بدنامی ہے اور ان کے رب کے پاس اور ان کو کوئی ڈر نہیں ہے نہ بچ۔

جہکا دیتی ہے اس حالت میں اوس کی روح ابتذال کی طرف مائل ہوتی ہے اور اوس میں کمزوری اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے لیکن سچا مذہب انسان کو سکھاتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے وہ بیشک برگزیدہ ہے لیکن مطلق العنان نہیں بلکہ اوس کے اختیارات محدود ہیں اور اس بزرگی کا حق ہر شخص کو حاصل نہیں بلکہ اون کو حاصل ہوتا ہے جو اوس کے مستحق ہیں۔ یہہ استحقاق وراثۃ عطا نہیں ہوتا بلکہ انسان خود اوسے پیدا کرتا ہے اور جس کا دل جس رتبہ پر پہنچنے کو چاہے پہنچ سکتا ہے۔ مذہب یہ بھی سکھاتا ہے کہ انسان کی قدرت اور قوت بہت کم ہے اور ایسا خدای قادر مطلق اوس پر حاکم ہے جو اوس کے افعال کو دیکھتا اور اوس سے باز پرس کر سکتا ہے اور انکدن انسان کو اوس کے سامنے اپنے پہلے بڑے کاموں کا حساب دینا اور جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَ عَنْ دَسْبِیْلِ اللّٰہِ لَکُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ لِّمَا کُنتُمْ یَوْمَ الْحِسَابِ عبادت الہی ایک طرف انسان کو اپنی حد سے قدم باہر نکالنے نہیں دیتی اور اوس میں عجز و انکسار کی کیفیت کو قائم رکھتی ہے دوسری طرف اوسے انسانیت کے رتبہ سے گرنے نہیں دیتی اور وہ ایسے خدای ذوالجلال کے سوا جو جسم و مادہ جہت و مکان سے بالکل پاک ہے اور جسکی قوت و عظمت لا انتہاء اور کیسے سامنے نہیں اس زمانہ میں جہان امور معاشرت اور لباس میں فیشن کا اتباع کیا جاتا ہے خیالات میں بھی فیشن کی ہوا چل رہی ہے۔ ہر شخص بہ استتشاء بعضے انگریزی کی تہوڑی مہارت پیدا کرتے ہی اصول مذہب کو لغو بنانا شروع کر دیتا ہے اور اون کا رہنما ہونا یا احکام شریعت بجا لانا تو نہ صرف خلاف جنٹلمیننی سمجھتا ہے بلکہ اون خصال رفیلہ سے بھی بدتر جو وہ جنٹلمیننی کے پردہ میں اختیار کر لیتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے نوجوانوں نے انگریزوں کی خوبیاں نہیں بلکہ اون کی بُرائیوں اور خرابیوں کا چربہ اوتار ہے بہت سے اشخاص جو عرفاً جنٹلمین کہلاتے ہیں علوم ظاہری و باطنی لہ ترجمہ۔ تحقیق جو لوگ گمراہ کرتے ہیں اللہ کراستہ سے اون کو لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ حساب کا دن بھول گئے

بے دینی کا
سبب

دو نو سو سے سب بہرہ ہیں اور صرف شراب پیئے لباس اور تکلفات ظاہری میں
 روپیہ برباد کر سنے۔ آزادی کو بے حیائی کے طور پر استعمال کر نیا لے ہیں
 انہوں نے فصول خرچی میں روپیہ برباد کرنا اور پیا نو بجانا ہی سیکھا کاش یہ انگریزوں کا
 پابندی وقت۔ ادائی فرائض منصب۔ تلاش علوم۔ توسیع تجارت کسب کمال
 حب وطن حب قوم جستجوی فضیلت میں ہی اتباع کرتے مگر افسوس ہے ایسے
 بہت کم ہیں جنہوں نے ٹھوڑا یا بہت اوصاف حمیدہ سے حصہ لیا ہو وہ اپنے دماغ
 اور خیالات کی بلندی صرف اسی میں دکھاتے ہیں کہ اپنے اسلاف کی ہر ایک شے
 کی خواہ کسی قدر عمدہ ہو حتیٰ کہ مذہب کی بھی حقارت کریں۔ وہ اپنی عقل کو اس قدر
 کامل اور اس قدر رسا جانتے ہیں کہ جو اون کی سمجھ میں نہ آئے اوس کے وجود ہی
 سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ کیا اور انکی عقل کیا۔ اور عقل ہی وہ جس کو تعلیم
 مذہبی کی ہو اسی نہ لگی ہو اور تعلیم کا معیار اگر کچھ ہو بھی تو صرف یونیورسٹی کو رس۔
 جس طرح علم نباتات کا ماہر عمدہ انجینئر نہیں ہو سکتا۔ اور ایک اعلیٰ درجہ کا مہندس علم حیوانیات
 سے ناواقف ہوتا ہے۔ جس طرح علم عروض کا ماہر منطقی استدلال نہیں سمجھ سکتا۔
 جس طرح ایک منجم فلسفہ پر بحث نہیں کر سکتا اور اوسکی عقل اپنے علم کے سوا دوسرے
 علوم میں اچھی طرح نہیں دوڑتی اسی طرح علم دین پرستے اور اوس میں کمال حاصل کیے
 بغیر مذہب کی کنہ حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی نہ ہر ایک انسان کی عقل اگر یہ علوم
 دنیوی سے بہرہ مند ہو روز مذہب کو سمجھ سکتی ہے۔ انسان و انسان قوت عقل
 میں متفاوت ہیں بعض بہت تیز عقل اور ذہین ہوتے ہیں بعض کم بعض بالکل ہی
 بے وقوف۔ بعض کسی خاص فن کے مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور دوسرے
 فن میں اون کی عقل نارسا ہوتی ہے۔ مثلاً اکثر علما و کلام منطوق و فلسفہ ریاضیات
 وغیرہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں قانون اور لوگس میں اون کی عقل کام نہیں کرتی
 اور اگر انتظام ملکات اون کے ہاتھ میں دیدیا جائے تو اون کا علم ذرا ہی رہنمائی نہیں
 کر سکتا۔ بعض لوگ ایک مسئلہ کو سہولت سے سمجھ لیتے ہیں بعض بہ وقت بعض بالکل

مذہب کی تعلیم
 کے لئے ضروری ہے
 کہ

نہیں سمجھ سکتے اسی طرح ممکن ہے کہ بعض مسائل ایسے مشکل ہوں (اور وہ دہریہ کے بعض مسائل ہیں) کہ افراد انسانی میں بہت بڑے بڑے ہی اوں کو نہیں سمجھ سکتے اور صرف وہی لوگ اوں کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص علم عطا فرمایا ہے اور جن کے سینے حقیقت و معرفت کے نور سے معمور ہیں کوئی صحیح مسئلہ اگر کسی شخص کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ مسئلہ غلط نہیں ہو سکتا اس صورت میں تصور اس کی فہم کا ہے نہ مسئلہ کا۔ دنیا میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جن کی انسان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور ممکن نہیں کہ قدرت کے تمام اصول ہر ایک شخص سمجھ سکے۔ لیکن کیا ہر ایک بات سے جسے وہ نہیں سمجھ سکتا انکار کر دینا مقصدنا ہی عقل ہے؟ یہ سب جاننے ہیں کہ مقناطیس میں لوہے کو کھینچنے کی قوت ہے مگر کوئی بتا کر کہ کیوں ہے؟ اور اگر یہی قاعدہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے وہ غلط تو یہ بدیہی امر ہی غلط! انسان میں عقل ہے لیکن ہر انسان میں بلکہ کسی انسان میں الاما مثلاً اللہ کامل عقل نہیں ہے۔ اس لیے نہ تو انسان کو اپنی عقل اور علم پر اتنا بہرہ و سہ کرنا چاہیے کہ وہ تمام حقائق کو احاطہ کرنے کی کوشش کرے اور جو بات نہ سمجھ سکے اوس کو غلط بتا دے۔ نہ اپنی عقل کو ایسا معطل چھوڑ دینا لازم ہے کہ اعتقادات حق و باطل میں تمیز ہی نہ کرے بلکہ حقیقت و معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرنی اور اوں لوگوں کی پروردگی مناسب ہے جو علم و عقل میں ہم سے فائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ دانش منہید عطا فرمائے اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہے۔

باب چہارم اپنی ذات کا فرض انسان پر ۱۔ اصول صحت

انسان کا فرض

جس طرح انسان پر خدا کا یہ فرض ہے کہ اوس کو پہچانے اور اوس کی عبادت کرے اسی طرح اپنی ذات کا یہ فرض ہے کہ اوس کی نگہداشت کرے اور اپنی صحت

و تندرستی کا خیال رکھے۔ نعمتہای دنیا سے متمتع ہو اور خوشی و راحت حاصل کئے
 صحت کی تعریف یہ ہے کہ بدن کا ہر ایک حصہ اوس کام کو اپنی طرح انجام
 دے جو اوس کے خلق کی علت غائی ہے۔ دل و دماغ۔ پھیپھڑا۔ جگر۔ معدہ۔ رگ و
 پٹے۔ جلد۔ سب کسی نہ کسی کام کے لئے بنائے گئے ہیں اور ہر وقت اپنے کام
 کر رہے ہیں۔ صحت کی حالت یہ ہے کہ مزاج اعتدال کی طرف مائل ہو اور یہ کل اعضاء
 اپنے اپنے کام ٹھیک ٹھیک انجام دین۔ بیماری کی تعریف یہ ہے کہ اعضائی جسمانی
 کو جو کام قدر تاسیر دے اوس کو کل اعضاء یا کوئی عضو درستی سے انجام نہ دیتا ہو
 اور مزاج اعتدال سے منحرف ہو جائے۔ جب انسان بیمار ہوتا ہے تو ضرور کوئی سبب
 ایسا پیدا ہو جاتا ہے جس نے بیمار ڈالا ہو اور اگر وہ سبب واقع نہ ہوتا تو بیماری پیدا
 نہ ہوتی۔ بیماری کے بعض اسباب تو ایسے ظاہر اور صریح ہوتے ہیں کہ معمولی فطرت
 اور عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے لیکن بعض اسباب علالت ایسے خفی و دقیق ہوتے
 ہیں اور اون کی تشخیص ایسی مشکل ہے کہ بڑے بڑے اطباء اور ڈاکٹر بھی اوس میں
 قاصر رہتے ہیں لیکن خواہ کچھ ہی سبب کیوں نہ ہو اکثر بیماری خود انسان کی غفلت
 یا اصول حفظان صحت کے خلاف کرنے سے پیدا ہوتی ہے اس واسطے اون
 قواعد کا جاننا جو حفظان صحت سے تعلق رکھتے ہیں ہر انسان پر لازم اور ضروری ہے
 اور اسی سبب سے علم طب کا رتبہ علم دین کے برابر قرار دیا گیا ہے **الْعِلْمُ عِلْمَانِ**
عِلْمُ الدِّبَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ اگرچہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر شخص اس فن کو اس
 درجہ تک حاصل کرے کہ بوعلی سینا اور علوی خان ہی بن جائے لیکن حفظان صحت
 کے اون قواعد سے جو عموماً ہر وقت کام آتے ہیں واقفیت پیدا کر لینا واجب ہے
 تاکہ جو امور صحت کو نقصان پہنچانے والے ہیں اون سے اجتناب کیا جاسکے اور
 مفید صحت طریق اختیار کیے جائیں۔ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں بلکہ امانت دار ہے
 اور یہ اوس کو صرف اس واسطے عطا ہوا ہے کہ جو باطنی اور دماغی قوتیں قدرت نے عطا فرمائی

وہ جسم کے ذریعے سے عملاً کام میں آئیں۔ جسم ایک آلہ ہے لیکن ایسا عمدہ اور ضروری آلہ ہے کہ کوئی نیک و بد فعل بغیر اوس کی معاونت کے واقع نہیں ہو سکتا۔ جسمانی صحت دماغی کاموں کے لئے ضروری ہے اور صرف دماغی کاموں ہی پر منحصر نہیں انسان جو کچھ کرتا ہے اپنے جسم کے ذریعے کرتا ہے۔ اس لئے ہر فعل کے عمدہ طور پر جانے ہوئے کے واسطے جسم کی درستی اور صحت لازمی ہے۔ بہت سے طالب علم تین جو علم میں صرف اس سبب سے ترقی نہ کر سکے کہ اون کی صحت خراب تھی۔ جب حافظہ کمزور ہو جائے اور ناتوان جسم محنت نہ کر سکے تو ترقی کیونکر نصیب ہو؟

صحت کے
فائدے

توانا اور صحیح المزاج آدمی مشکلات کا مقابلہ کرنے سے نہیں ڈرتا بلکہ جب کہی کوئی وقت پیش آئے تو اوسے اپنے قوت بازو سے دور کر دینے کے لیے فوراً آمادہ ہو جاتا ہے۔ انسان کے لئے یہ کس قدر حسرت انگیز بات ہے کہ وہ قبل از وقت بڑھا ہو جائے اور اصول صحت پر کار بند نہ ہونے کے سبب اوس کو ایفوس کرنا پڑے کہ وہ اس سے زیادہ طاقتور اور حسیٹ و چالاک ہو سکتا تھا۔

جسمانی طاقت کو بنائے رکھنا اور صحت کو بگڑنے میں نا بہت سے موقعوں پر عزت و آبرو کا سبب بھی ہوتا ہے کیونکہ جن کے جسم میں طاقت ہے وہ خطرات کا دلیری سے مقابلہ کرتے ہیں اور اکثر خطروں سے بچ جاتے ہیں۔ اپنے دوستوں اور عزیز واقارب کی بُرے وقت پر مدد کر سکتے ہیں اور نہ صرف اپنی بلکہ اور لوگوں کی جان بھی بچا دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ اپنے ملک اپنی قوم اپنے مذہب کی ہر طرح حمایت کر سکتے ہیں اور اسی سبب سے دنیا میں اون کا نام روشن ہوتا اور لوگ اون کی قدر و منزلت کرتے اور وہ دوسروں کے واسطے شجاعت اور جوانمردی کی ایک شریفانہ مثال قائم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج کل ہمارا وطن زندگی اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ جت تک ہم اپنی صحت کی خود پرداخت نہ کریں اوس کا قائم رہنا ذرا مشکل ہے۔ ہم اکثر بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں اور ایسے پیشے کرتے ہیں جن سے جسمانی ورزش کچھ نہیں ہوتی۔ جس کا عموماً یہ نتیجہ ہے

کہ روز بروز قوتیں کم ہوتی اور عمر میں گھٹتی جاتی ہیں لہذا حفظانِ صحت کے اصول واقفیت حاصل کرنا اور اون پر کاربند ہونا نہایت ضروری بلکہ فرض ہے حالت بیماری میں انسان اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ زود رنج و بدخو ہو جاتا۔ اور دوسرے لوگوں پر بار خاطر ہوتا ہے۔

طلباء کی صحت

طلباء کو اپنی صحت کی حفاظت نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر اون کی صحت خراب ہوتی تو زندگی سبجائی خوشی کے رنج پہنچانے لگے گی مطالعہ چھٹ جائے گا اور اگر نہ بھی چھٹے اور وہ وہ رتبہ حاصل کر لیں جو اون کو مد نظر تھا تو بھی بعد فراغ تحصیل علم بیکار ہو جائیں گے اور اس علم کا کچھ پھیل نہ پاسکیں گے۔ افسوس ہے کہ شوقین طلباء اس طرف بہت کم خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ رات دن دماغی محنت کرنا اور جسمانی ورزش نہ کرنا کتاب کا کثیر ابن جانا تو احمی بدنی کو کمزور کرتا اور جسم کو گھٹن لگا دیتا ہے۔ کاریگر اپنے اوزاروں کو سپاہی اپنے ہتھیاروں کو ہر وقت تیز و صاف رکھتے ہیں۔ طلباء کو بھی اپنے جسمانی اور دماغی قوا کو ایسا صحیح رکھنا چاہئے کہ اون سے پورا پورا کام لے سکیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص امیر ہے کوئی غریب ہے کوئی عیش و آرام کے مزے اڑا رہا ہے کوئی رات دن محنت و مصیبت میں مہینسا ہوا ہے تو ہمیں اون کی ظاہری اور بیرونی حالتوں کے اس قدر اختلاف پر تعجب ہوتا ہے لیکن ہمیں اس وقت یہ خیال نہیں آتا کہ خوشی تو ہم ہی میں سے پیدا ہوتی ہے اور صحت جسمانی اصلی خوشی حاصل کرنے کا سرچشمہ ہے یہ ایسی دولت ہے کہ ممکن ہے کہ فقیر کے پاس ہو اور بادشاہ اس کے لیے ترسا کرے اور جب صحت حاصل نہیں ہے تو دولت کے سامان اور شان و شکوہ کے اسباب سب بیکار و بیچ ہیں صحت خدا کا ایسا بڑا عطیہ ہے کہ قارون کا خزانہ بھی اوس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کی پروا نہیں کرتے اور اپنی نادانی و نا عاقبت اندیشی و بے توجہی سے اسے کھو دیتے ہیں یا خطرات میں ڈال کر ایسا خراب کرتے ہیں کہ پھر صحت سے ماہتہ

دھوپا پڑتا ہے۔ صحت کے صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ جسم میں کوئی روگ یا تکلیف نہ ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ جسم میں توانائی اور تازگی موجود ہو اور انسان قوارخا ہر بی باطنی کو کما حقہ استعمال کر کے اُن سے نفع اور خوشی حاصل کر سکے۔ انجن کا ایک پیرا بگڑ جائے تو ساری کلیں چلنے سے رُک جاتی ہیں اور جو پیرزے چلتے بھی ہیں وہ بہت ہی کم نہیں دے سکتے جس لیے وہ مشین بنائی گئی تھی۔ یہی حال جسم کا ہے کہ ذرا بہت مزاج خراب ہو یا ذرا بھی سپانٹس چبھ جائے تو ساری جان بے کل ہو جاتی ہے آدمی کہتے ہیں جس کو ایک پتلا کل کا ہے پیر کہاں کل اُس کو جب ہو کل ذرا بگڑ ہی جاتی جب قوار سے برابر کام لیا جائے اور اُن کو ضروری آرام و راحت پہنچائی جائے تو صحت حاصل رہتی ہے لیکن جو لوگ کسی خاص فن کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں خصوصاً وہ جو دماغی کام زیادہ کرتے ہیں انکو دماغ پر تو زیادہ بار پڑ جاتا ہے اور دوسرے اعضا معطل رہ جاتے ہیں جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اعضا سے کام لینے کا اندازہ اور قرینہ بگڑ جاتا ہے اور صحت مفقود ہو جاتی ہے۔

صحت قوی ترقی کا سبب ہے

ہر قوم میں دو طرح کی برتری ہوتی ہے۔ ایک تو بلحاظ قوار دماغی دوسرے بلحاظ قوار جسمانی۔ صحت جسمانی کا ٹھیک ہونا دونوں کے لیے لازمی امر ہے۔ جو قومیں جسم میں توانا اور طاقتور ہیں اُن کی ذکاوت و ذہانت و دانش و فراست بھی زیادہ اعلیٰ درجہ کی اور زیادہ ترقی پر ہوتی ہے۔ جو لوگ دماغی محنت کرتے کرتے اپنی صحت کو خراب کر لیتے ہیں اور جن کے جسم کمزور اور ناتوان ہو جاتے ہیں اُن کی عقلی قوت کا مرتبہ بھی رفتہ رفتہ گھٹ جاتا ہے اور اُن کی آئندہ نسلوں کے دماغ کمزور اور ناتوان پیدا ہونے لگتے ہیں۔

انسان کا دماغ کوئی خزانہ نہیں ہے کہ وہاں ہر طرح کے مضامین بہرے رہیں بلکہ دماغ کی قوت کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر قسم کے امور سوچنے اور ہر قسم کے واقعات سے صحیح نتائج استنباط کرنے کے لائق ہو اور صرف یہی قوت ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو سکتی ہے ورنہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے علم کا ذخیرہ

اپنی اولاد میں منتقل کر دے۔

انسان کے واسطے جس قدر نعمتیں دنیا میں پیدا کی گئی ہیں اون کو حاصل کرنے اور اون کا حظ اٹھانے کے لیے خود انسان کو اکتساب کی تکلیف اٹھانی شرط قرار دی گئی ہے۔ یہی حال صحت کا ہے کہ اصول صحت پر کاربند ہونے اور قوانین حفظان صحت پر عمل کرنے سے صحت قائم رہتی ہے چونکہ عمل کرنے سے پہلے علم ضروری ہے حفظان صحت کے قواعد جاننے اور اون کو کام میں لانے سے انسان بہت سی ایسی بیماریوں سے بچ سکتا ہے جو آب و ہوا کے ناصات ہونے یا غذا و لباس و مکان کی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں۔ بیماریاں علاج کرنے سے بہتر ہیں کہ عالم صحت میں بیماری سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو کوشش کی جائے اور اس کے لیے یہ ضرور ہے کہ صحت قائم رکھنے اور الحراف اعتدال مزاج سے بچنے کی تدابیر کا ہمیشہ خیال رکھا جائے اگرچہ پرہیز علاج سے بہتر ہے لیکن اگر بیماری زیادہ ہو اور بغیر دوا استعمال کیے جا ہی نہ سکے تو دوا استعمال کرنے کا احتیاط نہیں۔ دوا بیماری کا استیصال نہیں کرتی۔ بیماری کوئی مادی شے نہیں ہے کہ اس کا استیصال ہو سکے بلکہ دوا کا فعل یہ ہے کہ اعتدال میں نقص واقع ہونے کے سبب جو خرابی پڑی ہے اس کو روکتی ہے اور طبیعت اس نقص کو دور کرتی اور اصلی حالت پر لاتی ہے۔ دوا طبیعت کو مدد دینے کا آلہ ہے نہ کہ بیماری کو دور کرنے کا۔ حالت بیماری میں دوا بیشک مفید ہوتی ہے لیکن صحت کا قیام دوا کے ذریعے سے نہیں طبیعت کی قوت کو قائم رکھنے سے ممکن ہے اور طبیعت کی قوت ہو یا فانی غذا لباس وغیرہ غرض سب ضروریہ کے اعتدال پر منحصر ہے نہ کہ دوا پر اس لیے مناسب ہے کہ حفظان صحت کے چند ضروری اصول اس موقع پر مختصراً بیان کیے جائیں۔

۱۔ جسمانی ورزش اور تفریح۔ اعضائی جسمانی کا نمو اور اون کی صحت و ورزش پر منحصر ہے ہر عضو۔ ہر رگ۔ ہر پٹھہ۔ ہر ہڈی و ورزش سے توانا ہوتی اور بڑھتی ہے اور ان میں زیادہ کام کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ ورزش کرنے سے خون کا دوران

بدن میں خوب ہوتا ہے اور اعضا اچھی طرح سے حرکت کرتے ہیں اگر ورزش نہ کی جائے اور دن بھر بیٹھے ایک کام کیے جائیں یا کتاب پڑھے جائیں اور پہر اس کا خمیازہ بہکتا پڑے تو یہ خود اپنا قصور ہے۔ فطرت کا قاعدہ ہے کہ وہ غلطی کی سزا دے بغیر نہیں چھوڑتی۔ جب اپنے ہاتھ اپنی صحت بگاڑی جائے تو تیر پر کیا الزام ہے؟ کم از کم دو تین گھنٹہ کھلی ہوا میں پہرنا یا کچھ ورزش کرنی ہر شخص کو لازم ہے بلیرٹنس۔ کرکٹ۔ فٹ بال۔ ٹینس وغیرہ کھیل۔ ورزش میں داخل ہوں اور یہم نہ صرف صحت کو درست کرتے ہیں بلکہ کام کرنے کی قوت بخشتے ہیں تو جوان لڑکوں پر اس قسم کے کھیل باہم مل کر کھیلنے سے اخلاقی اثر بھی عمدہ پڑتا ہے کیونکہ ان کو بغیر کسی غرض یا لالچ کے باہم مل کر کام کرنے کی عادت پڑتی ہے اور جو اچھا کام کرتے ہیں ان کی وقعت کرنا اور خود بھی اسی قدر مشق بہم پہنچانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے جنگل میں شکار کرنا دریا میں مچھلیاں پکڑنا میدان میں گھوڑے دوڑانا۔

بالا بون میں تیرنا۔ غرض تمام قسم کے اسپورٹس اعضا کو توازن دل کو مضبوط اور بدن کو چست کرتے ہیں اور وقت پڑے پر کام آتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے بزرگوں کی زندگی ان ہی مشاغل میں بسر ہوتی تھی اور اسی سبب سے وہ ہم آہم کہیں زیادہ طاقتور اور بہادر ہوتے تھے اگر ہمیں کسانوں کی طرح ہل چلانے اور کھیتی کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تو نہ سہی گہرے صحن میں اپنے ہاتھوں سے کیاریاں بنانا پودے لگانا ان کو پانی دینا اور اپنی کھجک کے لیے ایک چھوٹا سا بچہ اپنے ہاتھ سے تیار کرنا طبیعت میں پسندیدہ مذاق پیدا کرتا ہے اور تیر کی خوشنما چیزوں کی قدر کرنا اور موجودات عالم کی خوبصورتی سے حظ اٹھانا سکھاتا ہے اس طرح ایک چھوٹی سی کشتی کو مجمع احباب کے ساتھ یا تنہا اپنے ہاتھ سے کھینا اور سیراب کے لطف اٹھانا نہ صرف مسرت بخش مشغلہ ہے بلکہ قیام صحت کے لیے عمدہ ورزش ہے اسی طرح اگر عضلات سے مناسب کام لیا جائے تو وہ مضبوط بھی ہوتے ہیں لیکن اگر ان سے کام نہ لیا جائے یا زیادہ کام لیا جائے تو وہ کمزور اور ناتوان

ہو جائیں گے اور سکڑ جائیں گے۔ ہر عضو ایک خاص کام کے لیے بنایا گیا ہے اور اس سے وہ کام مناسب طور پر لیا جائے تو وہ مضبوط ہوتا ہے اور کام کرنے کی قوت باقی رہتی ہے لیکن اگر اس سے کام لینا چھوڑ دیں تو اس کام کی قوت بھی اس سے رفتہ رفتہ جاتی رہے گی۔ ہاتھ پاؤں۔ دماغ اور آنکھیں عرض کل اعضاء اس وقت تک کام کر سکتے ہیں جب تک کہ ان کی قوت۔ کے مطابق ان سے کام لیا جائے نہ تو تھوڑے دن میں بیکار ہو جاتے ہیں اور انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ سترہ اہزارہ سال کی عمر سے پہلے لڑکے اور لڑکیاں جس قدر قوت و طاقت حاصل کر لیں اس سے ہی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ بڑے ہو کر وہ کیسے صحیح المزاج اور توانا ہوں گے جب لڑکے بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کو اکتساب معاش کے لیے سخت محنت اور دھنی پڑتی ہیں اس لیے اوائل عمر میں ایسی عادت ڈالنی اور قوت حاصل کرنی چاہیے کہ بڑی عمر میں وہ محنت کے کام کر سکیں اور ان کے اعضا ہی بدنی و ذہنی اچھی طرح کام دے سکیں۔ جسمناٹک کرنا۔ ٹوٹ پھوٹنا۔ مگر بلانا۔ اوچلنا۔ کودنا۔ دوڑنا۔ بہا کرنا۔ سب مفید صحت ہیں اور اعضا ہی بدن کو قوت بخشتے ہیں۔

اصلی خوبصورتی

نوجوانی اور نوجوانوں کے زمانہ میں ورزش کرنے سے جسم نیا اور خوبصورت ہوتا ہے تیس بیس برس کی عمر میں ورزش کرنے سے بدن کی خوبصورتی اور مضبوطی قائم رہتی ہے۔ خوبصورتی صرف یہی نہیں ہے کہ انسان کا رنگ اچھا اور صاف ہو بلکہ اصلی خوبصورتی یہ ہے کہ جسم سڈول اور موزون ہو اعضاء استوار اور رگڑ گوشت اعصاب پختہ اور کھینچے ہوئے ہوں۔ یہ خوبیاں ورزش سے پیدا ہوتی ہیں۔ سینہ چوڑا ہوتا ہے۔ شش مضبوط ہوتے ہیں تنفس میں سہولت اور دل کی حرکت میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔ ہڈیاں پسلیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ کہا نا خوب ہضم ہوتا اور جزو بدن ہوتا ہے۔ کہا نا کہاتے ہی یا خلو معدہ میں ورزش نہیں کرنی چاہیے کمزور آدمیوں کو لازم ہے کہ صبح کی ہوا خوری کو جانے سے پہلے کچھ لیا کریں۔

جن لوگوں کی عمر پچیس سال سے زیادہ ہے وہ بہت زیادہ ورزش کرنے سے پرہیز کریں کیونکہ عصبی طاقت بہت صرف ہوتی ہے اور اس زمانہ میں اعصاب بدن ایسے چکدار نہیں رہتے جیسے کہ اوائل عمر میں تھے اور اس سبب سے محنت کی تھکان اون سے جلدی رفع نہیں ہوتی لیکن ان لوگوں کو بھی باقاعدہ لمبی ورزش روزانہ کو فی مفید ہے۔

۲۔ تفریح۔ قیام حیات کے لیے ضروری چیز پاک و صاف ہوا ہے جس قدر پاک و صاف ہوا ملے گی اسی قدر صحت زیادہ عمدہ اور درست ہوگی۔ کہانا تو زمین و آسمان ہی دفعہ کہاتے ہیں لیکن ہوا کی ضرورت ہر دم ہے۔ صاف ہوا سے خون زیادہ صاف ہوتا ہے اور ناصاف ہوا خفیف زہر کا اثر رکھتی ہے اگرچہ ہم لوگ چھوٹے مکانوں میں اکٹھے رہتے ہیں جن میں ہوا صاف نہیں رہ سکتی لیکن پہر ہی مکان ہوا دار بنانا چاہئے اور کمرہ میں ایسے دریچہ رکھے جائیں جن میں ہوا کی آمد و رفت خوب ہو۔ جب ہوا صاف نہیں ہوتی تو دل کا عمل بھی کمزور ہو جاتا ہے اور آلات تنفس صاف نہیں رہتے بلکہ تمام جسم کا نشو و نما اچھی طرح نہیں ہوتا۔ رات کو نہ لیٹ کر سونے کی عادت بھی مضرت صحت ہے کیونکہ تازہ ہوا کپڑے کے اندر نہیں جاسکتی اور وہی خراب ہوا بار بار آلات تنفس میں جا کر آلات تنفس کو خراب کرتی ہے۔

صبح و شام ہوا غوری کرنا۔ جنگل۔ میدان۔ کھیت۔ اور باغ میں دور دور چل جانا اور جس قدر ہو سکے تماشائی قدرت سے دل بہلانا۔ حفظان صحت کے لیے اولیٰ کام مفید عمل ہے۔ زمین و آسمان۔ جنگل اور میدان۔ ندی۔ نالے۔ دریا اور تالاب پہلا اور سمندر فطرت کے سبق آموز ہیں اور جو کچھ ہم کتابوں سے سیکھتے ہیں اوس سے زیادہ ہمہ بین سکھاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے مقامات کی سیر کرنے سے قوت متحیلہ بہت بڑی ترقی ہوتی ہے۔ ایسے مقامات پر قدرت کے دلفریب منظر دیکھنا اور اوسکی بے انتہا خوشامد و شکار یوں کا مزہ لوٹنا نہ صرف چاق و چوبند کرتا ہے بلکہ افکارات اور پریشانی یا انقباض طبع کو دور کر کے تسکین و راحت بخشتا ہے اور جو دل کہ پہلے آلام اور افکار

کے بوجھ سے دبا جاتا تھا کسی قدر بلکہ بہت کچھ ہلکا ہو جاتا ہے اور طبیعت پر نشا
چھا جاتی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ نہ معلوم ہو کہ یہ انقلاب کیونکر ہوا۔ کسی نے سقراط
سے پوچھا کہ سچی تفریح کیا ہے اس نے جواب دیا کہ سچی تفریح وہ ہے جو شہزادہ
خوشنما صورت۔ خوشبودار مہک اور دل فریب آواز یا کسی ایسی چیز سے پیدا ہو جسکی
موجودگی مسرت بخش اور دل خوشکن ہو لیکن اگر وہ کیفیت جاتی رہے تو تکلف نہ ہو
ایسے اوصاف کا مجمع سوائے سبز و شاداب جنگون یا باغون کے اور کہاں مل سکتا ہے
قدرتی پہولون کے رنگ سے زیادہ عمدہ رنگ اون کی صورت سے زیادہ خوشنما
اور دل فریب صورت اون کی خوشبودار سے زیادہ بہتر خوشبودار ہوا میں عطر افشانی کر کے
اپنی مہک کو دور دور پہونچاتی ہے اور کہاں مل سکتی ہے؟ اور جہاں وہ چھوٹے
چھوٹے آزاد گوئیہ جو رنگا رنگ کے پروں کا فاخرہ لباس پہنے ہوئے اون قدرتی
مازنیوں کی محفل میں خالق اکبر کی قدرت کے راگ ڈال ڈال پگاتے پہرتے
ہیں ثابت کرتے ہیں کہ ان کی آواز سے زیادہ دلکش کوئی آواز نہیں ہے۔ اور
پھر کس قدر بے آزار کہ جب یہ سمان بدل جائے تو نہ کسی دل پر ملاں کسی طبیعت پر
لوگ بعض موسمون کو برا کہتے ہیں لیکن اصل میں کوئی موسم برا نہیں ہے۔
ہر موسم میں تفریح حاصل ہوتی ہے لیکن مختلف طرح سے۔ گرمی۔ جاڑا۔ برسات
موسم بہار اور خزان۔ صبح اور شام۔ رات اور دن۔ دھوپ اور بار۔ دریا اور سمندر
درخت اور پودے۔ پہل اور پھول بلکہ موجودات عالم کی کل چیزیں اور ہر ایک کا تغیر
حقیقت میں نظر کے لیے دل فریب ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم ان سے لطف
اٹھانا نہیں آتے۔ ہم رات رات بہر تہیٹیر کے دنگل اور نیچ گانے کے جلسوں میں
صرف کردیتے ہیں جو مضر صحت مضر اخلاق اور اصراف بیجا میں داخل ہیں۔ اور ان
بے انتہا مسرت بخش چیزوں سے حظ حاصل کرنے کی ہمیں پروا ہی نہیں ہوتی
یہ ہماری تعلیم اور تربیت کا تصور ہے کہ ہم کو نیچے میں اصلی خوبصورتی کی قدر کرنا اور
اوس کا حظ اٹھانا نہیں سکھایا جاتا لیکن جو لوگ چشم بصیرت سے خالق کی دشکاریوں کو

دیکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک تئیرری کے پر میں جو نشا اور حیرت انگیز رنگ ہیں وہ نامک کے کسی پردہ میں نہیں۔ عیش پرستی اور لہو و لعب کی زندگی کو ہم لوگ مرنے کی گزران کہتے ہیں لیکن اصل میں یہ طرز حقیقی خوشی سے بہت دور ہے۔ اور جب اس کا نقصان اوٹھانا پڑتا ہے تو لوگ دنیا کو بُرا کہنے لگتے ہیں لیکن اصل میں خود انسان ہی کا قصور ہے انسان کی زندگی کی قیمت اس کی اخلاقی حالت سے اندازہ کی جاسکتی ہے۔ روح اور جسم دونوں مل کر انسان کی تکمیل کرتے ہیں۔ روح کا کام یہ ہے کہ وہ جسم پر عقلمندی سے حکم چلائے اور اس کو ہٹکنے نہ دے لیکن اگر اسکے خلاف جسم روح پر حکم چلائے اور عقل کا کہنا نہ مانے تو روح و جسم کا ملاپ نہیں رہ سکتا اور انسان بے وقوف اور مصیبت زدہ بن جاتا ہے۔

یہ ہینر گاری
صحیح ہے

صحت زیادہ تر عمدہ عادات اور استعمال کی اشیاء پر منحصر ہے اور اگر اس کا خیال رکھا جائے تو ادویات کی ضرورت نہیں پڑتی اصول صحت کے خلاف نہ کرو اور طبیعت کو اس قدر توانا اور بشاش رکھو کہ امراض کی مزاحمت کر سکے۔ تو یہ ہزار دواؤں کی ایک دوا ہے۔ غصہ۔ غم۔ رنج۔ فکر۔ نفرت اور خوف بشارت کو کہو دیتے ہیں اور اسی سبب سے صحت پر بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ اس کے برخلاف بشارت خوش دلی۔ نیک مزاجی۔ تسکین خاطر۔ صحت کے بڑے مدد ہیں۔ سستی کا بلی۔ عیاشی۔ اوباشی سے اس قدر لوگ قبل از وقت مرتے ہیں کہ زیادہ محنت اور کام کرنے سے ہرگز نہیں مرتے۔ اگر علی الصبح اوٹھ کر ورزش اور ہوا خوری سے دماغ کو تازہ کیا جائے اور پرہیز گاری کی عادت ہو تو سخت سے سخت محنت کا بھی تحمل ہو سکے گا۔

تہذیب مضر
صحیح ہے

یہ کہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ حیوانات جن میں نہ انسان کی برابر عقل ہے نہ علم ہے اپنی اپنی عمر طبعی کو پورا نہ جانتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ عمر طبعی سے پہلے مرن۔ مثلاً کتا سولہ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ بلی دس سال تک۔ گھوڑا پچیس سال تک یہ حیوانات عموماً اتنی عمر تک زندہ رہتے ہیں۔ لیکن انسان کی

طبعی عمر ستر سال ہے اور اس کی زندگی کا یہ حال ہے کہ باوجود فضل و دانش کے جن ممالک میں حفظانِ صحت کا بہت خیال ہے وہاں بھی بحباتِ اوسط عمر بیا لیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی یہ تہذیب اور تالیفِ نگہی انسان کے لیے باعثِ مضرت واقع ہوئی ہے۔ لوگ بڑے بڑے شہروں اور گنجان آبادیوں میں رہتے ہیں۔ اونچے اونچے مکانات اور عمارات بناتے ہیں۔ کھانے پینے میں وہ وہ تکلفات کرتے ہیں کہ تو اسے معدہ و جگر (جاذبہ و ماسک و دافعہ) کے لیے مضر ہو جاتے ہیں۔ شراب و کباب کی لذتوں میں پھر صحت کو خراب کر لیتے ہیں اور عیاشیوں کا تو کیا کہنا ہے جو رات دن رنگریاں منائیں اور اپنی صحت کو بگاڑ لیں اسی طرح بعض لوگ ایسے پیشہ کرتے ہیں کہ وہ بھی مضرت سے خالی نہیں۔ مثلاً قصابی۔ رنگریزی۔ دباغی وغیرہ۔

حسان و نرون کی نسبت انسان پر وبائی امراض کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ موروٹی امراض کا اثر بھی انسان پر زیادہ پڑتا ہے۔ تمدن انسان کو عزت گزینی اور آبادی سے کنارہ کشی کی اجازت نہیں دیتا اور ان سب کا یہ نتیجہ ہے کہ بہت کم انسان عمر طبعی کو پہنچتے ہیں اور بہت جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں

۳۔ صفائی۔ طبی تحقیقات سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ بہت سی متعدی بیماریاں غذا و خلط کے وجود اور صفائی کے نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہمارا بدن ہمارا گھر۔ ہمارے ارد گرد کی کل جگہ۔ پانی کہاں۔ سب نہایت صاف اور پاک ہونا چاہیے۔ بدن کو صاف رکھنے کے لیے ہر روز صاف پانی سے نہانا لازم ہے انسان کے بدن میں وہ مادہ جو جسم کو بناتا اور بدل مایخلل ہوتا ہے ہر وقت پکتا رہتا ہے اس مادہ کے پکنے میں بہت سامیل اور فضلہ باقی رہ جاتا ہے۔ یہ فضلہ مسامات کی راہ سے پسینہ کے ساتھ نکلتا ہے اس واسطے مسامات کو کشادہ رکھنا چاہیے بدن صاف رکھنا نہایت ضرور ہے۔ ورنہ جلدی امراض پیدا ہو کر صحت خراب جاتی ہے لوگ شہر و ن قصبوں اور گاؤں میں مل کر رہتے ہیں اگر سب لوگ صفائی کا

انتظام رکھیں اور حفظانِ صحت کے اصول پر عمل کریں تو اس آبادی میں بیماری بہت کم ہو جائے گی اور اموات گھٹ جائیں گی۔ ایک شخص کی مضر صحت عادتیں صرف اسی کو نقصان نہیں پہنچاتیں بلکہ اس کے پیروسیوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اس طور پر جو چیز ایک شخص کو نقصان پہنچا سکتی ہے وہ تمام آبادی کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور یہی وبائی امراض کے شیوع کی اصل ہے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جہاں آبادی زیادہ ہوگی وہاں امراض کے اسباب ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر ان اسباب کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو ہمیشہ بڑھتے جائیں گے۔ افسوس یہ ہے کہ لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اس وقت تک ان کو خبر نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی سخت وبائی مرض نہ پھیل جائے اور لوگوں کی جان معرضِ ہلاکت میں نہ پڑے۔ اس سبب سے مہذب سلطنتوں نے لوگوں کو صفائی رکھنے پر قانوناً مجبور کیا ہے اور اگر بازاروں، سڑکوں اور آبادی کے قریب مقامات پر کوئی شخص غلاظت پھیلائے تو قانوناً اونے سزا ملتی ہے بیماری گورنمنٹ کی یہ توجہ بیشک قابلِ شکر یہ ہے۔ اور لوگوں کو ان قوانین کی سخت پابندی کرنی چاہیے۔ لیکن میری یہی چاہیے ویسی صفائی نہیں رہتی۔ اور یہ گورنمنٹ کا قصور نہیں بلکہ عام رعایا کا قصور ہے کہ وہ اپنے مکانات وغیرہ صاف نہیں رکھتے۔ اگر ہر شخص اس قدر انتظام رکھے کہ اپنا مکان اور مکان کے گرد و نواح کی جگہ صاف پاک رکھے تو سارا شہر صاف رہے اور لوگوں کی صحت میں خلل نہ ہو جس شخص کے مزاج میں صفائی کا خیال نہیں وہ صرف اپنا ہی نہیں بلکہ سب لوگوں کا دشمن ہے۔

کیونکہ قوم کی زندگی اور قوت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کی آبادی نہ صرف وسیع ہو بلکہ تندرست بھی ہو اور قوم کے بہت سے افراد کی صحت و تندرستی علم و صنعت و فہم و فراغت اور تجارت میں کامیابی کا سبب ہوتی ہے۔ پس جو شخص کہ لوگوں کی صحت میں خلل ڈالنے کے کام کرے وہ اپنی جان کا اور ان تمام لوگوں کا دشمن ہے جو رہتا ہے اس کے ساتھ۔ ہوا۔ پانی اور غذا۔ دنیا میں جسم کے قائم رکھنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت

ہوتی ہے۔ مثلاً ہوا۔ پانی۔ کھانا۔ کپڑا دھوپ لیکن ان میں ہوا سب سے زیادہ مفید ہے۔ انسان پیدا ہوتے ہی سانس لیتا ہے اور جب مرتا ہے تب ہی سانس بند ہوتا ہے۔ اگر ایک دم سانس لینے کو ہوا نہ ملے تو جان کے لالے پڑ جاتی ہیں دم گھٹ جاتا ہے۔ جان اودھ موتی ہو جاتی ہے اور اگر تھوڑی دیر یہ حالت رہے تو دم نکل جاتا ہے۔ دنیا میں ہوا کی کمی نہیں جس قدر قیام زندگی کے لئے اس کی زیادہ ضرورت ہے قدرت نے اسی قدر افراط سے پیدا کی ہے کہ پیسہ خچ کیے بغیر بلا طلب ملی جاتی ہے لیکن اس دنیا میں انسان کے واسطے جو چیز مہیا کی گئی ہے خواہ دنیا میں اس کی قلت ہو یا کثرت ہوا انسان کی محنت اس میں ضرور درکار ہے۔ ہوا کے پیدا کر نے میں انسان کی محنت کی ضرورت نہیں لیکن صاف رکھنے میں انسان کی محنت کو بڑا دخل ہے۔ زندگی کا دار و بیک ہو اور سبہ لیکن صحت قائم رکھنے کے لئے صاف ہوا کی ضرورت ہے اگر ہوا انا صاف ہوگی تو صحت کو نقصان پہونچائے گی اور اگر بہت ہی خراب ہوگی تو بجائے قیام حیات کے موت کا باعث ہوگی اور پھر ایک کی نہیں بلکہ ہوا کی خرابی شہر کے شہر صاف کر دیتی ہے۔ اکثر بڑے شہروں اور آبادیوں میں جاری کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اس بستی کی صفائی ابھی نہیں ہوتی اور ہوا میں زہریلے اور مضر صحت بخارات ملے رہتے ہیں اور وہی ہوا سانس کے شہر پھیپھڑے میں جاتی اور جسم کو خراب کرتی ہے۔ ایک جوان آدمی ایک سانس میں چوبیس بچیس یا تیس مکعب انچ ہوا سونگھ جاتا ہے اور اگر بڑا سانس لے تو اس سے کہیں زیادہ یعنی ایک سو تیس مکعب انچ یا ایک گیلن ہوا سونگھ سکتا ہے۔

ہوا کی ترکیب

ہوا کو یا ایک سمندر ہے جس میں ہم اس طرح رہتے ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں سطح زمین سے چپاس میل تک ہوا اس قابل ہے کہ اس میں سانس لیا جاسکتا ہے۔ آگے بڑھ کر ہوا تو موجود ہوتی ہے مگر اس قدر نہیں کہ سانس لیا جاسکے یا کوئی جاندار زندہ رہ سکے۔ یہ ہوا دو گسا سون سے کم ہے ایک کا نام اکیسجن ہے اور دوسری کا نام نائٹروجن۔ اس کے علاوہ ہوا میں آبی بخارات کاربانک ایسڈ گاس اور امونیا

(نوساور) ملا ہوا ہوتا ہے لیکن یہ چیزیں ہوا کے اجزاء نہیں ہیں۔ کاربانک ایسڈ گیس اور امونیا تو ایسی کم مقدار میں ہوتے ہیں کہ تنفس پر اون کا کچھ اثر نہیں پڑتا نہ یہ دونوں انسان کی حیات کے لیے ضروری ہیں البتہ نباتات پر انکا بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ جہاں کہیں آبادی گنجان ہے اور صفائی کا خیال نہیں ہے وہاں بھی ہوا میں نباتی اجزاء زہریلے بخارات حیوانات کے فضلات کی دھڑی اور ایسی ہی مضر اجزاء مل سکتی ہیں۔ اکیسجن اور نائٹروجن جو ہوا کے اجزاء ہیں تقریباً ایک اور چار کی نسبت سے ہوتے ہیں یعنی سو حصہ ہوا میں اکیس حصہ اکیسجن اور اٹاسی حصہ نائٹروجن گاس ہوگی۔ ان میں اکیسجن مدحیات ہے اس سے خون صاف ہوتا ہے زندگی قائم رہتی ہے آگ روشن ہوتی ہے۔ یہی گاس ہلکی ہلکی بدن کے اندر جلتی رہتی ہے لیکن یہ گاس بہت تیز ہے اگر صرف اکیسجن ہی ہو تو ایک دم سے جل اٹھے اور ساری کائنات جلا دے۔ انسان اور حیوان سب جل کر خاکستر ہو جائیں۔ قدرت کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اوس نے اس کے ساتھ نائٹروجن اتنی مقدار میں ملا دی ہے کہ یہ تیزی کم ہوگئی اور اوسنی قدر رہ گئی جس قدر بکار آمد اور مفید ہے۔ نائٹروجن بے آزار گاس ہے اور وہ اکیسجن کی حرارت اور تیزی کو اعتدال پر رکھتی ہے لیکن نائٹروجن فی نفسہ مدحیات نہیں ہے اگر کسی حیوان کو صرف نائٹروجن گاس میں رکھا جائے تو فوراً مر جائیگا۔ یا مجمع روشن کرو تو گل ہو جائے گی۔ غرض مفید حیات وہی مرکب ہے جو قدرت کا ملہ نے پیدا کیا ہے۔ سانس کے ساتھ جو ہوا باہر نکلتی ہے اوس میں آبی بخارات ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر ایک جوان آدمی کے سانس کا اندازہ کیا جائے تو چوبیس گھنٹہ میں نو اونس سے لیکر گیارہ اونس تک پانی سانس کے ساتھ نکل کر ہوا میں مل جاتا ہے۔ جاڑے کے موسم میں تو یہ بخارات صاف منہ سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کسی آئینہ پر سانس لو تو اوس کی سطح بھیگ جاتی ہے آبی بخارات کے علاوہ کاربانک ایسڈ گاس بھی سانس کے ساتھ نکلتی ہے آبی بخارات اور کاربانک ایسڈ گاس

ہوا کی خرابی
کے اسباب

صحت کے لیے مضر نہیں لیکن ان دونوں کے علاوہ سانس کے ساتھ حیوانی مادہ بھی نکلتا ہے اور یہ خیر البتہ مضر صحت ہے اور اگر ہوا میں زیادہ مقدار میں ملا ہوا ہو تو قاتل ہے۔ اس طرح سانس لینے سے ہوا خراب ہو جاتی ہے اور اگر وہی ہوا جو ایک بار سانس لیتے باہر نکلی ہے پھر سانس کے ساتھ اندر جلتے تو صحت پر بڑا اثر ڈالتی ہے جن چھوٹے چھوٹے مکانوں میں بہت سے آدمی مل کر رہتے ہیں ان کی صحت اسی سبب سے خراب ہو جاتی ہے کہ جو ہوا سانس لینے سے خراب ہو گئی ہے وہی ہوا پھر ان کو سونگھنی پڑتی ہے اور اس طرح غن صاف نہیں رہتا بلکہ غلیظ اور خراب ہو جاتا ہے اور بیماری کے بیج جڑ بکڑ جلتے ہیں۔ چنانچہ درد سر، بخشہ، کمزوری وغیرہ امراض پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ کھلے میدان میں رہتے ہیں ان کی صحت اسی سبب سے شہر کے اندر رہنے والوں کی نسبت زیادہ عمدہ ہوتی ہے۔

ہوا میں جو خراب مادہ ملا ہوا ہوتا ہے وہ دکھائی نہیں دیتا لیکن بدبو محسوس ہوتی ہے اور اگر بدبو زیادہ ہو تو سمجھ لو کہ اس میں خراب اجزاء بھی زیادہ ہیں جو لوگ صاف ہوا میں رہنے کے عادی ہیں ان کو ذرا سی بدبو بھی صاف محسوس ہوتی ہے اور وہ پہچان جاتے ہیں کہ فلان جگہ کی ہوا خراب ہے اور جان تک ممکن ہو اس کے صاف رکھنے کی تدبیر کرتے ہیں لیکن جو لوگ خراب اور بدبودار ہوا میں رہتے ہیں وہ اس کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ انہیں محسوس نہیں ہوتا کہ ہوا میں کیا کچھ خراب اور بدبودار اجزاء ملے ہوئے ہیں۔

تنفس حیوانات کے علاوہ اور اسباب بھی ہیں جو ہوا کو خراب کر دیتے ہیں۔ مثلاً آگ اور لمپ کے جلنے سے بھی ہوا خراب ہوتی ہے کیونکہ آگ اور لمپ وغیرہ بغیر کسیجن کے نہیں جل سکتے اور اس طرح ہوا کی کسیجن جو مدحیات ہے خراج ہو جاتی ہے اور اس میں سے کاربانک ایسڈ گیس اور طرح طرح کے بخارات نکل کر ہوا میں ملتے ہیں اس لیے جس کمرہ میں آگ یا لمپ زیادہ روشن ہوں وہاں ہوا بھی زیادہ ہونی چاہیے

مردہ جانوروں اور نباتات کے سڑنے سے بھی ہوا خراب ہوتی ہے کیونکہ انہیں سے متعفن بخارات نکل کر ہوا میں مل جاتے ہیں اور جب سانس کے ساتھ اندر جاتے ہیں تو صحت پر خراب اثر ڈالتے ہیں اس واسطے مکان اور اوس کے ارد گرد کی زمین کو کوڑے اور فضلات سے بہت پاک رکھنا چاہیئے۔

میلے کپڑے اور میلی دیواریں اور میلا اسباب بھی ہوا کو خراب کرتا ہے۔ اوزان میں سے بدبو آتی ہے لہذا گھر کی ساری چیزوں کو حتی الامکان پاک رکھنا واجب ہے جس مکان میں دروازے اور کھڑکیاں اتنی کافی ہوں گی کہ ہوا اور دھوپ آسکے تو اوس میں بدبو کی شکایت نہ ہوگی۔

جس طرح انسان کے جسم میں ہوا داخل ہوتی ہے اوسی طرح زمین کے اندر بھی داخل ہوتی ہے لیکن جب اوس میں سے نکلتی ہے تو بہت سے بخارات اور بنائی حیوانی مادوں کے ذرات اور خراب اجزاء جو زمین میں موجود ہوتے ہیں ہوا میں مل جاتے ہیں۔ جہاں کہیں کوڑا کرکٹ مزید اور ناپاک فضلات اور ایسی ہی بدبو دار چیزیں پڑی ہوتی ہیں۔ موریان بہتی ہیں۔ فضلات کے ڈھیر لگے رہتے ہیں وہاں کی زمین میں زہریلے مادہ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور بہت کثرت سے ہوا کو خراب کرتے ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو گھر کی اور گھر کے گرد و نواح کی زمین پاک و صاف رکھیں۔ قبرستان آبادی سے دور بنائیں۔ مویشی کو کھلے میدان میں رکھیں۔ گھر کا کوڑا اور تمام فضلات کو نکال کر دور پہنچا دیا کریں اور وہ تدابیر اختیار کریں جو ہوا کو صاف رکھتی ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ مکان میں ہوا اور دھوپ آنے کا راستہ کافی ہو دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو صفائی رکھی جائے۔ مکان میں چہت کے قریب درآمد و برآمد ہوا کے لیے دریچہ رکھنے چاہئیں تاکہ خراب ہوا نکل جائے اور باہر کی صاف ہوا اندر داخل ہو اور جیسی باہر کی ہوا صاف ہی ایسی ہی کمرہ کے اندر کی ہوا صاف ہو جائے۔ دوسرے درجہ پر پانی کی ضرورت ہے۔ اگر کھانا نہ لے اور پانی نہ پئے تو انسان چند روز تک زندہ رہ سکتا ہے۔ انسان کے جسم سے پانی کئی طرح خارج ہوتا ہے

پھیلنے کے بجائے - پسینہ - پیشاب - سب پانی ہی میں اور جس قدر پانی سطح
 کم ہو جاتا ہے اوس کی بجائی صاف پانی مناسب مقدار میں مینا چاہیے۔ یہ پانی
 بدن میں جا کر بہت سے کام کرتا ہے۔ خون کو رقیق رکھتا ہے تاکہ وہ بدن میں اچھی طرح
 دورہ کر سکے اور باریک رگون میں بھی بآسانی پہنچے۔ خون کے اس فعل سے سارے
 بدن کا نشوونما ہوتا ہے۔ اگر بدن میں ضرورت سے کم پانی ہو تو خون اس قدر غلیظ ہوتا
 ہے کہ باریک رگون اور شریانیں میں نہیں پہنچ سکتا۔ بعض رگیں تار عنکبوت سے بھی
 زیادہ باریک اور نازک ہیں کہ بغیر خوردبین کی مدد کے نظری نہیں آسکتیں لیکن خون انہیں
 بھی پہنچ جاتا ہے اور پہنچنا ضرور ہے ورنہ اگر خون کا دوران کم ہو اور وہ اتنا غلیظ ہوگا
 کہ رگون میں اچھی طرح دوڑنے کے تو متعدد امراض اور مرض ہیفیہ پیدا ہوتا ہے۔ پانی ہی سے
 غذا معدہ میں گھلتی ہے اور رگون میں پہنچ کر ہر ایک حصہ بدن کی پرورش کرتی ہے۔ پانی ہی
 کے سبب سے بدن میل سے صاف رہتا ہے اور جلدی امراض پیدا نہیں ہوتے
 لیکن یہ سارے فائدے اوس وقت اچھی طرح ظاہر ہوتے ہیں جبکہ وہ پانی جو استعمال
 کیا جائے پاک و صاف ہو ورنہ بجائی فائدے کے اولٹا نقصان اوٹھانا پڑتا ہے۔
 اور انسان طح طرح کی بیماریوں میں کہہ جاتا ہے۔ ناصاف پانی سے اکثر مہلک اور خراب
 امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً شکایت امعاء، ہیفیہ پیمیش، اسہال، لیبریا، تپ لرزہ
 تب نوبت، تاب تلی، امراض جگر، ضعف معدہ، سنگ مثانہ، ناروغیہ اس سبب سے
 اس امر کا ہمیشہ اہتمام رکھنا چاہیے کہ استعمال کے واسطے صاف پانی مہیا کیا جائے
 اور خواہ کتنی ہی خسرج اور محنت کیوں نہ کرنی پڑے برداشت کر کے صاف
 پانی حاصل کرنے میں کہیں دریغ نہ کیا جائے اور یہ احتیاط رکھی جائے کہ جس چشمہ یا کنوئیں
 کا پانی پینے اور کھانا پکانے کے کام میں آتا ہے اوسے لوگ خراب اور غلیظ نہ کریں۔
 پانی دو گاسون اویسجن اور ہارڈروجن سے بنا ہے۔ جو پانی میں ایک اور آٹھ
 کی نسبت سے لی ہوتی ہوتی ہیں۔ انسان کے جسم میں پانی کی ایک بڑی مقدار کئی
 ذریعے سے داخل ہوتی ہے اور خود انسان کے جسم میں جو کہ بظاہر گوشت کا معلوم ہوتا ہے

تقریباً ۳۰ وزن پانی کا ہے۔ جو چیز ہم کہاتے ہیں اوس میں کم و بیش پانی ملا ہوا ہوتا ہے۔ سیر بہر گوشت میں جو ہیں اونس پانی ہوتا ہے۔ یہی حال آلون کا ہے۔ آدہ سیر چاتیوں میں چیم اونس پانی ہوتا ہے۔ ترکاریوں میں عموماً ۱/۲ حصہ پانی ہے شربت۔ چاء۔ کافی وغیرہ تو پانی ہی ہیں۔ کہانے اور سالن میں بہت سی حصہ پانی ہے۔ پانی کے حاصل ہونے کے بہت سے ذرائع ہیں اون میں سے بعض کا پانی بہت صاف ہوتا ہے بعض کا غلیظ۔ بعض کا بے احتیاطی سے ناصاف ہو جاتا ہے اور اگر احتیاط رکھی جائے تو پاک و صاف رہتا ہے۔

بارش کا پانی

بارش کا پانی زمین پر پڑنے سے پہلے بہت صاف و مقطر ہوتا ہے اور کسی صاف برتن میں جمع کر کے پین تو بہت مفید صحت ہے۔ ہند کے بعض مقامات میں لوگ چیتوں یا زمین کے غاروں سے بارش کا پانی جمع کرتے ہیں لیکن یہ پانی صاف نہیں رہتا کیونکہ اس میں چونہ مٹی۔ اور اوس کے ساتھ اور بہت سے خراب اجزاء مل جاتے ہیں۔

دریا کا پانی

دریا کا پانی عموماً ناصاف اور بد مزہ ہوتا ہے اوس میں مٹی اور کوڑھ وغیرہ بہت ملا ہوا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں کا پانی جو بہت تیز بہتے ہیں چھانے اور صاف کرنے کے بعد پینے کے قابل ہو سکتا ہے۔ دریاؤں کے پانی خراب ہونے کا سبب یہ ہے کہ عموماً بڑے بڑے شہر دیہات اور گاؤں دریا کے کنارے آباد ہوتے ہیں لوگ اون میں جا کر نہاتے اور کوڑھ و فضلہ پھینکتے ہیں۔ مردے جلالتے اور کپڑے دھوتے ہیں اور سارے شہر کی موریان بہک دریا میں جاتی ہیں اگر دریا ان خرابیوں سے پاک ہو تو اوس کا پانی ایسا ناصاف نہ ہوگا کہ قابل استعمال نہ ہو چشمہ کا پانی عموماً بہت صاف اور عمدہ ہوتا ہے اور پینے کیلئے سب سے عمدہ پانی ہی ہے جھیل کا پانی ہمیشہ بہت ناپاک اور ناصاف ہوتا ہے اس میں نباتی اجزاء بہت ملتے ہوئے ہوتے ہیں اور کلا سٹر نباتی مادہ۔ پیر یا بنجار۔ بھیش وغیرہ بیکار پیدا کرتا ہے۔ اول تو ایسا پانی پینا ہی نہیں چاہیے اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہوگا

چشمہ کا

کنوین کا پانی

جھیل کے اور کوئی پانی ہی نہ ملے تو پہلے پانی کو جوش کر کے چھان لینا مناسب ہے
 کنوین کا پانی۔ بعض کنوین زیادہ عمیق نہیں ہوتے اور سطح زمین سے
 مین سے چالیس فٹ کے اندر پانی نکل آتا ہے۔ ان کنوؤں کے پانی میں ذرا
 اجزاء اور گلا سٹرامادہ جو زمین پر پڑا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور اس سبب سے ایسے
 کنوؤں کا پانی صاف اور عمدہ نہیں ہوتا اسلئے پینے سے پہلے اسے صاف کرنا چاہیے
 بعض کنوین چالیس یا پچاس فٹ گہرے ہوتے ہیں اور ان کی تہ پہرہ کر پانی
 نکالا جاتا ہے یہ پانی نہایت صاف اور عمدہ ہوتا ہے اور اس میں کوئی خراب ذرہ ملا ہوا نہیں
 تالاب کا پانی کسی قدر نا صاف اور کثیف ہوتا ہے اور لوگ اس میں
 نہانے کیڑے دھوئی اور مویشی کو پانی پلائی اور یہی خراب کر دیتے ہیں جس تالاب
 کا پانی کم ہو کر خشک ہونے کے قریب ہو گیا ہو وہ بہت ہی نا صاف ہوتا ہے۔
 خندق اور گڑھوں کا پانی بہت ہی ناپاک ہوتا ہے اور اس کا استعمال کرنا۔
 نہایت ہی مضر صحت ہے اور جب خندق اور کنڈ آبادی کے قریب ہوں تو بہت ہی کثیف اور
 خراب ہوتے ہیں۔

تالاب کا پانی

خندق کا پانی

دریا جھیل تالاب اور کنڈ کا پانی انسان کی بے احتیاتی سے زیادہ خراب
 ہوتا ہے کہ لوگ اس کے کنارہ کیڑے دھوئی ہن مویشی کو پانی پلا تے ہیں۔
 نہاتے ہیں۔ نجاست دھوئی ہن۔ شہر کی ساری کثافت بھرا اس میں جا کر ٹپتی
 ہے ورنہ اگر ان باتوں سے احتیاط کی جائے تو اس کا پانی بھی ایک حد تک صاف اور
 قابل استعمال رہ سکتا ہے۔ جو پانی تیزی سے بہتا ہے وہ بند پانی کی نسبت زیادہ
 صاف ہوتا ہے کیونکہ او میں ہوا زیادہ ملتی ہے اور اس میں جمہ حیات گاس ہے جو پانی کو
 صاف کرتی ہے۔

اگر کسی آبادی میں ایسا موقع ہو کہ سوائے تالاب کے اور کوئی پانی کا منبع
 نہ ہو تو نہانے کے تالاب جدا اور پانی پینے کے تالاب جدا ہونے چاہئیں اور
 پینے کے تالابوں کے گرد دیوار یا کٹھرا بنادیں تاکہ مویشی اور جانور اس میں سے

پانی نہ پی سکیں تالاب کے گرد درخت بھی نہ اگنے دیں تاکہ پتے پانی میں گر کر نہ لگیں۔ اسی طرح کنوئیں کے گرد بھی منڈیر بنانی چاہئے کہ اوپر کا پانی بہ کر کنوئیں میں نہ جائے۔ جو پانی سطح زمین سے بہ کر کنوئیں میں گرتا ہے اس میں بہت سے رومی اور خراب مادے ملتے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ پانی کو خراب کر دیتے ہیں ایسی طرح کنوئیں کے اوپر بھی درخت چھایا ہوا نہ ہو یا کنوئیں کے اوپر ایسا پیٹ بنا دیں کہ جب پانی بہ چکیں تو بند کر دیا جائے۔

جن شہروں میں نل کے ذریعے سے پانی پہنچایا جاتا ہے وہاں اکثر عمدہ اور صاف پانی مل سکتا ہے کیونکہ نل میں آنے سے پہلے پانی صاف کیا جاتا ہے اور نل کے پانی کو لوگ اس طرح خراب نہیں کر سکتے جیسے کہ تالاب یا دریا کے پانی کو خراب کرتے ہیں۔ اگر نل میں آنے سے پہلے پانی صاف نہ کیا جائے تو زیادہ مفید نہیں ہوتا پانی کی خوبی یہ ہے کہ اس کا رنگ نہ تو نہایت صاف اور چمکدار ہو خوش ذائقہ ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آکسیجن اور کاربانک ایسڈ موجود ہیں۔ پانی میں کسی قسم کی بو بھی نہ ہونی چاہیے۔ اگر بہت سے عمیق پانی کو دیکھنے سے پانی نیلگوں معلوم ہو تو برا نہیں ہے۔ سبز رنگ بھی بہت خراب نہیں لیکن زرد یا بھوری رنگ کا پانی عموماً مضر صحت ہوتا ہے۔

بارش کا پانی اور پہاڑی چشموں کا پانی بغیر چھانے استعمال کیا جاسکتا ہے باقی سب پانیوں کو استعمال سے پہلے صاف کرنا لازم ہے اگر پینے سے پہلے پانی کو جوش کر لیا جائے تو پانی کے وہ کیرے جو باعث بیماری ہوتے ہیں سب مر جاتے ہیں اور اگر پانی کو دو تین یا رجوش کر کے چھان لین تو نہایت صاف اور صحت بخش ہو جاتا ہے پانی چھاننے اور صاف کرنے کی عمدہ اور سہل ترکیب یہ ہے کہ ایک لکڑی کی گھڑوچی پر اوپر تین مٹی کے گہڑے رکھیں اوپر کے گہڑے کو صاف کوئلہ سے آدھا بہرین بیج کے نصف گہڑے میں دریا کا ریت صاف کیا ہوا بہرین۔ ان گہڑوں میں ایک ایک سوراخ کر کے اوپر کے گہڑے میں پانی بہرین۔ اس طرح سب سے نیچے

صاف پانی

پانی چھاننے کی
ترکیب

کے گھڑے میں صاف پانی جمع ہو جائے گا۔ ان گھڑوں پر یہی سوراخ دیا چنانچہ
 ڈھانک دین تاکہ پانی میں کوئی چیز یا گرد و غبار نہ پڑے اور اوس میں سے پرندے
 پانی نہ پین اور کھڑے نہ کریں اس طریقے سے پانی ٹھنڈا اور خوش ذائقہ رہتا ہے
 اور جوش کرنے سے جو بد مزگی پیدا ہو جاتی ہے وہ بھی نہیں ہوتی۔ ہر دو مہینے
 کے بعد ان کو کون کو یا تو بدل ڈالیں یا صاف کر کے دھوپ میں سکھائیں۔ اور پھر
 استعمال کریں۔ چھ ہفتہ بعد ریت اوپر اوپر سے نکال ڈالنی چاہیے اور تین مہینے کے
 بعد سب ریت کو بدل ڈالنا لازم ہے اس فلٹر میں یہ خوبی ہے کہ بہت آسان اور
 سہل الحصول اور کم خرچ ہے۔ بازار میں طرح طرح کے فلٹر بکتے ہیں ان میں سے پانی
 خوب صاف ہوتا ہے سفر اور دورہ کے موقع پر پاک فلٹر رکنا بہت بجا آد ہے کیونکہ بعض
 اوقات جنگل میں جیل کا نام صاف پانی ہی پینے کو ملتا ہے

غذا کی ضرورت

انسان کا بدن ایک حلقی ہوتی بہٹی کے مانند ہے کہ بہٹی سلگائے رکھنے کے
 لیے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے جسم ہر وقت کچھ نہ کچھ کھتا رہتا ہے اگر اوس کو
 ایک دن رات کھانا نہ دو اور پھر تو لو تو وزن میں بہت کمی نظر آئے گی۔ اس کمی کو پورا
 کرنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہے کہ بدل یا تحلیل ہو اور جسم توانا اور صحیح رہے
 انسان ہو یا حیوان ہر وقت کچھ نہ کچھ کام کرتا رہتا ہے زندگی اور موت میں ایک بڑا فرق یہ
 بھی ہے کہ زندہ آدمی ہر وقت کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے اور مردہ ساکن اور غیر متحرک
 رہتا ہے۔ یہ کام خواہ کیسا ہی کم کیوں نہ ہو جسم کا ذرا سا جھٹکھنا دیتا ہے۔ ظاہری اور
 بڑی بڑی حرکتوں کو جانے دو۔ سانس لینے مطالعہ کرنے اور دل کے دھڑکنے
 سے ہی جسم میں کمی و تحلیل واقع ہوتی ہے اور طبیعت جو کہ مدبر بدن ہے اس کمی کو پورا
 کرنے کے لیے غذا کی طالب ہوتی ہے اسی کا نام بہوک اور پیاس ہے۔ ایک
 جوان آدمی ایک دن میں تین ساڑھے تین سیر کھتا ہے اور خوراک و پانی اوسی قدر
 پورا کر دیتی ہے۔ بچے جس قدر کھتے ہیں اوسی قدر زیادہ کھاتے پیتے ہیں اس سب سے
 اون میں نشو و نما ہوتا ہے اور اون کا وزن بڑھتا رہتا ہے۔ اگر کسی شخص کو کھانا نہ دیا جائے

تو غالباً سات آٹھ دن بعد مر جائے گا۔ خوراک ہی سے انسان کے جسم میں حرارت اور گرمی پیدا ہوتی ہے۔ فاقہ کشی سے بدن ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ خوراک پر معدہ میں جانے کے بعد بہت سے تغیر ہوتے ہیں اور پہلے وہ خون بکرگ رنگ میں دوڑتی ہے اور جسم کے ہر حصہ کا نشوونما کرتی ہے۔ ہر شخص کے لیے کھانے کی اشیاء کا مقرر کرنا مشکل ہے۔ یہ کوئی خاص مقدار ہی مقرر کی جاسکتی ہے کیونکہ ایک ہی طرح کا کھانا سب کو میسر نہیں ہو سکتا۔ مقدار یہی جسم و توانائی کے لحاظ سے بہت کم و بیش ہوتی ہے۔ معدہ ایک خاص وقت میں کھانے کی ایک معین مقدار ہضم کر سکتا ہے اور اگر معدہ کو خوب بہر دیا جائے تو نہ تو وہ کام کر سکتا ہے نہ دماغ اور وہی غذا باعث خرابی ہو جاتی ہے۔

غذا میں صرف اس قدر خیال رکھنا چاہیے کہ اوس میں بدن کو پرورش کرنے کی قابلیت زیادہ ہو۔ دودھ میں بدن کو پرورش کرنے کی قابلیت بہت ہے اوس میں وہ تمام اجزاء موجود ہیں جن سے انسان کا بدن نشوونما پا سکتا ہے اور اس سبب سے بچوں کے لیے سب سے پہلے اور سب سے عمدہ غذا دودھ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ گھوسا دودھ میں خراب پانی ملا دیتے ہیں۔ اور بالائی اوتار کو اسے بد مزہ و کمزور بلکہ مضر کر دیتے ہیں۔

نمک بھی جسم کی ساخت میں بہت کام دیتا ہے بلکہ ہڈیاں اسی کی بنتی ہیں۔ چربی۔ گھی۔ مکھن۔ بالائی۔ تیل۔ جسم میں گرمی۔ پیدا کرتے ہیں اور بدن کو موٹا کرتے اور طاقتور بناتے ہیں۔ بکری کا گوشت چھلی اور پرندوں کا گوشت طاقت بخش ہے اور اچھی طرح پکا ہوا ہو تو خوب جزو بدن ہوتا ہے۔ اٹھا۔ شہد خالص خون پیدا کرتے ہیں مختلف قسم کی دالین۔ گیہون۔ چانول وغیرہ اجناس مقوی ہیں۔ چنا گوشت پیدا کرتا ہے۔ میٹوں میں بہت سے ایسے اجزاء ہوتے ہیں جو جسم کی ساخت اور پرورش میں بہت بکار آتے ہیں۔ تازمی ترکاریاں مثلاً آلو۔ کرم کلا۔ گوبھی۔ ساگ۔ گاجر۔ قنغم۔ چھندرو وغیرہ۔ خون کو درست حالت میں رکھتے ہیں اور بہت عمدہ غذا ہیں۔

عمدہ خوراک

خداوند تعالیٰ نے ہمارے لیے مختلف غذائیں پیدا کی ہیں۔ اس لیے ہمیں
اون سے تمتع حاصل کرنا چاہیے۔ ایک غذا کھاتے کھاتے بھوک بند ہو جاتی اور
طبیعت اگتا جاتی ہے۔ لیکن جو کچھ کھائیں وہ حالت عمر موسم اور وقت کے لحاظ سے
مناسب ہو۔ محنتی آدمی کو غذا کی زیادہ ضرورت ہے۔ کابل اور بیکار کو کم۔ جوان عورت
کو جوان مرد کی نسبت کم غذا اور کار ہے۔ بچوں میں افعال حیوانی زیادہ تیز ہوتے ہیں
اس لیے اون کو زیادہ غذا کی ضرورت ہے لیکن ایک دفعہ ہی نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا
کر کے کئی بار کھانا چاہیے۔ دن میں زیادہ سے زیادہ تین بار اور کم سے کم دو بار
کھانا صحت قائم رکھتا ہے۔ ہر کھانے میں پانچ چھ گھنٹے سے کم کا وقفہ نہ ہو اور
بچہ میں کچھ نہ کھائیں کھانا کھانے کے بعد فوراً سخت دماغی یا جسمانی محنت کرنی نہیں چاہیے
بلکہ کم از کم معدہ کو ڈیڑھ گھنٹہ کا آرام دینا لازم ہے۔ بیماری کی حالت میں چونکہ ہاضمہ
سست اور کمزور ہو جاتا ہے اس سبب سے زیادہ کھانا مناسب نہیں۔ جراثیم
کے موسم میں گوشت اور گہی گرمی میں نباتات اور میوے زیادہ کھانے چاہئیں۔
یہ غذا خون ہو کر سارے بدن میں دوڑ جاتی ہے۔ اور پہرہ خون کہیں بڑی بنتا ہے
کہیں بال کہیں ناخن کہیں دماغی نازک بافت۔

اصول صحت کی یورپی ماہیت کتب حفظان صحت اور طب کے مطالعہ سے
حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کتاب میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ ریح و راحت

دنیا میں ہر شخص کا مقصد یہ ہے کہ وہ خوشی اور راحت حاصل کرے۔ اور
ہر انسان کا یہی مقصد ہونا چاہیے اس لیے راحت و ریح کی حقیقت میں غور کرنا اور
حقیقی راحت کے حاصل ہونے کے طریقوں کو معلوم کرنا مفید ہے۔

انسان کی سعادت اوس کی اعمال کی عمدگی پر منحصر ہے اور ہر کام کی عمدگی کا
اختصار خواہ دینی ہو یا دنیوی اسباب کی عمدگی اور جمعیت حناط پر ہے اس لیے
یہ امر قابل غور ہے کہ دنیا جس میں انسان رہتا ہے پریشانی تشویش رنج و کلفت کا

زندان ہے کہ انسان اوس میں پریشانی تکلیف اور عدم میسری اسباب کے سبب
 کچھ نہ کر سکے یا اس میں راحت - آرام - اور کام کی تکمیل کے اسباب اتنے
 اور کثرت سے مہیا ہیں کہ وہ بلا وقت و تکلیف بہ اطمینان خاطر اپنے فرائض کو انجام
 دے سکے اس کی حقیقت اسباب دنیا اور انسان کے حالات پر غور نظر ڈالنے
 سے منکشف ہو سکتی ہے۔ زمانہ کی حالت یہ ہے کہ کوئی خوش نظرات ہے کوئی ناخوش
 کسی کے ہاں خوشی کے شادیاں نہج رہے ہیں کوئی سریر ہاتھ دہر کر رہا ہے
 کسی کے پاس تمام اسباب راحت اور سامان عیش مہیا ہیں کوئی ضروریات زندگی
 کو محتاج ہے۔ ایک طرف نظر ڈالو تو جو کل نہیں رہے تھے آج رو رہے ہیں وہی
 سامان جو عیش و کامرانی کے اسباب خیال کیے جاتے تھے موجود ہیں لیکن دل کا
 کنول کھلایا ہوا ہے طبیعت افسردہ ہے انقباض طبع و رنج و آلام نے گہیر رکھا ہے۔
 دوسری طرف دیکھو تو وہ غریب نادار شخص جس کو سامان امارت اسباب راحت
 میں سے کچھ بھی میسر نہیں خوشی کے مارے پہولا نہیں سماتا پھرے سے بشت
 ٹپک رہی ہے دل مطمئن اور چین سے ہے۔ غرض ظاہری و باطنی حالات میں اس قدر
 اختلاف ہے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون خوش ہے اور کون ناخوش اور یہ معلوم کرنا
 کہ آیا قدرت نے انسان کو راحت و آرام میں بسر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔
 یا رنج و کلفت میں مبتلا رہنے کے لیے اور وہ راحت جس کی تلاش میں ہر ایک انسان
 سرگردان ہے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے ذرا آسان کام نہیں ہے لیکن خدائی
 عز و جل جو خالق کائنات ہے اپنے رازوں کو چھپاتا نہیں اور جس قدر مخلوقات کی
 حقیقت میں غور کیا جائے اوسکی کتنی معلوم ہوتی جاتی ہے رنج و راحت کی کیفیت کے
 معلوم کرنے کے لیے دنیا اور اوس کے اسباب پر غور کرنا چاہیے کہ آیا وہ انسان
 کی ضرورتوں کے لیے کافی اور مسرت بخش ہیں یا نا کافی اور ایذا رسان؟ دوسرے
 یہ کہ مصائب کی حقیقت میں غور کریں کہ انسان اس قدر کیون رنج و انحرار میں پڑا ہوا
 ہے اور جس اندرونی بے اطمینانی اور تکلیف میں وہ گرفتار ہے یہ واقعی ہے یا صرف

سامان ظاہر
 مسرت بخش
 نہیں ہوتا

انسان نے اوس کو ایسا سمجھ رکھا ہے؟ اور کوئی مصیبت قدرتنا انسان پر پڑی ہو یا وہ خود اپنی غلطی سے اوس میں گرفتار ہوا ہے؟ نیز ان رنج و مصائب سے بچنا جن میں انسان عموماً مبتلا رہتا ہے ممکن ہے یا نہیں؟ ان امور میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کی اصلی ضروریات بہت کم ہیں اور دنیا میں ان کے پورا کرنے کے عمدہ عمدہ سامان بہ افراط مہیا ہیں۔ ہر ایک چیز انسان کے لیے مفید اور مسرت بخش ہے اور کائنات کا تمام سلسلہ حیرت انگیز خوشنما اور دل بہلانیوالا ہے۔ گویا ایک عجائب خانہ نادرات روزگار سے صرف اس واسطے آراستہ کیا گیا ہے کہ انسان کا دل بہلے لیکن عموماً انسان ان سے وہ مسرت و راحت نہیں حاصل کرتا جو ان سے حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ دنیا کی اصل خوبیوں کو نہیں دیکھتا اور ایسی خوبیوں کی تلاش کرتا ہے جو دراصل دھوکہ دہ یا غالیٹی اور عارضی ہیں انسان نے ان غیر حقیقی خوبیوں کا اعتبار اس قدر بڑھالیا ہے کہ اب اصلی حسن پر اوس کی نظری نہیں پڑتی مثلاً انسان قدرتی سین اور دل چپ مناظر سے کما حقہ لطف نہیں لے سکتا قدرت کے خوش الحان گوئی یا انسان کے سادہ دلکش راگ اوسے محو نہیں کرتے بلکہ وہ ان کی تصویریں تھیسٹر کے نظر فریب پردوں میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اور کبھیون کے ناچ اور طبلہ کی تہا پ پر سر دھنتا ہے۔ اسی طرح اشیاء کی لذت سے نا آشنا ہے۔ اوسے عمدہ کہانا مزا نہیں دیتا جب تک چاندی کی رکابیوں میں نہ ہو۔ گویا کہانے میں مزا نہیں رکابیوں میں ہے اوس نے اس بات کو نظر انداز کر دیا ہے کہ کہانے کی لذت بھوک کی شدت پر منحصر ہے اور ہمیشہ عمدہ باورچی کی تلاش کرتا ہے۔ غرض اسی طرح لذات و راحت کے حصول کے طریقے انسان نے بہلادے ہیں اور ایسے نئے طریقے گھڑیے ہیں جو مشکل اوس کو کبھی کوئی عارضی خوشی بخشتے ہیں۔ انسان قوت غضبی کا محکوم ہو گیا ہے اور ترفع جاہ کی خواہش نے اوس کو عجیب کشمکش اور محضہ میں ڈال رکھا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس قدر رفعت جاہ اور متول حاصل ہو جائیگا اوس کی راحت یا خوشی یا اطمینان بڑھتا جائے گا لیکن ایسا

اسی بے نیکی
افراط اور حسن

تلاش لذت میں
انسان کی غلط
فہمی

نہیں ہوتا۔ بادشاہوں کو دولت۔ عزت۔ حشمت۔ شہرت بھی کچھ حاصل ہوتی ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش اور آرام سے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس شخص کی رائی کی پہلانی بڑائی پر ایک عالم کی بہبودی اور خرابی کا انحصار ہو جس کے ذمے بہت سے بڑے بڑے اور مہتمم بالشان فرائض ہوں جس کے دشمن نہایت قوی اور زبردست ہوں وہ کیونکر بے فکر ہو سکتا ہے۔ یہی خوشیاں ابر کا سایہ ہیں کہ ان کی آن میں گزر جاتی ہیں اور جو راحت اس سامان سے حاصل ہوتی ہے اس میں ریخ و افکار مخفی ہوتے ہیں جو بہت جلد ظاہر ہوتے اور تکلیف دیتے ہیں اور ایسی ہی مسرتوں کی نسبت کہا گیا ہے مَسَرَاتُ الدُّنْيَا مَقْرُونَةٌ بِالْغَمِّ وَحَلَاوَةُ الْوَيْلِ مَعْجُونَةٌ بِالْحُزْمِ وہ مسرت جو اسباب قدرت سے حاصل ہوتی ہے طبیعت سے غم و فکر و اتقباض دور کرتی ہے۔ البتہ طبیعت میں ان سے خوشی حاصل کرنے کا مذاق سلیم ہونا چاہیے یہی حال احتیاج کا ہے کہ انسان کی اصلی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے دنیا میں اس قدر فراوان سامان موجود ہے کہ وہ اسے خرچ نہیں کر سکتا۔ لیکن حرص طمع۔ لالچ۔ خود غرضی ہمیشہ زیادہ کا خواہشمند رکھتی اور سب کی حصہ خود لینا چاہتی ہے۔ انسان کو اس بیجا کوشش میں کامیابی حاصل ہونے سے جو عارضی خوشی حاصل ہوتی ہے وہ اس کو جدوجہد کی علت غائی سمجھتا ہے۔ لیکن یہی مسرت غم سے ملی ہوئی ہے اور اسی حلاوت میں زہر کھل رہا ہے۔

انسان کی حاجتیں

حاجتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو فطرتی اور ضروری ہوں۔ دوسرے وہ جو فطرتی اور ضروری نہ ہوں۔ پہلی قسم کی ضرورتیں محدود ہیں اور یہ بے آسانی پوری ہو جاتی ہیں کیونکہ فطرتی ضرورتوں کے سامان وافر مہیا ہیں اور نہایت سہل الحصول بھی ہیں لیکن دوسری قسم کی حاجتوں کی کوئی انتہا نہیں اور وہ بسہولت پوری ہی نہیں ہوتیں پس زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ضرور ہے کہ غیر ضروری اور غیر فطری خواہشوں سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص مال و دولت

جاہ و حشمت رکھتا ہو وہ خوش اور مطمئن ہی ہو۔ بلکہ خوشی ظاہری حالت پر نہیں بلکہ باطنی حالت اور طبیعت پر منحصر ہے کہ اگر انسان اُن اصول پر کار بند ہو جو نتیجہ خوشی اور مسرت ہیں تو مسرت حاصل ہوگی۔ خوشی حاصل کرنے کے لیے اسبابِ راحت کو نہایت جدوجہد سے تلاش کرنا نہیں چاہیے بلکہ یہ سہی کرنی چاہیے کہ قدرت جو کچھ عطا فرمائے اُس سے جس قدر خوشی اور راحت حاصل ہو سکتی ہے اچھی طرح حاصل کی جائے متواتر مسرت بخش اسباب کا تہوڑا تہوڑا واقع ہو تار ہنا اس سے بہتر ہے کہ ایک بار تو شادی مرگ کی نوبت ہو اور پھر کچھ نہیں۔

دنیا کی بہت سی نعمتیں ایسی ہیں جن کی انسان قدر نہیں کرتا اور بہت سی خوبیاں ہیں جنہیں آنکھ بہر کر بھی نہیں دیکھتا۔ موجوداتِ عالم کی ہر ایک چیز جوٹی ہو یا بڑی۔ دور ہو یا قریب اگر ذرا نظرِ تامل سے دیکھی جائے تو خوشی بخشی ہوئے لیکن ایسی خوبیوں کی قدر کرنے کے لیے ضرور ہے کہ انسان میں خوبی کی شناخت کا مادہ ہو۔ جس طرح پولون میں سے عطر نکالنے کا ایک قاعدہ ہے اسی طرح موجودہ اسباب سے خوشی حاصل کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے۔ دنیا کی ہر ادنیٰ اور اعلیٰ چیز جو ہمارے گرد و پیش ہے کسی نہ کسی کام کی ہے اور جن لوگوں کا مذاق صحیح ہے وہ اُس سے وہی کام لیتے ہیں اور جس قدر ممکن ہے فائدہ اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ خود دنیا ایک عجائب خانہ ہے اور اگر انسان آنکھیں کھول کر دیکھے تو ہر چیز کی صورت اور ماہیت ہی اُس کے دل پہلے کو کافی ہے اور دنیا میں اتنی نعمتیں موجود ہیں کہ ایک انسان سے ناممکن ہے کہ ان کا شمار کر سکے۔ اس

دنیا میں خوبصورت سے خوبصورت اور حسین سے حسین چیزیں بہ افراط موجود ہیں اور ان کا حسن ایسا قسم قسم کا ہے اور ان کے انواع و اقسام ایسے جدا جدا ہیں کہ ہر مذاق کا انسان اور ہر انسان کے مختلف حواس اُس سے حظ اٹھا سکتے ہیں۔ نہایت شاندار پاکیزہ صورتیں۔ نظریہ اور دل بہانہ والی شکلیں طرح طرح کے خوش نما منظر اور رنگ۔ میٹھی میٹھی خوشبوئیں جن کی لطافت کے

جوداتِ عالم
چشم سے

اُس کے ہزار عطر شریائیں۔ دل خوش کن تیز اور راگ جو دلون میں بے انتہا جوش پیدا کرتے ہیں۔ دھوپ کی چمک دمک چاند کی ہلکی روشنی جھیل اور بے پامان سمندر پہاڑوں کی بلندی اور شان۔ لعل و دوق صحرا۔ سفید برف کا غلات پہاڑوں کی چوٹیوں پر ڈھکا ہوا طلوع آفتاب کی رونق اور چمک۔ غروب کے وقت کی دلی افرامی اور ایسی ہی لاکھوں اور ہزاروں چیزیں جو تہنیت کے پردوں سے زیادہ نظر فریب ہیں۔ اس کثرت سے موجود ہیں کہ ایک صاحب نظر انسان کو نہ اس سے زیادہ بہتر کی خواہش ہو سکتی ہے نہ زیادہ افراط کی ضرورت۔ خود انسان میں انکی خوبیوں سے خطا اور گناہ اور اس نیکار خانہ کو دیکھ کر دل بہلانے کا مادہ ہی دیا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ اس طرف سے آنکھیں بند کر لے تو فطرت کا کیا قصور ہے۔ بہت سے لوگ دنیا میں سے اس طرح گزر جاتے ہیں کہ اوس کے کسی حسن کو آنکھ نہ دیکھتے ہی نہیں اور دیکھنے والوں کی نظر میں ہر لمحہ ایک بات دیکھنے کے قابل آتی رہتی ہے ایک ہی جگہ کی حالت ہر لحظہ متغیر ہوتی جاتی ہے اور جو سین کہ اس وقت موجود ہے وہ پہلے ایسا متناہیہر ہوگا۔ مناظر قدرت کو پسند کرنا اور نیچر کی خوشنما صنعتوں سے دل بہلانا بے بہا نعمت ہے اگر یہ دلچسپی نہ ہو تو گویا انسان بہت سی مسرتوں اور حطوں سے محروم ہے جن کی تلخی کسی طرح ممکن نہیں اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو قدرت کے عجائبات سے ذرا بھی دل چسپی نہیں طلوع و غروب آفتاب کا شاندار منظر۔ وسیع سمندر کا یہب عالی شان نظارہ کہ کبھی تو ہر طرف ساکن و بھوار ہے اور کبھی اوس کا تلاطم اور موجیں ایک محشر برپا کر رہی ہیں۔ ہرے بہرے جنگلوں میں بارش کی بہار اور پرندوں کے چہچہے۔ پہاڑوں کی عظمت و شان۔ غرمن کائنات کی کل خیزوں کی غولی اون کے دل پر کوئی اثر نہیں کرتی ایسے لوگوں کی حالت قابل رحم ہے اور وہ بہت بڑے لطف سے محروم ہیں اور دیکھنے والے اون سے ایسا لطف اٹھاتے ہیں کہ پھر وہ عارضی اور غیر حقیقی سامان کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کرتے۔

ایک موسم بہار ہی ہے کہ اوس میں قدرتی دلفریبیوں کے سامان وافر ہیں۔

ہوتے ہیں۔ ہوا قدرتی پھولوں کی خوشبو سے معطر ہوتی ہے اور خوش الحان پرندوں
آوازیں ہوا میں گونج رہی ہوتی ہیں۔ سبزہ اور ہریاں کی کثرت سے جنگل۔ باغ
گھاٹیاں۔ مالا مال ہوتے ہیں اور جو وقت کہ ایسے خوش آئند مقامات کی سیر
میں گزرے وہ زندگی میں سب سے بہتر خیال کرنا چاہیے کیونکہ اس سے دل میں
بشاشت۔ تازگی اور روح میں حسن پیدا ہوتا ہے۔

علم حیوانات
کی دلچسپیاں

اسی طرح علم حیوانات دلچسپی کا ذریعہ ہے۔ کوئی شخص کسی سنان مقام میں ہی
ہر ہی گہانس پر ہٹکے اور جانوروں کے حرکات و سکنات کو دیکھے جو اس کے گرد
دو پیش پیر رہے ہیں۔ تو ان کی صورت۔ عادت۔ حواس کی تیزی۔ ہوشیاری دیکھ کر
اوستے تعجب ہو گا اور ان کے حالات کے معلوم ہونے سے عجیب دلچسپی حاصل ہوگی
یہی کیفیت پھولوں پر نظر ڈالنے سے ہوتی ہے کہ ہر ایک کا رنگ ہر ایک کی پھول
ہر ایک کی صورت جدا جدا ہے۔ ہر موسم میں اور ہر مقام پر مختلف طرح کے پھول پیدا
ہوتے ہیں پھول انسان کا دل بہلانے اور خوش کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں
بچوں کو پھولوں سے محبت ہوتی ہے۔ بڑے آدمی پھول پسند کرتے ہیں۔ عورتیں
سنگھار کے کام میں لاتی ہیں۔ شادی بیاہ میں دو لہا دو لہن کو پھولوں سے آراستہ
کیا جاتا ہے۔ مردوں کی قبروں پر پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے۔ امیر۔ غریب
عالم۔ جاہل سب ان کی قدر کرتے ہیں اور ان سے اپنی اور اپنے گھر کی آرائش
کرتے ہیں۔ پھول صرف آنکھوں ہی کو اچھے نہیں معلوم ہوتے بلکہ کتاب فطرت
کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے نازک خیالی کا سبق بھی دیتے ہیں۔ یہی جال
درختوں۔ پودوں اور پتوں کا ہے کہ ہر ایک کی وضع دل بہاتی ہے۔ ہر ایک درخت
خدا کی قدرت کا سدا کا نمونہ اور بے مثل خلقت کی تصویر ہے۔

پھولوں کی بہاؤ

مناظر قدرت
کی دلچسپیاں

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفت لیسیت معرفت کردگا
اسی طرح سمندر جھیل۔ ندی کا نظارہ دل کو بشاشت اور انقباض کو کم کرتا ہے
جب سورج کی کرنیں شفات پانی پر پڑ کر چوٹی چوٹی لہروں میں چمک پیدا کر رہی ہوں

تو کون سی آنکھ ہے جس میں اس منظر کو دیکھ کر فوراً نہ پیدا ہو۔ جھیلین سمندر کی نسبت چھوٹی ہوتی ہیں لیکن حسن میں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ جھیلوں کے کنارے ہمیشہ سرسبز رہتے ہیں اور درختوں کا سایہ جھیل کے منظر کو اور بھی زیادہ دل آویز کر دیتا ہے۔ اسی طرح قدرت کی دلچسپیوں کا مینا بازار ہر وقت اور ہر جگہ لگا ہوا ہے۔ اس کتاب میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ کتاب فطرت کا پورا پورا ریویو اس میں سما سکے۔ اور الفاظ میں اتنی قدرت کہاں ہے کہ اس اثر کا خاکہ کہنچ سکے جو ان مناظر کو دیکھنے سے دل پہونچتا ہے۔

فصلِ خدائی را کہ تواند شمار کرد	یا کیست آنکہ شکری از ہزار کرد
آبِ صانع لطیف کہ بر فرش کائنات	چندین ہزار صورت الوان بکار کرد
ترکیب آسمان و طلوع ستارگان	از بہر عبرت نظر ہو شیار کرد
بر آفرید و بجز درختان و آدمی	خورشید و ماہ و انجم و لیل و نہار کرد
الوان نعمتی کہ نشاید سپاس گفت	اسباب راحتی کہ نہ اندازم شمار کرد
اجزاء خاک مرده بہ تشریف آفتاب	بستان و میوہ و چین و لالہ زار کرد
چندین ہزار منظر زیبا بیا فرید	تا کیست کہ نظر ز سر اعتبار کرد

فنون لطیفہ کی
دلچسپیاں

قدرتی مناظر کے علاوہ خود انسان کی صنعت کی چیزیں بھی مسرت بخشتی اور دل میں محویت اور مذاق میں عمدگی پیدا کرتی ہیں اور انسان میں صنّاعی کی یہی قدرت دینے سے فطرت کا منشاء صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے راحت اور دل بہلانے کے سامان میں اور ترقی دی جائے تاکہ زندگی کا زمانہ انسان کو وبال اور دوبرہ نہ معلوم ہو بلکہ وہ دلچسپی فریشتگی۔ بشارت۔ محویت کا زمانہ ہو لیکن یہ حالت ممنوعات میں نہیں بلکہ جائز مشاغل میں ہونی چاہیے۔ مصوری۔ نقاشی۔ سنگ تراشی۔ اور تمام فنون لطیفہ۔ دل بہلانیکا سامان ہیں۔ کون ہے جس نے آگرہ کا تاج محل۔ دلی کی جامع مسجد۔ ایلور اسکے غار۔ دیکھے ہوں اور محو نظارہ نہ ہو گیا ہو یا اون کا رگیدون کی صنعت کی تعریف نہ کرے جنہوں نے ایسی عالیشان ایسی دلفریب عمارتیں بنا کر کھڑی کر دیں۔ ایک خوشحوا لکھا ہوا قطعہ ایک اچھی ناشی

ہوئی مورت۔ ایک عمدہ بنی ہوئی تصویر جو اصل سے مشابہ ہو دلچسپی اور محبت پیدا کرتی ہے۔ فنون لطیفہ۔ انسان کی خوشی کا چشمہ اور دل مہلانیکا پورا سامان ہیں۔ جس طرح سورج سے پھولوں میں رنگ پیدا ہوتا ہے اسی طرح فنون لطیفہ سے انسانی زندگی میں بہار ہوتی ہے شاعر الفاظ کے ذریعے سے ایک چیز کا سامان باندھ دیتی ہیں اور الفاظ سے کلام میں رنگینی اور دل چسپی پیدا کرتے ہیں صنائع اپنی ہنرمندی کے نمونوں میں جان ڈالتے اور اپنی مصنوعات کی زبان سے اپنی استعداد کو کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک نقشہ یا ایک تصویر دیکھ کر کیفیت بادی النظر میں معلوم ہو جاتی ہے صفحہ کے صفحہ حالات پڑھنے سے بھی وہ منکشف نہیں ہوتی۔

نظم کی دل چسپی اور اوس کا اثر مصنوعات سے بھی کہیں بڑا ہوا ہے اور خدا نے نظم کی قوت انسان کو اس لیے عطا فرمائی ہے کہ کلام میں نہ صرف شوخی شیرینی لطافت اور بلندی پیدا ہو بلکہ اثر بھی اور نظم کا اثر وہ اثر ہے جو رنج و غم۔ فکر و غمی خود غرضی وغیرہ کل خیالات کو ایک دم مٹا دیتا ہے۔ شاعر کے ہاتھ میں تلوار نہ ہو لیکن اوس کی زبان تلوار سے زیادہ کاٹ کرتی ہے۔ وہ نیکی کی غویان اور برائی کی مذمت اچھون کی تعریف اور بدوں کی نکوہش ایسی ادا سے کرتا ہے کہ دلون پر اوس کے کلام کا نقش جم جاتا ہے اور وہ نقش نہ صرف اوس وقت بلکہ اوس کے بعد ہمیشہ نسلاً بعد نسل قائم رہتا ہے اس کا کلام دلون کو ہلا دیتا اور جوش و ولولے پیدا کرتا ہے چاند کے اثر سے سمندر میں مد و جزر واقع ہوتا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد دب جاتا ہے جو تلاطم شاعر کا کلام دلون میں پیدا کرتا ہے وہ کہی فرو نہیں ہوتا اوس میں ہر وقت نئے زہر شور سے طغیانی ہوتی رہتی ہے۔ وہ لوگوں کے خیالات پر ہیرویتا۔ نئے ذرا نئی خواہشیں۔ نئی انگلیں نئے شوق پیدا کر دیتا ہے۔ اُس کے کلام کا اثر اندر یعنی دلون پر ایسا قبضہ کر لیتا ہے کہ جو لوگ اوس کے شکار ہوئے ہوں وہ بھی نہیں جانتے کہ ان میں کیا اور کیوں تغیر پیدا ہوا جس طرح ایک زاہد فریب صورت ایک جہلک دکھا کر اپنا والد و شہید بنا لیتی ہے اسی طرح شاعر کا ایک شعر ایسا محو کر دیتا ہے کہ وہ

نظم کا اثر

کیفیت نہ بادہ انگوری سے آتی ہے۔ نہ شراب ارغوانی سے۔ جس وقت طبیعت نہایت ہی اوداس متفکر ملول ہو یا تمکان اور ماندگی نے پست کر رکھا ہو اس وقت نظم کی کوئی عمدہ کتاب پڑھو اور دیکھو کہ کس قدر تسکین حاصل ہوتی اور طبیعت کی کیفیت کیسی بدل جاتی ہے۔

نظم ہی ایک قسم کی مصوری ہے لیکن تصویر منہ سے نہیں بولتی اور یہ ہم بے دنگ کی تصویر حرکات و سکنات اور بات چیت کے لطف بھی دکھا دیتی ہے۔ نظم دل کو بیدار اور قوا و داعی کو ہتیار کرتی ہے اور اس سے طرح طرح کے عمدہ اور نفیس خیالات پیدا ہوتے ہیں جیسے زیور اور فاخرہ لباس ایک مہجبین کا لطف و بالا کر دیتا ہے۔ اسی طرح نظم الفاظ میں اثر اور معمولی مضمون میں بلند سی اور دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ جو حالتیں دن رات ہمہ گزرتی ہیں یا وہ کیفیتیں جو عموماً ہم آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں اور اودن کی پروا بھی نہیں کرتے وہ واقعات جو رات دن پیش آتے اور بے پروائی سے گزر جاتے ہیں۔ وہ سوانح حزن کی طرف ہمیں اکتاہٹ نہیں نہیں ہوتا لباس نظم پہنکر سامنے آتے ہیں تو اون کا اثر بہت قوی ہو جاتا ہے۔

خارجہ
دور کرتی ہے

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کے چہرہ پر جو نقاب پڑی ہوئی ہوتی وہ اوٹھ گئی اور اب وہ اصلی حالت میں ظاہر ہوئے۔ ہم لوگوں سے رات دن ملتے اور ادن کو بہت و خصلت سے واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن شاعر و فطرت انسانی کا پورا ماہر ہوتا ہے۔ تو کوئی عادتوں اور خصلتوں کو بیان کرتا ہے تو آنکھیں کھل جاتی ہیں کہ اس نے یہ بہت سی حاصل کر لیا نظم کا اثر موسیقی کے ساتھ اور بڑھ جاتا ہے۔ قدرت کی قوتوں کو پورا ہونی کی امید تو دلون کے تسخیر کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ موسیقی بڑھائیے اگر تھوڑے زمانہ پہنکتی ہے۔ خیالات میں پرواز اور دل میں جوش پیدا کرتی ح زندگی اس شخص سے دیتی ہے اور گویا ہر ایک جذبہ میں جان ڈالتی ہے۔ سچ فال میں گنواں۔ اگر انسان کم کرنے کے لیے موسیقی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پسینہ پر گہرا نہ جائے۔ اور کاتی ہیں۔ کسان ہل جوتا جاتا ہے اور گیت گاتا جاتا ہے ہر مانی ہیں اون سے کما حقہ

خوشی حاصل
کر سیکھا طریقہ

حظ او بٹائے تو اس کو معلوم ہو گا کہ بیشک زندگی ایک بیش بہا نعمت ہے۔ جس سے ہر آن خوشی اور انبساط چمکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہیں جنہوں نے یہ غور کیا ہو کہ خوشی کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ خوشی بادی خیر نہیں ہے بلکہ اون اسباب سے حاصل ہوتی ہے جو انسان کو میسر اور مہیا ہوں اور اس لیے جو لوگ ہمیشہ بٹناش رہتے ہیں ضرور ہے کہ وہ موجودہ اسباب راحت کی قدر و قیمت جانتے ہوں۔ اگر انسان اپنے فرائض کو کما حقہ ادا کرے اور جو کام اس کے سامنے ہے اسے محنت سے انجام دے اور جائز نعمتوں پر جو اسکو مل سکتی ہیں قانع ہو۔ اگر سر انجام امور کا خدا تعالیٰ پر بہروسہ رکھے اگر اس کے دل میں شکر گزاری کا مادہ ہو۔ اگر وہ نہایت پابندی سے عقل سلیم اور صداقت کی پیروی کرے۔ کوئی خوف یا لالچ اس کی طبیعت ڈانوا ڈول نہ کرے۔ اپنے معاملات ایسے صاف رکھے کہ وز حساب اسے شرمندہ ہونا نہ پڑے۔ اگر وہ اپنی قوت سے زیادہ کی تمنا اور امید نہ کرے اور اپنی آزادی کو قائم رکھنے کیلئے کسی کی پروا اور کسی کا خوف نہ کرے اور اپنے الفاظ میں صداقت کو قائم رکھے تو بیشک وہ خوش اور بٹناش رہے گا۔

دل کو مطمئن رکھنے اور طبیعت میں سکون پیدا کرنے کے لیے عمدہ اور پاکیزہ خیالات و ماغ میں پیدا کرنے چاہئیں اور اون پر حقیقی المقدور کار بند ہونا لازم ہے بے سقراط کا قول ہے کہ جو شخص اپنے تئیں انسان کامل بنانے کی کوشش کرتا ہے وہ بہت اچھا آدمی ہے اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ درجہ کمال کی طرف ترقی کر رہا ہے وہ دنیا میں سب سے زیادہ خوش ہے۔

مشکلات کے سمندر کو عبور کرنے کے لیے کنارے پر کھڑے کھڑے یہہ خیال کرنا کہ ہمارے جسم میں تو انسانی نہیں۔ خطرات زیادہ ہیں۔ موسم زیادہ تکلیف دہ ہے کوئی کام نہیں دیتا بلکہ اگر تجھہ کرنا ہے تو تو کلت علی اللہ تعالیٰ کہہ کر ایک دم سر کو دھڑنا اور گوہر مقصود حاصل کیے بغیر باز رہنا نہیں چاہیے انسان واقعی اور اصلی خطرات

مشکلات کا
سے کرنا خوشی
بجھتا ہے

اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ اپنے خیالی اور وہمی خطرات سے ڈرتا ہے۔ مثلاً یہی کہ بہت عمدہ کام وہ اس سبب سے نہیں کرتا کہ لوگ مجھ پر تنہیں گے لیکن اگر وہ مستقل مزاج آدمی ہے تو اسے یہ امید ہوتی ہے کہ میں جب ان تمام مشکلوں کو پورا کر لوں گا تو یہی لوگ میری تحسین کریں گے اور یہ خیال اسے ایسا خوشی بخشتا ہے کہ وہ کسی اور کسی تکلیف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

انسان خود
مصائب پیدا
کرتا ہے۔

میشک دنیا میں رنج و محن اور مصیبت ہی ہے لیکن وہ انسان نے اپنی ہاتھوں مول لی ہے۔ وہ دنیا میں خود ایسی مصیبتوں کو ڈھونڈتا ہے جو راحت و خوشی کا لباس پہنے ہوئے ہوں۔ دنیا میں رنج و مصائب و آلام ہیں لیکن سب سے زیادہ رنج دینے والے اور حسرت و افسوس میں ڈالنے والے وہ مصائب ہیں جو خود انسان کی سورتبیر یا غفلت یا غلطی سے اس پر پڑے ہوں۔ بعض چوٹی چوٹی ناگوار باتوں کو بھی انسان بہت بڑا خیال کر لیتا ہے اور بجائے اس کے کہ ذرا مردانگی سے اون کا مقابلہ کرے اون سے دب جاتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں سردار اور اشرف بنا کر بھیجا ہے یہی کہہ کر کہ ہے کہ وہ اس کی ذات کو رنج و محن کا پتلا بناتا اور دنیا کو اس کے واسطے قید خانہ مقرر کرتا بلکہ خود انسان نعمتہا ہی خدا کو نہیں جانتا اور نہ نہیں پہچانتا اور اون سے محروم رہتا یا اشیاء کے غلط استعمال سے اپنے اوپر بلا لاتا ہے اکثر انسان ایک لمحہ کی غرضی خوشی کا خیال کرتا ہے لیکن اپنے زندگی بھر کے آرام کہہ دیتا ہے۔

مصیبت سے زیادہ مصیبت کا خیال انسان کو ڈراتا ہے لیکن جب وہ حالت جس کے وقوع کا پہلے خطہ تھا واقع ہو جائے تو ڈر جاتا رہتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس قدر اندیشہ پہلے ہوتا ہے اس قدر مصیبت سخت نہیں ہوتی۔ اکثر سختیاں جو انسان کو برداشت کرنی پڑتی ہیں وہ کسی خیالی اور اعتباری امر کے سبب سے ہوتی ہیں کیونکہ انسان بہت دفعہ ایسی چیز کے ہول کی کوشش کرتا ہے جو اسے قانع نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے اوپر فراہمی اسباب کا بار لا دے جاتا ہے اور زیادہ کی یکساں

نماش کیے جاتا ہے۔ یہ تلاش نہ صرف تہکاتی اور طول کرتی ہے بلکہ اکثر محروم بھی کر دیتی ہے اور اگر واقعی کوئی بڑی مصیبت بھی پڑے تو اس کے رفع کرنے کی پوری کوشش کرنا یا اگر وہ رفع نہ ہو سکے تو صبر سے اسے برداشت کرنا دل شکنی کا باعث ہے اور مصیبت کا اثر کم کر دیتا ہے۔

خیالی تکالیف

خود انسان کے بڑے عادات اور اطوار اس کو زیادہ تکلیف میں ڈالتے ہیں۔ مثلاً غصہ۔ بد مزاجی۔ خود غرضی۔ لالچ۔ دل کو بیچ و تاب میں رکھتے ہیں اور دق کرتے رہتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ امور جو انسان کو نفع و راحت رکھتے ہیں دق کرتے ہیں واقعی نہیں ہوتے بلکہ خیالی تکالیف ستاتی رہتی ہیں۔ یا چھوٹی چھوٹی تکلیفیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے خیال کی غور دین سے ان کو بہت بڑا دیکھتا ہے۔ ان تکلیفوں کی اصلیت اور حقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی بڑی مصیبت سامنے آجائے اس وقت یہ ساری تکلیفیں بیچ معلوم ہونے لگتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت کس کو کہتے ہیں؟

مشکلیں اور تکالیف انسان کی سبق آموز ہیں اور کامل عیار تکالیف میں اسطرح ثابت قدم رہتے ہیں جیسے بہی سے کندن چکاتا نکلے۔ یہ آگ اور آہن کے جوہروں کو اور جلا دیتی ہے اور ذاتی صفات کو اچھی طرح چمکاتی ہے۔ مشکلیں مستعد آدمی میں کام لگنے کی قوت کو بڑھاتی ہیں اور اس کے دل میں جوش۔ غم تحریک پیدا کرتی ہیں۔ اگر دنیا میں مشکلیں نہ ہوتیں تو سعی و کوشش کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ رنج۔ مشکل۔ تکلیف۔ مصائب نہیں ہیں بلکہ قوت انتظام اور پرنیگاری کے معلم ہیں۔

مشکلات
ہیں اور ان سے

تکالیف کے
اسباب

انسان کو کئی طرح سے تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ اول جسمانی تکلیف جو کامل صحت کے نہ ہونے یا قوت شہوانی کے تقاضوں کو پورا نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بیماری یا تکان۔ بھوک اور پیاس کی تکلیف۔ دوم ایسی تکالیف جو اس جسم سے پیدا ہوتی ہوں۔ مثلاً بد مزہ چیز کھانے۔ بدبودار چیز سونگھنے۔ ناگوار چیز کے چھونے۔ مکر یہ منظر صورت دیکھنے۔ دل خراش آواز سننے۔ یا سردی و گرمی کی زیادتی

سے پیدا ہوں سویم سعی میں۔ ناکامیابی۔ یا کسی چیز کو دل چاہے لیکن اوس کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو یا کسی چیز کے حاصل ہونے کی امید ہو لیکن اسباب حصول مفقود ہو جانے سے ناامید ہو جائے۔ چہارم دشمنی۔ یہ تکلیف اوس وقت زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ میرے دشمن ایک نہ ایک دن مجھے نقصان پہونچا کر اپنے دل کا بخار نکالیں گے۔ پنجم بدنامی۔ یہ خیال کہ اور لوگ میری نسبت کوئی بُرا خیال رکھتے اور مجھے بُرا سمجھتے ہیں۔ انسان کو تکلیف دیتا ہے۔ کیونکہ اوس سے ادنیٰ کی وقعت و عزت میں فرق آتا ہے۔ ششم افعال ممنوعہ یا تکلیف اوس وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے دل میں یہ خوف ہو کہ ایک دن خدائی عذوبل کے سامنے اعمال دنیا کی جوابدہی کرنی ہے اور سزا و جزا یقینی ہے جس شخص کے دل میں مذہب کا پختہ اعتقاد اور نور ایمان کی روشنی ہو اس سے یہ تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ہفتم ترحم دوسروں کی مصیبت زدہ حالت دیکھ کر دل میں تکلیف اور رنج پیدا ہوتا ہے۔ رحم دل انسان جا نور و نہکی زدہ حالت بھی نہیں دیکھ سکتے اور اگر اون پر ظلم ہوتے دیکھتے ہیں تو اون کو روکھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہشتم حسد جن لوگوں سے انسان کو نفرت ہے اون کی خوشی اور فارغ البالی پر جلتا ہے اور خود اپنے تئیں بن آگ جلاتا ہے۔ نہم حافظہ بعض وقت گزشتہ زمانہ کے مصائب یا کوئی اور دردناک واقعہ۔ کوئی سچڑا ہوا عزیز کوئی مردہ دوست یاد آ جاتا ہے اور دل دکھا دیتا ہے۔ دہم خوف کسی آئندہ مصیبت کا خیال بعض اوقات دل کو بہت بے قرار کر دیتا ہے اور ہر اس چھا جاتا ہے۔

وقت قلب
یا ترحم

راحت و رنج
کے ذرائع

عام طور پر دیکھا جائے تو راحت و خوشی یا رنج و کلفت کے حاصل ہونے کے تین ذرائع اوپر بھی ہیں۔ اول خود انسان کی ذات اور اوس کی صحت۔ طاقت حسن عادت عقل۔ تعلیم وغیرہ۔ دوم انسان کی ملک اور جائداد اور تمام اشیاء استعمال جو اوس کو حاصل ہوں۔ سویم انسان کی وقعت و عزت یعنی وہ درجہ جو اسکو دوسروں کی نظیر میں حاصل ہے اور وہ رائج جو اور لوگ اوس کی نسبت رکھتے ہیں۔

انسان کی ذات
میں خوشی حاصل
کرنے کی قوت

اس رای کا اظہار اوس مرتبہ اور شہرت سے ہوتا ہے جو ایک شخص کو اپنی سوسائٹی میں حاصل ہو
ان میں سے پہلا ذریعہ فطرتی اور اصلی ہے اور یہی سارے رنج و تکلیف
راحت و خوشی کی بنیاد ہے۔ دو مختلف انسانوں کی خوش حالی اور بد حالی میں جو فرق
فی الواقع ہوتا ہے وہ اُن کی طبعی اور ذاتی کیفیت کے سبب سے ہوتا ہے
باقی دونوں ذرائع خود انسان نے اپنے خیال میں فرض کر رکھے ہیں اور اس کا
اثر خواہ کتنا بھی قوی ہوا اعتباری ہے۔ نہ اصلی۔ الماک و جائدا یا عزت و وقعت کا
اثر انسان کی خوشی پر بالواسطہ ہوتا ہے۔ لیکن بشارت یا انقباض کی عادت جو خود
انسان میں طبعاً ہوتی ہے وہ بلا واسطہ اوس پر اثر ڈالتی ہے اور اوس کو بشارت یا
منقبض رکھتی ہے۔ بشارت طبع اشخاص عموماً خوش رہا کرتے ہیں اور اگر کوئی فکر کی
بات ہو بھی تو وہ اس طرح گزر جاتی ہے جیسے چلتا بادل لیکن جن لوگوں کے دل فطرتاً
منقبض یا متفکر ہوں اُن کو بڑی خوشی اور کامیابی کی حالت بھی بہت تھوڑی مسرت
و فرحت دیتی ہے اور اُن کا دل اوس میں بھی کوئی ایسا اندیشہ پیدا کر لیتا ہے جو
اوس خوشی کو کمزور انقباض خاطر کا سبب ہو۔ جیسی انسان کی طبیعت کی کیفیت ہو
ویسی ہی دنیا کی ساری چیزیں اوس کو معلوم ہوتی ہیں۔ ایک ہی طرح کا سامان ایک ہی
طرح کا مکان ایک ہی طرح کا سامان ایک شخص کو نہایت دلچسپ۔ دل خوش کن۔
راحت بخش معلوم ہوتا ہے اور دوسرے کے دل یا اوس کو دیکھ کر اود اسی
بے اطمینانی۔ چھا جاتی ہے اور وہ ان سب چیزوں کو اجاڑ اور نگارہ خیال کرتا ہے
غرض جب تک انسان کے دل میں بشارت کا مادہ نہ ہو۔ ظاہری سامان آرائش و
عزت اوسے خوش نہیں کر سکتے۔ اگرچہ افراد ان سامان اور عالی عہدہ امارت و تہمین
فرق و امتیاز پیدا کر دین لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ اندرونی خوشی پر یہی ان کا قیام پذیر
اثر پڑے۔ بعض لوگوں کا دل اوس وقت بھی تفکرات۔ آلام۔ بے اطمینانی سے
بھرا رہتا ہے۔ قائم رہنے والی اور ہمیشہ ساتھ دینے والی خوشیاں دل کی خوشیاں
ہیں اور دل کی خوشیاں دل کی قوتوں پر منحصر ہیں۔ اگر دل کی قوت کمزور ہے تو خواہ

کتنی ہی دولت و ثروت کیوں نہ حاصل ہو انسان مسرت خاطر کے معمولی درجہ سے کہی ترقی نہیں کر سکتا۔ اگر ایک سوکھی لکڑی پر پھولوں کے ہار لپیٹ لی جائیں یا سوکھی گچھاس کو پانی میں ڈال دیں تو وہ کیا تروتازہ ہوگی۔ اسی طرح جس انسان میں خوشی کا مادہ نہ ہو اس کو اگر نعمتیں ہی دنیا سے مالا مال کر دیا جائے تو اس پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ انسان کے ذاتی اسباب میں سے سب سے زیادہ موثر اس کی صحت ہے ایک فقیر جس کی صحت اچھی ہو اس کا بادشاہ سے زیادہ خوش ہے جو بہتر بیماری پر پڑا ہو۔ اسی طرح نیک مزاجی۔ دانشمندی۔ قناعت۔ خوشی کا چشمہ ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسان خوشی کے اس قدرتی مادہ کو ترقی دے جو فطرتاً طبیعت میں پیدا ہوا ہے۔

الماک درویش کی
خوشیان

باقی دو ذریعے اگرچہ خارجی ہیں اور عارضی اسباب کی فراہمی سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کو خوشی کے پیدا کرنے میں دخل ہے۔ اگرچہ یہ خوشیان بھی عارضی ہوں اور بعض اوقات بہت جلد ان میں تبدیلی آجاتی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ الماک و اسباب کی فراہمی سے انسان کو اطمینان آرام۔ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ مسرت حصول سے زیادہ امید حصول میں ہوتی ہے۔ انسان کہی موجودہ چیزوں پر قانع نہیں ہوتا اور اس کی خواہش کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اگر اس خواہش میں اس کو کامیابی ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور ناکامی ہو تو رنجیدہ ہوتا ہے۔ اس سبب سے ایک انسان جس حالت کو اپنے واسطے نعمت غیر مترقبہ خیال کرتا ہے دوسرا اسے مصیبت جانتا ہے۔ اور دونوں اپنی امیدوں کے پورا نہ ہونے سے برابر ملول ہوتے ہیں۔ انسان کی مختلف ضرورتوں کو خیال کیا جائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ مال و دولت روپیہ پیسہ کو زیادہ عزیز رکھتا اور زیادہ دوستانہ ہونے کی خواہش کرتا ہے اور چونکہ روپیہ انسان کی سب سے کم ضرورتیں پوری کرتی ہیں لہذا اس کی زیادہ خواہش کرتے ہیں۔ روپیہ کے علاوہ ہر چیز ایک حاجت رفع کرتی ہے۔ مثلاً گھانا بھوک سے نجات دیتا ہے

پانی پیاس بچاتا ہے۔ دو بیماری سے شفا دیتی ہے وغیرہ لیکن رویہ ان کل اشیاء کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اور اسی سبب سے ایک ایسی شے کے حاصل ہونے سے انسان کو بہت خوشی ہوتی ہے جو اس کی ہر قسم کی ضرورتوں کے پورا ہونے کا ذریعہ ہو سکے۔

عزت خوشی بخشی ہے

رہی یہ خواہش کہ لوگوں کی نظروں میں وقعت ہو اور اپنے پرانے عزت و حرمت کریں اگرچہ اس کو انسان کی راحت و خوشی سے زیادہ تعلق نہیں ہے لیکن فطرتاً انسان کی طبیعت اس قدر کمزور پیدا کی گئی ہے کہ اس کو اپنی عزت و آبرو کا بہت پاس ہوتا ہے اور نظام عالم پر نظر کی جائے تو اس میں بہت بڑی مصلحت ہے ورنہ دنیا میں تہذیب ایک بے معنی لفظ ہوتا۔ غریب۔ امیر۔ عالم۔ جاہل ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے اقران و امثال جن سے اس کو تعلق ہے اسے اچھا یا معزز یا برکزدہ سمجھیں اور اس کے لیے انسان اپنا مال بلکہ اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ یہ نہایت معلوم کرنی مشکل ہے کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی رائی میری نسبت عمدہ ہے یا وہ کوئی خوشامد کا کلمہ یا اپنی بڑی کی تحسین سنتا ہے تو اسے کیون خوشی ہوتی ہے۔ خصوصاً جس امر میں کوئی شخص فخر کرتا ہے اگر اس کی نسبت کوئی کلمہ کہا جائے تو بہت جلدی اثر ہوتا ہے اور اس خیال میں کم و بیش دنیا کا ہر فرد بشر مبتلا ہے اور صرف اس کے واسطے بہت سے لوگ بڑے بڑے کام کرتے اور بہت سا سامان آرائش رکھتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظروں میں وقعت قائم ہو یہ خیال اگر غرور و نخوت یا خوشامد پسندی تک پہنچ جائے تو بڑا ہے اور اگر صرف خود داری اور عزت کی حد تک رہے تو بہت عمدہ ہے۔ دنیا میں ہر چیز کی قیمت ہے اور اگر وہ قیمت قائم رہے تو وہ خراب اور ذلیل تصور کی جاتی ہے اسی طرح انسان کی عزت اس کی ذات کی قیمت ہے اور اگر کوئی شخص اپنی ذاتی عزت کا خیال نہ رکھے تو وہ اپنی قیمت گھٹا دیگا اور اسی نسبت سے اس کی خوشی گھٹ جائیگی۔ سو اس میں عزت حاصل کر کے کا خیال انسان کی مدنی الطبع ہونے کی خاصیت ہے۔

پیدا کیا۔ جب انسان کو ہوش آیا تو اوس نے دیکھا کہ میں دنیا میں تنہا کچھ نہیں کر سکتا ہوں بلکہ مجھے سوسائٹی میں مل کر رہنا چاہیے اور اپنے تین سوسائٹی میں بکار آمد بنانا لازم ہے اور بکار آمد و مفید ہونا یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے تین بکار آمد سمجھے بلکہ یہ ہے کہ دوسرے اوس کو بکار آمد سمجھیں اور اوس کی قدر کریں اس خیال نے ترقی کر کے عزت کی مختلف صورتیں قائم کر دیں انسان کو اپنی عزت کا یہاں تک خیال ہے کہ اگر اوس پر کوئی الزام لگایا جائے تو خواہ جھوٹ ہی ہو اوس کا رنگ فق ہو جاتا ہے اور اپنے تین بری کرنے کی سعی کرتا ہے تاکہ اوس شرم سے بچے۔ دوسروں کی نظر میں بے وقعتی کے سبب سے پیدا ہوئی ہے جب انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی سبب سے بہت سے لوگ میری عزت کرتے ہیں تو وہ جانتا ہے کہ میری طاقت بڑھ رہی ہے گویا وہ میرے معاون و حامی ہیں اور اسی سبب سے اوس کو خوشی ہوتی اور اوس کے دل کو راحت پہنچتی ہے اور انسان اپنی عزت کی اس قدر حفاظت کرتا ہے کہ ازالہ حیثیت عربی کی صورت میں عدالت قانون سود دلیتا عزت صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ اس شخص سے اس قسم کے افعال سرزد ہوئے تھے بلکہ اس خیال کا نام ہے کہ لوگوں کو یقین ہے کہ اس شخص میں اوصاف حمیدہ اس قدر راسخ ہیں کہ ہمیشہ ایسے ہی صادر ہوا کریں گے۔ جو عزت کسی اعلیٰ عہدہ یا مرتبہ کے حامل ہونے سے ہوتی ہے وہ یہی اسی کا نام ہے کہ لوگوں کو یقین ہو کہ اس شخص میں اس عہدہ کے فرائض منصبی کو اچھی طرح انجام دینے کی قابلیت ہے اور جس قدر زیادہ مشکل اور اہم فرائض ہوں گے اوسے قدر زیادہ یقین ہونا چاہیے کہ عہدہ دار کے اخلاق۔ علم۔ دانش۔ تجربہ اس کی انجام دہی کے قابل ہیں۔ اور اسی سبب سے اس کا اظہار وقعت زیادہ کرتا ہے۔ فوجی عہدہ داروں کی خدمت بہت مشکل اور ذمہ داری کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ملک اپنے بادشاہ اپنی قوم اپنے مذہب کی خاطر جان تک دیدیتے ہیں اسی سبب سے ان کی وقعت بھی زیادہ ہوتی چاہئے اور یہی عزت حاصل کرنے کی غرض ان کو میدان جنگ میں لیجانی اور

سُرخر و کرتی ہے۔ وہ خوشی جو ایک سیاہی کو میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے ہوتی ہے محفوظ قلعہ نشینوں کو آرام کر سیدوں پر نہیں ہوتی۔

عورتوں کی عصمت
اور ان کی عزت کا
باعث ہے

مردوں سے زیادہ عورتوں کی عزت کا مسئلہ نازک ہے اور اون کی ساری خوشی اور آرام کا دار اون کی عزت پر ہے۔ عورتوں کی ساری ضرورتوں کے کفیل مرد ہیں اور قدرت نے عورتوں کو امور خانہ داری میں مردوں کا ہاتھ بٹائیواالا اور معاون پیدا کیا ہے۔ مرد کو عورت کی نسبت زیادہ قوت۔ زیادہ علم۔ زیادہ عقل ہوتی ہے اور وہ دنیا میں عورت کی نسبت زیادہ عمدہ زیادہ اعلیٰ کام کر سکتا ہے۔ اس واسطے سوسائٹی کا امن اور حسن انتظام اس میں ہے کہ مرد عورتوں کے محافظ ہی ہوں۔ اس کا عیوض عورتوں کی جانب سے یہ ہوتا ہے کہ عورتیں وفادار اور ثابت قدم رہتی ہیں۔ اون کی عصمت اون کا اصلی جوہر ہے جس عورت نے اپنی وفاداری اور ثابت قدمی کہودی اس نے اپنی عزت کہودی اور چونکہ آبرو کا کپہر نہیں آتی وہ خوشی اس کو پہنچنیں حاصل ہو سکتی جو پہلی حالت میں تھی۔

خوشی کا اثر

خوشی انسان کی صحت کو ترقی دیتی ہے۔ کیونکہ افکارات اگرچہ حقیقت ہوں اور انقباض اگرچہ کم ہو لیکن اگر متواتر رہے اور دل کو برابر ہلکے ہلکے صدمے پہنچتے رہیں تو خواہ اس کا باعث کوئی جسمانی تکلیف ہو یا روحانی عذاب ہو۔ جسم کے نازک حصوں کو ایسا صدمہ پہنچتا ہے کہ ایک دن وہ تمام شبیں جس کا نام جسم سے لیکار ہو جاتی ہے اور یہی حال کا ہے کہ بشارت اور خوشی کی حالت میں اس میں آرام اور سکون رہتا ہے ورنہ یعنی ستاتی ہے پس ہر انسان کا فرض ہے کہ اون اصول کو سوچے جو حقیقی راحت اور خوشی بخشتے اور غیر ضروری خیالی تکالیف کو کم کرتے اور اون سے نجات بخشتے ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی آرام اور اطمینان سے گزار سکے اور یہی ہر انسان کا مقصد ہے۔

باب پنجم

اکتساب محامد اخلاق

۱۔ روئے

زندگی کی قیمت
کام کی عمدگی
منحصر ہے

ہر شخص کی زندگی کی قدر و قیمت کا اندازہ اوس کے چال و چلن سے ہو سکتا ہے
یعنی دنیا میں اوس نے جس قدر اچھے کام کیے اوس کی قدر اوس کی زندگی زیادہ
قیمتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص عمدہ مقرر۔ سخن سنج۔ عالم۔ صانع بن سکے۔
لیکن یہ ممکن ہے کہ ہر شخص خوش اخلاق سچا۔ مہربان۔ پرہیزگار۔ کم سخن کھاشا
صفائی پسند۔ منکسر مزاج۔ بردبار۔ محتلی۔ آزاد۔ قانع بن جائے۔ یہ وہ اوصاف ہیں
جن کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قدرت نے یہ مادہ نہیں دیا لیکن بہت تہور
ہیں جو ان اوصاف کو حاصل کرتے ہوں۔ کسی فن کے اصول کا صرف جاننا ہی
بیکچر فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ عملی طور پر اوسے کام میں نہ لایا جائے۔ اسی طرح
اخلاق کے اصول سے صرف آگاہی ہی مفید نہیں ہے جب تک کہ انسان اون پر
کار بند نہ ہو۔ اگر بھلا مانس سب سے کوچی چاہتا ہے۔ دل میں خوش رہنے اور پھلنے
پھولنے کی آرزو ہے تو اصول اخلاق کی پیروی کرنی لازم ہے جب یہ ٹھان لی
کہ سیدھی راہ سے کبھی نہ پہرین گے اور کائنات (نفس لوامہ) جن امور کی بہت
کرتا ہے اون سے کبھی منہ نہ موڑیں گے تو رحمت و برکت کی دروازی کھل جاتی ہیں۔
بہت سے کام اور خصوصاً بڑے کام ایسے ہیں جن کی کسی کو کانوں کا بھی
خبر نہیں ہوتی اور اسی سبب سے بعض لوگ ایسے افعال قبیحہ کے کرنے میں جنگی
افشاں راز کا اندیشہ نہ ہوا حتر از نہیں کرتے لیکن فقط لوگوں کی نظروں کا خیال رکھنا
اور دوسروں کی رامتیں عمدہ ہونا اصلی خوبی نہیں ہے بلکہ نفس الامری انسان کا رہنا
اچھا ہونا اور خود اوس کی اپنے نظروں میں اپنا کوئی نیکی اور اچھائی کا اصلی عمدگی ہے۔
انسان کی طبیعت اس قسم کی پیدا کی گئی ہے کہ وہ ایک حالت میں قائم نہیں

خود انسان کی
نظر میں اپنا روئے
عمدہ ہونا چاہیے

ترقی دل خوش کن
ہوتی ہے۔

رہ سکتا یا عروج کی طرف ترقی کر گیا یا حنیض تکبت میں گر گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ترقی خواہ آہستہ آہستہ ہو۔ دلچسپ اور دل خوش کن ہوتی ہے لیکن ہر ترقی میں اتنا خیال رہے کہ علم و عمل دو نو ترقی کریں۔

کسی فعل کے متعلق یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ ہمارا دل کیا چاہتا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمیں کیا کرنا لازم ہے اور یہی بات حقیقی مسرت کی کنجی ہے۔ دنیا میں نیکو کار اور بدکار دو نوح کے آدمی ہیں لیکن بدکار کے سب دشمن ہیں حتیٰ کہ اس کے دوست بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں خود پہلے زمانہ کی یاد اور ان کو تکلیف دیتی ہے دنیا فید خانہ اور موت خوفناک معلوم ہوتی ہے۔

اعمال کی عمرگی
اصلی ترقی ہے

آوارہ نوجوان اپنے افعال ناجائز کا یہ عذر پیش کیا کرتے ہیں کہ یہ تقاضا ہی عمر سے لیکن رویہ کی خوبی کے امتحان اور عمدہ اصول پر کار بند ہونے کا زمانہ عمر جوانی ہی ہے۔ ورنہ جب اقدام مصیبت پر قدرت نہ رہے اس وقت اگر انسان نے منہیات سے اجتناب کیا تو فی الحقیقت اس کا وہ فعل محصنت بنی بی است از بے چادری سنیکا کا گول ہے کہ گویا ایسا ہوتا اگر لوگ اپنے دماغوں سے بھی ایسا ہی کام لیتے جیسا کہ وہ جسم سے لیتے ہیں اور نیکی حاصل کرنے میں بھی ایسے ہی مشغول ہوتے جیسا کہ خطا حاصل کرنے کی دہن میں لگے ہوئے ہیں۔ دنیا میں ایسے آدمی بہت سے ہیں جنہوں نے خود اپنے تئیں خراب کیا ہے اور ایسے کم ہیں جن کو دوسروں نے برا دیکھا ہو یا انسان نے جتنے شہروں کو برباد کیا جتنے مکانات کی ٹھکنی کی اور تہی نہ سمندر کے طوفان نے کی نہ زلزلہ کی شدت نے۔ اور جو بربادی کہ خود انسان کے ہاتھ سے ہو وہ زیادہ قابل افسوس ہے۔ ایک اور حکیم کا قول ہے کہ بہت سے لوگ اپنا بہت سا وقت باقی وقت کو مصیبت زدہ کرنے میں گنوا رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ برائیاں بڑی نظر میں بہت دلفریب معلوم ہوتی ہیں اور ایک گہری کی گہری بہت لطف بخشی ہیں لیکن اس ایک گہری کے خط سے عمر بھر کی خوشی پر پانی پیر جاتا ہے۔ دنیا ایک تھپڑ ہے جس میں ہر شخص اپنا اپنا ایکٹ کرتا ہے۔ دولت۔ عزت۔ حکومت اور فراہم داری اور ایسی ہی

چیزیں تھیسٹر کے پردے میں لیکن جب یہ پردے اوٹھے جائیں گے تو اس وقت ہر شخص اور اس کے افعال جا بچے جائیں گے۔ اس کی حشمت۔ اس کا مرتبہ اس کی حکومت اس کا خاندان ذرا کام نہ آئیگا۔

جٹلمین

انسان اس جہان میں اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن یہ شرف بہت کچھ اکتساب پر منحصر ہے۔ یعنی انسان کے رویہ کی درستی یہ ہمارے غاور میں آجکل لفظ جٹلمین عام ہو گیا ہے لیکن اصلی معنی کے خلاف استعمال ہوتا ہے ہم ایسے شخص کو جٹلمین کہتے ہیں جو لباس اور معاشرت میں فضول خرچی کرے اور نئے یا انگریزی قاعدوں کا پابند ہو۔ انگریزی لباس پہننا۔ چرٹ مینا۔ بے ضرورت عینک لگانا۔ کہانے میں چہرے کا غلط استعمال کرنا۔ اپنی قومی وضع کی ہر ایک چیز پر ناک بھون چڑھانا اور ایسی ہی عجیب عجیب حرکتیں کرنا جٹلمین ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن دراصل جٹلمینی (شرافت) ظاہری وضع اور فیشن سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ آدمی میں وہ صاف حمیدہ کی موجودگی کا نام ہے اور جس شخص میں جس قدر زیادہ اوصاف حمیدہ ہوں گے وہ اتنا ہی زیادہ جٹلمین ہوگا۔ راست بازمی صداقت۔ پرہیزگاری۔ حلم وغیرہ کل اوصاف جو علم اخلاق سکھاتا ہے جٹلمین میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے رویہ کو صرف اس ہی واسطے درست نہیں کرتا کہ دوسرے دیکھیں تو برا نہ کہیں بلکہ اس لیے کہ خود اسکی نظر میں اس کا کوئی فعل قبیح نہ معلوم ہو اور اس کا دل اس سے ملاست نہ کرے جٹلمین سنگسہ المزاج ہوتا ہے اور دوسروں کا ادب اور لحاظ کرتا ہے۔ مہربانی حلم۔ سنجیدگی اور متانت اس کے لیے لازمی خصائل ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی چند صفیں ہیں جو ایسے شخص میں جو جٹلمینی کا خطاب حاصل کرنا چاہے موجود ہونی چاہئیں مثلاً ۱۔ اختلاف راسی کی برداشت اور تحمل کرنا۔ یہ ظاہر ہے کہ تمام لوگ ایک سا کچے کو ڈھیلے ہوئے نہیں ہیں ایک ہی ملک کے باشندوں کے خیالات۔ رسم و رواج۔ عادات میلان طبع۔ وضع اور طریقہ۔ صورت و شکل میں بہت کچھ اختلاف ہوتا ہے۔ اور جب ممالک کا اختلاف بھی ہو تو پھر طبلع اور خیالات کا اختلاف بہت بڑھ جاتا ہے۔ و ملک

تحمل

کے باشندوں کی زبان - مذاق - مذہب - وضع طریقہ - مختلف ہوتا ہے - یہ اختلاف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا -

انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ آخر ہم میں بھی تو بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے دوسرے لوگ متفق نہیں اور خود ہمیں بھی ضرورت ہے کہ دوسرے لوگ اس اختلافِ رائی کے سبب سے ہماری معاونت اور میل ملاپ نہ چھوڑیں تو ہم کب کی دوسروں کے اختلاف سے اغماض کریں - پہلے آدمیوں کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسرے کے عیوب سے چشم پوشی کرتے اور نہروں کو دیکھتے ہیں **وَإِذَا قُمُوا لِلْعُجُوبِ وَالْكَرَامَاتِ** ۲ - عزت و آبرو کا خیال غنیمتیں کو یہ بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے اوس کی بات میں فرق آئے اس سبب سے وہ ہمیشہ راست بازی اور دیانت داری سے کام کرتا ہے اور جو زبان سے کہتا ہے وہی کر دکھاتا ہے - اگر ان کہہ دی تو تھر کی لکیر ہے کہ یہ بات ہے نہیں ملتا - اور اگر ضرورت و مصلحت کے لحاظ سے لفظ نہیں کہنے کی حاجت ہے تو ذرا بھی تاکہ اور تامل نہیں کرتا - وہ لالچ اور حرص کے پھندے میں نہیں پھنستا - نہ عدالت کے خلاف کرتا ہے -

خود داری

۳ - صداقت - صداقت جنٹلمین کی زبان کا دھڑ ہے -

صداقت

دولت

۴ - دولت یا رتبہ کو جنٹلمین سے کوئی لزوم نہیں ہے - ایک غریب آدمی بھی جنٹلمین ہو سکتا ہے - جبکہ اوس کا دل اخلاق پسند سے معمور ہو اور روزانہ زندگی میں اخلاقی محمولہ اوس سرزد ہوتے ہوں - کیا غریب آدمی دیانت دار - سچے - راست باز غریقِ پیرہیز کار - دلیر خود دار - بلند حوصلہ نہیں ہوتے ؟ اور جس شخص میں یہ صفاتیں موجود ہوں وہ بیشک جنٹلمین ہے - غریب آدمی جس کا دل غنی ہے اوس امیر سے بہتر ہے جس کا دل محتاج و حرص ہو - اکثر اوقات دولت بد رویہ کی کال ہے اور انسان کا رتبہ بجای بڑھانے کے گھاؤ دیتی ہے - بہت ہمت اور عیش پسند لوگوں کے ہاتھ جب دولت لگ جاتی ہے تو اس سبب سے کہ ان کو اپنی طبیعت پر قابو حاصل نہیں ہوتا ان کے جذبات نفسانی انہیں ایسی باتوں کی طرف مائل کر دیتے ہیں جو خود اپنی ذات کے لیے اور دوسروں کے

لیے موجب ننگ اور باعث شرم ہوں۔

عالی ہمتی

۵۔ ارسطو نے عالی ہمت آدمی کی جو تعریف لکھی ہے وہ آجکل غلبہ مندوں کو اختیار کرنی چاہیے وہ کہتا ہے کہ عالی ہمت آدمی فارغ البالی اور بد حالی دونوں میں اعتدال سے رہتا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہے کہ ترقی اور تنزل کیا چیز ہے۔

اس لیے نہ وہ کسی کامیابی پر خوش ہوتا ہے نہ ناکامی پر رنجیدہ۔ وہ نہ خطرات سے بھاگتا ہے نہ خواہ مخواہ خطروں میں پڑتا ہے بہت کم ایسی چیزیں ہیں جنکی اوس پر واہوتی ہے

خوش رویگی
قومی عزت کا
سبب ہے

جب قوم کے بہت سے افراد میں مکارم اخلاق کی پابندی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور عام طور پر لوگ کم و بیش عمدہ عمدہ عادات اختیار کر لیتے ہیں تو قومی ترقی اور قومی عزت کا فخر حاصل ہو جاتا ہے اور یہی کل ترقیوں کی بنیاد اور کل ترقیوں سے زیادہ دیر پایہ ہے اور ہر شخص کو ہر کوشش میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی فائدہ خود غرضی سے نہیں حاصل کیا جائے بلکہ قوم کی عام بہبودی اور سرسبزی اور ترقی مد نظر رہے۔ جو اوصاف کہ ہم حاصل کرنا چاہتے اور حاصل کرتے ہیں ان میں بھی یہ ملحوظ خاطر رہے کہ چونکہ ہم بھی قوم کے ایک ممبر ہیں اس واسطے ہماری ترقی بھی ایک خاص حد تک قوم کی ترقی سے ہے۔ اور اصول اخلاق کے جس قدر قواعد ہیں وہ صرف اشخاص کی ذات سے فرد افراد ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان کا تعلق اور ان کا اثر من حیث القوم تمام افراد قوم پر پڑتا ہے اور جو قوم ان قواعد کو نظر انداز کر دیں اور ان پر کاربند نہ ہوں اور ڈوبیں وہ بہت جلدی دنیا میں ذلت و خواری کے رتبہ پر پہنچ جائے گی۔ جب تک قوم کے اخلاق اور قوم کا مذاق درست نہ ہو اس کو دیرپا عظمت اور بزرگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے شکیں قلعہ اور قلعہ شکن تو ہیں محلات اور شاہی عمارتیں اور ظاہری نمایش کی باتیں ترقی کے نشانات نہیں ہیں بلکہ قومی ترقی کے نشانات ہیں قوم کا جو ایسی علم و صداقت ہونا۔ ان میں محنت کی عادت اور وقت کی پابندی ہونا۔ قوانین کی اطاعت و وفاداری اور باہم محبت و اخوت وغیرہ اور یہ سب باتیں علم اخلاق سے معلوم ہوتی ہیں۔

غوش رویگی
کامیابی کی
اہل ہے

زندگی کے کاروبار اور دنیا کے معاملات میں دانشمندی سے زیادہ غوش
رویگی کی ضرورت پڑتی ہے اور دماغ سے زیادہ دل کی قوتوں کا اثر انسان کو
کامیاب کرتا ہے۔ ذکاوت سے زیادہ خود داری۔ صبر اور پابندی وقت کام آتی ہیں
ایسا ہی ہوتا ہے کہ غوش رویہ آدمی کی شہرت آہستہ ہوتی ہے اور اس کے سچے اور صاف
ہرگز جیسے نہیں رہتے ممکن ہے کہ خود غرضی سے لوگ غلط بیان کریں یا غلط فہمی سے
اوس کی خوبیوں کو نہ سمجھیں ممکن ہے کہ تکبر و بے قسمتی کا بھی سامنا ہو لیکن صبر اور
تحمل سے یہ دن گزر جاتے ہیں اور پھر زمانہ اوس کا ادب کرتا ہے اور اوس کا
وہ اعتماد قائم ہو جاتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔

درستی اخلاق
کی کوشش
کامیابی بخشتی
ہے

عمدہ رویہ اور نیک چال و چلن بغیر کوشش کے نہیں حاصل ہوتے اور عمدہ
رویہ رکھنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان اپنے ہر ایک چھوٹے بڑے فعل کو
لفظ غور سے دیکھتا رہے اور قواعد و اصول کی پابندی کا ہر لحظہ خیال رکھے اولاً
انسان کو بہت خواہشیں ستاتی ہیں۔ ان قیود سے دل گہرا تا ہے۔ مزاج میں بے یقین
پیدا ہوتا ہے۔ لیکن خواہ کتنے ہی مشکلات ستائیں اور نا کامیوں کا سامنا ہو اگر دل
مضبوط اور عزم مستقل ہے تو ان سب پر فتح حاصل ہوگی صرف یہ کوشش کرنا ہے کہ انسان
اپنا رویہ درست رکھے اور مکارم اخلاق کا پابند رہے دل کو قوت بخشتا اور نفس ناطقہ کو ترقی دیتا
احکام مذہب و علم اخلاق انسان کے رویہ پر بہت عمدہ اثر ڈالتے ہیں۔
انسان دیانت و راستبازی کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرتا ہے اور ثابت قدمی
سے اوس پر قائم رہتا ہے۔ صداقت کا جو ہر ہمیشہ کنڈن کی طرح چمکتا رہتا ہے اور یہ
ناممکن ہے کہ لالچ یا سناپیش کا رنگ اوسے کھاجائے۔

مذہب اخلاق
عقل کا اثر
انسان پر

دیانت و صداقت کے بغیر ذکاوت ایسی ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں تلوار
دنیا میں بہت سی خونریزیوں اور لوٹ بار صرف اس سبب سے ہوتی ہے کہ جن لوگوں میں
زور تھا ان میں ایمانداری اور صداقت نہ تھی وہ اپنی عقل کو خلق خدا کے لوٹنے اور
دنیا کو غارت کرنے کے کام میں لاتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوت سے بجائے

بر اخلاق آدمی
میں ذکاوت
کا اثر

تمدن کی حمایت کے اوس کو برباد کرنے اور خلق خدا میں پھل مچانیکا کام لیا اور اون کی عقل و ذکاوت اون کے غرور کو ترقی دینے اور اون کے خود غرضانہ کاموں کی تکمیل میں جس کا الوالاعزمی اور بہادری نام رکھا گیا تھا صرف ہوئی۔ اور آج تک تاریخ کے صفحے اون کے نام خوف سے لیتے ہیں۔

نیک رویہ لوگ مودب بھی ہوتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں میں ادب کی خدمت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اون کے دل پاک اور کسی اعلیٰ خمیر کے بنے ہوئے ہیں۔ پرانی یادگاروں اور بزرگوں کی نشانیں۔ پاک اور متبرک چیزوں۔ پاکیزہ خیالات نیک ارادوں۔ مقدس بزرگوں اور پیشواؤں کا ادب انسان کی سرشت کی صفائی اور صاف باطن کی دلیل ہے اور یہ انسان کی خوشی کو من حیث الافراد اور من حیث القوم بڑھاتا ہے اور خاندانوں اور گھرانوں میں محبت اور معاشرت میں جس طرح اس سے قائم رہتا ہے اگر اظہار ادب کوئی چیز نہ ہو تو دنیا سے خوش اعتقادی۔ اعتبار اور وقعت اور عزت سب چیزیں مٹ جائیں

خوش اخلاق آدمی کا طریقہ

نیک رویہ کہل آنکھوں سے واقعات دنیا کو دیکھتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اوس سے سبق حاصل کرتا ہے۔ وہ بات بات سے ایک تجربہ حاصل کرتا ہے اور یہ تجربے اوسکی عقل کو بڑھاتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ خدا نے عقل انسان کو بے ضرورت عطا نہیں فرمائی ہے اور خود اعمال کی اصلاح اپنے تجربوں اور عقل سے کرنی چاہیے جس طرح آفتاب اہل جہان کی آنکھوں میں نور بکشتا ہے اسی طرح نیک رویہ شخص اپنی سوسائٹی کا آفتاب بنے کہ سب کے سب اوس کی ہدایت کی نورانی شعاعوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ جو جن زمانہ گزرتا جاتا ہے وہ کمزور اور بڑا نہیں ہوتا بلکہ اوس کی روحانی طاقت اور اوسکی عقل کی قوت بڑھتی جاتی ہے اور بجائے تکلیف کے بڑھاپا اوسے راحت اور اطمینان بخشتا ہے۔

خوش اخلاق کی برکتیں

انسان کا عمدہ چال و چلن اوس کے کاروبار سہل کرتا ہے اور معاشرت اور تمدن کے تعلقات میں سہولت۔ آرام۔ اعتماد اور اطمینان پیدا ہوتا ہے اور لوگ انسان

کے چال و چلن ہی سے اوس کی اندرونی حالت اور دلی نیکی اور قلبی صفائی کا اندازہ کرتے ہیں اور اسی لحاظ سے لوگوں کے دلوں میں اوس کی وقعت ہوتی ہے انسان کے چال و چلن سے اوس کا مذاق اور اوس کی سوسائٹی کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ ہر چیز بنائے سے بنتی اور پیدا کیے سے پیدا ہوتی ہے اخلاق حمیدہ بھی عادت اور احتیاط سے قوی اور مستحکم ہوتے ہیں اسی طرح رویہ کی درستی بہت کچھ محتاج پرداخت ہے اور دیگر تمام اوصاف پر اس بات کو مقدم رکھنا چاہیے کہ انسان کا چال و چلن ٹھیک رہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ خوشی۔ ہنر۔ دولت۔ قوت۔ ذکاوت زیادہ اس کا خیال رکھنا لازم ہے کیونکہ وہ اوصاف نیک رویہ کی کے طفیل سے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ صفائی قلب اور نیک رویہ کے بغیر ظاہری طمطراق اور صفائی جس کو عرفاً تہذیب اور عظیمیہ کہتے ہیں ریاکاری اور دام ترزویر ہے۔

بڑے بڑے فلسفیوں۔ شاعروں۔ ایسوں۔ مہتممون کو دیکھنے سے کسی قوم کی اصلی کیفیت اور قوم کا اصلی رویہ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اوس کے اوئی اسوداگر۔ دشمنان۔ مزدوری پیشہ آدمیوں اور ہر طبقہ کے لوگوں سے اوس قوم کی اصلی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ امرا کا طبقہ قوم کی خوش حالی کی اتنی دلیل نہیں ہے جتنا غریب کا وہ طبقہ جو اپنی روزانہ معیشت اپنی قوت بازو سے پیدا کرتا ہے اور یہی لوگ قوم کی طاقت اور قوت ہیں اور ان ہی کی خراب حالت اور کمزوری ملک کی کمزوری ہے۔ قوم کے اکثر افراد میں خواہ امیر ہوں یا غریب بد رویہ کی کاپیا یا جانا اوس کے برباد ہونے اور اوس کے کنٹرل کی دلیل ہے۔ جو اوصاف فرد افراد ایک شخص کو منور بناتے ہیں وہی جب قوم کے اکثر افراد میں پائے جاتے ہیں تو اوس کو منور و محترم کر دیتے ہیں۔ جب تک افراد قوم عالی حوصلہ۔ بلند ہمت۔ حیانت دار۔ راست باز۔ نیک کردار۔ جبری۔ شجاع نہ ہوں۔ دنیا کی دوسری قومیں اون کو عزت و حرمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی بلکہ منور بننے کے لئے منور رہنے کو کہہ اپنے فرائض کو اپنی طرح ادا کریں۔ جو قوم ہر رات دن عیش و عشرت میں بسر کرے اور شراب و خمر میں مست رہے۔ وہ برباد

قوم کی حالت کن لوگوں سے معلوم ہوتی ہے

قوی تنزل
کے آثار

کے کنارے پر آگئی ہے۔ اصول اخلاق کی تعلیم جس قدر عام ہوگی اور لوگوں کے دل خود جس قدر نیک کاموں کی طرف راغب ہوں گے اسی قدر اون میں امن قائم رہے گا اور وہ ترقی کریں گے ورنہ قوانین اون کی خرابیوں کا انسداد اور جرائم کا استیصال نہیں کر سکتے۔ دنیا میں اقوام کی قوت۔ تہذیب۔ شائستگی ہر علم و فن میں ترقی۔ ہر کمال کا اکتساب اور اخلاقی حالت کی درستی پر منحصر ہے۔ اور اگرچہ ایک وقت ایسا ہو کہ ناشائستہ اشخاص مرضے اڑائیں لیکن زمانہ کچھ عرصہ میں ساری طاقت کو اس طرح خاک میں ملا دیگا جیسے ایک عالی شان مکان سیلاب کے پوشیدہ اثر سے ایک دم سے گر پڑتا ہے اور بد اعمالی کا نتیجہ جلد ہی یادیر میں ملکر ریگیا جب کسی قوم میں زوال آتا ہے تو اس کے اخلاق خراب ہونے شروع ہوتی ہیں باقی جاہ و مراتب اور مال و دولت اور ظاہری سامان سب کچھ ویسا ہی برقرار رہتا ہے جیسا پہلے تھا۔ اخلاق کا ضعف اون کی طاقت کو رفتہ رفتہ گھٹا کر بالکل کمزور کر دیتا ہے اور پھر دوسری سربراہیوں اور پرقابو حاصل کر لیتی ہیں یہاں تک کہ اون کی ترقی کے سارے آثار مٹ جاتے ہیں۔

عقل فساد
اندیش

ذہانت و ذکاوت فہم و ادراک جتنی و چالاکی بد اخلاقی آدمیوں میں بھی ہوتی ہی لیکن وہ ان آئینے خرابی و فتنہ پہیلاتے ہیں جیسے قزاق کے ہاتھ میں تلوار اور ران کے نیچے عمدہ گھوڑا ہو کہ خوب لوٹے اور بہاگ جلتے۔ ایسی شہسواری سے سوار بربادی کے اور کیا ہوگا اسی طرح عقل فساد اندیش بے عقلی سے زیادہ مضر ہے۔ صرف علم اخلاق ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو راہ مستقیم پر قائم رکھتا اور فرائض منصبی ادا کرنا سکھاتا ہے۔

۲۔ امراض نفسانی

اگر انسان کے کسی عضو میں درد یا پھوڑا ہو تو تکلیف کے مارے ساری جان بے کل ہو جاتی ہے اور وہ علاج کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن قلب کی بیماریاں اگرچہ جسمانی بیماریوں سے زیادہ سخت۔ زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ تباہ کرنے والی ہیں لیکن

امراض نفسانی
کی شناخت میں
مشکلیں

بہت کم لوگ ہیں کہ اوس کے علاج کی طرف متوجہ ہوتے ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کو امراض نفسانی کی خبر نہیں ہوتی اور انسان کی نظر اپنے عیوب کی شناخت اور امراض کی تشخیص میں بہت غلطی کرتی ہے وہ امراض کو صحت اور عیوب کو ہنر جانتا اور سچائی اون کے مثالنے اور استیصال کرنے کے اون کی نگہداشت کرتا اور فخر کرتا ہے۔ ایک عضبناک شخص اپنی تعریف کرتا ہے کہ مجھ میں ذرا برداشت نہیں۔ ایک بندہ شکم شیخی بگھارتا ہے کہ میں دو تین آدمیوں کا کہنا اکیلا مضحک کر جاتا ہوں ایک مبتلا ہوا وحرص غور توں کی کثرت نقد او پر غور ہوتا اور اپنی جوانمردی کی دھم چاہتا ہے۔ یہی حال کم و بیش ہر مرض کا ہے کہ انسان کو اوس کی طرف اعتنا نہیں ہے اور اسی سبب سے امراض نفسانی کے علاج میں بہت بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ اول تو امراض سے واقفیت ہی نہیں ہوتی۔ دوسرے علاج کرنا خود مر لخص کے ارادے پر منحصر ہوتا ہے لیکن جو شخص تزکیہ نفس کرنا چاہے اور اخلاق حسنیہ پیدا کرے وہ ہم خواہشمند ہو اوس کے لئے مشکل نہیں ہے کہ وہ اپنے عیوب سے آگاہ ہو جائے۔ اس واقفیت حاصل کرنے کے چار طریقے ہیں۔

امراض نفسانی
کی شناخت
کے طریقے

- ۱۔ استاد سے اپنا حال دریافت کرنا۔
- ۲۔ دوست صادق سے اپنے حال دریافت کرنا اور اوس کو اجازت دینی کہ غلطی پر متنبہ کر دے۔
- ۳۔ دشمنوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی پر غور کرنا۔ جو عیوب اپنے نفس میں فی الحقیقت پائے جائیں ان کی اصلاح کرنا۔

۴۔ اور لوگوں میں جو بات اپنی نظر میں ناپسندیدہ معلوم ہو اوس کو خود ہی کک کر نیکی کو شکر کرنی اسی طرح علاج کی حقیقت اور حسن خلق کی ماہیت معلوم ہونی لازم ہے اور یہ علم اخلاق کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے اور اس واسطے علم اخلاق کا مطالعہ کرنا فرض ہے۔ امراض جسمانی سے بدنی تکالیف ہوتی ہیں اور انسان کا جسم ناکارہ ہو جاتا ہے لیکن روحانی بیماریاں قلب کو بیکار کر دیتی ہیں اور اس طرح کہا جاتی ہے جیسے لوہو کو زنگ یا لکڑی کو گھس۔ انسان کے طبائع مختلف ہیں جس طرح بعض

اشخاص جسمانی صحت کے لحاظ سے بہت صحیح بعض علیل اور بعضوں کے امراض قابل علاج اور بعض ناقابل علاج ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض امراض نفسانی آسانی سے جاسکتے ہیں بعض مشکل اور بعض طبیعت میں ایسے راسخ ہو جاتے ہیں کہ اون کا ٹٹنا محال ہو جاتا ہے لیکن یہ دشواری اس سبب سے پڑتی ہے کہ خود مریض اپنے تئیں مریض نہیں سمجھتا اور وہ علاج کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ کسی مرض کا علاج ناممکن نہیں ہے بلکہ مریض کو مرض کا حال سمجھانا اور اسے علالت کا یقین دلانا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح مریض کو یہ خیال ہو جائے کہ واقعی اخلاق ذمہ او سے تباہ کر رہے ہیں اور وہ اس کے استیصال کی طرف متوجہ ہو تو کوئی مرض ناقابل علاج اور کوئی اخلاق ناقابل تغیر نہیں ہے۔ تغیر اخلاق کے لحاظ سے انسان کی چار حالتیں ہیں۔ ۱۔ جاہل محض۔ یعنی وہ شخص جو اخلاق ذمہ کا اس سبب سے مرتکب ہوتا ہو کہ اسے اچھے برے کی تمیز ہی نہیں ہے۔

مریضوں کی مختلف حالتیں

۲۔ جاہل و گمراہ یعنی وہ شخص جو عمل بد کو جانتا ہو مگر عمل صالح کا عادی نہ ہو اور اسے وہ عمل ہی اچھا معلوم ہوتا ہو یا اس کی عقل قوائے شہوانی اور غضبی کی طبع ہو رہی ہو۔ لیکن وہ برے کام کو برا جانتا ہو۔ ۳۔ جاہل و گمراہ و فاسق یعنی وہ شخص جو اعمال بد کو اچھا جانے اور ان کا اعتقاد مرتکب ہوتا ہو۔ ۴۔ جاہل۔ گمراہ۔ فاسق۔ شریر۔ یعنی وہ شخص جو شر پر اعتقاد رکھنے کے علاوہ اس پر فخر بھی کرتا ہو اور اسے فضیلت جانتا ہو۔

ان میں سے پہلے شخص کا علاج بہت آسان ہے اس کو تعلیم و تادیب کی ضرورت ہے۔ دوسرے شخص کا علاج کسی قدر مشکل ہے۔ کیونکہ برے کام چھوڑنے اور نیک کاموں کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ تیسرے اور چوتھے شخص کا علاج محال ہے کیونکہ اس کو یہ یقین دلانا کہ جو افعال و اعمال وہ کرتا ہے وہ مذموم و قبیح ہیں بہت مشکل کام ہے۔ لیکن جب وہ اپنے اعمال کی بُرائی کو سمجھنے لگے تو پہلے اور دوسرے درجہ میں آجائے گا اور اس صورت میں علاج ممکن ہو گا۔ اور صحت نفس حاصل ہو گی۔

صحت نفس کی تعریف یہ ہے کہ اعتدال قوت عقل اور کمال حکمت حاصل ہو
 نیز قوت غضب و شہوت عقل کی مطیع رہیں۔ یہ کیفیت دو وجہ سے حاصل ہوتی ہے
 اول تو طبعی یعنی فطرتاً کسی شخص کا مزاج نیک اور صالح واقع ہوا ہو۔ دوم یہ کہ مجاہدہ
 اور ریاضت سے نیک اخلاق کی اتنی عادت ڈالے کہ بے تکلف وہ افعال اوس سے
 صہا در ہونے لگیں اور انسان کو اوس میں لذت آنے لگے۔ کیونکہ اگر لذت نہ ہو اور وہ
 کام شاق گزرے تو نقصان باقی ہے اور ہمیشہ بچہ نہ سکے گا۔ مثلاً ایک بخیل شخص، وہ پیہ خرچ
 کر بیٹھے اور بجائے لذت حاصل ہونے کے اوسے انقباض ہو تو یہ نہ بکھنچا جائے کسخت کا
 ملکہ حاصل ہو گیا یا کوئی آدمی عبادت کرے مگر بجائے لذت حاصل ہونے کے دل گھبرائے
 تو وہ شخص عابد نہیں بلکہ بیہان تک عادت ڈالنی چاہئے کہ اخلاق حمیدہ میں لذت اور قہیجہ
 سے تکلیف ہو انسان جس کام کی عادت ڈالے وہ اوس کو مزیدار معلوم ہونے لگتا ہے
 چوریزا پاتے ہیں لیکن چوری کی چاٹ پڑ جاتی ہے تو باز نہیں آتے قمار باز گھر بار کر کوڑی
 کوڑی کو محتاج ہو جاتے ہیں مگر جوئے کا چسکا نہیں چھوڑتا کہ تو تر باز سارے دن دھوپ
 میں کھڑے رہتے ہیں اور اوس میں اون کو ایسی لذت آتی ہے کہ دھوپ کی شدت گوارا
 کرتے ہیں پس جب برے اعمال کا یہ حال ہے تو اعمال حسنہ جو روح انسانی کی خاصیت
 کے موافق ہیں کیوں نہ لذیذ معلوم ہونگے۔

صحت و عمالات
 کی حالت

اخلاق کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں۔ اول فعل کا حسن و قبح۔ دوم فعل پر
 قدرت۔ سوم فعل کی شناخت۔ چارم حسن و قبح میں سے ایک کی طرف رغبت۔ اس لئے
 کسی فعل کے صرف ظاہر ہونے یا نہ ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی شخص میں وہ
 خلق موجود یا معدوم ہے۔ مثلاً ایک شخص نام و نمود کے لالچ یا حکام کے دباؤ سے روپیہ
 دیتا ہے تو وہ سخی نہیں۔ یا کسی کے پاس روپیہ نہیں لیکن اوسکی طبیعت اس قسم کی واقع
 ہوئی ہے کہ دوسروں کی مدد کر کے یا روپیہ خرچ کر کے اوسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ
 سخی ہے۔ اگرچہ افلاس کے سبب وہ فعل اوس سے صادر نہ ہوتا ہو۔ غرض نفس میں ایک
 ایسی ہیئت کما راسخ ہو جانا کہ بلا فکر و تامل افعال محمود یا مذموم صادر ہو سکیں خلق ہی۔ اگر یہ

افعال نیک عمدہ شرعاً اور عقلاً جائز ہوں گے تو اس خلق کا نام ”حسن خلق“ ہوگا اور یہ صحت کی حالت ہے۔ اور اگر بُرے افعال صادر ہوں تو ”مخلوق بد“ اور یہ حالت مرض ہے۔ حسن خلق کے چار رکن ہیں۔ قوت علم۔ قوت غضب۔ قوت شہوت۔ قوت عدل۔ ان کا مفصل بیان آگے آئیگا۔ قوت علم کے سبب سے انسان اقوال کا صدق و کذب اعتقادات میں حق و باطل اور اعمال میں اچھا بُرا جانتا ہے۔ اور قوت عدل ان تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی طاقت ہے۔ اگر کسی شخص کے اعضا میں سے ایک خوبصورت اور دوسرا بد نما ہو تو اس شخص کو خوبصورت نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح اگر نفس میں ایک خوبی اور ایک بُرائی ہو تو وہ کامل نہ خیال کیا جائیگا بلکہ نفس کا حسن اور صحت یہ ہے کہ قوت غضب و شہوت عقل کی مطیع رہیں اور کمالِ عدالت حاصل ہو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قوت غضب و شہوت کا مٹا دینا مقصود ہی کیونکہ اگر یہ قوتیں مٹ جائیں تو دوسرے نقصانات اور دوسری قسم کے امراض پیدا ہو جائیں گے۔ مثلاً قوت شہوتی کے بغیر بقا جسم و نوع محال ہے۔ قوت غضب کے بغیر مکر وہ چیزوں کا دفعیہ اور تشویشگوار چیزوں کا اخذ ناممکن ہے۔ غرض ان قوتوں کا نشتا نا اوتشتیت و نابود کرنا مقصود نہیں بلکہ اعتدال پر رکھنا مطلوب ہے۔ آئندہ باب میں اعتدال کی دونوں حدود یعنی افراط و تفریط کا بیان ہے۔ شناخت مرض کے بعد علاج اوس کی ضد سے کرنا چاہئے۔ لیکن یہ کام آسان نہیں۔ تلخ رو اپنی آسان ہے اور نفس پر مجاہدہ اور جبر کرنا مشکل ہے۔ مرض کی شناخت کی ایک ترکیب یہ بھی ہے کہ انسان اپنے نفس کی حالت پر غور کرے کہ کس حالت میں اوسے کیفیت اور لذت حاصل ہوتی ہے اور جو فعل زیادہ سہل اور شیرین معلوم ہوتا ہے اوسے کا غلبہ سمجھنا چاہئے۔ مثلاً اگر کام نہ کرنا اور خالی بیٹھے باتیں بنانا اچھا معلوم ہوتا ہو تو کاہلی کا غلبہ سمجھنا چاہئے۔ اگر فضول روپیہ لٹانا اور غیر مستحقین کو بے دھڑک دیدینا ناگوار نہیں معلوم ہوتا تو فضول خرچی کا غلبہ ہے۔ اسی طرح ہر ایک خلق پر غور کرنا اور اوس کی ضد سے اوس کا علاج کرنا لازم ہے یہاں تک کہ نیک کام کی عادت ہو جائے۔

۴۔ تہذیبِ قوا، نفسانی

اعضاء ظاہری
باطنی کے کام

جسم انسان میں جتنے اعضاء ہیں وہ کسی نہ کسی کام کے لئے بنائے گئے ہیں ان میں سے بعض عیسوں کی طرح کام کرتے ہیں اور بعض خدا مومن کی طرح ان احکامات کو بجالاتے ہیں جو اعضاء ایسی تحریک پیدا کرتے ہیں کہ انسان کسی فعل کا مرتکب ہو۔ اعضاء باطنی دل، دماغ اور جگر ہیں اور جو اعضاء ان باطنی اعضاء کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ان کی تحریکوں سے متاثر ہو کر کوئی کام کرتے ہیں اعضاء ظاہری ہیں مثلاً ہاتھ پاؤں آنکھیں۔ کان۔ ناک۔ زبان وغیرہ جس طرح اعضاء ظاہری کے کام جدا جدا ہیں کہ ہاتھ کام کرتے ہیں۔ پاؤں چلتے ہیں۔ آنکھیں دیکھتی ہیں۔ کان سنتے ہیں۔ ناک سونگھتی ہے۔ اسی طرح اعضاء باطنی کے کام جو ان افعال کی تحریک کرتے ہیں الگ الگ ہیں۔ مثلاً ایسے کاموں کی تحریک جو کوئی نفع حاصل کرنے یا کسی منفرت کو دفع کرنے کی غرض سے ہون دل سے پیدا ہوتی ہے اور ہاتھ پاؤں وغیرہ اس کو انجام دیتے ہیں۔ عمدہ عمدہ کھانے کھانے نفیس نفیس شربت پینے فاخرہ لباس پہننے۔ خوشبو سونگھنی۔ سیر و تماشے دیکھنے۔ گانا سننے اور تمام اقسام کی لذتیں اور حظ حاصل کرنے کی تحریک جگر سے پیدا ہوتی ہے اور آنکھیں۔ کان۔ زبان وغیرہ اعضاء ان خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ دماغ کا کام ان دونوں اعضاء سے جدا اور زیادہ شریف ہے وہ ان دونوں کے احکامات کو جانچتا اور تمیز کرتا اور بھلے بُرے کی تشخیص کرتا اور غور و فکر کرتا۔ پچھلی باتیں یاد رکھتا اور نتائج نکالتا ہے۔ دل و جگر کی سجاوٹ کیونکر روکتا اور ان میں محاکمہ اور تصفیہ کرتا ہے۔ کام کی اس تقسیم کے لحاظ سے دماغ کا مرتبہ زیادہ شریف اور زیادہ اعلیٰ ہے اور اس کا کام بھی نازک اور بڑی ذمہ داری کا ہے۔ دل و جگر جو دفع ضرر اور اخذ نفع کی تحریکیں پیدا کرتے ہیں دماغ کے ماتحت اور فرمان بردار ہیں۔ باقی اعضاء ظاہری بمنزلہ آلات ہیں کہ ان کاموں کے پورا کرنے اور عمل میں لانے کا ذریعہ ہیں۔ دماغ کی اس قوت کا نام جو بھلے بُرے میں تمیز کرتی اور دل و جگر کی تحریکات کی جانچ پڑتال کرتی ہے ”قوت ادراک“ ہے اور دل و جگر کی خواہشات کا نام جو جلب منفعت اور دفع مضرت کی غرض سے ہون ”قوت تحریک“ ہے۔ دل و جگر نے اپنے

قوت ادراک
قوت تحریک

کلمہ کے نور انہوں نے کیا آلہ اعضاء ظاہری کو قرار دیا ہے اور وہ ان ہی کے ذریعہ نفس اپنے خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔ دماغ کا کام چوگانہ کام لینا نہیں بلکہ کاموں کی تنقید و تفتیح کرنا اور ان کا ایسا انتظام رکھنا ہے کہ مصلحت کے خلاف نہ ہو اس لئے اس نے مدرکات کی تیز کا ذریعہ جو اس کو قرار دیا ہے۔ یہ جو اس قوت ادراک کے آلات ہیں۔ ان میں پانچ جو اس ظاہر میں اور پانچ جو اس باطن جو اس ظاہر باصرہ۔ سامعہ۔ شامعہ۔ ذائقہ۔ لامسہ کہلاتے ہیں اور خواہش باطن جس مشترک۔ خیال۔ فکر۔ و تمیز ذکر ہیں۔ جو اس ظاہر اور جو اس باطن کے ذریعے سے ادراک جو حکم نتیجتاً قائم کرے وہ عقل ہے۔ انسان کے تمام قوا کو اس فرمان کی اطاعت فرض ہے اور جب تک عقل تمام قوا پر مہبط ہے اور یہ سب عقل کے ماتحت اپنے فرائض کو انجام دیتے ہیں انسان کا انتظام درست رہتا ہے اور وہ انسانیت کے رتبے سے گرنے نہیں پاتا ورنہ یہ نہ تو باقی تمام تحریکین حیوانات میں ہی پیدا ہوتی ہیں لیکن وہ اپنی تحریکوں پر اتنا قابو نہیں رکھتے کہ انہیں روک سکیں انسان اور حیوان میں فرق پیدا کرنے والی قوت عقل ہی ہے اور عقل ہی کے راستے پر چلنا انسان کا رتبہ بڑھاتا اور اس کو مدارج کمال تک پہنچاتا ہے اس قوت کو جو انسان اور حیوان میں یہ فرق پیدا کرتی ہے ”قوت لطف“ کہتے ہیں اور اسی کا نام ”نفس ملکی“ اور ”نفس مطمئنہ“ ہے یہ قوت تمام امور لطیفی میں فکر کرتی اور اشیاء میں تیز کرتی ہے اور اس سے کاموں کی حقیقت میں غور و تامل کرنے اور طبیعت میں صحیح نتائج پر کاربند ہونے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ باقی دو قوتیں بہائم اور انسان میں مشترک ہیں ان میں سے ایک کا نام ”قوت غضبی“ ہے جس کو نفس بہیمی کہتے ہیں اس کے اثر سے غصہ اور غضب پیدا ہوتا ہے اور انسان ہولناک اور خوفناک کام کرنے میں دلیری اور جسارت کرتا ہے

عقل

نفس ملکی

قوت غضبی

اسے حس مشترک دو قوت ہے جس کے ذریعہ سے محسوسات جو اس حس ظاہری کی جامع ہوتے ہیں وہم کے ذریعہ سے معانی جزئیہ کا ادراک ہوتا ہے۔ خیال کے ذریعہ سے صور محسوسات حس مشترک بدغیب محسوسات ذکر و مخوف ظاہر ہوتے ہیں۔ تذکیر یا قوت مقلدہ صور محسوسہ و معانی جزئیہ میں ترکیب و تخیل و خیال کا تصرف کرتی ہے۔ تذکیر یا قوت کے ذریعہ سے مدرکات قوم وہم معقولہ و ماہر کرنے ہیں۔

قوت شہوی

اس قوت کے اثر سے دوسروں پر قابو پانے جاہ و مرتبت میں بلندی اور رفعت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تیسری ”قوت شہوی“ ہے کہ نفس آثارہ بھی کہلاتی ہے۔

اس سے شہوت اور طلب غذا کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور کہانے پینے پھینے اور کھانے اور لذت و نیک سے متمتع ہونیکا شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ دونو قوتیں بقا و جسم اور بقا

نوع کے واسطے عطا ہوئی ہیں۔ ان تینوں قوتوں کو باعتبار کام میں لانا تمام اخلاق کی بنیاد ہے اور انسان کی فضیلت و شرف یا ذلت و خساست کا انحصار ان قوتوں پر چار بجایا

قوت ناطقہ، قوت غضبی اور قوت شہوی کے اعتدال پر رکھنے اور ان سے حسب مناسبت کام لینے سے تین فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں جب حرکت نفس ناطقہ اعتدال پر ہو اور طبیعت

میں یہ شوق ہو کہ صحیح و یقینی معرفت اور حقائق نفس الامر کی معلومات حاصل کرے تو علم حاصل ہوتا ہے اور مسائل علم پر کار بند ہونے سے حکمت حاصل ہوتی ہے جب قوت غضبی کو اس

درجہ پر رکھا جائے کہ حد اعتدال سے باہر نہ ہو اور اسی قدر تسلط و تفرغ حاصل کرے جو عقل کے نزدیک محمود ہے تو اس حرکت سے علم حاصل ہوتا ہے اور یہ طبیعت ”شجاعت“

حاصل ہوتی ہے اور جب قوت شہوی کو اعتدال پر رکھا جائے اور جس قدر جائز لذات میں

اون سے زیادہ حظ حاصل کر لے گی خواہش کو ضبط کیا جائے تو ”عفت“ حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ

جس طرح مختلف ادویہ کے باہم ترکیب دینے سے ایک خاص معجون تیار ہوتی ہے اسی طرح ان تینوں قوا کی حفاظت اور ان فضیلتوں کو امتزاج و اعتدال سے ایک خاص حالت

کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ دراصل وہی کمال اخلاق انسانی ہے اس فضیلت کو ”عدالت“ کہتے ہیں یہ فضائل جو قوا انسانی کے تحفظ و تسالم سے پیدا ہوتی ہیں تمام انسانی فضائل کی جڑ اور

اصل ہیں۔ باقی اور فضائل فرع کی طرح ان ہی سے پیدا ہوتی ہیں چنانچہ حکمت کے بہت سے پہل میں گریہ سات زیادہ مشہور ہیں۔ اول ذکا۔ دوم صبر و عزم۔ سوم صفائی ذہن۔

چہارم سہولت تعلم۔ پنجم حسن تعقل۔ ششم تحفظ۔ ہفتم ذکر۔

مقامات سے سہولت نتیجہ نکالنے اور قضیوں کو جلدی سے سمجھ کر فوراً مطلب سمجھ جانے کے ملکہ کو ”ذکا“ کہتے ہیں۔

علم و حکمت

لحم و شجاعت

عدالت

عدالت

حکمت کی دلیل

ذکا

لذو بات کو دیکھ کر بلا دقت لوازم کا پتہ لگانا سہل سمجھتا ہے۔

صفائی نفس کے معنی ہیں کہ نفس کو بلا اضطراب و تشویش مطلوب کی استخراج کا مکمل حاصل ہے۔
حسن تعلیم یہ ہے کہ جو کچھ حاصل کرنا ہو اس کی طرف توجہ کرنا تاکہ اس ملک میں کہ کتنا پیش رفت ہو
حسن عقل اسے کہتے ہیں کہ ہر امر میں بحث کرنے اور حقیقت کے انکشاف

میں ایسی حد کا خیال ہے کہ نہ تو ضروری باتیں ترک ہو جائیں نہ زائد وغیرہ ضروری داخل ہو۔
تحفظ کی تعریف یہ ہے کہ جو صورتیں کہ عقل یا وہم فکر یا خیال کو ذریعہ حاصل کی ہیں وہ مضبوط
تذکرہ کے معنی ہیں کہ جو صورتیں حافظہ میں محفوظ ہیں جب چاہے اور ان کو ظاہر کر سکے
قوت غصہ کو اتنا قابو میں رکھنا کہ وہ عقل کے حکم کے خلاف نہ کرے اور اگر ضرورت
ہو تو ہولناک مقامات اور خوفناک موقعوں میں قدم رکھتے ہر اس یا خوف نہ آئے نہ خطرات
کے مقابلہ کے وقت ثابت قدمی میں تزلزل پڑے شجاعت کہلاتا ہے جب یہ ملک حاصل
ہو تو اس کے ساتھ اور بہت سے اوصاف حاصل ہوتے ہیں جو بجای خود ایک ایک
فضیلت ہیں۔ مثلاً کبر نفس۔ نجات و دلیری۔ بلند ہمتی ثبات۔ حلیم۔ سکون۔ شہامت
تحمل۔ تواضع جیت۔ رقت۔

کبر نفس

کبر نفس یہ ہے کہ جو حالت انسان پر لادبی طور پر واقع ہو خواہ اچھی ہو یا بری
تو نگری کی ہو یا افلاس کی۔ بزرگی کی ہو یا خواری کی نفس کو اس کی پروا نہ ہو اور جو حالت
خود انسان کی غلطی سے اس پر نہیں پڑی اگرچہ بظاہر خراب ہو مگر نفس انسان اس کی
طرف ذرا ہی التفات نہ کرے نہ اس سے بچ کر پروا نہ دے نہ اس کی دولت کی خواہش
نہ فقری سے عار نہ زمانہ کے رنگ بدلنے اور اپنی تغیر حالت کا کوئی اثر نہ انفعال لیکن
یہ حالت بے حیائی کی وجہ سے نہیں بلکہ نفس کے استغنی کی وجہ سے حاصل ہونی چاہیے
کہ نفس میں ملکات شریفہ کی حقیقت اتنی قائم ہو گئی ہو کہ ظاہری اور عارضی باتوں کی اسے
پروا نہ رہے اور بزرگی اکتساب کمال کے سبب سے حاصل ہونی ہو اس کے لئے
ایسے عارضی تغیرات ہیچ اور کالعدم معلوم ہوں اور انسان میں اتنی قدرت پیدا ہو جائے
کہ وہ ملائم اور ناملائم خوشگوار و ناگوار امور کا کیسا تحمل کر سکے۔

حسن تعلیم
حسن عقل

تحفظ
تذکرہ

نجدت۔ یہ ہے کہ جب خوف و خطر کا سامنا ہو اور ہولناک امور پیش آئیں تو انسان جبرجہ و قہر نہ کرے اور اس کے ایسے چلنے چلنے کے باطن کے منتظم حکمتیں ظہور میں آئیں لیکن نفس کو جادو و تلوین سے محفوظ رکھے۔ علم و ہمت کا مرتبہ بہت بڑا ہے اور جب حاصل ہوتا ہے کہ کتاب کمال و بلاغت فیضیت و بیاد منیٰ منفعہ حاصل کرنے یا کمزوریات کو دور کرنے کے لیے ہر انسان کوئی عارضی یا غیر حقیقی نفع حاصل کر کے شادمان اور سنی ناخوشگوار امر کا پیش آنے سے لول ہو نہاں تک کہ نہ جان کی پروا ہو نہ عمر کا خوف۔ ثبات کی تعریف یہ ہے کہ سچ و غم۔ الم و فکر۔ سختی و تکلیف کے مقابلہ کی قوت پیدا ہو اور یہ چیزیں انسان پر زیادہ اثر نہ ڈال سکیں اور جس قدر صدمہ پہنچا ہے اس سے زیادہ شکستہ خاطر نہ ہو۔ غم و غضب کی کیفیت کو روکنے اور ضبط کرنا یا غم و غصہ سے نفس کو وہ طمانیت حاصل ہو جاتی ہے کہ غضب و غصہ کی تحریک جلد ہی متغیر نہیں کر دیتی اور انسان کو بی مغلوب الغضب نہیں ہوتا۔ سکون ایسے معاملات اور منازعات میں ثبات قدم کو کہتے ہیں جو دین کی حرمت یا قوم و ملک کی عزت قائم رکھنے کے لیے پیش آئیں تاکہ سخت زلزلہ ٹھانی پڑے۔

شہادت۔ یہ ہے کہ نفس میں بڑے بڑے کام کرنے کی حرص اور خواہش اس لیے پیدا ہو کہ نیک نامی حاصل ہو یا بہت سا ثواب ملے۔

جسمانی تکالیف اور ٹھانا اور راتوں کی پروا نہ کرنا تاکہ کوئی علم یا فضیلت حاصل ہو تحمل ہے۔ تواضع کے معنی یہ نہیں کہ انسان ایسی خاکساری اختیار کرے کہ اپنے رتبہ سے گرجائے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اپنے رتبہ پر قائم رہی اور جو لوگ کسی لحاظ سے مرتبہ میں اس سے برتر ہیں ان پر اپنی تین تہیں ترجیح نہ دے۔ حمیت یہ ہے کہ دین و مذہب کی حمایت یا حرمت و عزت کے قیام اور حفاظت میں کوئی بات نہ اوٹھا کرے۔ اور جس طرح ممکن ہو محافظت میں سعی کرے۔

انہامی جنس کو مصیبت یا کسی تکلیف میں دیکھ کر قلب کا متاثر ہونا رقت کہلاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ضرور ہے کہ خود دیکھنے والے میں اضطراب بد حالی نہ پیدا ہو۔ حکمت و شجاعت کی خاصیتیں تھیں۔ تیسرے فضیلت عفت ہے جو قوت شہوانی کی تہذیب سے حاصل ہوتی ہے عفت اسے کہتے ہیں کہ قوا و شہوانی عقل کے تابع رہیں اور جہالتک ضرورت ہو ان سے جائز طور پر کام لیا جائے اور نفس آثار کی قید اور تابع رہے۔

نجدت

علم و ہمت

ثبات

علم

سکون

شہادت

تحمل

تواضع

حمیت

رقت

انسان آزاد ہے۔ اس قوت میں کمال حاصل کرنے سے اور بارہ فضیلتیں پیدا ہوتی ہیں جو تمام اصول اخلاق کی جان ہیں۔ مثلاً حیا۔ رفعت۔ حسن ہمدی۔ مسالمت۔ دعت۔ صبر۔ قناعت۔ وقار۔ ورع۔ انتظام۔ حریت۔ سخا۔

حیا یہ ہے کہ جب انسان کو کسی فعل کی برائی معلوم ہو جائے تو وہ اس سبب سے پہراؤ میں کار کتاب نہ کرے کہ لوگ نام رکھیں گے یا مذمت کریں گے۔

رفعت ایسے کاموں کے کرنے کو کہتے ہیں جو واجب تو نہ ہوں لیکن اون کا کرنا کسی پر احسان کرنا ہو اور نفس میں یہ قوت پیدا ہو کہ ایسے کاموں میں مانع نہ آئے۔

حسن ہمدی۔ کمال حاصل کرنیکی حقیقی خواہش اور سچی رغبت کا نام ہے۔

اختلاف رائے اور باہمی تنازع کے وقت برداشت کرنا چلچ رہنا مسالمت کہلاتا ہے

حرکت شہوت کے وقت نفس کا ساکن رہنا اور بے اختیار نہ ہونا دعت ہے

صبر کی تعریف یہ ہے کہ خواہش نفس امارہ کا مقابلہ کیا جائے تاکہ نفس بقیع نہ توئیں

نہ پڑ جائے صبر و طرح کا ہوتا ہے ایک تو مطلوب پر صبر کرنا یعنی جس چیز کو دل چاہتا ہے اگر

نہ ملے تو بے قرار نہ ہونا۔ دوسرا کمزور بات پر صبر کرنا یعنی اگر ناگوار امور پیش آئیں یا کوئی مشکل پڑے

تو جبرع نہ کرنا۔ دوسری صورت قوت غضبی کی تہذیب سے تعلق رکھتی ہے۔

قناعت۔ حاجتوں کے دائرہ کو محدود کرنا اور جس قدر آسانی اور جائز طور سے

مل سکے اس پر اکتفا کرنا ہے تاکہ جس قدر فی الواقع ضرورت ہے اس قدر کہانی پئے اور اشیاء

مہیا رکھے نہ یہ کہ آرائش اور نمایاں کے لئے تمام زمانہ کے نادرات جمع کرے اور مالی متاع

نہ صرف ضروریات کے پورا کرنے کے لئے حاصل کرے بلکہ جمع کرنا اور امیرانہ ٹھاٹھ دکھانے کے واسطے

وقار رشتاب زدگی اور عجلت سے پرہیز کرنے کو کہتے ہیں لیکن عجلت سے پرہیز اس حد تک جائز

ہے کہ مقصد فوت نہ ہو نہ یہ کہ بجائی وقار کے سستی ظاہر ہو اور مطلب فوت ہو جائے۔

ورع پرہیز کاری کا نام ہے یعنی نفس اعمال نیک اور افعال پسندیدہ پر

کار بند ہو اور ان کاموں کے کرنے میں اس سے عداوت کو تاہی اور سستی ظاہر نہ ہو

انتظام نفس کے اوس ملکہ کو کہتے ہیں جو کاموں کا اندازہ کر سکتا ہو اور مصیبت کو بکریب کا خیال کر سکتا

حریت اکتساب مال سے متعلق ہے کہ انسان جائز پیشوں اور طریقوں سے مال حاصل کرے اور ناروا ذرائع نہ اختیار کرے اسی طرح مال کو جائز طور سے نیک مصارف میں صرف کرے فضول اخراجات یا عیاشی میں نہ اڑائے۔

سچائی یہ ہے کہ انسان کو مال یا کوئی چیز دوسرے کو دینی گران نہ گزرے لیکن یہ شرط ہے کہ اسی قدر دیا جائے جتنا کہ دینا ضروری ہے اور ایسے شخص کو دیا جائے جو اس کا مستحق ہے قوت ماطہ مخضیٰ اور شہویٰ کی تہذیب سے جو خاص کیفیت نفس میں پیدا ہوتی ہے

وہ ”عدالت“ ہے یہ کیفیت ہی تنہا نہیں بلکہ بہت سے خصائل محمودہ کا مجموعہ ہے جو اپنے موقع پر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ صداقت۔ الفت۔ وفاء۔ شفقت۔ صلہ رحم۔ مکافات۔ حسن شرکت۔ حسرتنا۔ اتود۔ تسلیم۔ توکل۔ عبادت ہیں کہ انسانیت کی شان اور شرافت کا خاصہ ہیں انکی تفصیل تو بہت بڑی ہے۔ طوالت کے خیال سے صرف تعریفات پر اکتفا کرنا مناسب ہے تاکہ ایک اجمالی کیفیت پیدا ہو جائے

صداقت دوستی صادق ہونا ہے کہ دو متوکلین کو ملیں اور رابطہ اتحاد و سقد و حکم ہو جائے کہ انسان جو کچھ اپنی واسطے چاہی وہی دوسرے کیلئے چاہی اور جو حالت یا جو چیز اپنی لے لیں دوسرے کی لے لیں۔ **الفت** یہ ہے کہ تمام لوگ باہمی معاونت و پیروی ہوں اور معاملات کی نسبت کوئی راسی اور اعتماد میں اتفاق ہو

وفاء یہ ہے کہ جو عہد یا وعدہ کرے اس کو نبھائے اور اپنے قول سے نہ پھرے اور دوسروں کی جو معاونت یا غمخواری کرنی اختیار کر لی ہے اس کو چھوڑ نہ دے۔

شفقت دل کا فعل ہے کہ کسی دوسرے شخص کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو انسان کو دل پر وہ شخص کا یہ حال ہو کہ جو کچھ ملے لگے اور جہانک اپنی سے ممکن ہو اسکی مدد کرے اور مصیبت کو گھٹانے پر کمر باندھنے **صلہ رحم** اپنے رشتہ داروں اور گہروالوں کو اپنے مال اور معیشت میں شریک کرنا ہے۔ قرابت

و رشتہ دو طرح کی ہوتے ہیں۔ ایک صوری اور دوسرے معنوی۔ قرابت صوری مثلاً ماں باپ یا کوئی رشتہ دار۔ قرابت معنوی استاد و پیر۔ استاذ و اودہ۔ احباب وغیرہ جن سے اگرچہ رشتہ داری کا تعلق نہ ہو لیکن روحانی تعلقات ہوں۔ ان سب کے ساتھ سلوک کرنا صلہ رحم میں داخل ہے

مکافات یہ ہے کہ اگر کسی سے نفع پہونچے تو اتنا یا اس سے زیادہ نفع اس سے پہونچائے اور اگر ضرر یا نقصان پہونچے تو اس سے کم نقصان یا ضرر دوسرے کو پہونچائے۔

حریت

سچائی

عدالت کو کہتے ہیں

صداقت

الفت

وفاء

شفقت

صلہ رحم

مکافات

حسن شرکت۔ معاملات کی خوبی ہے کہ داد و ستد وغیرہ اس طرح کرے جس سے دوسرے شرکاء کی حق تلفی یا اون کی ناراضگی کا باعث نہ ہو۔

حسن قضا۔ پر تمدن کا انحصار ہے یعنی حسن قضا یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کی نگرانی اور نگہداشت کرے اور جس قدر جس کا حق ہے وہاں سے پہنچائی کسی طرح اس کو دینا اور اس پر احسان کرنا نہیں ہے اور اس کی حق تلفی کرنا گناہ اور باعث مذمت ہے لہذا ادائیگی حق میں احسان جتنا یا حق تلفی کر کے اپنے تئیں نشانہ ملامت بنا نا خلاف انسانیت ہے یہ تو وہ یہ کہ طیب کلام یا انعام و اکرام یا کسی سبب نیک و فاضل شخص کو دینی اور محبت کی سلسلہ احکام خدا و قواعد شرع کے ماننے کو کہتے ہیں اور یہ ماننا بہ جبر و اکراہ نہ ہو بلکہ برضا و خوشی اور بحسن قبول ہونا چاہیے۔

توکل ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت اور تدبیر سے باہر ہو چکے ہوں جنہیں انسان کو مداخلت نہ ہو خدا پر ہیروسہ کرنا اور فضول خیالات سے دماغ نہ پکانا ہے اور یہ سمجھ لینا کہ گواہ اسباب اور تدبیر سے کام لینا ہمارا کام ہے لیکن اس تدبیر کے مطابق نتیجہ پیدا کرنا تو مطلق کے اختیار میں ہے توکل کے معنی نہیں ہیں کہ انسان اسباب مہیاء کرے یا تدبیر نگرے بلکہ یہ معنی ہیں کہ ان اسباب سے حسبِ نحو و نتیجہ نکلنا خدا کے اختیار میں جانی۔ بر توکل زانوی اشتربہ بند یا جن امور میں اسباب تدبیر کام نہ دیتی ہوں ان کو بالکل مرضی الہی بر جوڑ دوں اگر ابوجو اسباب تدبیر کی طرف سے انسان کوئی کام نہ کرے اور عجز و ناتوانی کا متوقع ہو تو وہ اس سے یقین کی مانند ہو گا کہ زراعت نہ کرے اور پیداوار کی امید نہ کرے عبادت خداوند تعالیٰ کی نظم و تجویز کرنا اور احکام شرع کی پابندی کرنا ہے۔ اس کے لیے تقویٰ اختیار کرنا اور معاصی سے احتراز ضرور ہے۔

شجاعت اور عفت اور عدالت کے ملکات سے جو فضیلتیں پیدا ہوتی ہیں اون کی اجمالی کیفیت ان تعریفات سے معلوم ہو سکتی ہے ان میں بعض خود انسان کے نفس سے تعلق رکھتی ہیں اور تہذیب اخلاق میں داخل ہیں بعض تدبیر منزل اور سیاست مدن سے متعلق ہیں اور اون کے اکتساب سے دوسروں کے ساتھ مدارات کرنے یا عدالت قائم رکھنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب فضیلتیں قوا نفسانی کی تہذیب سے پیدا ہوتی ہیں۔

حسن شرکت

حسن قضا

توکل
تسلیم

توکل

عبادت

اور اون کی پوری حقیقت بیان کرنے کے لیے ہر ایک پر ایک بسیط مضمون لکھنے کی ضرورت ہے لیکن کتاب کی ضخامت سب کا مفصل حال بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بعض لوگوں میں کوئی نیک عادت ہوتی ہے لیکن باقی فضیلتیں نہیں ہوتیں۔ یا بعضوں سے کوئی فضیلت کسی موقع پر ظاہر ہوتی ہے لیکن اکثر ویسی ہی دوسری موقعوں پر اوس کا اظہار نہیں ہوتا۔ ان لوگوں سے جس قدر نیکی کا ظہور ہو اوسی قدر یہ نیک اور پہلے آدمی خیال کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان کو سعادت تمامہ حاصل نہیں اور چونکہ حکمت کی عادتیں طبیعت میں راسخ نہیں ہوتیں ان کے خصائل میں زوال آنا ممکن ہے۔ ابر کا سایہ ہے کہ ادھر آیا اور ہر گیا۔ طبیعت کا جوش ہے کہ ابھی ابر کرم کی طرح برس رہے تھے ابھی کچھ ہی نہیں۔ جن لوگوں کو یہ سعادت نصیب ہو کہ مسائل حکمت اون کی طبیعت میں ثابت و قائم ہو جائیں وہ ان فضائل کو اپنا شعار بنالیتے ہیں زمانہ اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے صحت و بیماری نکبت و فراخی سب گزر جاتی ہیں لیکن ان کے اخلاق میں ذرا تغیر نہیں آتا ان سے کہی بے جہر ہی ظاہر ہوتی ہے مزہ ریشانی اور قلق کا اظہار کرتے ہیں زبان کی ثابت قدمی میں فرق آتا ہے بلکہ تحمل و سکون تسلیم و رضا۔ انتظام و وقار۔ صبر و توکل۔ جوانی طبیعت میں ملکہ ہو گیا ہے وہ ان کے پائی استقامت کو ذرا ڈالنے کا نہیں دیتا۔ آدمی اور مینہ کے طوفان سے کمزور و رخت ٹوٹ کر دور جا پڑتے ہیں لیکن پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے یہ لوگ استقلال و ثبات کے پہاڑ ہیں کہ خواہ کچھ ہی گزر جائے لیکن اون کے استقلال کو ذرا جنبش نہیں ہوتی۔ ظاہر میں یہ حالت بہت گراں اور بد مزہ معلوم ہوتی ہے لیکن واقعی میں ایک حقیقی لذت ہے جو دوسری چیزوں میں نہیں۔ ماکل و مشارب وغیرہ لذتیں جسی لذتیں ہیں کہ ابھی تھیں اور ابھی نہیں۔ یہ حاصل بھی سہولت ہو جاتی ہیں اور جلدی جاتی بھی رہتی ہیں اکتساب سعادت سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں اس میں شک نہیں کہ بہت محنت اور نفسی سے حاصل ہوتی ہیں مگر یہ لذات باقی ہیں کہ ہر حال میں اور ہر وقت میسر رہتی ہیں اور جب کامزما پڑ جاتا ہے تو ساری فانی اور غیر حقیقی لذات ہیچ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ یہ لذتیں انسان کو مکمل تک پہنچاتی ہیں اور انسان اوس فکر۔ رنج و اضطراب۔ تشویش سے جو اسباب ظاہر کے

تغیر یا لذات فانی کی عدم میری سے پیدا ہو محفوظ ہو جاتا ہے۔
 تو ازناقصہ کی تکمیل حکمت - شجاعت - عفت - عدالت - پر عمل کار بند ہونے سے
 حاصل ہوتی ہے اور جس شخص میں یہ صفات کامل ہوں وہ "سعید" کہلاتا ہے۔ لیکن بعض
 خام طبیعت اشخاص اصول حکمت پر کار بند تو نہیں ہوتے لیکن اپنے تئیں ویسا ظاہر کرنا
 اور ظاہر ہونے کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور جو لوگ علم اخلاق سے واقف نہیں وہ ان کے فربہ
 میں آجاتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو حکمت حاصل نہیں لیکن وہ مسائل علوم کو طوطے کی طرح
 حفظ یاد کرنے اور ایسے لوگوں کے سامنے جو خود فراست سے بے نصیب ہیں بے تحقیق
 دلائل بیان کرتا پھرے کہ وہ لوگ اسے بڑا عالم و دانشمند سمجھیں ایسے شخصوں کی حالت
 اون جانوروں کی سی ہے جو انسان کو دیکھ کر اوس کی سی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔
 یا بعض لوگ عفت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عقیف النفس نہیں ہوتے ان کا مطلب نہیں
 ہوتا کہ لذات شہوانی جو فی الحال میر میں نہ حاصل کریں بلکہ اس سے زیادہ کسی لذت اور منفعت
 کی خواہش ہوتی ہے جیسے مردم فریب زاد کہ اوٹھوں نے زہر کو دام تیر بنا رکھا ہے۔
 تاکہ مزے مزے کی دعوتیں کہیں یا اور اغراض فاسدہ حاصل کریں یا بعض لوگ سبب
 عدم میری اسباب یا سبب مرض و نقصان شہوت پر ہیز گار بنے رہیں یا کسی بیماری
 یا مرض میں مبتلا ہو نیکا خوف ہو یا کسی خاص لذت سے واقف ہی نہ ہوں تو یہ لوگ
 عقیف نہیں ہیں بلکہ عفت بی بی است از بے چادری کے مصداق ہیں۔
 اس طرح سخاوت کا عمل ایسے شخص سے ظاہر ہو سکتا ہے جو سخی نہ ہو مثلاً خوش خوری
 خوش پوشی - یا تہمیر مکان یا فسق و فجور میں روپیہ برباد کرے یا اس لیے بڑی بڑی زمینیں
 چندے میں دے کہ اس سے گورنمنٹ میں کوئی رتبہ یا خطاب یا اعزاز حاصل ہو گا یہ سخاوت
 نہیں تجارت ہے۔ اسی طرح دفع ضرر کے لیے روپیہ دینا یا غیر مستحقین کو دینا سخاوت
 نہیں ہے بعض لوگوں کو مال کی قدر نہیں ہوتی اور وہ یہ نہیں جانتے کہ جس وقت کوئی
 ضرورت پڑے تو مال سے کس قدر حاجت براری ہوتی ہے۔ مثلاً ایسے اشخاص
 جن کو خود کما نہ نہیں پڑا اور بزرگوں کی میراث سے بہت سی دولت لگتی ہے خوب مال

کہو لکھ لٹاتے ہیں ان کو یہ خبر ہی نہیں ہوتی کہ روپیہ پیدا کرنا کس قدر دشواری اور خرچ کرنا بہت آسان
 اسی طرح فعل شجاعت ایسے لوگوں سے صادر ہوتا ہے جو اصل شجاع نہیں ہوتے
 مثلاً کوئی شخص جنگ میں اس سبب سے شریک ہو کہ مال غنیمت خوب ہاتھ لگے گا
 یا عہدہ میں ترقی ہوگی۔ یوں تو سارے درندے جانور ہی پہاڑ کہا لے کو دوڑتے ہیں
 لیکن یہ شجاع نہیں ہیں کیونکہ ان کو اپنے غلبہ اور قوت پر وثوق ہے اس سبب سے دوڑتے ہیں
 حملہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلح اور توانا شخص ایک ضعیف غیر مسلح شخص سے مقابلہ کر کے
 فتح پائے تو یہ داخل شجاعت نہیں ہے یا اسی طرح جو لوگ کسی رنج یا تکلیف یا کسی ناامیدی کے
 سبب خود کشی کر لیتے ہیں یہ سب سے زیادہ نامور اور بزدل ہیں نہ کہ شجاع۔ کیونکہ شجاع ہر
 حال میں صابر اور تکلیف میں متحمل ہوتا ہے اور وہ کسی نقصان سے جس کا تدارک ناممکن ہو
 اندویش نہیں ہوتا نہ کسی خطرہ سے جو ناگاہ واقع ہو جائے مضطرب ہوتا ہے۔ اسی طرح اوسکا غصہ
 اور انتقام ہی غیر واجب نہیں ہوتا اور جو لوگ مغلوب الغضب یا سرلیع الانتقام ہیں وہ شجاع نہیں
 اسی طرح ایسے اشخاص جو عادل نہیں ہیں اور عدالت کی نقل و تارے ہیں ان کا
 مطلب محض ریاکاری ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں دراصل عادل وہ شخص ہے
 جو اپنی قوتوں کو برابر رکھے تاکہ تمام افعال جو اس سے صادر ہوں بمقتضای عقل ہوں اور
 حد اعتدال سے باہر ہوں اور اسی طرح اوس کے معاملات ہی لوگوں کے ساتھ صحیح ہوں۔
 ہر فعل کا اپنی حد پر قائم رہنا فضیلت ہے اور جو فعل اپنے حدود و اندازہ پر قائم ہوگا اوسکی
 بہت سی صورتیں نہیں ہو سکتیں بلکہ اوس کے خلاف بہت سے درجہ ہو سکتے ہیں یعنی
 وہ اپنی حد سے جس قدر متجاوز ہوگا اوسی قدر فضیلت سے بعید ہے۔ یہ تجا و زخواہ افراط میں
 ہو خواہ تفریط میں حد فضیلت سے باہر ہے۔ دو مفروضہ نقطوں کے درمیان ایک ہی خط تقسیم
 کہیں جا سکتا ہے اور اس کے علاوہ جس قدر خطوط اس کے دونوں طرف کہیں چاہیں وہ
 غیر متفقہ ہوں گے۔ یہی حال فضیلت کا ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر چلنے کا نام ہے اور جہاں اس میں
 ذرا کمی زیادتی ہوئی اوسی قدر سید ہے۔ راستے سے انحراف ہو گیا۔ یہ انحراف جس قدر بڑھتا جا
 اوسی قدر رذیلیت بڑھتی جائے گی۔ ہر کام میں وسط حقیقی سے انحراف دو جانب ہو سکتا ہے

فضیلت و
رذیلت

افراط اور زیادتی کسی جانب یا تفریط اور کمی کی طرف۔ اس طرح ہر فضیلت کے مقابلہ میں دو
 فضیلتیں پیدا ہوتی ہیں حکمت کے مقابلہ میں دو فضیلتیں سہ و بلکہ کہلاتی ہیں جن چیزوں
 فکر کرنا لازم نہیں اور جن میں عقل لڑائی یا جس قدر واجب ہے اس سے زیادہ فکر کرنا سہ
 ہے اور جن امور میں فکر کرنا واجب ہے اور کو نہ سوچنا اور قوت فکر کو جان بوجھ کر بیکار
 چھوڑ دینا یا جس قدر واجب ہے قوت فکر کے استعمال میں بالارادہ کمی کرنا بلکہ ہے۔
 اسی طرح شجاعت کے خلاف تہور اور جس قدر دو فضیلتیں ہیں خطرناک مواقع
 پر بے ضرورت جان جو کہوں میں ڈالنا یا مقتضائی عقل کے خلاف خطرہ میں پڑنا تہور ہے
 ایسے خطرات کے مقابلہ سے جان چرانا جن کا مقابلہ کرنا فرض ہے یا ایسی ہی کالیف
 حذر کرنا جن سے اس موقع پر حذر واجب نہیں چلن یعنی بزدلی ہے۔
 عفت کے خلاف شرہ و خمود و در ذائل ہیں۔ جائز مقدار سے زیادہ فعا
 شہوانی کی طرف مائل ہونا شرہ ہے اور لذات ضروری عقل کی نیک طرف طبیعت کا مائل ہونا خمود
 عدالت میں افراط و تفریط نہیں ہو سکتی بلکہ عدالت سے انحراف کرنا اور لوگوں کے
 حقوق یا مال میں خود تصرف کرنا یا اون لوگوں کو جو اپنے زیر حکم ہوں کسی کی حق تلفی کرنے دینا
 اور باوجودیکہ وہ لوگوں کو ستارے ہوں اور کو نہ روکنا جو کہلاتا ہے۔ جو ظلم ہے غلامی
 نفس پر ہوا دوسرے شخص پر۔ عدالت جامع جمیع کمالات ہے اور ظلم جامع جمیع نقائص۔
 اسی طرح تمام فضیلتوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جہاں اون میں افراط و تفریط ہوتی اور
 فضیلت کا رتبہ مفقود ہوا نہ رات دن جسمانی اور شہوانی خواہشات کے پورا کرنے میں
 مبتلا رہنا۔ لوگوں کو ستانا۔ مال غصب کہنا فضیلت ہے نہ جائز لذات سے اپنے تئیں
 محروم رکھنا۔ پیٹ بھرنا کہنا غاروں میں رہنا عمداً کھانا کھانے سے جو میسر آسکتے ہیں یہ نہ
 کرنا اچھے لباس جاننے کی جس قدر قدرت ہے نہ پہننا۔ آرام و آسائش سے نہ رہنا
 نکاح نہ کرنا۔ اپنی قوت بازو سے روپیہ نہ پیدا کرنا اور مال سے متع نہ اوٹھنا۔ کاروبار
 دینی و چھوڑ دینا فضیلت ہے۔ بلکہ یہ دونوں حالتیں فضیلت سے بہت دور ہیں۔
 فضیلت کا رتبہ پہچاننا اور صراطِ مستقیم پر چلنا آسان کام نہیں ہے بلکہ اس کو لینے

بہت بڑی تربیت اور تعلیم کی ضرورت ہے تاکہ انسان فضیلت کی حقیقت کو جانے اور اوس پر کاربند ہو نیک معاوی ہو۔ مان باب۔ معلم۔ اتالیق اور ہر ایک سرپرست کا فرض ہے کہ شروع ہی سے بچے کی طبیعت کا رنگ لے لیکھے اور اوس کو اصول اخلاق پر اوٹھائے اور جو قوتیں اوس میں ظاہر ہوتی جائیں انکی تہذیب میں کوشش کرتا جائے۔ بچے میں سب سے پہلے طلب غذا کی قوت پیدا ہوتی ہے جون جون بڑا ہوتا جاتا ہے طالب غذا کے لیے قوتیں اشارت لگتا جاتا ہے اوس کے بعد امور نشا کلمہ میں تمیز کرنا سیکھتا ہے۔ مان باب اور غیروں میں شناخت کرنے لگتا ہے اور جب حواس ظاہر و باطن میں ذائقہ آجاتی ہے اور جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں اون کو یاد رکھ سکتا ہے تو ایسی چیزوں کا طالب ہوتا ہے جو ازاں حواس حاصل ہوتی ہوں۔ مثلاً جب مان یاد آتی ہے تو روتا ہے اور کوئی کو دین لینا چاہے تو نہیں مانتا۔ یا کوئی کھانا لینے کے لیے ہٹ کرتا ہے اور لیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اس کے بعد اوس میں قوت غضبی کا ظہور ہوتا جن چیزوں کو بڑا جانتا ہے اون کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ نہیں کر سکتا تو چلاتا اور دوسروں سے مدد چاہتا ہے۔ یا جو چیزیں اوس کے کسی مطلب کے حصول میں باج ہو اون کو دور کرنا چاہتا ہے ان دو قوتوں کے حصول کے بعد بچہ میں قوت نطق کا ظہور ہوتا ہے۔ اور جہان نیک و بد قبیح و قبیح میں تمیز پیدا ہوتی حیا پیدا ہوتی ہے۔ بڑی ہو کر یہ قوتیں زیادہ کامل ہو جاتی ہیں لہذا تہذیب اخلاق اسی ترتیب سے ہونی چاہیے۔ کہ اول قوت شہوی کی تہذیب کی جائے تاکہ ملکہ عفت حاصل ہو اوس کے بعد قوت غضبی کی۔ تاکہ شجاعت پیدا ہو۔ بعض لوگوں میں الکتاب کا مادہ ایسا قوی ہوتا ہے کہ اون کو یہ باتیں بہت جلدی حاصل ہو جاتی ہیں۔ بعض کم استعدادی کی وجہ سے بد حاصل کرتے ہیں لیکن وقت اوٹھانے سے جی خیرا اور الکتاب کمال سے منہ بہرہ نہین چاہیے۔ اگر طفولیت میں کسی نے تربیت نہیں کی تو بڑے ہو کر خود کسب کمال کرنا اور تہذیب نفس کی کوشش کرنا لازم اور فرض ہے بلکہ حق اس کی کوشش کرنا انسان حاصل کریگا وہ زیادہ پائدار اور موثر ہوگا۔ اس زمانہ میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ انسان

موجودات عالم
میں ہر شے کا کمال

یہ سوچئے کہ ہم کیسے ہیں اور ہمیں کیا ہونا چاہیے
موجودات عالم میں جتنی چیزیں ہیں اون کا کمال ایک دوسرے سے مختلف ہے
سہول کا کمال یہ ہے کہ خوش رنگ ہو۔ خوشبودار ہو۔ پہل کا کمال یہ ہے کہ خوش ذائقہ
ہو۔ رسیلا ہو۔ تلوار کا کمال یہ ہے کہ خوب تیز ہو۔ گہوڑا نہایت چست و چالاک اور مہذب
ہو۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا میں نفیس و کثیف جتنی چیزیں ہیں اون میں ایک معین خاصیت ہے
کہ دوسری چیزوں میں وہ نہیں ہے اور یہ خاصیت ہی اور دوسری اشیاء سے امتیاز
پیدا کرتی ہے۔ تیار میں اگر روانی نہ ہو تو تیشہ ہے۔ گہوڑا اگر تیز نہ ہو تو گدہ ہے۔ یہی حال
انسان کا ہے کہ اگر آدمیت نہ ہو تو زایعہ ان ہے۔ سوچئے کی بات یہ ہے کہ وہ آدمیت
کیا چیز ہے اور ہمارے نفس میں کس قدر ہے؟ آدمیت قوت فطرت کا نام ہے یعنی
وہ قوت کہ معقولات کا ادراک کر سکے اور اتنی تمیز پیدا ہو کہ جمیل اور قبیح۔ محمود اور مذموم
پہچان سکے۔ اور نہ صرف پہچان لے بلکہ اپنے ارادہ اور اپنی خواہش کے بموجب جمیل و
محمود کو عمل میں لائے اور قبیح و مذموم کو ترک کرے۔ حیوانات میں یہ قوت نہیں ہے اس
سبب سے اون کا کوئی فاعل خیر اور کوئی مفعول شر نہیں ہوتا۔ انسان کو چونکہ امتیاز خیر و شر
حاصل ہے اس لئے اوس کے افعال بعض خیر اور بعض شر ہوئے ہیں اور وہ اپنے
ارادے سے یا تو اتنا بلند سی کی طرف ترقی کرتا ہے کہ اشرف المخلوقات بن جاتا ہے یا
اتنا تزلزل کرتا ہے کہ حیوانات سے ہی ارذل ہو جاتا ہے حیوانات میں جو کمال فطرتاً رکھ گیا
ہے وہ انسان کے فطرتی کمال سے زیادہ کامل ہے۔ مثلاً شیر یا اور درندے جانور قوت
عقبی میں کمال رکھتے ہیں۔ انسان اگر اس قوت کو اتنا ترقی دینا چاہے کہ شیر اور حتیٰ علیہا
بن جائے تو محال ہے۔ اور اگر بڑی کوشش سے یہ ملے کہ ہم پہنچا یا بھی تو یہی ہو کہ انسانیت
سے گزر کر درندوں میں جا ملایا قوت شہوانی کو ترقی دی تو مرغ چڑھے اور سوسے نہیں بڑھ سکتا
کون ایسا عقلمند ہوگا کہ اپنی بہت لمبے کاموں میں صرف کرے کہ جانوروں سے بھی سبقت
نہ لجا سکے اور اگر ایسا کرے گا تو انسانیت کے رتبہ سے اوس کا تزلزل ہو جائے گا۔
نافہم انسان جن چیزوں کو لذت سمجھتا ہے وہ لذت نہیں بلکہ اون سے چھٹکارا پانا

لذت کی بہت

لذت ہے۔ اول بھوک کی تکلیف سہو تو کھانے میں مزہ آئے۔ پیاس کی سختی برداشت کر دو تو پانی اور شربت سے تسکین ہو۔ اول امتلا طبیعت میں گرفتار ہو تو فرحت اخراج نصیب ہو۔ گرمی اور سردی سہو تو لباس سے آرام ملے۔ غرض طعام شربت و لباس وغیرہ چیزیں فی نفسہ لذیذ نہیں ہیں۔ بلکہ بمنزلہ دوا ہیں۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی میں مبتلا ہو اور پھر دوا کہا کر اچھا ہونے کی تدبیر کرے تو کیا وہ عقلمند ہے؟ اسی طرح بھوک پیاس و شہوت کو ہیجان میں لانا اور پھر تسکین دینا کوئی دانشمندی نہیں ہے بلکہ فطرتاً اور قدرتاً جس قدر پیدا ہو اوس کو باحسن اوجہ تسکین دینا جائز بلکہ لازم ہے۔

انسان میں جو خصوصیت اوس کو دیگر ہائے مہمان سے ممتاز کرتی ہے وہ قوت علمی و عملی کا کمال ہے یعنی یہ کہ علم حاصل کرے اور موجودات کی حقیقت اور مراتب کو جانے اور اپنے افعال و اقوال مختلفہ میں ایسا انتظام کرے کہ وہ نہیں موافقت و مطابقت قائم رہے اور یہی ہر سعادت و چکنا نام انسانیت کے

باب ششم

نفس فاطمہ کی تہذیب

۱۔ فرض

انسان دنیا میں مطلق العنان نہیں پیدا کیا گیا بلکہ طرح طرح کے علائق کی بندشوں میں جکڑا ہوا ہے جس طرح یہ تعلقات مختلف ہیں اسی طرح اون کے برتاؤ میں بھی اختلاف ہے اور اوپر ایک کے واسطے ایک خاص لحاظ کی ضرورت ہے اگر یہ لحاظ برقرار نہ رکھا جائے تو فطرت عدالت منحرف ہو جائیگا اور دنیا میں بے امنی۔ پریشانی۔ اضطراب پھیل جائیگا۔ انسان کا دل تو بہت چاہتا ہے کہ بندشیں جس قدر کم ہوں بہتر اور نہ ہوں تو بہت ہی بہتر وہ آزاد کی کو نہایت پسند کرتا اور فرائض و ذمہ داری کے بارے کہہ رہا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ قدرت نے اوسے فرائض کی بندشوں میں جکڑ دیا ہے اور یہودی اور سکین خاطر اور ترقی اور امن کا مدار فرائض اور باہمی تعلقات کو باحسن الوجہ انجام دینے پر مبنی رکھا ہے۔ انسان کا اپنی ذمہ داریوں کو عمدہ طور سے انجام دینا ہی ایک ایسی صفت ہے جو اوس کو اشراف المخلوقات

انسان کے تعلقات
اور اون کے فرائض

کے معزز خطاب کا مستحق بناتی ہے اور ہر شخص اپنی ذمہ داری کو جس قدر زیادہ
 عمل کی ہے ادا کرے وہ اسی قدر اور لوگوں کی نسبت زیادہ اشرف اور زیادہ عالی رتبہ
 ہے، کیونکہ اپنے فرائض کو باحسن اوجہ انجام دینے کا خیال انسانی زندگی کا پایہ بلند
 کرتا ہے اور اسکی عادات و خصائل میں ایسی استعداد و صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے
 کہ وہ مرتبہ بہ مرتبہ ترقی کرتا جاتا ہے اور اس عروج پر قائم رہ سکتا ہے جو اس طرح حاصل ہوا
 علاوہ ان میں روزمرہ کے ضروری کام بھی خوبی اور خوش اسلوبی سے پورے ہوتے ہیں
 روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کام دیکھنے کو تو معمولی بات معلوم ہوتے ہیں لیکن بڑے ضروری
 ہیں اور انکی انجام دہی پر ہی انسان کی تمام بہبودی کا مدار ہے۔

دنیا میں انسان کے مختلف تعلقات ہیں اور اسی سبب سے مختلف قسم کے فرائض
 ہیں۔ سب سے اول تو خداوند عزوجل پر ایمان لانا اور اس کے احکامات کا ادا کرنا فرائض
 ہے جو دنیوی اور اخروی بہبودی کا سرچشمہ تمام حسن اخلاق اور حسن معاشرت حسن
 اور حسن سیاست کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد اپنی ذات کا فرہم ہونا ہے کہ اسے دنیا میں
 غرور اور ذلیل نہ کرے بلکہ اسکی پرداخت کرنی اور اپنی عزت کا خیال رکھنا چاہیے ہم اپنی
 ذات کے مالک نہیں ہیں بلکہ خدا اور اس کا مالک ہے پس اسکی ضمانت یا اس کے
 عطیہ کو خراب اور رسوا کرنا بددیانتی یا کفران نعمت ہے اس کے بعد ماں باپ بہائی بہن
 میان یا بیوی۔ قریب و بعید کے رشتہ دار ہیں اور دیگر انسانی جنس جن کے ساتھ ذاتی
 تعلقات زیادہ ہوں۔ مثلاً ہم سایہ استاد و شاگرد۔ دوست و احباب۔ آقا و ملازم۔
 بادشاہ و رعیت۔ ہموطن۔ اہل ملک وغیرہ۔

ادائی فرائض
 کی برکتیں

ہر وقت اور ہر موقع پر یہ جاننا کہ یہ فرائض کیا کیا ہیں اور وہ کون کون سے امور ہیں
 جن پر عمل کرنے سے حصول سعادت و معاش و مٹاؤ کی درستی اور سوسائٹی میں امن و صلح قائم ہو
 کہ ہر شخص حسب استعداد و کمال اور مدارج علیہ حاصل کر سکے عقل کا کام ہے اور اسی واسطے انسان
 کو عقل عطا کی گئی ہے۔ اگر انسان اپنے فرائض کا خیال نہ رکھے تو بہت جلد رتبہ انسانیت
 سے گر کر بہائم میں جا ملے گا۔ ادائی فرض ہماری مصیبتوں کو کم ہماری سہولتوں کو زیادہ ہماری

مراتب کو اعلیٰ کرتا ہے۔ ہر کام اور ہر موقع پر اپنا فرض ادا کرنا دشواری نہیں بلکہ انسان کے حق میں عین راحت اور سہولت ہے کیونکہ دنیا کے تفکرات اور پریشانیوں سے اسکی بدولت نجات ملتی ہے جب لالچ یا کمزوری کا سامنا ہوتا ہے تو ادائیگی فرض کا خیال ہی قائم اور مستقل رکھتا اور دلیری و ہمت و جرأت بخشتا ہے۔ ادائیگی فرض کا خیال ہمیشہ راستباز رکھتا ہے۔ ناجائز وسائل سے اکتساب دولت طلب جاہ جو فی شہرت۔ زندگی کا مائل یا فرض انسانیت نہیں۔ بلکہ فرض انسانیت یہ ہے کہ انسان دنیا میں اکتساب سعادت اور مفید و بکار کام کرے اور یہی خیال زندگی کے راستے کو صاف و سہل کرتا ہے۔ اطاعت کرنا اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا مشکلوں کی برداشت کرنا خطرات کا مقابلہ کرنا محنت پر قائم و مستقل رہنا سکھانا اور بے اطمینانی و کمون مزاج کو روکتا ہے اور جو مفید کام ہم کر رہے ہیں یا جو ہمیں کرنا چاہیے اوس پر کار بند رکھتا ہے۔ بُرائی سے بچنے اور بھلائی کی کھلی خواہش پیدا ہوتی ہے اور حقیقی خوشی اور علم و مرتبہ کا جو ش طبیعت میں پیدا ہوتا ہے۔ صرف اسی سے ناامیدی دور رہ سکتی ہے اور افسوس و حسرت نہیں اوٹھانی پڑتی۔ کیونکہ ایسے شخص کے پاس خواہ دولت اور قوت میں سے کچھ بھی نہ ہو لیکن اوس کا دل مضبوط ہو گا اور اسکی روح بشاش اور قلب مطمئن رہیگا جو قارون کے خزانے سے بھی زیادہ قیمتی ہے جو شخص دنیا میں اپنے فرض کو ادا کرتا ہے وہ اوس منشا کو پورا کرتا ہے جس کے لئے خدا نے اوسے اس دنیا میں پیدا کیا ہے اور اس قانون فطرت (فرض) کی بجا آوری انسان کو اتنا سہا دیتی ہے کہ وہ اپنے اوج مرتبہ سے نہیں گرنے پاتا اور اگر یہ نہ ہو تو مصیبتِ اخلاس۔ لالچ کا ایک ذرا سا اشارہ اوس کو کر اگر خاک میں ملا دیتا ہے۔ ادائیگی فرض انسان کو ایسی قوت طاقت و پائیداری و استواری بخشتا ہے جیسے چونہ اور تہ عمارت کو مستحکم اور قائم کرتے ہیں فرض انسان کی اخلاقی عمارت کو پائیدار بناتا ہے ورنہ کچی دیوار کی طرح ساری قوت ساری طاقت۔ ساری شہرت ساری ذکاوت۔ ساری مسرت بلکہ محبت ہی ڈھ جاتی ہے جس طرح کشتیِ آتش کے مٹ جانے سے کسی چیز کے ذرے پریشان ہو جائیں ادائیگی فرض کا خیال جانتے رہنے سے سارے اخلاق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

فرض کا خیال
ناامیدی کے
مقابلہ میں ہی
چھوڑنا چاہیے
ادائی فرض کے
مقابلہ میں جان
کی پرواہ نہیں ہونی

شرط ہمت یہ ہے کہ انسان اپنا فرض ہر خطہ ہر نازک حالت میں چٹکی نہ مارے کہ ناامیدی کے
مقابلہ میں ہی چھوڑ دے اور یہ کہ اگر فرض منصبی اچھی طرح ادا کیا جائے تو خواہ ناکامی ہی کیوں نہ ہو گروہ کا
مہین خیال کیجی سکتی ہے کیا کم کرے انسان اپنی ذمہ داری بوجہ ٹھیک ٹھیک تار و یاد لکھتے ہوئے عظمت
جن لوگوں کے دلوں میں پابندی اصول کا اعلیٰ خیال ہے وہ اپنے فرض منصبی کے
ادا کرنے کے پیچھے ایسی چیزوں کو بھی قربان کر دیتے ہیں جن سے اون کو محبت یا دوستی ہو۔
میدان جنگ میں باپ بیٹے کو خاک و خون میں لوٹا دیکھتا ہے اور اس کی شجاعت کی داد دیتا ہے
سیاہی مان باپ ہوی بچوں کے چلنے اور گہرا لٹنے کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا وہ سترہلی
ارکھ کر جان پر کھیل جاتا ہے اور مرد و بچی فہرست میں نام لکھواتا ہے انسان کی جڑانی اس میں نہیں تپتی
کہ وہ اپنے واسطے تمام جہان کی نعمتیں جمع کرے اور رت دن رنگ رلیان منسلے یا یہ کہ شہر
و ناموری کے پیچھے بڑے یا کسی ایک مقصد کو دل میں جگہ دیکر اوس میں تپتی کا خواہاں ہو اپنی
جان کی حفاظت کرنا یا کسی طرح اپنی ناموری چاہنا معمولی باتیں ہیں بلکہ انسان کی بزرگی
اس میں ہے کہ وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام دے۔

ادائی فرض کا خیال
میں سب اور نقصان
ڈالنے والے امور

کئی باتیں ہیں جو فرائض کے ادا کرنے میں مارج ہوتی ہیں غم میں مصیبت اور استقلال نہ ہونا
اور طلب صادق اور قوت فیصلہ قوی نہ ہونی انسان پر ایک طرف تو نفس ناطقہ اور پہلے بڑی کی
تمیز کا اثر پڑتا ہے۔ دوسری طرف تن آسانی خود غرضی لہو لوب اور دیگر خراب جذبات اثر ڈالتے ہیں
اور وہ تھوڑی دیر تک اس تذبذب میں رہتا ہے کہ ان میں سے کسے اختیار کروں اور پہر دو تو
میں سے ایک کی طرف جھک جاتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ کمینہ جذبات اور خراب خواہشات غالب
آگئیں تو آدمی رتبہ انسانیت سے ذلت و خواری کے قعر میں گر جاتا ہے اور اگر نفس ناطقہ نے
سنبھال لیا تو طبیعت کی قوت اور روحانی مسرت کا جوش اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ تمام ناپائدار
اور فانی روئین جو عدم استقلال کے سبب پیدا ہو گئے تھے وہ ہو جاتی ہیں اور انسانیت کا پابند
ہو جاتا ہے۔ اس واسطے عادت کو سنوارنے کے لیے یہ ضرور ہے کہ انسان ہمیشہ صحیح راستہ چلے
اور اس کے لیے کوئی وقت اور روک نہ پیدا ہو۔ ہر ایک کام کرتے وقت یہ سوچ لینا چاہیے کہ

لحاظ دیر بڑی پہنچ ہے۔

واقعی اس کا ارتکاب درست ہے یا ناجائز عمدہ کام کر نیکی عادت اختیار کرنے اور خراب سیلان کو روکنے خواہشات اور شہوانی طاقتوں کا مقابلہ کر نیکی لیے تہورے دن تک متواتر سختی اور ٹہانی اور طبیعت پر جبر کرنا پڑیگا لیکن جب یہ عادت راسخ ہو جائیگی اور جو کام کہ عقلاً و نقلاً گرافض ہے اوس کو پورا کر نیکی لیے طبیعت میں آمادگی پیدا ہوگی تو یہ فرائض کے ادا کرنے میں ذرا ہی وقت نہ معلوم ہوگی

قوی ترقی ادا
فرائض سے
ممکن ہے

جس قوم میں اپنے فرائض ادا کر نیکی خیال زیادہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ معراج ترقی پر رہتی ہے اور جب تک یہ خیال قائم رہے آئندہ ترقی سے ناامید نہ ہونا چاہیے لیکن جب لوگوں میں من حیث القوم فرض ادا کر نیکی خیال مٹ جائے اور یہ قوت و لون میں ہوجاتی ہے اور وہ تن آسانی یا خود غرضی میں پڑ جائیں تو اوس قوم کی حالت پر غصہ ہوتا ہے اور اوس کا تزلزل اور بربادی کچھ دور نہیں ہے۔

۲۔ کاش منس یعنی نفس لوامہ

اِذَا آمَرَ اِلٰهٌۢ بِعَبْدٍ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَاِعْظَامًا مِّنْ قَلْبِهٖ

انسان کے راہ راست پر لانے اور ہدایت کر نیکی واسطے اللہ تعالیٰ نے پوری پورے سامان میں افراد کے میں پیغمبر بھیجے محضے اوترے عقل و تمیز دی اور خود ایک کھنگار دل میں ایسا لگا دیا کہ جان آدمی ذرا صراط مستقیم سے ڈمکایا اور اوس نے ٹوکا۔ یہ قوت ہمیز ہے کہ سچ کو جھوٹ سے اچھانی کو بڑائی سے تاریکی کو نور سے جدا کرتی ہے اور نیکی کے راستے بتاتی ہے۔ یہ قوت جب کسی بڑے کام سے روکتی یا افعال شنیعہ پر ملامت کرتی ہے تو اوسے نفس لوامہ یا کاش منس کہتے ہیں۔ یہی قوت ہے کہ جب انسانیت کا کوئی فعل ظہور میں آتا ہے تو دل کو مٹھی مٹھی مسرت اور تسکین بخشی ہے۔ اگر ہم اسکی ہدایت کان دہر کر سکیں اور اوس پر عمل کریں تو یہ قوت ایسی بڑی کرتی ہے کہ ہمارے خیالات ہمارے افعال و اقوال چال و چلن پر نہایت عمدہ اثر ڈالتی ہے اور اون کو باقاعدہ بناتی ہے یا ان اگر اسے انشاء پر غور نہ کیا جائے اور نفس شہوانی اور قوت غصہ کی اتباع کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ یہ کم بلکہ گہری ہو جاتی ہے لہٰذا جب خدا کسی بندہ کی بہتری چاہتا ہے تو اوسے ایسا کر دیتا ہے کہ اوس کا دل اپنے آپ نصیحت کرنے والا ہو جاتا ہے۔

کانشنس
کے فوائد

انسانی فرائض کی بجا آوری پر اطمینان اور خوشی غلطیوں پر افسوس بغرض شون و پند
برائیوں پر حسرت۔ نیکوں کی خواہش سب نفس لوامہ کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔
کانشنس دلی جذبات کو روکتا اور باقاعدہ کرتا ہے اور پہلی باتوں کی طرف مائل کرتا ہے
خود غرضی سے منع کرتا اور باہمی تعلقات اور فرائض کو عدم کی سے نبھانا سکھاتا ہے۔
کانشنس اخلاق حمیدہ اور رذیلہ میں صرف تمیزی نہیں کرتا بلکہ وہ وسائل بھی بتاتا ہے
جسکی سروی سے اخلاق حمیدہ حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر انسان اپنے تئیں کانشنس کے
حکم کا اتنا بدار بنالے تو انسانیت کے مدارج علیہ رہنمائی جاتا ہے جن لوگوں نے کانشنس
کی قوت کو برباد کر دیا ہے وہ اخلاقی لحاظ سے ویسے ہی ہیں جیسے کہ کسی کی عقل و حواس مختل
ہو جائیں۔ دیوانہ آدمی باوجود مصیبت اور کبت کے اپنے تئیں اعلیٰ سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح
جن لوگوں کے دل کانشنس کے نور سے منور نہیں ہیں۔ وہ جس قدر اوصاف حمیدہ سے
معز ہیں اور تنہا ہی اپنے تئیں نیک کروا خیال کرتے ہیں اور جس قدر حقیقی خوشی سے دور ہیں
اور تنہا ہی اپنے تئیں خوش جانتے ہیں حتیٰ کہ جتنی غلطیوں میں آلودہ ہیں اور تنہا ہی اپنے تئیں بہلا
خیال کرتے ہیں سچ یہ ہے کہ انہوں نے راست و غلط کو پہچانا ہی نہیں یاد یہ جاتے ہیں کہ
کہ دنیا میں راست و غلط متضاد ہیں اور راست و غلط کی تمیزی اخلاق کی بنیاد ہے۔ ہاں اگر تمیز
اوپر جائے تو ہر ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ مگر کانشنس بتاتا ہے
کہ دنیا میں راست و غلط و مختلف چیزیں ہیں اور جن امور سے کہ حقیقی خوشی پیدا ہو اور دل میں
یشیامانی نہ ہو وہ راست ہیں اور جہول میں چکیاں لین اور اندرونی خوشی کو برباد کریں وہ غلط ہیں
انسان اس دنیا میں رہتا ہے اور ناقابل تغیر تعلقات اور قوانین میں گہرا ہوا ہے وہ تعلقات
کچھ تو خدا سے ہیں کچھ قریب و بعید رشتہ داروں سے کچھ انسانی جنس اور عام دنیا سے۔ اب ان
تعلقات کے بموجب بار اوے اور جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان جذبات کے لحاظ سے
متعین کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ پس اگر ہمارے برتاؤ میں عدالت اور صداقت ہے
اور ہم اپنے فرائض کو لکھا حقہ ادا کر رہے ہیں تو یہ ”راستی“ ہے اور اگر ان تعلقات میں قانون کی
ظاف و رزی اختیار کی ہے اور ہمارا برتاؤ ان تعلقات میں امن اور اتحاد کو ٹوڑتا ہے تو یہ

”غلطی“ ہے۔ یہ تعلقات اور اون کے فرائض خواہ ہم جانیں یا نہ جانیں موجود ہیں اور بد قسمتی بہت سے فرائض اس سبب سے نہیں ادا کیے جاتے کہ ہمیں اون کا علم نہیں ہوتا۔ اور کائنات جس فرائض کا علم نہ ہو اور تہذیب نہیں کرتا اس لیے جس قدر علم کا ذخیرہ وسیع ہوگا اوستی کائنات کا علم کامل رہنا ہوتا جائے گا۔

کائنات کو ترقی دینے کا طریقہ

دنیا کے ہر ایک کام میں پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ اس میں ہمیں کیا کرنا ہے یا یوں کہو کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ نہ یہ کہ کس چیز سے ہم خوش ہوتے ہیں یا کیا طریقہ آسان ہے۔ نہ یہ کہ لوگوں کی آنکھوں میں کیا اچھا معلوم ہو گا بلکہ یہ کہ سچ کیا ہے اور خدا کی نظروں میں ہمارا فرض کیا ہے۔ اگر یہ نہ خیال کیا جائے تو اچھے اچھے آدمی لالچ اور خود غرضی کا شکار ہو جائیں گے اور جو جاتے ہیں زندگی کے ہر ایک کام میں ہمیں کائنات کی پیروی کرنی چاہیے۔ کیونکہ کائنات جس ہمارے معاملات کو درست اور ٹھیک ٹھیک رکھتا ہے اور ایسا مذاثر ثابت کرتا ہے اور ایسا مادیاری ایسی چیز ہے کہ ہم ہر ایک معاملہ میں دکھانی چاہتے ہیں۔ غرض معاملات دنیوی اور دینی میں دلی ارادوں اور فوقیت حاصل کرنے کے خیالات میں تجارت کے بازار میں کائنات کے کہنے پر عمل کرنا شاہراہ ترقی اور عزت ہے اور مادیاری کا خیال و صداقت کی محبت نہ صرف قوت بخشی ہے بلکہ سرگرمی اور ترقی ہی صحت و درستی۔ سلیقہ و فہمید عطا کرتی ہے۔ اور یہ اوصاف ایک کاروباری آدمی کے لیے۔ نہایت ضروری اور لازمی ہیں۔ چونکہ ہم میں صحیح و غلط میں تمیز کی سوجھ بوجھ ہے اس سبب سے ہم بہت سے کام جن کو اچھا سمجھتے ہیں کرتے ہیں اور جن کو بُرا خیال کرتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی کیفیت ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں کی بھی ہے۔ حتیٰ کہ بچے بھی اتنی تمیز رکھتے ہیں کہ جب کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب غلطی ہو جاتی ہے تو اس سے شرمندہ ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر قوم خواہ تہذیب کے کسی درجہ پر کیوں نہ ہو وہیں یہ انداز ضروری اور لازمی ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ایک قوم جس چیز کو اچھا سمجھتی ہے۔ دوسری اسے بُرا جانے لے لیکن کسی چیز کو اچھا اور کسی چیز کو بُرا خیال کرنا قدرتا ہر شخص میں پیدا کیا گیا ہے۔ کائنات کا کام یہ ہے کہ اس کام کے گرتی حکم دے جس کو کوئی شخص اعتقاداً اچھا خیال کرتا ہے اور جسے بُرا جانتا ہے اسے منع کرے۔ کائنات کی آواز

کائنات کی تعلیمات پر اثر نہیں دیتا

خواہشات پر
حکمرانی

انسان یا قانون کی آواز سے بالاتر ہے بلکہ حاکم حقیقی کی طرف سے ایک روحانی راہنما کی آواز ہے۔ انسان کے دل میں ہر وقت طرح طرح کی خواہشیں طرح طرح کے ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ قوا غضبی کا اقتضا کچھ ہوتا ہے۔ قوا شہوانی کسی اور ہی طرف مائل کرتی ہیں بعض ضرورتیں اور مصیحتیں کسی اور طرف راغب کرتی ہیں اور ضمیر یعنی کائنات سے الگ ایک نیا حکم کرتا ہے اوس وقت انسان حیران ہوتا ہے کہ کس کو اختیار کرے لیکن دانشمندی اور جوانمردی کی بات یہ ہے کہ جو کچھ ہوسو ہو نہایت استقلال سے کائنات کی پیروی کی جائے اور اسی واسطے حکیم مطلق نے یہ قوت انسان میں رکھی ہے اور اگر انسان اپنی عدم توجہی سے اسے کہو دے تو خود وہ ذمہ دار ہے۔ غلط کام کرنے سے بدتر کوئی جرائی اور عمدہ کام کرنے سے بہتر کوئی سہلائی دنیا میں نہیں ہے۔ اور بدائی سے احتیاج اور اعمال صالحہ کا ارتکاب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ خواہشات پر کائنات اور نفس ناطقہ حکمران ہو کائنات انسان کے ذلی جذبات اور قوا باطنی کا اتالیق ہو اور وسوسہ عقائد حق کی پابندی کرنا سکھاتا ہے۔ اگر انسان کو پورے طور پر یہ خیال ہو کہ اوسے جو کچھ اس جہان میں کرنا فرض ہے وہ اوس سے منہ نہ موڑے گا اور جو کچھ کرے گا ارادہ ہے اوس کے یہ پہلو کو اچھی طرح سوچ سمجھا اختیار کرے تو انسان اپنے راستہ میں دلیرانہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور تمام تکالیف اور مشکلات کا بہادرانہ مقابلہ کر کے اپنا مقصد پورا کر کے چھوڑتا ہے۔

۳۔ اخلاقی جرات

اخلاقی جرات کی
تعریف

وہ قوت جو انسان کو ایسے کاموں پر جو حکمتاً جائز اور ضرور ہیں۔ ادائی فرض کے خیال سے کار بند کرتی ہے اور صداقت و عدالت کے خلاف نہیں کرنے دیتی۔ نیز کسی شرم یا رعایت یا دباؤ یا لالچ کے سبب سے کسی ناجائز یا ناروا کام کے ارتکاب سے بچاتی ہے اور ہمیشہ راستہ مستقیم پر چلنے کی محرک ہوتی ہے اور اس راستہ میں جو دقیقہ میں امن او کمزوری دیکھتا ہے سہنے اور ایسا نفع یا سہولت کی پرواہ کرنے کی جو دراصل جائز نہ ہوں یا خلاف شان ہوں ہمت پیدا کرتی ہے۔ اخلاقی جرات کہلاتی ہے۔

مشکل کی
حقیقت

جس چیز کو ہم اکثر اوقات مشکل یا محال کہہ دیا کرتے ہیں وہ دراصل ایسی نہیں ہوتی بلکہ

خود ہم نے اپنی کمزوری سے اس کو مشکل سمجھ رکھا ہوتا ہے۔ یہ کمزوری اپنا رنگ لاتی ہے اور جو نقصان اس کا نتیجہ ہونا چاہئے وہ اوٹھانا پڑتا ہے۔ اگر مشین کا ایک پرزہ کمزور ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو ساری مشین بیکار ہو جاتی ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ اگر سختی سے عدالت کی پابندی نہ کی جائے تو بہت سی چوٹی بڑی دقتیں اگر گہیر لیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خدما کل جو شان انسانیت خیال کیے جاتے ہیں اگر بے موقع استعمال کئے جائیں تو اپنی خاصیت بدل دیتے ہیں محبت کمزوری طبیعت۔ کفایت شعاری لالچ۔ فیاضی فضول خرچی۔ رحم ظلم ہو جاتا ہے۔ اس لیے جو بات مقصدی مصلحت ہو اس پر صداقت سے پابند رہنا چاہیے اور خواہ دنیا اور ہرے اودھر ہو جائے قاعدہ کے خلاف کرنا ہرگز مناسب نہیں بہت سے لوگ صرف اسی سبب سے برباد ہو گئے کہ کسی کی خاطر یا مروت یا شرم حضور کی سبب لفظ نہیں زبان سے نہ نکال سکے انہوں نے صرف اپنے تئیں ہی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ کسی دوسرے کی یا اپنی حق تلفی بھی کی۔ کیونکہ جو ناجائز فائدہ اس مروت یا اس شخص کو پہنچا یا وہ کسی دوسرے کا حق بنا مروت ایک عمدہ صفت ہے لیکن اس وقت تک حد اعتدال سے باہر نہ دینا میں جو کچھ ترقیان ہوئیں وہ جسمانی طاقت اور تہور سے زیادہ اخلاقی جرات کی بدولت ہوئیں۔ بیل اور گھوڑے میں انسان سے زیادہ جسمانی طاقت اور شیر اور چیتے میں بہت زیادہ تہور ہے لیکن وہ جرات جو اخلاق کو قوی اور مستحکم کرتی ہے ان میں نہیں ہے۔ وہ جسمانی طاقت جو دنیا میں غوریزی کرنے اور لوگوں کی جان و مال کو معرض خطر میں ڈالنے یا غارت کرنے میں صرف ہوئی ہو یا نئی فائدہ کے منہ پر ہو پاتی ہے بلکہ وہ جرات جو چپ چاپ اپنا کام کیے جاتی ہے وہ جرات جو حصول مقصد میں محنت کرنے اور جان کھانے سے کبھی جی نہیں چراتی۔ وہ جرات جو صداقت اور ادائیگی فرض کے پیچھے بہاری بہاری بوجھ اور بڑی بڑی تکالیف خاموشی اور متانت سے برداشت کر لیتی ہے۔ شیک سب سے زیادہ بہادر درسی اور شجاعت کی دلیل ہے۔ ہر حال میں پیچ بولنے کی جرات۔ ہر حالت میں انصاف کرنے کی طاقت ہر کام میں دیانت داری دکھائی دینا جو ہر ہر حالت میں لالچ کو روکنے کی قوت۔ ہر فرض کو ادا کرنے کی خواہش۔ اخلاقی جرات کی صحیح علامات ہیں اور جس مرد یا جس عورت میں قابلیت

اخلاقی جرات
کے فوائد

نہو امید نہیں کہ وہ ناپسندیدہ اور غلط راستہ پر چلنے سے باز رہ سکے دلی کمزوری جسمانی کمزوری سے زیادہ نقصان رسان اور زیادہ خطرناک ہے۔ میدان جنگ میں دوسروں کی دیکھنا اسلحہ اور تعداد کی کثرت کے بہرہ و سپرد دوسروں کے مال لوٹنے کی طمع میں جو ہر مردانگی دکھانا آسان ہے لیکن دنیا کے میدان میں مشکلون اور وقتوں کے مقابلے میں صرف صدا اور فرض کا ساتھ دینے کے لیے اخلاقی اور کائنات کی راہ نمائی کے بموجب نفس کشی کرنا زیادہ مشکل اور زیادہ اہم ہے۔ میدان جنگ میں شرکت کی تو کبھی کسی کو ضرورت پڑتی ہے لیکن اس نفسانی اور روحانی جنگ میں ہر وقت ہر شخص شریک ہے۔

بیچہ بہادری

ایک نیم وحشی اور جنگ جو شخص مارنا اور مرنا کیل سمجھتا ہے لیکن اوس میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے لالچ کو روک سکے یا کوئی کام اس سبب سے کر سکے کہ وہ اوس کا کرنا فرض سمجھتا ہے ایسا شخص خواہ کتنا ہی نڈر اور بے خوف کیون نہو اخلاقاً جبری نہیں خیال کیا جاسکتا کیونکہ جب زمانہ اوس کو مشکلون اور امتحان میں گہیر لیتا ہے تو وہ ثابت قدم نہیں رہتا بلکہ وہ شخص جو صداقت اور ادائی فرض کے واسطے تمام وقتیں اوشٹاتا اور مشکلیں سہتا اور کوششیں کرتا اور کوئی ناشائستہ یا کمیدہ حرکت اور فعل نہیں کرتا وہ بڑا بہا ہے اور ان سپاہیوں سے زیادہ شجاع ہے جو جنگوں اور میدانوں میں مارے پھرتے ہیں

بعض اوصاف
جو اخلاقی جرأت
ظاہر کرتے ہیں

انسان کا اپنے تئیں صرف اتنا ہی ظاہر کرنا چاہنا کہ فی الحقیقت وہ ہے اور جو کچھ نہیں ہے وہ نہ بنا ہی اخلاقی جرأت کی نشانی ہے اسی طرح دیانت داری سے زندگی بسر کرنا فضا و جوی سے بچنا دوسروں کی حرص نہ کرنا سب ایسی باتیں ہیں کہ اخلاقی حالت کی مضبوطی ظاہر کرتی ہیں کمزور طبیعت اور بے ضابطہ اشخاص ہمیشہ دوسروں کے کہے میں آجاتے ہیں یا خود انکی طبیعت کا ادنی رجحان انہیں کسی ایسے کام کرنے سے باز رکھتا ہے جس کو وہ اچھا جانتے ہیں طبیعت کی کمزوری بہت کچھ نقصان پہنچاتی ہے اور بہت سے اطمینان۔ سہولتوں اور خوشیوں پر پانی پھرتا ہے۔ صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہنے کے لیے قوت فیصلہ بہت صحیح اور ارادہ بہت مضبوط ہونا لازم ہے۔ قوت فیصلہ کی کمزوری کے سبب انسان نہ تو بڑائیوں سے بچ سکتا ہے نہ بڑائیوں سے بچ سکتا ہے نہ بڑائیوں سے بچ سکتا ہے بے خوف اور نڈر ہونا ہی اخلاقی جرأت کی ایک نشانی ہے بے خوف ہونے کی عادت بھی تعلیم اور

خوف

مشق سے بڑھتی ہے اور کسی چیز کی حقیقت کے صحیح اندازہ کر لینے سے اس کا خوف جاتا رہتا ہے۔ اکثر خوف خیالی ہوا کرتا ہے اور تخیل ایسی صورتیں پیدا کر لیتا ہے جن کی نسبت ہم گمان ہوتا ہے کہ ہمیں آزار دین کی لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں مش آئین جن لوگوں کو خطرات کا مقابلہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے وہ خیالی اور وہی خطرات کی ذرا پرواہ نہیں کرتے۔ وہی خطرات چاہے کبھی واقع نہوں لیکن دور سے ایسا ڈراتے ہیں کہ بزدل آدمی کا خون خشک ہو ہو جاتا ہے۔

خوف دل کی بیماری ہے

اخلاقی جرأت کی عورتوں میں ضرورت

بزدلی اور خوف دل کی بیماری ہے اور برصی چیز ہے خواہ جسمانی کمزوری ہو یا دل کی کمزوری دونوں نہایت شرمناک اور بدنام ہیں اور ان میں ایک قسم کی کراہت اور سفاہت پائی جاتی ہے۔ ایسا دنیا میں کونسا شخص ہے جس پر نکالیت اور مصائب نہ پڑتی ہوں لیکن اس حالت میں بھی انسان کو ضبط اور خود داری سے کام لینا اور اپنی وقت کو قائم رکھنا چاہیے۔ اخلاقی جرأت کی عورتوں میں بھی بہت ضرورت ہے۔ یہ عورت کی محافظ اور نگہبان ہے اس کی عقل کو سبب اور اس کو ٹھکانے رکھتی ہے اور اس کی عزت و آبرو بقاء رکھتی ہے جس صورت چاندنی کی طرح چاروں میں نازل ہو جاتا ہے لیکن دل کی صفائی اور رویہ کی خوبی جو بڑا پائے زیادہ بڑھتی جاتی ہے اور اس کی چمک دمک کبھی کم نہیں ہوتی پاکدامن سچے مستعد جفاکش اشخاص کی مثالیں دنیا میں ہمیشہ قائم رہتی ہیں اور ان کے نام اور ان کے کاموں کے افسانے تاریخ کے صفحوں پر لکھے جاتے ہیں۔ اونچی زندگی دوسروں کے لیے چراغ ہدایت ہے کہ لوگ ان کی مثال پر چلتے اور ان کی طریقہ پر کار بند ہوتے ہیں۔ مستعد اور جری آدمی دنیا کے راہنما دنیا کے حکمران ہوتے ہیں۔ اور کمزور طبیعت والوں کا اون کے بعد کوئی نام و نشان بھی نہیں جاتا۔

۳۔ استقلال

ترقی خواہ کیسی ہی عمدہ اور اعلیٰ کیوں نہ ہو اور اس کے حصول کے لیے خواہ کتنی ہی سعی کی جائے ایک دفعہ ہی حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ جس طرح کسان بیج بو کر فصل کا انتظار کرتا ہے سیدھی سعی و کوشش کے نتیجے کے لیے صبر و استقلال سے انتظار کرنا چاہیے۔

کامیابی کے لیے استقلال ضرور ہے

جو شخص کسی مینار پر چڑھنا چاہتا ہے وہ زمین کی ہر ایک سیڑھی پر ایک ایک کر کے چڑھتا ہے یہی حال ترقی کا ہے کہ رفتہ رفتہ حاصل ہوتی ہے محنت کے بعد صبر سے انتظار کرنا اور اضطراب میں کام خراب نہ کرنا ترقی کا راز ہے۔

استقلال
کے فائدے

دنیا میں کوئی بڑا کام کرنے اور نام و نمود حاصل کرنے یا کسی بڑی کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضرور ہے کہ طبیعت میں استقلال کے ملکہ کو راسخ کیا جائے۔ صرف بڑے بڑے کاموں ہی پر منحصر نہیں یہ صفت چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی بہت مدد دیتی ہے اور انسان کے ہر فعل سے ظاہر ہوتی ہے۔ مستقل مزاج آدمی بہت سے ناگوار اور مشکل امور پر فتح پالیتے ہیں اور ہر کام جس کا ارادہ کر لیں خواہ دیر ہی میں کیوں نہ ہو۔ کر کے چھوڑتے ہیں۔ ناامیدی ان کے پاس نہیں پھٹکتی اور وہ خوف و خطر کا نام نہیں جانتے۔ وہ جس کام پر کمر بستہ بندھ لیتے ہیں اس میں پوری توجہ پوری کوشش سے کام لیتے ہیں اور جب تک پورا نہ کر لیں انہیں چین نہیں آتا۔ حصول مدعا کی دھن ان کو ایسی لگی ہوتی ہے کہ کوئی مشکل انہیں اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتی۔ جو لوگ کسی کام کو مشکل سمجھ کر نہیں کرتے یا ادھر ادھر چھوڑ دیتے ہیں اصل میں ان کو وہ کام کرنا مقصود ہی نہیں ہوتا۔ ان کے ارادے بہت متزلزل ہوتے ہیں اور کچھ دل سے وہ کسی مقصد کو حاصل کرنا نہیں چاہتے لیکن لوگ متکون مزاج اور خام طبیعت کہلاتے ہیں مستقل مزاج آدمی بہت سوچ سمجھ کر ایک مدعا معین کرتا ہے لیکن جب وہ اس کے حصول کی کوشش شروع کر دیتا ہے تو یہ حال کیسے بغیر نہیں چھوڑتا۔ امید زندگی کی روح ہے لیکن استقلال و رازداری کا استحکام کو بغیر کوئی امید پوری نہیں ہوتی مشکلات کے مقابلہ کرنے سے بہت مشکلین آسان اور بہت عقصے حل ہو جاتی ہیں اور بہت سی باتیں جو پہلے محال بلکہ ناممکن معلوم ہوتی تھیں ممکن ہو جاتی ہیں لیکن جو لوگ ہر کام میں ہاتھ ڈالتے ڈرتے ہیں اور ذرا اسی دقتوں کی برداشت کرنے سے دم چراتے ہیں ان کو ہر کام مشکل اور ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کامیابی کا راز یہ ہے کہ اول تو جس کام کے لیے جو وقت مناسب اور مقرر ہے اس کو نہ ٹالا جائے اور جو کام شروع کیا جائے اس کی تدبیر کو چھوڑ کر سوچ سمجھ کر اس کے پورا کرنے میں پوری قوت صرف کی جائے۔ انسان کو اپنی راستی اور اپنے

کامیابی کا راز

ارادہ کو ایسا غیر مستقل نہیں چھوڑنا چاہئے کہ تنکے کی طرح پانی کی رو اور ہوا کے جنوں کوں سے بہتا اور اڑتا پھرے بلکہ ایک مدعا غور و فکر کے بعد مضبوطی قائم کر کے اوس کے حاصل کرنے میں کامل سعی کرے نوجوان آدمی جب ایک مدعا اچھی طرح سے قائم کر لیں اور اوس کے حاصل کرنے کے لئے صحیح راستہ چلیں تو ضرور حصول مراد میں کامیاب ہوتے ہیں جب انسان اوس عمر میں پہنچ جائے کہ قہیح و غلط میں تمیز کرنے لگے اوس وقت اوس کو اپنی زندگی کے لئے کوئی کلمہ کوئی مدعا معین و قائم کرنا لازم ہے۔ اگر اس وقت انسان استقلال کی عادت نہ ڈالے گا۔ تو آئندہ اوسکی طبیعت میں الوالعزمی مستعدی و قوت نہ ہوگی اور اوس تمام افعال غیر منظم پریشان ناسنکھ صادر ہوں گے۔ استقلال ایک کام کے پیچھے بڑھانے کی قوت کا نام ہے۔ اس کام کی پہچانی یا برائی قوت تمیز اور عقل پر منحصر ہے۔ اگر استقلال انسان ذہیم میں ہے تو مذموم ہے اور مساعی جمیلہ میں ہے تو محمود ہے۔

کسی کام کے کرنے یا کسی مقصد کے حاصل کرنے میں متواتر سعی کرنے میں ہی استقلال کام نہیں آتا۔ بلکہ استقلال کا دوسرا پہلو عزیمت نامہ ہے خصوصاً لالچ کے روکنے میں اور عہد پر قائم رہنے میں استقلال کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ انسان خواہشوں اور لالچ سے خالی نہیں ہے بہت سے موقع ایسے پیش ہوتے ہیں کہ اوس کو کسی ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے کی ہمتی یا جابجائز منفعت کے حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے ایک طرف لالچ اوس کے دل کو گھیرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف کائنات اوس کو روکتا ہے مستقل مزاج آدمی کائنات کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ اپنے عہد اور ایمان کی ہدایت پر قائم رہتا ہے اور جو راستہ بازی میں ٹھکان لے اوس سے نہیں گزرتا۔ لالچ اور خیالات فاسد اوس پر قبضہ نہیں کر سکتے۔

جس طرح تیر کو چونک نہیں لگتی اسی طرح اغراض دنیویہ اوس کے دل پر اثر نہیں ڈال سکتے اگر انسان ایک دفعہ ان لالچوں کو مردانہ وار روکے تو پھر اوس میں ہمیشہ طبیعت پر قابو بائیکا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر ایک بار مغلوب ہو گیا تو پھر سنبھلنا مشکل پڑ جاتا ہے۔ یہ عادت اوائل عمر میں جلدی پڑتی ہے کیونکہ اس زمانے میں طبیعت ملکات روئیسے مغلوب نہیں ہوتی اور اوس میں ہر قسم کے تغیر و اصلاح حاصل کرنے کی قوت ہوتی ہے۔

خشکیں انسان کو
بچھڑاتی ہیں۔

خشکیں تو مومن کو
ہمت بڑھاتی ہیں

انسان سہولت و تن آسانی۔ آرام و راحت سے نہیں بلکہ مشکل و دقت میں ٹپنے اور مصیبتیں جھیلنے سے آدمی بنتا ہے دقتیں انسان کے لیے بھٹی کا کام دیتی ہیں جو انسان کو ہر جہد کا دیتی ہیں یا استاد ہیں کہ مار مار کر دانش و عقل سکھاتی ہیں انسان کامیابی سے زیادہ ناکامی سے ہوشیار ہوتا اور تجربہ حاصل کرتا ہے دنیا کی بڑی بڑی ایجادوں اور مہتمم بالمشا کا سونے کے آغاز میں ہمیشہ پہلے ناکامی ہی جو لوگ بلا سعی و کوشش کے دنیا میں فتح حاصل کرتے ہیں وہ عزت حاصل نہیں کرتے۔ دقتیں چاہے کمزور آدمی کو ڈرامیں لیکن عالی ہمت اشخاص میں ہمت زیادہ کرتی ہیں اور وہ مصائب کے مقابلے میں مردانہ واکھڑی رہتے ہیں مشکلات کا درسہ صرف افراد انسانی ہی کے لیے اخلاق کا سبق آموز نہیں ہے بلکہ اقوام کے لیے بھی ایسا ہی مفید اور بکار آمد ہے۔ کیونکہ جب وہ مشکلوں میں گرفتار ہو جاتی ہیں تو ان سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اور نئی نئی تدبیریں سوچتے اور ایجادیں کرتے ہیں اور ان کی ہمت و جرات از سر نو خود کراتی ہے اور کہیں وہ سر ہاتھ پر رکھ کر جان پر کیل جاتے ہیں اور ملک کو ظلم و ستم جو ر و تعدی بدامنی اور جبر سے رہائی دیتے ہیں جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو انسان یا تو پہلے کی نسبت زیادہ زود حال ہو جاتا ہے یا زیادہ خوش حال بن جاتا ہے اگر وہ اس مشکل سے دب گیا تو ہمیشہ کے لیے گنہگار ہو گیا اور اگر اس نے ہمت و جرات سے کام لیا اور مشکل پر فتح پائی تو اس کی طاقت۔ جرات۔ غم۔ تجربہ۔ علم بہت بڑھ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک شخص معرکہ کارزار میں رہ کر سپاہی بن جاتا ہے اور پہرہ اسے میدان جنگ سے ڈر نہیں لگتا اسی طرح الو العزم انسان کو ایک مشکل پر عبور کر کے دوسری مشکلات آسان معلوم ہونی لگتی ہیں۔ اول اول طبیعت پر جبر کرنا اور اقتضا و طبیعت کے خلاف کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب عادت پڑ جاتی ہے تو وہی افعال جو پہلے مشکل معلوم ہوتے تھے سہل معلوم ہونی لگتے ہیں۔ عادت سخت سے سخت کام کو اتنا آسان کر دیتی ہے کہ اس کے کرنے میں ذرا بھی دقت اور تکلیف نہیں معلوم ہوتی۔ یہ تہر پہوڑے سارے دن پہاڑ کاٹتے ہیں مگر ذرا نہیں تھکتے۔ ہر کارے بارش دھوپ اور سردی میں راتوں کو ڈاک کے خریطے لیکر میلون بہا کے جاتے ہیں اور ذرا بھی اونہیں تکلف نہیں ہوتا۔ یہ اعضا ہی جسمانی کی عادت کا نتیجہ ہے اسی طرح اگر قوار

عادت

دلی اور داعی کی محنت کی عادت ڈالی جائے تو وہ ایسے ہی مشاق اور عادی ہو جاتے ہیں اور میں ثبات و استقلال کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ عادت کا اثر پہلے کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا اور انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اوس میں کوئی نئی کیفیت ایچی یا بری پیدا ہو گئی ہے لیکن جب ترک عادت کرے اوس وقت معلوم ہوتا ہے کہ انسان عادت کے شکنجہ میں کس قدر جکڑا ہوا ہے۔ محنت۔ ویانت۔ خود داری۔ خود اعتمادی۔ بلکہ تمام قوت عمل کا دار و مدار صرف مسائل کے جانتے پر نہیں بلکہ عادت پر ہے جس شخص کو استقلال کی قوت حاصل ہے وہ نیک کام کر سکتا ہے بڑی باتوں سے بچ سکتا ہے مصیبت کے وقت اوس کا چال و چلن اور بھی چمک جاتا ہے اور صرف اس عادت کے طفیل وہ ناکامی کے وقت پریشان نہیں ہوتا اور ثبات قائم رہتا ہے۔

۵۔ عزیمتِ تامہ

ایک حکیم کا قول ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے اوس شخص سے بہتر ہوا ایک شہ پر قبضہ رکھے اپنے آپ پر قبضہ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے مزاج میں ایسا ٹوٹن نہ ہو کہ ذرا سی بات اوس کے ارادوں کو توڑ دے یا ذرا سالانچ یا تھوڑا سا خوف یا کوئی وناہ کی امید یا نقصان سے بچنے کی خواہش اور کسی صحیح رائی کو جو کسی امر کی نسبت ایک دفعہ قرار پائی ہے بدل دے بلکہ طبیعت میں ایسا استقلال پیدا ہو جائے کہ ایک بار بعد دل میں ہٹان لے پہر کسی طرح اوس سے نہ ٹٹے اور جو ارادہ کیا ہے اوس مقصد کو حاصل کر کے چھوڑے۔ اسی کا نام عزیمتِ تامہ ہے۔

بعض لوگوں کے ارادے اور غزم ایسے ضعیف ہوتے ہیں کہ وہ بہت جلد ایک حالت سے دوسری حالت پر بدل جاتے ہیں اور یہی حال دل کی رائی کا ہوتا ہے کہ کبھی کچھ ہے اور کبھی کچھ۔ وہ کسی امر یا کسی ایچے یا بڑے کام کے اختصار یا ترک کر کے زمین ذرا سی شامل نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو دوسروں کا اثر یا دل کی رائی نہایت آسانی سے اپنی طرف بہیر لیتی ہے یا دل کے خیال کو بدل دیتی ہے۔ وہ اگر کسی بڑے کام پر نہیں ٹکتے تو کسی سلی بات پر بھی قائم نہیں رہتے یہ سچ یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقت اور کی طبیعت پر نقش نہیں ہوتی اور وہ جانتے ہی نہیں کہ غزم یا غزم کیا ہے یا ایسے آدمی کو طبیعت بے توجہ۔ دوسروں کے کہنے پر

چلنے والے۔ دوسروں کی رائے کے تابع۔ عاجز اور غافل ہوتے ہیں اور ان میں عزیمت نامہ کا نام نہیں ہوتا یا یہ صفت بہت کم ہوتی ہے۔ اس واسطے یہ ضرور ہے کہ استقلال کی عادت ڈالی جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس صفت کو ترقی دی جائے اس کے بغیر آزادی حاصل ہوتی ہے نہ خصائل میں پائیداری اور استقامت۔ عزیمت نامہ کے بغیر انسان امر حق کو اس مرتبہ پر نہیں قائم رکھ سکتا جو اس کے شایان ہے نہ انسان کے اخلاق ایسے پختہ ہو سکتے ہیں کہ ان میں کبھی فرق نہ آئے۔

عزیمت نامہ کے لئے
علم و قوت تیز کی
ضرورت ہے

عزیمت نامہ چونکہ اس پختہ ارادہ کا نام ہے جو کسی کے بدلے نہیں بدل سکتا اس واسطے یہ عادت اگر بے سوچے سمجھے اختیار کی جائے اور صرف نیک و قابل اختیار امور میں اس کا استعمال نہ کیا جائے تو یہ صفت افعال قبیحہ کے صدور بلکہ مستحکم ہونے کا آلہ بن جاتی ہے اور نہایت مضرت پہنچاتی ہے مثلاً اگر عزیمت نامہ ظالموں میں ہوگی تو ان کے جبر و تعدی کی انتہا نہ رہے گی۔ اگر لیٹروں میں ہوگی تو ان کی غارتگری اور بربادی کی حد نہ ہوگی اس واسطے کسی رائے یا کسی فعل کو اس قدر استحکام کے ساتھ اختیار کرنے سے پہلے اس کے ہر ایک پہلو پر غور نظر ڈالنی ضرور ہے اور یہ سوچ لینا چاہئے کہ یہ فعل جو ہم اختیار کرتے ہیں دراصل محمود ہے اور کائنات یا نفس ناطقہ یا عقل کے اقتضا کے موافق ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ ہماری ذات اور ان تمام اشخاص کے لئے جن پر اس کا اثر پڑ سکتا ہے مفید اور اصول اخلاق کے لحاظ سے محمود ہوگا جو لوگ اپنے غم پر یا استقلال قائم رہنے کی عادت ڈالنا چاہتے ہیں ان کی نظر وسیع اور رائے صائب ہونی چاہئے اور پہلے بھلے برے کی تمیز حاصل کرنا اور افعال قبیحہ اور اعمال حسنہ میں شناخت اور امتیاز کرنے کی قوت پیدا کرنا لازم ہے اور اس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔

عزیمت نامہ
کے فوائد

فی الحقیقت طبیعت انسان میں دو اے متضاد موجود ہیں جن کا مبداء نفس قہری اور نفس شہوانی ہیں۔ خواہشات شہوانی کے خراب اثرات کو روکنے اور جذبات پر قابو رکھنے کی ہر وقت ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر ان خواہشوں کو جلد نہ روکا جائیگا تو وہ طبیعت پر اس قدر حاوی ہو جائیں گی کہ ان کا ترک کرنا شاید محال ہو پس عزیمت نامہ یعنی افعال و اقوال کی نگہداشت ہی ایسی

چیز ہے کہ انسان کو انسان کامل بناتی ہے لایکون الحکیم حکیمًا حتی تغلب جمیع شہواتہ
محتاط شخص کبھی خواہشات کے جھوکوں سے نہیں ڈگمگاتا بلکہ ہمیشہ تحمل و استقلال کو کام میں
لاتا ہے اور اپنے ارادہ و افعال و اقوال پر قابو رکھتا ہے صرف احتیاط ہی تمام خوبیوں کی جڑ
ہے اور احتیاط ہی ایسی چیز ہے کہ لالچ اور نازیبا افعال سے بچا سکتی ہے خواہ شاہی طبعی
پر فتح پانی ملک پر فتح پانے سے زیادہ مشکل اور زیادہ قابل تحسین ہے اور جب تھوڑی سی
مشق اور تھوڑے سے زمانہ میں طبیعت پر قابو حاصل ہو جاتا ہے تو خود داری - اعتدال
استقلال - انکسار - پابندی قواعد - کفایت شعاری - پرہیزگاری اور اوراد و صاف حمیدہ
حاصل ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ ذرا گراں نہیں گزرتے - کیونکہ
عادت قانون قدرت کی طرح اخلاق پر اثر ڈالتی ہے اور تمام اوضاع و اطوار کو نامعلوم طور پر
شائستہ اور مندرجہ اور پسندیدہ کر دیتی ہے - ہمیں زندگی کو اُمید اور مسرت کی نظر سے دیکھنا چاہئے
یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ اول ہی سے بشارت نیک مزاجی خوش طبعی کی عادت ڈالیں
یا انقباض فکر اور ترش روی کی - پس جیسا انسان کی طبیعت میں عادت کو بڑا دخل ہے اور کسی بھی
برائی عادت کا اختیار و ترک اقتدار بشری میں ہے تو جو لوگ طبیعت کے محکوم بن کر خصائل
روئیدہ اختیار کر لیتے ہیں وہ معذونہیں سمجھے جاسکتے - عادت معراج کمال پر پہنچاتی اور عادت
برباد کر کے چھوڑتی ہے اس لئے لازم ہے کہ انسان خود اپنے واسطے عمدہ قواعد مقرر کرے
اور ان پر سختی سے کار بند ہو کر انسانیت کے فرائض ادا کرنے کی کوشش کرے - جن
لوگوں نے دنیا میں اعلیٰ اعلیٰ ترقیان کی ہیں وہ اپنے انضباط پر ہمیشہ سختی سے کار بند ہیں
اور جس قدر زیادہ پابندی کی ہے اسی قدر اخلاقی حالت میں ترقی ہوئی ہے - کیونکہ تحمل
احتیاط اور خود داری شاہراہ زندگی کو صاف کر دیتے ہیں اگرچہ دنیا میں ترقی و کماوت اور
عقل سے ہوتی ہے مگر انضباط اور پابندی کی عادت کو بھی بہت بڑا دخل ہے -

وہ شخص نہایت جو اندر ہے جس نے اپنے تئیں ایسی ایسی عادتوں کا پابند کر رکھا ہے

جو نیکی کے راستے سے کبھی ہٹنے نہیں دیتیں اور جو ارادہ وہ ایک بار کر لیتا ہے اوس سے

لے کوئی شخص حکمت والا نہیں کہلایا جاسکتا جب تک کہ اپنی تمام خواہشوں پر قابو نہ پالے -

انسان صرف
کوشش ہے
کامیاب یا ناکام

کوئی انعام کوئی لالچ کوئی ڈر کوئی خوف حتیٰ کہ کوئی ضرورت ہی اوس کو باز نہیں کر سکتی
غریبت تمامہ خود انسان کے اپنی طبیعت پر اختیار اور اقتدار حاصل کرنے سے حاصل
ہوتی ہے اور انسان صرف اپنی کوشش سے اس میدان میں قائم رہ سکتا ہے اگر دوسرے
لوگ اسے سہارا دیں بھی اور دنیا کی شرم یا سوسائٹی کے دباؤ سے وہ کچھ روز سنبھلا
بہرہ رہے تو جب وہ روک جاتی رہے گی تو فوراً گر جائے گا۔

حافظانی شرافت۔ مدرسہ کی تعلیم۔ ملک کا قانون اور لوگوں کا رتبہ بلند نہیں کر سکتا
جنہوں نے اپنے اختیار کی باگ خواہشات نفسانی کی انتہہ میں پھیلی ہوئی خوشیاں جو شہوانی
جذبات کے پورا کرنے سے ہوں انسانیت کو کہودیتی ہیں اور تمام قوتوں میں کمزوری اور تنزل پیدا کرتی
دنیا کے ہر کام کے حصول کے لیے خواہ وہ دنیوی ترقی اور بہبود کی غرض سے ہو
یا اخروی نجات اور سعادت دارین حاصل کرنے کے لیے ہو طلبِ مادی اور غمِ بالجرم اور استقلال
کو بہت بڑا دخل ہے کسی کام کے کرنا محض ارادہ کر لیا جائے تو کامیابی کا نصف درجہ
حاصل ہو جاتا ہے تمام مشکلین اور دقیقین جو تذبذب اور دو دلی کی لبت میں بہا کی طرح سدراہ
ہوتی ہیں جو انہوں کے مستقل ارادوں کے سامنے ہوا ہو جاتی ہیں کسی کام میں بہت
سہارا اور برابر پوری سعی اور کوشش کیے جاؤ کامیابی کا یقینی طریقہ ہے۔ عالیٰ حوصلہ جو انہوں
جو کسی کا عار اوٹھانا نہیں چاہتے اپنے طائرِ ہمت کے پروبال کو دیکھتے رہتے ہیں اور خواہ
کتنا ہی نازک وقت کیوں نہ ہو صرف اپنی قوت بازو پر بہرہ ور نہ کرتے ہیں اور جن میں بلند چوکی
اور ہمت و استعداد نہیں ہوتی وہ بڑے بڑے ارادے کرتے ہیں لیکن ان کی باتیں ہی نہیں
ہوتی ہیں کہی کر کے کچھ نہیں دکھاتے اور جو کام شروع کرتے ہیں اس میں پورا نہیں ڈالتے
منصوبے باندھتے ہیں لیکن مکمل کو ایک ہی نہیں پہنچتا بلکہ اکثر قصد تو شروع ہی نہیں ہوتے
اور یہ تمام ناکامیاں عدم استقلال اور فقدانِ عہدیت تمامہ سے ہوتی ہیں۔

اپنی طبیعت پر قابو رکھنا بہت بڑی کامیابی ہے اور جب یہ قوت راسخ ہو جاتی ہے
تو اس سے بہت سی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تیز رو اور شہوخ کہوڑے پر سوار ہونا اور
اوس کو قابو میں رکھنا کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے اور اگر کسی غریب لہو جانور پر سوار ہو کر پہرین

کامیابی کا راز

غریب تامل
غشی بخشی

تو ذرا بھی بشارت نہیں ہوتی یہی حال طبیعت کا ہے کہ اوس کے تون کو روکنا اور اپنا رادہ بچھ
 قائم رکھنا مسرت بختا ہے عزمت تامل حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن کوئی کام نہیں مشقتی و دلی
 سہل نہ ہو جاتا ہو۔ انسان کو ازادی چاہی معلوم ہوتی ہے اور خود اپنے تین قید کرنا اور اپنی طبیعت
 پر جبر کرنا بہت برا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ازادی حقیقی ازادی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر انسان اپنی
 طبیعت کو اس طرح مطلق العنان چھوڑ دے تو اسکی غلطیاں سخت سخت مصائب میں پہنچا
 دیتی ہیں پہلے تو دل کا کہا کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس کا نتیجہ نکلتا ہے تو پھر حیران
 رہی بہت بہگمتا پڑتا ہے جب تک انسان پاکیزگی سے زندگی بسر نہ کرے جب تک اپنا
 وقت مفید کاموں میں صرف نہ کرے اوس کو حقیقی خوشی کی امید نہ رہنی چاہیے۔ دل کو
 پاکیزہ اور عمدہ خیالات سے معمور کرنا اس طرح زندگی بسر کرنا کہ گزشتہ زمانہ کا خیال کر کے
 افسوس و حسرت نہ ہو بلکہ خوشی پیدا ہو اور آئندہ زمانہ کی نسبت عمدہ عمدہ امیدیں ہوں اور
 وہ امیدیں بھی خلاف قیاس نہیں بلکہ ممکن الحصول ہوں۔ فکر۔ انقباض۔ تشویش سے دل
 آزاد رہے۔ ہنسی خواہشوں کو روکنا اور شہوانی قوتوں کو اعتدال سے نہ بڑھنے دینا اور
 طبیعت میں نیک کاموں کا میلان پیدا کرنا انسان کو کامیابی بخشتا ہے اور اس کا میاں کی
 حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے جس طرح کپڑا رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اسی طرح خیالات
 کا رنگ طبیعت پر چڑھا رہتا ہے۔ جیسے خیالات ہوں گے ویسے ہی ظہور ہو گا پانی کو صاف
 رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوس میں مٹی اور کوڑا نہ کرنے پائے یہی حال دل کی صفائی کا ہے
 کہ اوس میں بُرے خیالات داخل ہونے ہی نہ پائیں اور عجم و استقلال اس پاکیزگی کو قائم رکھے

۶۔ خود داری

خود داری کی تعریف یہ ہے کہ انسان ایسے افعال سے باز رہے جو اوس کے
 مرتبہ اور پوزیشن کو گھٹانے والے اور اوس کو دوسروں کی نظر میں ذلیل کرنے والے ہوں
 اپنی عزت قائم رکھنا اور اپنی ذات کو عالم میں موقر بنانا جو مرتبہ کہ سوسائٹی میں حاصل ہے اور
 قائم رکھنے کی کوشش کرنا خود داری ہی اور حقیقت پیش بینی احتیاط اور استقلال سے حاصل ہوتی ہے
 خود داری انسان کے واسطے ایک خلعت ہے جو اوس کا مرتبہ ظاہر کرتی اور اوس

خود داری کی
 تعریف

خود داری کے
 اوصاف

مرتبہ کو قائم رکھتی ہے یہ طبیعت کی ایک شریف تحریک ہے جو ترقی کرنے کی محرک اور ممد ی
بجائے خود دار آدمی کہی اپنے جسم کو گناہ سے اور دل کو خراب خیالات سے آلودہ
نہیں کرتا اور ہمیشہ صفائی صبر تحمل - پرہیزگاری - احتیاط عصمت - اخلاق حسنہ اور اصول
مذہب کا پابند رہتا ہے وہ ہمیشہ اپنے مرتبہ کا لحاظ رکھتا ہے اور اسے خیال رہتا ہی
کہ کوئی کام اس سے ایسا سرزد نہ ہو جو اس کی عزت میں دھبہ اور نام میں بٹہ لگائیوا
وہ اپنے تئیں حقیر نہیں جانتا اور اپنے افعال و اقوال سے اپنے تئیں ذلیل نہیں کرتا۔ وہ
حیوان کی طرح زندگی گزارنے پر قانع نہیں ہوتا بلکہ اس کا دل ہمیشہ اپنے حفظ مرتبہ کا خیال رکھتا
کیونکہ اپنے تئیں ذلیل جاننا یا حقیر خیال کرنا نہ صرف اپنی نظر میں بلکہ اوروں کی نظر میں
بھی اصلی پایہ سے گرا دیتا ہے۔

خود داری یا افلاس دور نہیں ہوتا لیکن وہ دنائت اور ابتذال جو جاہمندی اور تہستی
کا خاصہ ہے کم ہو جاتا ہے اور کسی غیب آدمی کا ثابت قدم رہنا اور لالچ کو روکنا یا افعال ذلیل
سے اجتناب کرنا اس کی عزت قائم رکھتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ نہ صرف نفس میں سے
برائیوں کو دور کرے یا خراب جذبات کو روکے بلکہ غیوں کو ترقی دی اور اون کی پرورش کرے
خود داری اور خود پسندی میں یہ فرق ہے کہ خود داری تو اصلی اور سچی لیاقت اور مرتبہ
کا لحاظ کرنا اور اس کو ترقی دینا سکھاتی ہے اور خود پسندی ذاتی مرتبہ یا غیوں کو مبالغہ سے
جھلاتی ہے جو بربادی اور شرم کا باعث ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خود داری اور
خود پسندی میں امتیاز قائم رکھنا ذرا مشکل کام ہے مگر خود دار شخص کہی دوسروں کی ذمہ داری
سے اپنا مقابلہ نہیں کرتا اور کم درجہ کے لوگوں کو حقارت سے نہیں دیکھتا بلکہ ذاتی جوہر و کم
خاک میں ملنے سے بچاتا اور اون کو ترقی دینے کی سعی کرتا ہے۔ وہ اپنے افعال و اقوال
کو ایسا ضبط کرتا ہے کہ اس سے خلاف شان کوئی حرکت صادر نہ ہوتی۔

انکسار فی الواقع عمدہ صفت ہے اور ضرور ہے کہ ہم اپنے عجز اور بے کمالی کا اعتراف
کریں لیکن یہ اس لیے ہے کہ ہم پر خود غلط نہ ہو جائیں نہ یہ کہ اپنے مرتبہ سے کم اور ذلیل حالت پر
انکسار کریں اور خیالات کو پست کر دیں اگر ایسا کریں گے تو ترقی کرنیکی طبعی تحریک مٹ جائیگی۔

خود داری اور
خود پسندی میں
فرق

انکسار

خود داری تکبر اور مذلت کا درمیانی درجہ ہے اور اسی کا نام تواضع ہے۔ تکبر اپنے نفس میں ایسے اوصاف فرض کر لینے کو کہتے ہیں جو فی الواقع نہ ہوں اور مذلت اپنے واقعی اوصاف کو ذلیل کرنے اور ناقدر دانی کا نام ہے اور یہ دونوں مذموم ہیں۔ تواضع یہ ہے کہ دوسرے شخص کی ایسی عزت کی جائے جس کا وہ مستحق ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ اوس کے مقابلے میں اپنے تین ذلیل کیا جائے اگر ایک عالم اپنے سے کم رتبہ عالم کو اپنے بعد درجہ دے تو خود داری اور تواضع کے خلاف نہیں لیکن اگر اوسے جاہل سمجھے تو تواضع کے خلاف ہی یا اپنے سے بڑے عالم کو کچھ نہ جانے تو تکبر ہے۔ تکبر اور خود داری میں تمیز کرنا قوت تمیز اور عقل کا کام ہے اور اپنے مرتبہ پر قائم رہنا انسان کا۔

۷۔ خود اعتمادی

خواہ فرائض ہوں یا تمنائیں اگر اپنے ہاتھ پاؤں نہ بلائے جائیں اور انسان اپنی ذات تکمیل کا بہروسہ نہ کرے تو کبھی پوری نہیں ہو سکتیں ہمیشہ وہ لوگ ناکام رہے ہیں اور رہتے چاہئیں جو اپنے کام دوسروں کی ادا دیا اور ان کے بہروسہ بیچو بڈ میں پیش مشہور ہے کہ کسی کبریٰ اور کون ڈالے گہاس اگر یہ فقرہ خود غرضی یعنی ہرگز ان لوگوں کے واسطے جو زمانہ کی رفتار اور لوگوں کے عادات سے ناواقف ہیں اچھا سبق آموز ہے کہ اگر وہ اپنے کام ٹھیک اور مرضی کے مطابق پورے ہونے چاہتے ہیں اگر وہ دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں اگر زندگی کو بکار آمد اور مسرت بخش بنانے کی آرزو ہے۔ غرض اپنی آرزوؤں اور فرائض کی تکمیل کی تمنا رکھتے ہیں تو اپنی محنت اپنی جانفشانی اپنی نگہبانی۔ اپنی پرداخت۔ اپنی لیاقت۔ اپنے وسائل۔ اپنی استعداد۔ غرض اپنی ذات پر بہروسہ کریں اور بہت محنت۔ استقلال اور پابندی اوقات سے کام لیں تو ضرور ان کو عمدہ عمدہ پہل ملین گے۔ ہماری غرض خواہ کسب کمال ہو یا فرائض منطقی ادا کرنے۔ یا تجارت و صنعت و حرفت میں ترقی۔ یا حصول دولت غرض کوئی کام ہو پوری طاقت اور محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ فرما انسان کو عقل و دانش کے ذرائع بخشے ہیں کہ وہ اپنی مراد تک پہنچ سکے اور محنت کرنے اور ذرائع کو مناسب

ہر مسئلہ
حل کرتی ہے

طوریہ کام میں لانے کی عادت ہونی چاہیے من طلب شیا وجد^۱
اگر سرانجام امور میں درستی کی ضرورت ہے تو تمام سعی موجودہ مشکل کے دور کرنے میں
صرف کرنی چاہیے نہ یہ کہ مشکلوں کے حل کرنے سے جی چھوڑ دیں یا جلدی سے اپنے ارادہ
کو تبدیل کر دیں۔ دنیا میں بڑے بڑے کام۔ بڑی بڑی فتوحات بڑی بڑی دریافتیں
اعلیٰ اعلیٰ ایجادیں مشکلیں سے نہ کر ہوتی ہیں مگر ہر نئی مشکل ایک نئی معلومات اور مسرت کا
منبع ہوتی ہے۔ مشکلیں حصول مراد میں سد راہ نہیں بلکہ مدد ہوتی ہیں کیونکہ شوق کی آگ
بہرکتی ہے اور دماغ میں زیر کی اور حل مشکلات کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ ان مشکلات نے محنت اور برداشت کی غیر معمولی قوت پیدا کر دی اور ذکاوت و ذہانت
کے دروازے کھول دئے لوگوں نے دولت اور ذاتی قوت کے ادا زہ کرنے میں غلطی کی
ہے۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ دولت کو بکار آمد جانتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دنیا میں دولت
ایک حد تک بکار آ رہی ہے لیکن نہ اتنی جس قدر کہ خود اعتمادی اور ذاتی قابلیت۔ یہ ایسے
جوہر ہیں کہ انسان کو دنیا میں عزت اور ناموری حاصل کرنا سکھاتے ہیں۔ دنیا میں جتنے ایسے
لائق و قابل آدمی گزرے ہیں جنکی پیش بہا تصانیف اور اعلیٰ خیالات سے ہم اپنے دل و
دماغ آراستہ کرتے ہیں یا جن کی پیش قیمت ایجاد اور نادر صنایع ان دنیا کی تہذیب و شائستگی
اور اسکی ترقی کی نشانیاں ہیں دولت مند آدمی نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنی محنت و جانفشانی
اور اپنے ذاتی جوہروں سے یہ نام روشن کیا اور وہ کام کیے کہ آج ایک عالم ادن کے گدا
کا مداح اور منمن ہے۔ دولت انسان کو تن آسانی آرام طلبی سکھاتی اور عیش کا بندہ بناتا
ہے اور وہ اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ کسی وقت بھی مشکل کے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں
رہتا اور اس کے دل کا وہ جوش جو انسان کو بلندی اور عروج کی طرف او بہا رہا ہے سرد
ہو جاتا ہے۔ دولت مند کی حالت میں ہی جو لوگ الو العزمی کے کام کرتے ہیں ادن میں تنقلا
وہمت پیش بینی دور اندیشی کے جوہر موجود ہوئے ہیں۔

خود اعتمادی
انسان کو محتاط
رکھتی ہے

خود داری اور خود اعتمادی ایسے اوصاف ہیں کہ انسان کو مقروض ہونے سے روکتے

ہے جس نے طلب کیا کسی شے کو اور اس کے لئے کوشش کی اس نے پایا

ہیں کیونکہ اوس کا دل نہیں مانتا کہ کسی کا ممنون ہو اور اوردن کی دولت سے فائدہ اوٹھائے بلکہ ہمت کا شہباز اپنے ہی پروال کو دیکھتا رہتا ہے اوس سے یہی نہیں ہو سکتا کہ لالچ کو دل میں جگہ دے اور بغیر استحقاق کسی چیز پر اپنا قبضہ کرے یا کسی کی حق تلفی رو ارکے۔ وہ سفارش سے نہیں بلکہ لیاقت سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے اوسکی غیرت نہیں گوارا کرتی کہ اور تو اور اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں پر یہی بہرہ دہ کرے اور سچ یہ ہے کہ وہ بہرہ دہ کے قابل ہوتے ہی نہیں کہی امید نہ رکھنی چاہیے کہ کوئی دوسرا شخص خواہ کیسا ہی قریبی ہو کچھ کرے گا بلکہ کہنا کا قول ہے کہ خود داری و خود اعتمادی اسے چشمہ سے پانی پینا اور دستخواہی سے کھانا اور معاش کیواسطے خود محنت کرنا سیکھتی ہے **صَبْرُكَ عَلَى الْاَكْتِسَابِ خَيْرٌ مِنْ جَلْبِ اِلَى الْاَكْتِسَابِ** انسان کی عادتوں پر ہزاروں طرح کے اثر اور پرتو پڑتے ہیں مختلف مثالیں اور مسائل۔ لوگوں کے حالات اور سوانح عمری۔ کچھ دیکھی اور سنی باتیں۔ علم ادب و کتب۔ احباب کے جلسہ پڑوسیوں کے چال و چلن۔ دنیا کے تمام کاروبار اور اشیا مختلف منظر۔ خود آبا و اجداد کی طبیعت اور تعلیم کا ورثہ یا تین عادات پر نا معلوم اثر ڈال کر ایک ہیئت پیدا کرتی ہیں لیکن اگرچہ یہ امور نہایت موثر اور قوی ہوتے ہیں مگر اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ انسان اپنے تئیں بہرہ دہ کاموں اور بہبودی کا خود ہی کارکن ہے اور اگرچہ اور لوگوں کی چیز خواہی کسی قدر کیون نہ ہو مگر صرف اپنی مدد آپ ہی کیے بن آتی ہے۔

بلند ہستی

اپنے ہاتھ پاؤں۔ اپنے وسائل۔ اپنا رویہ۔ اپنی تدبیر پر بہرہ دہ کرنا اور متوکل علی اللہ مشکلات کا مقابلہ کرنا ہی طاقت۔ ہمت اور زندگی ہے اور جہاں ہمت ہی نہ ہو وہاں کیسی بے بسی اور بے یاری اور بے مددکاری اور ساری حیران نصیبی اور مایوسی کے سامان جمع ہیں۔ حالی ہمت آدمی پانی کی رو کی طرح اپنا راستہ آپ تلاش کر لیتے ہیں اور نہ صرف خود منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پار لگا دیتے ہیں عالی ہمت لوگوں کا ہر ایک کام اپنی وقعت اپنی قوت۔ اپنی لیاقت اپنی آزادی کی دلیل ہوتا ہے اور خواہ خواہ لوگ انکی دل سے عظمت عزت کرتے ہیں بلکہ خدا ہی انکی عزت اور انکی مدد کرتا ہے

لے اکتساب پر مدد کرنا اس بات سے بھلو بہتر ہے کہ یاروں کے پاس حاجت لے جائے۔

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق باشد بخت در بہت تو اعست بار تو
جو مدد کہ دوسرے لوگوں سے ملے وہ بجای تقویت دینے کے دل کو کمزور کرتی ہے
کیونکہ طبیعت دوسروں کا سہارا دہنڈ ہتی اور غیروں کی معاونت کی ایسی عادی ہو جاتی
ہے کہ خود کوئی کام نہیں کر سکتی خود اعتمادی کی قوت جب قوم کے بہت سے افراد میں بھج جائے
تو قومی ترقی اور قومی بہبودی کا سبب ہوتی ہے اور جو قوم کہ دوسروں کی معاونت کی
محتاج ہیں وہ ہمیشہ رعایا بن کر رہتی ہیں اور رعایا بھی نہایت کمزور نہایت زلیل و ذلیل
بے وقعت - رفتہ رفتہ اون میں سے یہ قوت ہی سلب ہو جاتی ہے کہ وہ خود کوئی کام کر سکیں
بلکہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں گورنمنٹ کی دستگیری اور اعانت کی محتاج رہتی ہیں یہاں تک کہ
وہ خود ایسے بچوں کو تعلیم بھی نہیں دے سکتیں جو شخص اندھا ہند کبھی شخص یا کسی
قوم کی مدد کرنے پر تل جاتے ہیں وہ دراصل اون کو کمزور کرتے ہیں - خواہ ایک شخص ہو یا ایک
قوم صرف اپنے دل اور اپنی ذات کی قوت پر بہرہ و سہ ہی ترقی کرتا اور پایہ بلند کرتا ہے -
خود اعتمادی میں قوت فیصلہ اور مستعدی کی بہت ضرورت ہے جن لوگوں میں ان
دونوں اوصاف کی کمی ہوتی ہے وہ اپنی راسی - اپنے کام - اپنی قابلیت اور اپنے ذرائع پر
بہرہ و سہ نہیں کر سکتے ایسے لوگ کسی مہتمم بالشان کام کا ارادہ ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی
ہیں تو اون کو یقین نہیں ہوتا کہ ہم اس کو پورا کر سکیں گے - یہ اکثر بڑی تربیت کا اثر ہوتا ہے
کہ عموماً والدین اولاد کے کل کاموں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتے ہیں اور بچوں کو کسی ملہ
میں عقل یا مانتہ پاؤں کو کام میں لایا کا موقع نہیں ملتا - اس طرح یہ صفات اون میں پیدا ہی
نہیں ہوتے اور دوسروں کے سہارے کام کر نیکی عادت ایسی راسخ ہو جاتی ہے کہ جب وہ دنیا
کے میدان میں کام کرنے کو چھوڑ دے جاتے ہیں تو ایسے پرندے کی طرح ہوتے ہیں جو مدت
نفس میں بند ہو اور اویں کے پرو بال شل ہو گئے ہوں -

ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگ بہت جلدی نتائج نکلنے کی امید کرتے ہیں اور
اگر اس قدر جلدی کامیابی نہ ہو تو شکستہ خاطر ہو جاتے ہیں یہ قوت استقلال کی کمی کا نتیجہ ہے
وہ علم یا قابلیت کو تجارت کی شے سمجھتے ہیں اور اگر وہ فوراً خاطر خواہ دامون پر نہ بکے تو اون کا دل

دوسروں کی
معاونت کا
بر اثر

خود اعتمادی
کی تعلیم

کوشش

چھوٹ جاتا ہے لیکن نہیں وہ کچھ رکاوخت ہے کہ اگرچہ دیر میں پہل لائی لیکن بہت میٹھے اور مزیدار پہل لاتا ہے
 انسان کو اپنی زندگی کا ایک مدعا قرار دینا چاہئے اور جہاں تک اس کے اختیار میں
 ہو اس کو اعلیٰ اور برتر قرار دے اور تمام جائز وسائل اس کے حاصل کرنے کے استعمال کرے
 اعلیٰ مرتبہ کے حصول کی کوشش ہی انسان کو بالضرور کسی قدر اعلیٰ بنائی بغیر نہیں چھوڑتی اور
 اگر وہ اقصیٰ الغایات ترقی پر نہ پہنچے تو بھی اس سعی میں ایک خاص درجہ تک پہنچ جاتا ہے
 اور شاید ان سے بہتر رہتا ہے جنہوں نے کسی بلند مقصد کی طرف آنکھ اٹھا کر ہی نہیں دیکھا
 جو لوگ ترقی کی سعی نہیں کرتے وہ اس حالت پر قائم نہیں رہ سکتے جس پر وہ ہیں بلکہ اس
 گریٹن کے ایک حالت پر قائم رہنے کے لیے بھی ہاتھ پر ہاتھ دہر کر بیٹھنا نہیں بلکہ
 ترقی کی کوشش کرنی چاہیے اگر ایک تہہ ہو امین اچھا لا جائے تو یا تو وہ بلندی کی طرف جا بیگا
 یا زمین کی طرف گر گیا نہ ممکن بات ہے کہ بغیر زمین پر گری وہ کہیں قائم رہ سکے۔ دنیا میں ہی
 حال افراد انسانی بلکہ اقوام کا ہے جو لوگ اپنی کسی حالت پر قانع ہیں یا جن کو کمالی اور
 افسردہ دلی یا ناامیدی یا بے سبب سے زیادہ ترقی کا خیال نہیں وہ یہ سمجھیں کہ ان کی
 موجودہ حالت قائم رہے گی بلکہ روز بروز اس قدر انحطاط ہوتا جائیگا کہ ایک روز وہ خاک میں
 مل جائیں گے۔ موجودہ حالت کو سنبھالنے کے لیے سب سے بہت اور کوشش کی ضرورت
 ہے۔ گاڑی کو آگے ڈھکیلو وہ ضرور بڑھے گی اور اگر نہ بڑھے گی تو پیچھے تو نہ مٹے گی۔ ہماری
 قوم میں ایسے کم ہمت اور مردہ دل لوگ موجود ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اب ہم کچھ کر ہی
 نہیں سکتے اور اگر کوئی قومی یا علمی خدمت کرنے کھڑا ہو جائے تو اس پر ہنستے اور اس کی
 کوششوں کو فضول و بیکار بتاتے ہیں قوم میں ان لوگوں کا وجود درخت کے کیڑوں کی
 مانند ہے۔ جو درخت کو کھاتی اور پہلوں کو خراب کرتے ہیں۔ یہ خود تو کام کرنا اور شریک ہونا
 جانتے ہی نہیں بلکہ کام کرنے والوں کی ہمت کو بھی توڑنا چاہتے ہیں اور اگر ایسی جماعت
 کی کثرت ہے کوئی مفید تجویز نہ چلے یا قوم کو کوئی نقصان پہنچے تو یہ لوگ اس کو اپنی
 دور اندیشی اور اصابت رائی پر محمول کرتے ہیں۔ یہ خیالات ایسے کم فہم لوگوں کے
 زیادہ ہوتے ہیں جن میں کسی کام کی قابلیت نہیں ہوتی لیکن اپنے تئیں عقلمند ظاہر کرنا چاہتا

کہ بہت قوی
 سترال کتاب
 ہے

ہیں۔ یا وہ خود غرض اور مردہ دل اشخاص جن کو قوم کی حالت کی خبر ہی نہیں۔ اور وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ قوم کی ترقی یا تنزل کیا چیز ہے اور افراد انسانی پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اور چونکہ بعض اتفاقات سے خود اون کی حالت (اگرچہ بلحاظ سامان ظاہر ہو) دوسروں کی نسبت کسی قدر بہتر ہوتی ہے قوم کے درد کا احساس انھیں نہیں ہوتا۔ لیکن نتائج سے یہ لوگ محفوظ نہیں رہ سکتے۔ زمانہ کی چلی چھوٹے بڑے سب کو یکساں پستی ہے اور جب قومی ترقی کے چشمے بند ہو جاتے ہیں تو سارے کے سارے تشنہ لب رہ جاتے ہیں۔ وہ ذلت و خواری کے قعر میں گر پڑتے ہیں اور نکبت و جہالت کی تاریکی ایسا گھیر لیتی ہے کہ پھر یہ لوگ اپنی حالت کو کبھی نہیں دیکھ اور سمجھ سکتے۔

۸۔ محنت

سب گل شگفتہ مے شود این بلوغ را ولے کس بے جفا، خار نچید است از و گلے
انسان زمین پر رہتا ہے اور صانع قدرت نے انسان کے آرام و آسائش کی
کل چیزیں اسی زمین پر پیدا کی ہیں۔ مگر ایسی چیزیں بہت کم ہیں اور فی الحقیقت نہیں
ہیں کہ بغیر محنت کئے یا ہاتھ پاؤں ہلائے بقدر کافی حاصل ہوتی ہوں یا قابل استعمال
ہوں۔ قدرت نے اپنے انعامات کی اجرت محنت مقرر کی ہے جو شخص محنت کرے
اتنا ہی انعام پائے۔ بڑے بڑے آدمی جن کے نام آج شہرت کے آسمان کے ستارے
ہیں یوں ہی اس معراج کمال تک نہیں پہنچے بلکہ یہ کمال و لیاقت۔ عزت و شہرت
نہایت عرق ریزی اور سعی سے حاصل ہوئی ہے ممکن ہے کہ کوئی شخص نہایت ذہین
اور تیز فہم ہو مگر کمال بغیر محنت حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صرف زیر کی اور ذکاوت
سے بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور محنت تھوڑی ذکاوت و ذہانت سے
آخر میں بہت کچھ حاصل کر لیتی ہے ہر شریف نوجوان کے لئے تن دہی اور سعی و محنت
و مشقت اور وقت کو مناسب طور پر کام میں لانا فرض ہے۔ اوائل عمر میں دل میں شوق
طبیعت میں ولولے۔ خیالات میں الو العزمی۔ دماغ میں طاقت ہاتھ پاؤں میں سکت

محنت انعامات
قدرت کی اجرت
ہے

ہوتا ہے دنیا کے بکھیرے بھی کم ہوتے ہیں اُمیدیں اور جوش و خروش ہمت کے بازوؤں میں پرواز کی قوت پیدا کرتے ہیں اور سبقت یا اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے ہمسری کا شوق محنت پر مائل کرتا ہے اگر اس میلان کو فوراً کام میں لایا جائے اور سچے دل سے محنت کی جائے تو بام مراد تک پہنچنا کچھ بات نہیں ہے۔ دوپہرین دولت اور محنت سرانجام امور دنیا میں مدد دیتی ہیں مگر لوگ دونوں کی حقیقت سے پورے پورے واقف نہیں۔ دولت پر ضرورت اور حقیقت سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور محنت پر کم۔

محنت کی عزت
عزت غریبوں پر
محدود نہیں ہے

محنت صرف غریب آدمی ہی کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ جو لوگ دولت دنیا سے متمتع ہیں وہ بھی اگر صحت لیاقت اور نام آوری کے مزے اٹھانے چاہتے ہیں یا دنیا میں نام و نمود پیدا کرنا چاہتے ہیں تو محنت کریں اور اپنا جس کو فائدہ پہنچائیں۔ شریف طبیعت اور نیک طبیعت اشخاص خواہ کیسے ہی فارغ البال کیوں نہ ہوں ان سے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ صرف بیکاری یا لڈائڈ دنیوی کا حظ اٹھانے ہی میں اپنا وقت صرف کریں اور دنیا کو اپنے وجود سے کوئی فائدہ نہ پہنچائیں۔ ہاں کمینہ طبیعت لوگ ایسے باتوں پر قانع ہوں تو ہوں۔ کیونکہ اگر ظاہری و باطنی قوا کام میں نہ لائے جائیں تو اون کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ اَلْفَرَاعِ مِنْ شَانِ الْاَمْوَاتِ وَالْاَشْتِعَالِ مِنْ شَانِ الْاَحْيَاءِ۔

کافی

کام خواہ کیسا ہی محنت کا اور کیسا ہی سخت کیوں نہ ہو مسرت بخش اور ترقی کا مدد ہوتا ہے۔ جسمانی محنت بدن کو صحیح اور تندرست رکھتی ہے اور دماغی محنت دل کو تسکین بخشی تشویش و فکر دور کرتی ہے۔ معزز اور غریب آدمی کے واسطے محنت خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو عیب نہیں۔ بلکہ باعث عزت ہے کیونکہ اوس نے اپنی روح اور اپنے دل کو دوسروں کی دستگیری اور امداد کا غلام

لے بیکار رہنا مُردوں کا کام ہے اور کام میں لگا رہنا زندوں کا ۱۲

نہیں بنایا۔ اور آزادی اور خود داری کی عزت قائم رکھی۔ جو لوگ چھوٹے چھوٹے درجوں سے ترقی کر کے مدارجِ علیہ پر پہنچتے ہیں اون کو شرمندہ نہ ہونا چاہیے بلکہ فخر کرنا چاہیے۔ کہ اون کی ذاتی قابلیت اور مستعدی نے اون کو اعلیٰ رتبہ پر پہنچایا خواہ دولت ہو یا علم یا کسی طرح کی قابلیت و لیاقت محنت ہی سے حاصل ہوتی ہے انسان کے واسطے کاہلی شرم کی بات ہے نہ محنت کیونکہ کاہلی دل کو اس طرح کھاتی ہے جیسے لوہے کو زنگ۔ کاہلی عصمت اور صحت اور مسرت سب کی دشمن ہے اور تمام سرسبز امیدوں کو اس طرح بہا کر لیتی ہے جیسے سیلان آب نو دمیدہ پودوں کو کاہلی یہی نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھتے بیٹھا رہے۔ بلکہ تمام بے نتیجہ اور حقیر مشاغل جو محض وقت گزارنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اسی میں داخل ہیں۔ کاہلی دل کے واسطے زہر اور خراب جذبات کا منبع اور مردانگی و دلیری کی دشمن ہے اور جوانی کی طاقتوں کو نزاکت و کمزوری سے بدل دیتی ہے۔ کاہل اور تند رست آدمی لالچ اور گناہ سے بہت کم بچ سکتا ہے۔ پس مصروفیت شیطان کو دور بھگانے کا بھی نیک آلہ ہے۔

کاہلی امراض نفسانی میں و بار کے مانند ہے اور بجائے خود ایک دوزخ ہے اگر کسی گڑھے میں پانی ٹوک جائے تو اس میں کیرے اور کیچوے بہ کثرت پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح ایک کاہل آدمی کے دل میں خراب اور زہریلے خیالات بھرے رہتے ہیں اور اس کی روح ناپاک ہو جاتی ہے۔ مرد ہو یا عورت جب تک وہ کاہل ہے جب تک سوائے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے پان کھانے حقہ پینے۔ سگار اڑانے کے وہ کچھ نہیں کرتے تو خواہ وہ کسی حالت کسی رتبہ۔ کسی حیثیت کے کیوں نہ ہوں اور خواہ نعمت ہائے دنیا میں سے ساری چیزیں اون کو کیوں نہ حاصل ہوں اور خواہ دوسروں کی نظروں میں وہ تمام زمانہ سے زیادہ خوش قسمت کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں اور تمام اسباب راحت جو دنیا میں کسی خوش قسمت سے خوش قسمت کو مل سکتے ہیں اور انسان کا دل جن کی خواہش کر سکتا ہے اون کے پاس کیوں

نہ جمع ہوں لیکن جب تک وہ کاہل ہیں اون کو خوشی حاصل نہ ہوگی اون کے جسم ہائیکے دل کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ طبیعت کسلند۔ دل مضحمل۔ اعضا تھکے ہوئے معلوم ہونگے۔ یہ لوگ ہر وقت ناسازی مزاج اور بیماری کی شکایت کیا کرتے ہیں۔ اور دنیا سے خفا معلوم ہوتے ہیں۔

مصروفیت سے نہ صرف چستی اور بشاشت آتی ہے بلکہ غم غلط ہوتا ہے۔ اور پریشانی اور بُرے خیالات طبیعت کو آلودہ نہیں کرتے۔ کام کے بعد آرام زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کے واسطے بھی مصروفیت لازم ہے۔ عورتیں بھی اگر کاہل ہیں تو خواہ کسی حالت میں ہوں آرام اور دنیا کی لذتیں کتنی ہی مہتا کیوں نہ ہوں جب تک سست اور کاہل پڑی یا بیٹھی رہیں گی کبھی خوش اور لبشاش نہ ہونگی۔

محنت سے
بچنا مصیبت
زیادہ کرتا ہے

جو لوگ محنت سے بھاگتے ہیں اور مشکل کا مقابلہ کرنے سے بچتے ہیں مشکلین اون ہی پر اور زیادہ پڑتی ہیں۔ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ صرف مشکلوں سے بچنے یا آرام طلبی کی خاطر محنت سے کنارہ اختیار کرتے ہیں اون کو تکالیف سے نجات نہیں دیتی اور کمزوری روز بروز بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ جن بڑے بڑے امور کو ترک کر کے صرف معمولی باتوں پر اکتفا کیا تھا اب وہ معمولی باتیں بڑی اور عظیم معام ہونے لگتی ہیں اور اون کا پورا کرنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے دل و دماغ کی قوتیں جو پہلے عظیم الشان اور مفید امور پر صرف ہوتیں اب خیالی مشکلات اور بے اثر و بے سود امور پر صرف ہوتی ہیں اور دل کو پیچ و تاب میں ڈالتی ہیں۔ مفید امور پر محنت کرنے سے تو اوس کے اچھے اچھے پھل ملتے ہیں۔ صحت۔ عقل۔ علم۔ دولت۔ عزت۔ شہرت۔ لیاقت کو ترقی ہوتی ہے اور انسان کمال کے قریب پہنچتا ہے۔ طبیعت کو خوشی اور فرحت حاصل ہوتی ہے اور کاہلی کی سزایہ ہے کہ کچھ نصیب نہیں ہوتا اور تسکین کے بدلے انقباض بڑھتا جاتا ہے۔

دنیا میں کام کرنا مضر نہیں ہے ہاں اس قدر محنت کرنی کہ قوا اور صحت

افراط محنت مضر
ہے۔ اور معتدل
محنت مہربخش

اوس کی برداشت نہ کر سکیں مضر ہے۔ اعتدال سے محنت خواہ کیسی ہی سخت کیسی ہی مشکل کیون نہ ہو مفید صحت ہے تمام محنتیں جن میں امید شامل ہے صحت بخش ہیں اور جن کاموں کی تکمیل پر کوئی امید پوری ہوتی ہو اونہیں محنت کرنے سے جس قدر کامیابی ہوتی جائے اتنی ہی خوشی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور تکمیل کی مسرت کا تو کیا پوچھنا ہے۔

محنت کے پھل

محنت ہی انسان کو کمال تک پہنچا سکتی ہے۔ محنت ہر طرح کے علم و فضل میں یدِ طولیٰ بخشتی ہے۔ محنت قومیت شرافت و بزرگی کا الغام دیتی ہے۔ محنت اون جوہروں کو جو قدرت نے طبیعت میں ودیعت فرکھے ہیں بڑھاتی اور ظاہر کرتی ہے۔ محنت ہی ان جوہروں کی کمی کو پورا کرتی۔ مشکلوں کو سہل کرتی ہے۔ صرف محنت ہی سے طبعی جودت اور فہم کا اظہار اور مناسب استعمال ہو سکتا ہے۔

باقاعدہ محنت

خواہ دماغی محنت ہو یا جسمانی اعتدال سے متواتر کرنی چاہئے تاکہ کمال صحت اور خوشی نصیب ہو مان اگر محنت اس قدر بڑھ جائیگی کہ ہاتھ پاؤں اور دماغ تھکتے تھکتے کام کے نہ رہیں تو کیا کرایا بھی برباد ہوگا۔ طلباء جو یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر باوجود اس قدر محنت کے کہ صحت کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں ناکام رہتے ہیں اوس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ محنت نہیں کرتے۔ عموماً شروع سال بیکاری اور تساہل میں گزارتے ہیں اور آخر میں ایک دم سے ہفتوں کا کام دنوں بلکہ گھنٹوں میں نکالنا چاہتے ہیں یہ محنت مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ مستقل مزاج اور پابند قاعدہ اشخاص ابتدا کے پہلے روز اسی قدر محنت کرتے ہیں جس قدر کہ آخری دن جبکہ نمائش اور امتحان کے میدان میں قدم رکھنا ہے۔ اگر طلب صادق اور مزاج پر قابو حاصل ہے طبیعت میں شروع ہی سے پابندی قاعدہ اور محنت کی عادت ڈالی گئی ہے تو دنیا میں کسی قسم کی ترقی اور حصول کے واسطے تھکانیوالی محنت کی ایک دن بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

بے صبری کام
خراب کرتی ہے

بعض اوقات تلون بے صبری اور اضطراب بھی کام خراب کرتا اور سعی سے باز رکھتا ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر سعی میں خفیف کامیابی بھی حاصل ہوتی جاتی ہے تو ضرور ایک دن مطلب برآئیگا۔ کیونکہ ذرا ذرا ملکر کامل ہو جاتا ہے اور کمال ذرا سی چیز نہیں۔ دانہ دانہ شود انبار۔ قطرہ قطرہ شود دریا۔ بے صبری اور جلدی سے نہ تو عمدہ کام ہوتا ہے نہ وہ کبھی تکمیل تک پہنچتا ہے۔ مستقل باقاعدہ محنت اگرچہ آہستہ ہو عجلت سے بہتر ہے۔ یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ عجلت سے وقت کم صرف ہوگا کیونکہ کسی کام کو بآہستگی کامل اور بہتر کرنا جلدی کرنے سے اچھا ہے۔ کسی کام میں طبیعت کو الجھانا اور دق ہونا اور بے صبری سے اُسے پورا کرنے کا شوق کرنا کام کو خراب۔ طبیعت کو پریشان کرتا ہے اور اس میں صحت بھی خراب ہوتی ہے اور اگر بنیاد دل جمعی اور اطمینان و سکون سے کام لیا جائے اور مناسب طور سے فکر کو کام میں لایا جائے تو بہت مناسب ہے۔ اور قوار کو ایسا ہی قوت دیتا ہے جیسا کہ صاف ہوا۔

بار سعی میں ناکامی بھی واقع ہوتی ہے مگر ناکامی پر دل چھوڑنا نہیں چاہئے علاج یہ ہے کہ دوبارہ زیادہ محنت زیادہ استقلال سے پھر سعی کرو حتیٰ کہ فتح حاصل کرلو دست از طلب نہ دارم تا کار من برآید یا تن رسد بہ جانان یا جان ز تن برآید محنت اگر بے قاعدہ اور حد سے زیادہ کی جائے تو وبال اور بار ہے اور اگر جرم کی پاداش میں کی جائے یا لیجائے تو سزا ہے۔ لیکن باقاعدہ اور معتدل محنت عزت اور خوشی کا سبب ہوتی ہے۔ اگر دنیا میں کوئی شخص محنت نہ کرتا تو تہذیب اور شائستگی کے سامان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان سے جو عظیم الشان کام سر انجام پاتے ہیں وہ سب اوس کی محنت کا نتیجہ ہوتے ہیں علم ادب۔ فنون لطیفہ۔ سائنس۔ میں جو چیز زیادہ اعلیٰ زیادہ عمدہ زیادہ بکار آمد۔ زیادہ دلفریب ہے وہ محنت کا نتیجہ ہے محنت کوشش کو بار آور کرتی اور مصیبت سے نجات دیتی اور نام روشن کرتی ہے۔ جو لوگ کسی نیک اور اعلیٰ ارادہ سے محنت کرتے ہیں اون کے واسطے

باقاعدہ محنت
کے فائدہ

محنت مدح و تحسین اور بقا و نام کا سبب ہوتی ہے

جب محنت کا ذکر کیا جائے تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ محنتی آدمی سے ایک مزدور
 مراد ہے کہ وہ صرف اپنے ہاتھ پاؤں کو کام میں لاتا ہے بلکہ جو شخص اپنے دماغ کو کام
 میں لاتا ہے وہ سب سے بڑا کام کرتا ہے۔ جو شخص ایک عمدہ تصویر بناتا ہے یا کوئی
 دلچسپ کتاب تصنیف کرتا ہے وہ بھی محنت کرتا ہے اگرچہ اس کی محنت بنی نوع
 انسان کے لئے ایسی ضروری نہیں ہے جیسی کہ کسان یا چرواہے کی محنت ہے
 لیکن وہ بھی سوسائٹی کے لئے ایک دلی تفریح یا روحانی غذا کا سامان مہیا کرتا ہے
 دولتمند آدمیوں کو خواہ ایسے کاموں میں محنت کرنے کی ضرورت نہ ہو جس میں کہ
 غریب اور محتاج لوگ محنت کیا کرتے ہیں لیکن ان کے واسطے محنت کے اور
 مشاغل ہیں دنیا میں ہزاروں ایکڑ زمین اور لاکھوں اشرفیان اور جواہرات مل سکتے
 ہیں لیکن علم اور عقل کسی کا ورثہ نہیں اور یہ اپنی ہی محنت سے حاصل ہوتا ہے
 امیر آدمی تنخواہ دار لوگوں سے اپنے معمولی کام لے سکتا ہے لیکن یہ کسی کا کام
 نہیں ہے کہ اس کے بدلے پہونچے اور غور کرے بلکہ دماغی کام اسے خود کرنا
 چاہئے۔ اور دماغ کی اصلاح کے لئے محنت کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ کیونکہ
 محنت کی عادت خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو اطمینان آرام اور آسائش
 بخشی ہے۔

جو کام کہ دیانت داری سے کیا جائے اور جس کا نتیجہ خلاف اخلاق حسنہ نہ ہو
 معزز اور شریف ہے خواہ یہ کام ہاتھ سے لیا جائے یا دماغ سے اگر دل صاف ہے
 تو کسی کام کے کرنے میں ہاتھ میلے اور خراب ہو جائیگا مضائقہ نہیں کیونکہ دلون کی
 ناپاکی ہاتھوں کی نجاست سے زیادہ مضرت رسان ہوتی ہے۔

۹۔ وقت کی قدر

وقت را غنیمت دان آن قدر کہ بتوانی حاصل از حیات اینجا یکدم است۔ نادانی
 روپیہ تو روپیہ اگر ذرا سی چیز بھی جاتی رہتی ہے تو کیسا طبعیت کو ملال ہوتا ہے

وقت کو کام میں
 لانے کے قابل ہے

مگر وقت کہ روپیہ اور دولت سے بڑھ کر قیمتی ہے اور تمام دنیوی اور اخروی بہبودیوں کا سرمایہ ہے رات دن بیکار صرف ہوتا ہے اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اس کے تلف ہونے پر پشیمان ہوتے ہوں یا اسے پورا پورا کام میں لاتے ہوں سچ یہی کہ وہ وقت کی قدر و قیمت ہی کو نہیں جانتے۔ دنیا میں ہر ایک نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے لیکن وقت کی تلافی ممکن نہیں اور جو لوگ وقت کو فضول گزار دیتے ہیں ایک نہ ایک دن ضرور خمیازہ بھگتتے ہیں۔ سب سے زیادہ غمگین اور حسرت آلود خیال ہی ہوا کرتا ہے کہ یہ کام ہو سکتا تھا مگر نہ کیا۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہر وقت کسی مفید اور بکار آمد طور پر صرف کیا جائے۔ وقت تو ایک نہ ایک طرح گزرتا ہے مگر مفید کام نہ کئے تو فضول مشاغل طبیعت میں دھل پیدا کر لیتے ہیں۔ ذرا سا کام بھی جو اپنی ذات یا دوسروں کو فائدہ یا خوشی پہنچائے۔ طبیعت کو فرحت و تسکین بخشتا اور دل میں بشارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ سنیکا کا قول ہے کہ ”ہم تنگی وقت کی شکایت تو بہت کرتے ہیں مگر صرف اس طرح کرتے ہیں گویا وہ ختم ہی نہ ہو گا یا اکثر ایسے کام کرتے ہیں کہ ہمیں کرنے ہی نہ چاہئے تھے یا کچھ بھی نہیں کرنے غرض کام کا کام نہیں“ اگر وقت کو کام میں لائیں اور مناسب امور مناسب اوقات پر کئے جائیں تو محنت کے پھل دن دو دن اور رات چو گئے ملتے ہیں جو شخص اپنے وقت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے ساتھ اون لوگوں کا وقت بھی برباد کرتا ہے جو کاروبار میں اس کے شریک ہوں اور کام کی بے قاعدگی سے جو نقصانات ہوتے ہیں اون کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ کاہلی کا میلان طبیعت پر جلدی قبضہ کر لیتا ہے اور اکثر بجا ہے اس کے کہ تفریح کام کے بعد اختیار کی جائے کام سے پہلے ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔

کاروبار میں باقاعدہ ہونا اور عین وقت پر پورا کرنا ہی کامیابی کی ضروری شرط ہے۔ ہر ایک کام کے واسطے ایک وقت اور ہر ایک وقت کے لئے ایک کام ہے۔ اگر موجودہ کام کو اسی وقت نہ کریں تو دوسرے وقت دو کام اکٹھے ہو جائیں گے

باقاعدگی

اور اسی طرح کاموں کا ایک انبار لگ جائیگا۔ اور چاروں طرف کثرت مشاغل کا ایسا غلبہ ہوگا کہ دماغ پریشان ہونے لگیگا۔ اس لئے سب سے بہتر اصول یہ ہے کہ جو کچھ آج ہو سکے وہ کل پرست رکھو کیونکہ اگر اس وقت کوئی دقت سرانجام کا میں پیش آرہی ہے اور اس کام کو چھوڑ دینے کو دل چاہتا ہے تو آئندہ وہ دقت خود بخود ہسل نہ ہوگی۔ ہاں زیادہ پیچیدہ ہو جائیگی۔ ہوشمند لوگ موجودہ کام کو موجودہ وقت میں مستعدی سے کرتے ہیں اور آئندہ وقت میں آئندہ کام کے لئے تیار رہتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ جلدی میں کاموں کو ادھورا اور نامکمل چھوڑ دیں۔ اپنی طاقت اور وسائل کو خوب جانچ کر اطمینان اور سنجیدگی سے تکمیل میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور شروع کرنے سے پہلے ہر ایک پہلو کو سوچ سمجھ لیتے ہیں۔ مشکلیں ان کا دل نہیں توڑتیں بلکہ اور مستعد کرتی ہیں کیونکہ باقاعدہ اور بالترتیب کام کرنے کی لیاقت مشکلوں کو فتح کر لیتی ہے اور عمدہ نتائج پیدا کرتی ہے۔

کام کو آہستگی سے کرنا بہتر ہے۔ مگر نہ کاہلی کی آہستگی اچھی ہے نہ کام خراب کرنے والی جلدی۔ ہاں سلیقہ اور چالاکی دونوں ہوں تو بہت عمدہ بات ہے۔ اول کام میں کامل مہارت پیدا کرنی چاہئے۔ اور جب یہ حاصل ہو جائے تو جلدی کا ڈر نہیں بلکہ خود بخود کام ہاتھ سے جلدی نکلنے لگتا ہے۔ مہارت اور سلیقہ کے معنی یہ ہیں کہ سرانجام امور عمدہ اور کامل اور جلدی بھی ہو

در مذہب طریقت خامی نشان کفر است آری طریق رندان خاموشی است و چستی ہر وقت کیلئے
 جو لوگ وقت کی پوری پوری قدر کرتے ہیں وہ ہمیشہ مستعد رہتے اور ایک کام ہے
 وقت کی نہایت پابندی کرتے ہیں۔ کیونکہ کاروبار میں خواہ کوئی پیشہ کیون نہ ہو
 ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہوتا ہے۔ اور ہر ساعت ایک خاص کام کرنا گویا اس
 وقت کا فرض ادا کرنا ہے۔ اور اگر یہ عادت اختیار کر لی جائے تو مشکلیں
 سہل اور کام بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ ورنہ ایسی ایسی پیچیدگیاں پڑتی ہیں

کہ سلجھانا مشکل پڑتا ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ کسی فرض کا خیال ہو اور پابندی اوقات کا لحاظ نہ ہو۔ تضييع اوقات تو وہ بڑی بلا ہے کہ اوس سے عمدہ عمدہ ارادے اور تدابیر بڑے بڑے مفید کام لوگوں کی جائداد و مال و دولت بلکہ جان و قوموں کی عزت اور خوشیاں تک خاک میں مل جاتی ہیں اور صرف پابندی وقت نہ ہونے کے سبب ہمیشہ ناکامی اور حسرت اٹھانی پڑتی ہے۔

بے وقت
بے اعتبار

یہ مانا کہ کوئی وقت فرصت اور فراغت کا بھی ہونا چاہئے کیونکہ انسان کو تفریح طبع کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن اوس کے لئے بھی ایک خاص اور محدود وقت ہے اور وقت کو کام میں لانا ہی ایسا امر ہے کہ خاطر خواہ فرصت اور فراغت میسر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اگرنا مکمل کام ہر وقت موجود رہیں گے تو اطمینان کہان بلکہ ہمیشہ جلدی گھیرا ہٹ اور مشکل ہی پڑی رہیگی۔ کسی کا قول ہے اور بالکل سچ ہے کہ با وقت باعتبار اور بے وقت بے اعتبار ہے۔ جو شخص وقت کا پابز نہیں ہے کاروبار میں بھی ضرور بے قاعدہ اور سست ہوگا پھر بھلا ایسے شخص پر کون اعتبار کرے اور ضروری معاملات کیونکر اوس پر چھوڑ دے جائیں۔ اس طرح ایسا شخص ایسا بے اعتبار ہو جاتا ہے کہ لوگ کام کو ملتوی کرنا پسند کریں مگر اوس کے ہاتھوں کام کو خرابی میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ایسے شخص کے ساتھ خود اون کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے جو اشخاص پابند وقت ہیں وہ نہ صرف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اون کو اپنے وقت کا لحاظ ہے بلکہ دوسروں کو بھی اون کے وعدہ پر اعتماد ہوتا ہے اور وہ گویا اون کے اوقات کی بھی نگہداشت کرتا ہے۔

تضييع اوقات

تضييع اوقات دنیا میں سب سے بڑی فضول خرچی ہے۔ کیونکہ اس سے ایسی چیز ضائع ہوتی ہے جس کی پھر تلافی نہیں ہو سکتی۔ لو تھر کا قول ہے کہ انسان کا دل ایک چلتی ہوئی چکی کے مانند ہے کہ جب تک اوس میں کوئی چیز پڑی رہے تو وہ اوسے پیستی ہے اور اگر کچھ نہ ہو تو اپنے تئیں پس ڈالتی ہے

اگر انسان تضييع اوقات اور کاہلی اختیار کرے تو وہ خود اپنا شکار ہو جاتا ہے اور اوس کا دل برباد ہو جاتا ہے۔

طالب علموں
کا وقت

طالب علم اور کاروباری آدمی کو کاہلی کی عادت سے سخت اجتناب کرنا چاہئے بلکہ اگر فرصت کا وقت ملے تو اوس کو بجائے ظاہری آرائش کے باطنی آرائش اور اصلاح میں صرف کرنا مناسب ہے سخت سے سخت محنت میں بھی اگر باقاعدہ کام کیا جائے تو فرصت کا وقت ملتا رہتا ہے۔ اور اکثر معمولی کاروبار میں تو بہت فرصت بکل سکتی ہے مگر اوس کو بھی بے سود نہ کھونا چاہئے۔ فرصت کے وقت کو کام میں لانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اوسے سیلف امپرووینٹ میں صرف کریں۔ جو وقت کہ روزانہ فضول گپ شپ یا سستی میں بسر ہوتا ہے اگر مطالعہ میں صرف کیا جائے تو تھوڑے دنوں میں کسی خاص سائنس کی عمدہ لیاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور دراصل تعلیم وہی ہے جو بلا معلم حاصل ہوتی ہے مدارس میں کورس کی تعلیم صرف ابتدائی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ فائدہ نہیں پہونچاتی کہ سیلف ایجوکیشن کا مادہ پیدا کر دے فہذب اور وحشی آدمیوں میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ وہ اپنے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور روز بروز اعلیٰ حالت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور یہ ہزاروں برس سے جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ عقلمند آدمی کے لئے۔ وقت دولت۔ عزت۔ ثروت۔ قوت مسرت سب کچھ اور جو لوگ اوقات ضایع کرتے ہیں ضرور ایک نہ ایک دن اپنے کئے پر پتیا میں گئے اور اوس وقت قدر معلوم ہوگی۔

کام کرنے کا سب سے عمدہ اصول یہ ہے کہ جو کام آج ہو سکے وہ کل پر نہ چھوڑا جائے ورنہ جو دقتیں کہ آج پیش آرہی ہیں۔ توقف کرنے سے اور زیادہ ہونگی۔ مستعد آدمی آج کا کام آج انجام دیتے ہیں اور کل کے لئے کاموں کے واسطے تیار ہو بیٹھتے ہیں۔ تاکہ حیات مستعار کی چند روزہ مدت میں وہ اپنے کسی فرض کے ادا کرنے میں قاصر نہ رہیں اور زندگی کا پورا پورا لطف اٹھا سکیں

ساقی ہے اک تبسم گل فرصت بہار ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بکھریں

باب ہفتم نفس غضبی کی تہذیب

۱۔ حلم

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصَّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ
نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔

حلم مشکل ہے

حلم کہنے کو تو چھوٹا سا لفظ ہے لیکن جیسا کہ میں آسان ہے ویسا ہی عمل کرنے میں مشکل ہے کیونکہ جس وقت حلم کی ضرورت درپیش ہوتی ہے اس وقت انسان کی عقل غصہ کے مارے قابو میں نہیں ہوتی اور جب عقل ہی درست نہ ہوگی تو انسان کسی امر کے نفع یا نقصان کو کیا سوچے گا اور جب آتش غضب سے دل و دماغ ہی ٹھکانے نہ ہوں تو حلم کی طرف راہ نمائی کون کرے؟ دنیا میں کوئی کام اتنا مشکل نہیں ہے جیسا کہ اپنے تئیں روکنا۔ بد لگام گھوڑے کو لیجانا۔ مست ہاتھی کو قابو میں کرنا۔ بلکہ ملک کے فتنہ و فساد کو فرو کرنا آسان ہے لیکن غصہ کی آگ کو فرو کرنا اور اشتعال طبع کے وقت غصہ پی جانا بہت زیادہ مشکل ہے لیکن حصول سعادت کا شوق اور ریاضت ایسی چیز ہے کہ وہ اس دیو کو بھی قابو میں کر لیتی ہے۔ اور جو شخص غصہ جیسی ہر کش اور نافرمان بھوت کو قابو میں کرے وہ سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ شجاع ہے اور جس شخص کی عقل ایسے موقع پر بجا رہے وہ سب سے زیادہ عقیل ہے۔

انسان کو جو قوا و قدرتا عطا ہوئے ہیں ان میں ایک قوت غضبی ہے اور جب انسان کو کسی نفع کے حاصل کرنے سے روکا جائے یا کوئی نقصان یا مضرت او کو

قوت غضبی کی
خاصیت

۱۵ احیاء العلوم جلد ۳ باب ۵ ۱۵ کسی کو بچھاڑ دینا پہلوانی نہیں ہے پہلوانی وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے

پہونچتی ہو تو نفع مطلوبہ حاصل کرنے یا اوس مضرت و نقصان کو دور کرنے کے لئے یہ قوت جوش میں آتی ہے۔ اس کا جوش کوہ آتش فشان کا سا جوش ہوتا ہے کہ دہکتے انگارے نکلتے ہیں اور جہان جہان تک اون کا اثر پہونچتا ہے جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہیں۔ قوت غضبی کی خاصیت یہ ہے کہ نقصان پہونچنے سے پہلے اسباب نقصان یا مضرت کو دفع کرنا چاہتی ہے مثلاً اگر کوئی سانپ دکھائی دے تو اوس کے کاٹنے سے پہلے انسان اوس کو مار ڈالتا ہے۔ اور اگر کوئی نقصان یا مضرت پہونچ جائے تو انتقام لینے سے دل میں ٹھنڈک پڑتی ہے۔ اور اکثر اوقات انتقام لینے کی خواہش اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ انسان اس کے پیچھے اپنے دوسرے دینی و دنیوی نقصان کر بیٹھتا ہے۔

قوت غضبی
کی ضرورت

اگر قوت غضبی مفقود ہو جائے تو انسان اور اوس کی ترقی دنیا میں سے بہت کچھ مٹ جائے دوسرے حیوانات او سے کھا جائیں۔ طبیعت میں اُ سنگ خواہش۔ اور جوش نہ رہے اور انسان ایسا ناتھ پر ناتھ رکھ کر بیٹھے کہ تمدن و تہذیب کے آثار مٹ جائیں اس لئے عقلمند آدمی غضب کو بالکل مٹانا نہیں چاہتے بلکہ اوس کو حد اعتدال پر رکھنا چاہتے ہیں اور اس فضیلت کا نام ”عقل“ ہے

بے غیرتی

غضب جب حد اعتدال سے کم ہو تو انسان بے غیرت ہو جاتا ہے اوسکو ننگ و ناموس تک کا پاس نہیں رہتا۔ وہ اپنی حالت کو سنوارنا اور اپنے درجہ کو ترقی دینا نہیں چاہتا بلکہ دنائت پر راضی و قانع ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو بے غیرت یا بے حمیت کہتے ہیں۔ اور یہ صفت دنیا میں بہت مذموم ہے اسکی انتہا یہ ہے کہ انسان کمینہ لوگوں سے ذلت اٹھاتا ہے اور ہمیشہ خوار اور رسوا رہتا ہے نہ اوس کو اپنے حسب و نسب کا خیال ہوتا ہے نہ اپنے گھر کی عورتوں کی بے غیرتی کی پروا ہوتی ہے۔ کوئی بُری بات او سے ناگوار نہیں معلوم ہوتی اور وہ دیکھتا اور سکوت کر جاتا ہے۔ یہ تمام علامتیں ضعف غضب کی ہیں اور حلم میں داخل نہیں اگر یہ حالت ہو تو انسان کو اپنے نفس کا علاج کرنا چاہئے

اور غیرت و حمیت کو قوت دینی لازم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جس شخص کو غصہ کی بات پر غصہ نہ آوے وہ گدھا ہے اور جو منانے سے نہ مینے وہ شیطان ہے۔“

شدت غضب
کے اسباب

اسی طرح غضب حد اعتدال سے زیادہ ہونا خرابی۔ رسوائی۔ بربادی۔ پشیمانی کا باعث ہوتا ہے۔ اور انسان اکثر شدت غضب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان میں شدت غضب کی خاصیت کئی سبب سے ہوتی ہے:-

۱۔ انسان فطرتاً مغلوب الغضب اور زود رنج۔ سریع الانتقام ہو جیسے کبار و کہ ذرا آگ دکھائی اور بھک سے اڑی۔

۲۔ ایسے لوگوں کی صحبت کا اثر جو نازک مزاجی پر فخر کرتے ہوں اور بات بات پر غصہ کرنے کو شجاعت و جوانمردی جانتے ہوں۔ اس بری صحبت کے اثر سے انسان کے دل میں یہ یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ غصہ داخل شجاعت ہے اور وہ اوس پر فخر کرتا ہے بے عقل اور کمزور طبیعت آدمی اس مرض میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں مثلاً بچے بہ نسبت بڑے آدمیوں کے عورتیں بہ نسبت مردوں کے جہلاً بہ نسبت فضلہاء کے جلدی غصہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۳۔ اس کے علاوہ تکبر۔ عجب۔ مزاح۔ ضد۔ فریب۔ حرص۔ حصول مال و جاہ وغیرہ بھی غضب کو ترقی دیتے ہیں۔

عالت غضب

جس وقت انسان کو غصہ آتا ہے اوس وقت اوس کی عجب طرح کی حالت بن جاتی ہے۔ رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں۔ افعال غیر منظم اور بے ترتیب صادر ہوتے ہیں زبان لٹکھڑا جاتی ہے۔ اور کچھ کا کچھ کہنے لگتا ہے۔ آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ اور منہ میں جھاگ آ جاتے ہیں۔ ایسے فحش کلام کہنے لگتا ہے کہ اگر غصہ اترنے کے بعد خود دہرائے تو اسے شرم آئے بڑوں کا ادب اور چھوٹوں کا لحاظ نہیں رہتا۔ مار پیٹ۔ قتل و غارت شروع کر دیتا ہے اور کسی پر پس نہ چلے تو خود اپنے کپڑے پھاڑنے لگتا ہے۔ اپنے جسم پر دو ہتھڑ

مارتا ہے اپنا منہ پھٹتا ہے۔ نادان بچوں اور بے زبان جانوروں کو مارتا ہے
حیوانات کو گالیاں دیتا ہے غرض خاصہ مجنون ہو جاتا ہے اور یہ ساری کیفیتیں
اس سبب سے پیدا ہوتی ہیں کہ انسان کو اپنی طبیعت پر قابو نہیں۔ اور وہ غصہ
کی آگ میں جل رہا ہے۔

قوت غضبی کے
لحاظ سے انسان
کے طبائع میں
اختلاف

۱۔ قوت غضبی کے لحاظ سے انسان کے طبائع چار قسم کے واقع ہوئے ہیں۔
۱۔ بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلدی اُتر جاتا ہے۔
۲۔ بعضوں کو غصہ تو جلدی آتا ہے لیکن پانی کی لہر کی طرح ادھر ظاہر ہوا ادھر غائب
۳۔ لیکن بعض ایسے بدطینت ہوتے ہیں کہ جلدی غصہ ہوتے ہیں اور ان کا
دل کسی طرح صاف ہی نہیں ہوتا۔

کن جالتون میں
غصہ جائز یا
ناجائز ہے۔

ان میں پہلے سب سے بہتر دوم متوسط اور سوم سب سے بُرے ہیں۔
۴۔ چوتھی قسم اور ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ دیر میں غصہ ہوتے ہیں لیکن ٹھنڈے
بھی دیر میں ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دل میں بہت ہر جہ تک کینہ رہتا ہے۔
یہ انسان کی خلقت اور طبیعت میں داخل ہے کہ اسے بعض چیزیں مرغوب
اور بعض ناپسند ہوں۔ مرغوب اشیاء سے انسان کو محبت ہوتی ہے اور اس کے
چھن جانے یا حاصل نہ ہونے سے اس کو غصہ آتا ہے۔ انسان کو جن اشیاء کے
ساتھ محبت ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ اول تو وہ جو سب کے لئے ضروری
ہوں مثلاً غذا۔ لباس۔ مکان وغیرہ۔ دوم وہ جو کسی کے لئے بھی ضروری ہوں
مثلاً انسان کی واقعی ضرورت سے زیادہ سامان۔ جاہ و جلال۔ خدم و حشم۔
سوم وہ اشیاء جو بعض کے لئے ضروری اور بعض کے لئے غیر ضروری ہوں مثلاً
کتاب عالم کے لئے ضروری اور جاہل آدمی کے نزدیک بیکار ہے۔ ایک پیشہ ور
کے آلات دوسرے کے لئے بیکار اور غیر ضروری ہیں۔ ان اشیاء میں سے پہلی قسم
کی چیزوں کے فقدان یا عدم تیسرے پر اگر انسان کی حق تلفی ہوئی ہو تو غصہ آنا بجا
ہے۔ لیکن اگر حق تلفی نہیں ہے تو خواہ کتنا ہی محتاج ہو غصہ آنے کی کوئی وجہ

ہنیں۔ دوسری قسم کی اشیاء کے فقدان پر اگر حرص دامگیر نہ ہو تو انسان کو غصہ نہ آئیگا۔ کیونکہ بیکار یا زائد از ضرورت چیز کا رہنا یا جانا دونوں برابر ہیں۔ لیکن تمدن اور معاشرت کے اصول کے مطابق جو اشیاء کہ انسان نے جائز وسائل سے حاصل کی ہیں اگرچہ یہ افراط ہوں اوس کی ملک ہیں۔ وہ مستحق ہے کہ اُن سے تمتع حاصل کرے اور اُن کو قبضہ میں رکھے۔ اسی طرح تیسری قسم کی اشیاء جس شخص کی جائز ملک ہیں اگر اوس کے پاس سے کوئی لینا یا غصب کرنا چاہے تو قوت غضبی کا ہیجان بجا ہے۔ لیکن اگر وہ اشیاء کسی ایسے شخص کی جائز ملک ہوں جو اُن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اوس شخص کو جو اُن سے فائدہ اٹھانا جانتا ہے خفا ہونے اور چھین لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

جن حالتوں میں قوت غضبی کا ہیجان جائز ہے۔ اُن میں بھی غضب کو عقل کا مطیع رکھنا چاہئے۔ اور غصہ میں اس قدر جوش نہ آئے کہ وہ حد سے بڑھ جائے اور اگر کبھی ایسا ہو کہ غصہ حد اعتدال سے تجاوز کرنے لگے تو انسان میں اتنی طاقت ہو کہ اوس کو روک سکے اور اس میں انسان کو مشقت یا تکلیف نہ معلوم ہو۔ اس کیفیت کو ”علم“ کہتے ہیں۔ یہ عادت ابتدا میں ریاضت اور مشق سے حاصل ہوتی ہے اور انسان کو اوّل اوّل غصہ پینے کے لئے خون کے سے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ لیکن جب عادت پڑ جاتی ہے تو علم کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے۔ اور قوت غضبی مطیع اور فرمان بردار بن جاتی ہے۔

قوت غضبی کا جوش ایک تو ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جن کا قوی یا ضعیف کوئی سبب ہو لیکن اس کی مثل ایک اور آگ بھی ہے جو بے سبب سلگتی ہے اس کا نام ”حسد“ ہے۔ حسد یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر جلے اور یہ چاہے کہ وہ نعمت اس کے پاس سے جاتی رہے خواہ اس سے حاسد کو کچھ بھی نفع نہ ہو۔ یہ آگ محسود کو نہیں بلکہ حاسد کو جلاتی ہے

کَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْمُخْطَبَ - حسد کے کئی سبب ہیں۔ ۱۔ دوسرے سے عداوت

۲۔ جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے ۱۲

حسد

۲۔ دوسرے کی عزت ناگوار ہونا۔ ۳۔ دوسرے کی حقارت۔ ۴۔ تعجب۔
 ۵۔ فقدان مقصد کا خوف۔ ۶۔ محبت جاہ و مرتبت۔ ۷۔ خباثت نفس۔
 حاسد اپنی بڑائی اس طرح نہیں چاہتا ہے کہ خود اس کی حالت ترقی کرے
 بلکہ اس طرح چاہتا ہے کہ محدود کی حالت گھٹ جائے اور اس سبب سے محسوس
 سے عداوت رکھتا ہے۔ حاسد کے کینہ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کو
 کیون کوئی نعمت حاصل ہوئی۔ اس لئے وہ بے سبب محسوس کی تخریب کے پیچھے
 پڑ جاتا ہے۔ اگر خود کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تو آفات ناگہانی اور تغیرات
 روزگار کا منتظر اور خواستگار رہتا ہے۔

تنگ دل اور تنگ ظرف اشخاص میں یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی
 کامیابی دیکھ کر جلتے ہیں اور اگر کسی شخص کو اپنے مفید اور بڑے ارادے میں
 ناکامی ہو تو اس سے اون کو ایک خوشی اور راحت کی سی کیفیت محسوس ہوتی
 ہے۔ اون کے دل میں حسد کی آگ ایسی مشتعل ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی
 الو العزمی یا نیک ارادوں پر ہنستے اور کوششوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ یہ
 لوگ ایسا خیال کرتے ہیں گویا اگر کسی کو اپنے ارادہ میں کامیابی ہو تو خود ان کا
 نقصان ہوگا۔ اور کسی کی تعریف سن کر تو ان کے تنگ لگ جاتے ہیں خصوصاً
 جس صورت میں وہ ان کا حریف بھی ہو تو اشتعال طبع کا کیا پوچھنا ہے۔ شاید کسی
 شخص کے واقعی عیوب ان کی نظر میں قابل معافی ہوں مگر یہ گناہ کہ وہ ان سے
 بہتر کام کرتا ہے قابل معافی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو نکتہ چینی کرنے میں بڑی
 خوشی حاصل ہوتی ہے خصوصاً بڑے آدمیوں کی عیب جوئی کرنا تو فخر سمجھتے ہیں
 اور بچائے اون کی اچھی مثالوں سے فائدہ اٹھانے کے اون کے ہنروں پر
 خاک ڈالنا چاہتے ہیں۔

جن اشخاص کے اغراض مشترک ہوں ان میں زیادہ حسد ہوتا ہے مثلاً
 دو سو کنون میں۔ چچا زاد بھائیوں میں۔ ایک ہی شے کے سودا گروں میں جو

ایک ہی جگہ تجارت کرتے ہوں۔ ایک ہی پیشہ کرنے والوں میں۔ لیکن کسی کی عمدہ حالت اور نعمت پر حسد کرنا بیوقوفی ہے کیونکہ اس سے حاسد کو توبہ پہنچتا ہے اور محسود کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ محسود کی نعمتیں جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہیں اسی قدر حاسد کا رنج و تعب بڑھتا جاتا ہے۔ کوئی شخص اپنے تئیں بے فائدہ تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن حاسد بے فائدہ بھلتا اور رنج کرتا ہے۔ محسود کو اگر یہ علم ہو کہ فلان شخص مجھ سے حسد رکھتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ خدا نے مجھے ایسی نعمت دی کہ دوسرے جلتے ہیں۔ تو پھر خود رنج کر کے دوسرے کو خوشی دینا کمان کی عقلمندی ہے۔ انسان اپنے دشمن کے لئے رنج و مصیبت چاہتا ہے لیکن حاسد خود رنج میں پڑتا اور دوسرے کو خوشی بخشتا ہے۔ محسود کا نہ دنیا میں کوئی نقصان ہے نہ آخرت میں اس کو گناہ بلکہ وہ دونوں جگہ اچھا ہے۔ حسد سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ انسان اپنی حالت پر غور کرے اور اس کو ترقی دینے کی کوشش کرے دنیا میں کوئی ادنیٰ درجہ شخص اس طرح عزت نہیں حاصل کر سکتا کہ دوسرے بھی ویسے ہی کم درجہ ہو جائیں۔ اور کوئی بڑا آدمی نہ رہے بلکہ وہ اپنی محنت اور اپنی کوشش سے اتنی ترقی کر سکتا ہے کہ دوسروں کے برابر ہو جائے بلکہ ان سے بھی بڑھ جائے البتہ کسی نعمت کے حصول کی خود بھی کوشش کرنا اور دوسروں کا سار تہہ۔ عزت۔ علم۔ دولت وغیرہ حاصل کرنے کی خواہش کرنا بری بات نہیں ہے بلکہ مستحسن صفت ہے کہ طبیعت میں ترقی کی تحریک پیدا کرتی ہے۔ اسی کا نام درغبطہ یا منافست ہے۔

برداشت

قدرتی مصائب سے زیادہ لوگوں کی دلخراش مدارات یا توہین یا غلطی کا سہارنا اور انتقام نہ لینا کام رکھتا ہے اور چونکہ اس میں طبیعت پر زیادہ جبر کرنا پڑتا ہے لہذا زیادہ مستحسن اور بہادری کا فعل ہے۔ دنیا میں ایسا کونسا بشر ہوگا جو غلطی نہ کرنا ہو یا کم و بیش کوئی نقص نہ رکھنا ہو۔ پھر وہ کس منہ سے

دوسروں سے انتقام لے جب خود بھی اویسی سزا کا مستوجب ہو یا ہو سکتا ہو پس جو لوگ کینہ پروری کرتے ہیں یا انتقام کے بہت خواہان ہیں وہ جس قدر اپنے دشمن کو نقصان پہنچاتے ہیں اویسی قدر غضب کی آگ اون کو بھی جلاتی ہے اور جو لوگ اپنی فراخ حوصلگی یا کشادہ دلی سے پروا نہیں کرتے اور غصہ کر دیتے ہیں وہ دشمنوں کو دوست بنا لیتے ہیں۔ اور اون کے محاسن اخلاق کا ایسا نقش دشمنوں کے دل پر جمتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی غلطی پر چلتے ہیں۔

نیست جادو سنہ ماے صاف رنگ کینہ را گرد از آتش تنی سنگے کہ میناے شود جو لوگ دوسروں کو معاف نہیں کرتے وہ اوس ہی پل کو توڑتے ہیں جس پر سے اون کو خود بھی گزرنا ہے۔ کیونکہ عفو جرائم کی ضرورت سب ہی کو ہوتی ہے۔ انسان اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور حقیقت شناس اور انصاف پسند اکٹھے سے دیکھے بات یہ ہے کہ انسان بعض اوقات ذرا سی بات پر بہت ہی برا فروختہ ہو جاتا ہے اور شکایت کے دفتر کے دفتر دل میں بھر لیتا ہے۔ لیکن اگر ذرا انصاف سے اصلیت پر نظر کی جائے یا اوس وقت شکایت کو ٹال کر دوسرے دن اویسی بات کو دیکھو تو اپنا ہی دل بول اٹھتا ہے کہ یہ معاملہ خفیف اور قابل درگزر ہے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ فی الحقیقت کوئی ناسزا امر کسی شخص سے سرزد ہوا۔ تو بجائے توہین کرنے کے یہ کیا برا ہے کہ اوس کا ذکر بھی نہ کیا جائے۔ بدگو اور بد باطن اشخاص اور لوگوں پر بہت نکتہ چینی کرتے ہیں اور مضحکہ اور اڑاتے ہیں بہت ساتھ دیتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ کل اپنی باری آنے والی ہے اور پھر من صیحت صیحت بہتر طریقہ یہ ہے کہ غصہ اور طیش کے وقت ذرا تحمل سے کام لیں اور انتقام کو دوسرے وقت پر منحصر رکھیں لیس من عاد است الکماہم سرعۃ الانقام کیونکہ جب غصہ فرو ہو جاتا ہے تو اپنی غلط فہمی خود سو جھنے لگتی ہے۔ اسی طرح تحریر یا تقریر میں دل شکن الفاظ اور سخت کلامی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مبادا پھر

لے بزرگ اس بات کے خوگر نہیں کہ بدلا لینے میں جلدی کریں ۱۲

پھر پتھنا پڑے تو وہ الفاظ واپس نہیں آسکتے۔ تلوار کے زخم بھر جاتے ہیں پر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ انسانیت یہ ہے کہ دشمنوں سے دوستانہ سلوک کیا جائے۔ غصیل اور کینہ پرور کو سنجیدگی سے۔ بخیل کو فیاضی سے جھوٹے کو صداقت سے تسخیر کرو۔ اور یہی حقیقی فتح ہے۔ مَنْ قَابَلَ السَّيِّئَةَ مِنْ عَدُوٍّ بِالْحَسَنَةِ فَقَدْ اِنْتَقَمَ

مصیبت۔ تکلیف۔ توہین۔ ظلم غرض ہر ناخوش گوار امر طبیعت پر قابو رکھنا اور اس رنج یا آزار کو بغیر اظہار شکایت۔ یا نارضا مندی بغیر عوض و انتقام برداشت کرنا صبر ہے۔ ہر شخص کو اپنی مدت حیات میں کچھ نہ کچھ مشکلیں پیش آتی ہیں یا زمانہ تھوڑا بہت تلخ کامی کا مزا چکھتا ہے۔ نہیں بلکہ قدرت امتحان میں ڈالتی ہے۔ لیکن جو امر مصائب میں صبر و استقلال سے کام لیتے ہیں۔ اور جب صبر و استقلال کا دامن مضبوط پکڑ لیا جاتا ہے تو وہ تکلیف کم اور آسان ہو جاتی ہیں۔

سختی دوران بغض نرم روی میکشم سگہا بارانی آب ست میناے مرا ایسے موقعوں پر اگر بے صبری کی جائے اور زود رنجی اختیار کریں تو مصائب زیادہ خوفناک اور جان و مال معلوم ہونے لگتی ہے۔ صبر کرنا سخت محنت کرنے سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ یہ جان پر ضبط کرنا ہے بلکہ جان کو برباد کرنا ہے جو وقت یا روپیہ یا محنت کے برباد کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

۲۔ انکسار

اکثر ناتربیت یافتہ اور ناشائستہ اشخاص خود پسندی اور خود بینی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں اپنی خوبیاں بہت جچتی ہیں اور بعض اوقات تو وہ اپنے میں ایسے اوصاف تصور کر لیتے ہیں جن سے کو سون دور ہوں اور پھر خوبی یہ ہے کہ خواہ مخواہ سرافتخار بلند کرتے ہیں اور اور لوگوں پر اپنی بڑائی

لے جس کسی نے اپنے دشمن کی بڑائی کا بدلا بھلائی سے کیا تو بے شک بدلا لے لیا ۱۲

صبر

خود بینی

جتاتے ہیں اکثر نوجوان آدمی جن کو زمانہ کی فضیلت سے آگلی نہیں ہوتی کچھ تھوڑی
شد بد حاصل کر کے بہت غرور کرنے لگتے ہیں اور چلو بھر پانی میں گز بھرا جھیل کر
چلتے ہیں۔ مگر یہ غرور نہ صرف مورد طعن بناتا ہے بلکہ اکثر ترقی میں بھی سد راہ ہو جاتا
ہے۔ کسی عقلمند آدمی کا قول ہے کہ اپنے تئیں سب سے بعد خیال کرو مگر خود ہیں
شخص کی نظر اول اپنے ہی پر پڑتی ہے اور وہ بھی ایسے اوصاف پر جو درحقیقت
اوس میں نہ ہوں۔ انکسار تمام خوبیوں کے حق میں وہ تاثیر رکھتا ہے جو پانی
اشجار کے حق میں۔ انکسار نخوت کے خیال کو فوراً طبیعت میں سے نکال ڈالتا
ہے۔ جن لوگوں کو خداوند عالم نے تمیز اور قابلیت دی ہے وہ کبھی سر غرور بلند
نہیں کرتے۔ صداقت کے طالب ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتے ہیں یعنی جو اون کو
حاصل کرنا ہے اوس کی فکر کرتے ہیں وہ مڑ کر نہیں دیکھتے کہ حاصل شدہ پر کھولیں۔
علم کا سمندر بے پایان اور لا انتہا ہے کون اوس کی حد تک پہنچ سکتا ہے
پھر اوس میں سے ایک قطرہ پیکر سمندر کو خالی کر دینے کا دعویٰ کونا جہالت ہے۔
سچ یہ ہے کہ جس قدر زیادہ علم حاصل ہو اوسی قدر اپنی لاعلمی اور سچہ رانی معلوم ہوتی
ہے۔ جو لوگ ایسے عمدہ وں کا یا ایسے کمالوں کا دعویٰ کرتے ہیں جن سے وہ بے نصیب
ہیں۔ تو اون کی کس قدر ہنسی اڑتی ہوگی جب یہ قلعی کھل جائے کہ وہ صرف جھوٹ
اور باتیں ہی باتیں تھیں۔ اس سے جہالت کا اعتراف بہت بہتر ہے کیونکہ اوروں
کی نظروں میں حقارت نہیں ہوتی۔ اور بہت اس کمی کے پورا کرنے پر مائل ہتی ہے
جب کوئی شخص اپنی زیادہ تعریف کرتا ہے یا اپنا زیادہ ذکر کرتا ہے اور یہ جتنا
ہے کہ اپنے خیال میں اوس نے اپنا رتبہ سب سے اعلیٰ سمجھ رکھا ہے تو ضرور اوس کا
مضحکہ اڑتا ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اور لوگ تعریف بھی کریں یا کسی خوبی کی
قدر افزائی فرمائیں تو شیخی کا اظہار نہ کیا جائے بلکہ اون کی تعریفوں پر انکسار کا
اظہار کرنا چاہئے۔ عمدہ عمدہ خصلتیں انکسار ہی سے طبیعت میں پیدا ہوتی ہیں
اور انکسار ہی کی وجہ سے طبیعت میں قائم رہ سکتی ہیں۔ ورنہ غرور وہ آگ ہے کہ

عالم اپنی جہالت
کو جانتا ہے

تمام حسن و خوبی پر پانی پھیلا دیتا ہے۔ جن لوگوں کے پاس علم کا تھوڑا سا ذخیرہ ہے یا متاع ہنر کم ہے وہ اکثر خود بین اور نمائش پسند ہوتے ہیں۔ لیکن علم و ہنر کے بوجھری جن کے دل و دماغ فراست و دانش کے آبدار جواہرات سے آراستہ ہیں جانتے ہیں کہ علم کے بے پایان سمندر میں حقیقت کے بے انتہا آبدار موتی ہیں جو ہاتھ نہیں لگے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے یہ نسبتاً بہت کم ہے جو فخر و مباہات کے قابل تو کیا ذکر کرنے کے لائق بھی نہیں۔ اس طرح جون جون اون کا علم بڑھتا جاتا ہے وہ اوس کی کمی کی حقیقت سے واقف ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے جب نوجوان طالب علم کتاب علم یا ہنر پر متوجہ ہوں تو اون کو اس طرف بھی نہایت توجہ کرنی چاہئے کہ اون کے دل میں غرور نہ پیدا ہو ورنہ وہ شاہراہ ترقی میں رجعت فتمری کریں گے۔

۳۔ اطاعت

سب سے زیادہ ضروری سبق جو طفولیت میں حاصل کرنا چاہئے ”اطاعت“ ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ہم سے زیادہ لائق اور قابل راے ہم کو راستہ بتائے تو ہم اپنی راے کو چھوڑ دیں۔ اور اوس کی پیروی کریں۔ اطاعت کا یہ لفظ سوسائٹی میں متحدہ طور پر کام کرنے کی بنیاد ہے۔

اطاعت
کے معنی

عموماً جو قواعد مقرر کئے جاتے ہیں وہ عوام کی بھلائی اور بہبودی کے لئے ہوتے ہیں اور اگرچہ کسی خاص شخص کی شرکت قواعد اور قانون بنانے میں نہ ہو الا مدنی حالت میں امن جب ہی رہیگا جب ہر شخص اپنے فرمان روا اپنے حاکم اپنے بڑے کا کہا ماننے آزادی صرف اس قدر جائز ہے جہاں تک کسی شخص کی ذاتیات سے تعلق ہے لیکن اگر تمدن میں آرام مطلوب ہے اور سوسائٹی میں سکون اور باقاعدگی رکھنا ہے تو کوئی شخص اون بندشوں سے آزاد نہیں ہو سکتا جو اوس کو اتحاد اور وحدانیت کے رشتہ میں جکڑتی ہیں۔ اور جو شخص سوسائٹی میں زیادہ ممتاز ہے وہی زیادہ پابند اور مطیع ہے کیونکہ وفادارانہ اطاعت اوس کے لئے نہ صرف فرض

قوانین کی
اطاعت

بلکہ اوس کی محافظ بھی ہے حکومت کرنے کو دل تو سب کا چاہتا ہے مگر جو لوگ اطاعت کے خوگر نہیں ہوتے وہ عمدہ حاکم بھی نہیں بنتے۔ اور جو ٹھیک ٹھیک اطاعت کرنا جانتے ہیں وہ ٹھیک ٹھیک حکومت بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ غیر مطیع شخص نہیں جانتا کہ حکومت کی حد کیا ہے۔

اطاعت میں سب سے اول حق والدین اور قریبی رشتہ داروں کا ہے اور اسی سبب سے گھر اطاعت سکھانے کا پہلا مدرسہ ہے۔ والدین خواہ بلحاظ مرتبت اور خواہ بلحاظ عمر و تجربہ اولاد پر بزرگی رکھتے ہیں لہذا اولاد کو اون کی اطاعت لازم ہے اور والدین کا فرض ہے کہ صرف اون کو پرورش ہی نہ کریں بلکہ ملکہ اطاعت اولاد میں پیدا کریں۔ تاکہ وہ آئندہ سوسائٹی کے بکار آمد ممبر اور ملک و قوم کے لئے بہترین نعمت ہوں۔ اگر اولاد اپنی بزرگوں کا کمانہ مانے یا اون کی شکر گزار نہ ہو اگر یہ نہ جانے کہ والدین کی اطاعت ہماری سعادت اور بہبودی کا باعث ہے تو اوس گھر میں خوشی اور امن و آسائش کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ نہ اون لوگوں سے آئندہ زندگی میں سوسائٹی کا عمدہ اور امن جو ممبر ہونے کی توقع ہو سکتی ہے جو شخص محبت اقرباء کے نرم رشتوں کا پابند نہ ہو اور اون کی موافقت نہ کرے تو حقوق تمدن کی سخت پابندیاں کب برداشت کر سکیگا۔ نہ وہ اچھا کارکن ہوگا نہ اچھا کارفرما۔ گھر کے بعد مدرسہ ادب اور اطاعت آموز ہوتا ہے۔ معلم وہ بزرگ ہیں کہ والدین نے اولاد کو اپنی تعلیم و تربیت سے نکال کر اُن پر بھروسہ کیا ہے پس معلمون کا فرض اطاعت سکھانا اور شاگردوں کا کام اطاعت کرنا ہے۔ کیونکہ استاد جو کچھ کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف طلباء کی بہبودی اور بھلائی کے مقصد سے ہوتا ہے اور بغیر تربیت اور تنبیہ کے کوئی عمدہ عادت نہیں پیدا ہوتی۔ آج کل آزادی کا بہت چرچا ہے اور اس میں شک نہیں کہ انسان کے لئے آزادی بہت عمدہ چیز ہے لیکن جب ہی تک عمدہ ہے کہ آزادی کی حد تک رہے۔ یعنی یہ کہ ہر انسان کو اپنے ایسے ذاتی کاموں میں جس کا اثر دوسروں پر نہ پڑتا ہو

اطاعت سوسائٹی کے امن کے لئے ضروری ہے

اختیار حاصل ہے کہ جو چاہے سو کرے۔ لیکن سوسائٹی میں رہ کر وہ اون قواعد اور بندشوں سے آزاد نہیں ہو سکتا جو تمام لوگوں کے امن و آسائش قائم رکھنے کے لئے مقرر و مسلم ہیں۔

باب ہشتم نفس شہوانی کی تہذیب

۱۔ عفت

نفس شہوانی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان میں ماکل و مشارب اور ناکم کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ اُن لذائذ کو ڈھونڈھتا ہے جو ان اشیاء سے حاصل ہوں یہ قوت انسان میں بقاء ذات اور بقاء نوع کا سبب ہے قدرت جو خواہش انسان میں پیدا کرتی ہے اوس کے واسطے وافر سامان مہیا فرمادیتی ہے انسان کی اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے بھی اوس نے بہت کثرت سے سامان اور لطیف اشیاء پیدا کی ہیں جن سے وہ حظ اوٹھا سکتا ہے۔ خود انسان میں بھی یہ قوت ہے کہ قدرتی اشیاء میں تصرف کرتا ہے اور اُن کو اپنے طور پر ترکیب دیکر طرح طرح کے مزیدار کھانے پکاتا ہے۔ مشرب بناتا ہے۔ آرائش و تزئین کے سامان مہیا کرتا ہے تاکہ لذت میں زیادہ افراط اور حظ میں زیادتی ہو۔

انسان میں
خواہشات شہوانی
کی ضرورت

انسان کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے پیچھے پڑتا ہے اوس میں افراط و تفریط کا خیال نہیں رکھتا اور جب اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے تو اوس فعل کی حکمت مفقود ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی وہ فائدے بھی جاتے رہتے ہیں جو قدرتی قوت کو اعتدال سے کام میں لانے میں منظور تھے۔ وہ جب نفس شہوانی کے تقاضوں کو پورا کرنے بیٹھتا ہے تو درجہ اعتدال سے گزر کر شہوت پرست ہو جاتا ہے اور کسی جائز و ناجائز حظ کو حاصل کرنے میں باک نہیں کرتا۔ اس لئے یہ ضرورت پڑتی ہے کہ انسان کو روکا جائے اور

افراط و تفریط

اوس کو اعتدال پر قائم رکھا جائے۔ قوت شہوانی میں اعتدال رکھنے سے عفت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی کھانے پینے اور نکاح کے معاملات میں اعتدال رہتا ہے۔ عفت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان نعمانے جائزہ کا ایسا تارک ہو کہ گھاس پات کے سوائے کچھ نہ کھائے۔ عمر بھر نکاح نہ کرے۔ بھوکوں مر جائے۔ پیاسا ہو تو پانی نہ پئے۔ نیند آئے تو آرام نہ کرے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہو تو وہ قانون حکمت سے ناواقف ہوگا اور احکام شریعت کے خلاف کرنے والا ہوگا۔ ^{۱۱} **لَا تَرْهَبُوا نَبِيَّتَنِي الْاِسْلَامِ شَرِيعَتِ** میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو انسان کو جائز تمتعات سے روکتا ہو بلکہ افراط و تفریط سے روکتا اور خلاف قاعدہ اور خلاف قانون استعمال کرنے سے منع کرتا ہے مثلاً شریعت میں یہ حکم نہیں ہے کہ کھانا نہ کھاؤ۔ پانی نہ پیو۔ نکاح نہ کرو۔ بلکہ یہ حکم ہے کہ ان تمام امور کو اعتدال سے بجالاؤ۔ ^{۱۲} **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنُوا** طَيِّبَتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ **وَكُلُوا مِمَّا ذَرَأَ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ**۔ مزے مزے کے کھانے کھاؤ مگر دوسروں کا مال نہ نکو۔ عمدہ عمدہ شربت پیو مگر شراب سے پرہیز کرو تاکہ عقل و ہوش گم نہ ہو جائیں۔ نکاح کرو اور وہ بھی ایسی عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں مگر پرانی بی بیان مست تا کو۔ بغیر نکاح اور بطور شادی کے کسی عورت کو اپنے پاس مست رکھو اون کے حقوق کا بھی خیال رکھو تاکہ اون کی اتنی کثرت نہ ہو جائے کہ دوسری طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہ ملے۔ اور دنیا کے کاروبار سے جاتے رہو۔ ^{۱۳} **يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ**۔ جو شخص ان انعامات خداوندی کا لطف نہیں اٹھاتا وہ کفران نعمت کرتا ہے۔ کسی قوت کو اپنے میں

اعتدال

^{۱۱} اسلام میں رہبانیت نہیں ہے ^{۱۲} اے مسلمانو جو اچھی چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کر دیں انہیں حرام مت کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو بیشک خدا حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو حلال طیب تم کو دیا اوسے کھاؤ اور خدا سے ڈرتے رہو جسے تم مانتے ہو۔ ^{۱۳} اے لوگو زمین میں جو چیزیں حلال طیب ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کی پیروی مت کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۱۲

کھو دینا فضیلت نہیں بلکہ اوس کو اعتدال پر رکھنا فضیلت ہے۔ اگر کسی شخص کی ران کے نیچے ایک چست و چالاک لیکن شریر گھوڑا ہو تو کیا وہ اوس کو اس طرح سدائے گاکہ اوس کی چستی و چالاک جاتی رہے اور وہ ایک گدھے کے مانند ہو جائے یا اس طرح تعلیم دیگا کہ اوس کی سرکشی جاتی رہے لیکن تیز روی چالاک کی خوبصورتی میں فرق نہ آئے بلکہ یہ اوصاف اور بڑھ جائیں۔ اسی طرح نفس کی کسی قوت کو بالکل برباد کر دینا نامردی ہے لیکن اوس کو اعتدال پر رکھنا عین حکمت ہے اور نشاء فطرت کے مطابق عمل کرنا ہے۔

لذائذ دنیا کی مذمت

شرع اور اخلاق کی کتابوں میں دنیا اور لذائذ دنیا کی مذمت جہاں کہیں بیان ہوئی ہے وہاں درجہ افراط سے مراد ہے جو ناجائز ہے۔ چونکہ انسان لذائذ دنیوی کے حاصل کرنے میں بہت ساعی اور کوشاں ہے اور ان خواہشات کو روکنا بہت مشکل ہے اس سبب سے اطباء و روحانی نے اس کی مذمت میں بہت مبالغہ کیا ہے تاکہ جب انسان اجتناب کی بہت کوشش کرے گا تب وہ اس قدر بچ سکے گا جو اعتدال کے قریب ہو۔

مآکل و مشارب میں اعتدال کا خیال رکھنا پرہیزگاری کہلاتا ہے اور امور مکمل میں اعتدال اور قواعد شریعت کی پابندی کرنا عصمت کہلاتا ہے۔

۲۔ پرہیزگاری

مآکل و مشارب میں اعتدال رکھنا بہت سہل ہے اور عموماً بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو ان چیزوں کی طرف رغبت کرتے ہوں جو شرعاً حرام و ناجائز و طباً مضرت ہیں۔ باقی جو چیزیں شرعاً جائز ہیں ان کا استعمال سجد اعتدال کرنا خواہ کیسی ہی لذیذ کیون نہ ہوں حکمت کے منافی نہیں ہے۔

مآکل و مشارب

منوعات

جن چیزوں کو شرع نے منع فرمایا ہے ان میں یہ حکمت ہے کہ وہ انسان کی کسی روحانی یا جسمانی صحت کو نقصان پہونچاتی ہیں مثلاً سور کا گوشت کہ شہوت اور بے حیائی زیادہ کرتا ہے یا شراب عقل میں فتور پیدا کرتی ہے اور صحت کو کھو دیتی ہے

شراب

ممنوعات میں سے شراب ایک ایسی چیز ہے کہ اون گروہوں میں بھی جو مذہب اور شائستہ کہلاتے ہیں بہت رائج ہے۔ اور لوگ نہ تفریقاً بلکہ رسم و رواج کی پابندی کے سبب احباب کی جلسوں یا دعوتوں میں پیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔

الکحل

انسان کی صحت اور اخلاق کا یہ دشمن پانی کی رو کی طرح چڑھا چلا آتا ہے اور اس کی بربادی کے ہاتھوں اچھے اچھے گھرانے اور اعلیٰ قابلیتوں کے شخص برباد ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ہیر بیان کرتے ہیں کہ ”تمام قسم کے منشی شربتوں میں الکحل ہی ایسا جزو ہے جو نشہ پیدا کرتا ہے باقی تمام چیزیں یا خوشبو پیدا کرتی ہیں یا شراب کو خوش ذائقہ بناتی ہیں۔ الکحل کے استعمال سے پہلے پہل نشاط بخش اثر پیدا ہوتا ہے اور اگر شراب تھوڑی مقدار میں پی جائے تو فوراً معدہ کی رگوں میں دوڑ جاتی ہے اور اوس کا اثر سارے بدن میں پھیل جاتا ہے۔ دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور خون کی زائد مقدار دماغ اور اعضائے بدن میں پہنچتی ہے اور تمام جسم میں گرمی پیدا ہوتی ہے لیکن جب ایک دفعہ گرمی پیدا ہو گئی۔ تو پھر قائم نہیں رہتی بلکہ اس کے برعکس نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ خون شراب کے اثر سے جسم کی سطح کے قریب بہت سا آ جاتا ہے اور تجزیر و انتشار کی وجہ سے اوس کی گرمی جلدی ضائع ہو جاتی ہے۔ جب یہ عمل شروع ہوتا ہے تو پھر بدن میں سردی زیادہ محسوس ہوتی ہے اور بہت دیر بعد بدن اپنی حرارت اصلی کی حالت پر عود کرتا ہے۔ فی الحقیقت شراب آدمی کو سردی سے نہیں بچا سکتی جو لوگ باہر جانے سے پہلے ایک گلاس شراب اس لئے پیتے ہیں کہ سردی سے محفوظ رہیں وہ غلطی میں ہیں۔ بہت سی حالتوں میں سردی کو روکنے کے لئے الکحل بیکار ہی نہیں ثابت ہوئی بلکہ مضر بھی ہے میں ایسے بہت سے توانا اور قوی آدمیوں کو جانتا ہوں جو سردی کی صرف اس سبب سے برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ بہت شراب پینے کے عادی ہیں۔ الکحل کے پینے سے نشاط پیدا ہوتی ہے لیکن اوس کے بعد بالضرور طبیعت میں لپستی اور مستی آ جاتی ہے“

شراب کا اثر
اعضاء بدن

اگر شراب کثرت سے پی جاوے جیسا کہ شراب خوامی کے جلسوں میں اکثر ہوا کرتا ہے

تو دماغ اور نخاع پر اوس کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ انسان کا قابو عضلات کی حرکت ارادی پر نہیں رہتا غیر منتظم اور ضعیف حرکتیں اوس سے صادر ہونے لگتی ہیں۔ سید بچلنا محال ہوتا ہے۔ چلتے میں پاؤں لڑکھڑاتے ہیں اور قدم قدم پر پاؤں ڈگمگاتے ہیں یہ دوسرا درجہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور حالت شروع ہوتی ہے کہ دماغ اتنا مختل ہو جاتا ہے کہ سوچنا سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ بات کرنا مشکل ہوتا ہے۔ زبان سے ٹوٹے ٹوٹے فقرے نکلتے ہیں اور تمام حرکات ارادی پر قابو نہیں رہتا۔ اس کے بعد جو کچھ حالت ہے جس میں دماغ بالکل معطل ہو جاتا ہے اور غور ایسا بے حواس ہو کر پڑ جاتا ہے کہ اسے تن بدن کے کبھی ہوش نہیں رہتے۔

کھانے کے بعد اگر تھوڑی سی کمزور شراب پی جائے تو وہ کھانا اچھی طرح ہضم کر دیتی ہے لیکن اگر کوئی تیز شراب کھانے کے بعد یا کھانے کے ساتھ پی جائے تو باضمہ کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ اگر غالی معدہ میں شراب پین تو معدہ کی یافت کی رطوبت تحلیل ہو جاتی ہے۔ معدہ میں غلش پیدا ہوتی ہے اور معدہ کے بعض اجزا میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر مدت تک یہ ورم قائم رہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ غذا ہضم نہیں ہوتی اور الکحل کے استعمال سے بہت سے معدہ کے امراض پیدا ہوتے اور جو انون کو تلاما کر لیتے ہیں

”الکحل کے استعمال سے اتنی طاقت نہیں رہتی کہ انسان کسی سخت محنت کا تحمل کر سکے“

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شراب دماغ کو چست و چالاک بنا دیتی ہے اور قوا دماغی کو تقویت دیتی ہے لیکن یہ تقویت عارضی ہے اور یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ منشی اشیاء کا اثر قوائے دماغی کو قوت نہیں بخشتا“

”شراب کے استعمال سے رفتہ رفتہ برے اثر کر کے بہت سے نو جوانون کو جن میں بہت سے کام کرنے کی قابلیت تھی بیکار بنایا اور قبل از وقت مارا ہے اور بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی نے بہت سی شراب پی لی تو پھر کبھی

ہوش میں نہ آیا اور اس حالت میں مر گیا“

شراب کی خواہش

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر ایک بار شراب پی جاے تو پھر نہیں چھوڑتی اور اور زیادہ پینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تھوڑے دن بعد ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ پھر پینے سے نیت ہی نہیں بھرتی اور اگر کوئی شخص نہ پئے تو دل پر سخت جبر کہنا پڑتا ہے۔ مقدار کو بڑھانے کی خواہش اس سبب سے پیدا ہوتی ہے کہ دل یہ چاہتا ہے کہ جو کیفیت پہلے آئی تھی پھر حاصل ہو یہ خواہش خلالت فطرت ہے کسی غذا کو خواہ کتنی ہی عمدہ کیون نہ ہو یہ دل نہیں چاہتا کہ کھائے جائیں لیکن الکحل کا خاتمہ ہی نرالا ہے کہ جو جو پیو اور پینے کی خواہش بڑھتی جاتی ہے اور پھر یہ خواہش بھی اس درجہ کی ہوتی ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو لیکن ہاتھ سے پیالہ نہ چھوئے۔ اس لئے شراب کے پہلے ہی پیالہ سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

الکحلزم

الکحل میں یہ بڑی خرابی ہے کہ اس کا اثر اولاد میں بھی آتا ہے اور اولاد میں ایک بیماری جس کو ”الکحلزم“ کہتے ہیں پیدا ہوتی ہے۔ ماں باپ کو چاہئے کہ ذرا سوچ سمجھ کر شراب پیا کریں۔

شراب بدن کی

تخلیل و ترکیب
میں مغل ہے

شراب کا ایک بہت بڑا اثر یہ بھی ہے کہ جسم کی تحلیل کم ہو جاتی ہے اور فضلات اس قدر نہیں نکلتے جتنے کہ نکلنے چاہئیں۔ کاربانک ایسڈ گاس شش سے کم نکلتا ہے خلقتاً حیوان کا جسم ہر وقت بدلتا رہتا ہے یعنی بعض اجزاء تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور اس کی جگہ اس مادہ سے جو غذا سے حاصل ہوتا ہے دوسرے اجزاء بنتے رہتے ہیں۔ اگر یہ عمل رُک جاے اور بدل مایہ تحلیل نہ ہو تو طبیعت اپنا کام اچھی طرح نہیں کر سکتی۔ الکحل کا خاصہ ہے کہ خون میں اکسیجن کی مقدار کو کم کرتی ہے اور کاربانک ایسڈ زیادہ پیدا کرتی ہے اس سبب سے جو غذا کھائی جاے وہ اچھی طرح جزو بدن نہیں ہو سکتی۔ الکحل میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو بدن کی ترکیب اور ترمیم میں کام آئے نہ الکحل دماغ۔ نخاع۔ عضلات اور خون کی ساخت میں داخل ہو سکتی ہے بلکہ لٹی اون کی ترکیب میں خلل انداز ہوتی ہے۔

شراب کا اثر
اخلاق پر

”ہر سال ہزاروں آدمی شراب کی وجہ سے مرتے ہیں اور شراب خواروں سے نیکروں
اس قسم کے حادثے ہوتے ہیں کہ کوئی کنوئیں میں ڈوب مرا۔ کوئی پہاڑ سے گرا۔
کوئی دریا میں ڈوب گیا“

شراب کے متوالے جب بہت سی پی جاتے ہیں تو رات رات بھر باہر بڑے رہتے
ہیں سردی میں اگر جاتے ہیں اور مہلک امراض میں گرفتار ہو جاتے ہیں کبھی الکحل کا
غیر طبعی جوش یا نشہ کی شدت اور ان کو خودکشی کا ملزم بناتی ہے اور بعض نشہ بازوں
کی ساری زندگی پاگل خانہ میں بسر ہوتی ہے۔

بازار میں جو عام طور پر دیسی عرق ملتا ہے یہ اور بھی بدتر ہوتا ہے یہ نہایت بد ذائقہ
اور نشہ دار عرق ہے۔ اور اس میں الکحل کے سوا اور زہریلے مادے بھی ملے ہوئے ہوتے ہیں
شراب کی کثرت سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں منجملہ ان کے امراض ذیل
بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ بد ہضمی۔ دل کی بیماریاں۔ دق۔ سل۔ ذات الیچ۔
اعصابی بیماریاں۔ صرع۔ سکے۔ بے خوابی۔ ہڈیاں۔ جنون۔ گردہ اور جگر کے
امراض۔ وغیرہ۔

امراض جو شراب
سے پیدا ہوتے
ہیں

بعض حکماء کا خیال ہے کہ شراب کی کثرت سے قوت متخیلہ پریشان ہو جاتی ہے
جسم نحیف اور قوا باطنی کمزور ہو جاتے ہیں۔ عزم و استقلال ساتھ چھوڑ دیتے ہیں
اور قوت فیصلہ بالکل گم ہو جاتی ہے اور انسان کا ذرا بھی بس نہیں رہتا کہ وہ اپنے
قوا و شہوانی کو روک سکے۔ اور اک و فہم میں کمی آ جاتی ہے اور ساری دماغی قوتیں
ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ خود داری کا خاتمہ ہو جاتا ہے خود اعتمادی کا نام بھی یاد
نہیں آتا اور دل کا ہلی سستی۔ بلکہ خواری کے دریا میں ڈوب جاتا ہے۔ اور انسان
سے ایسے شرمناک افعال صادر ہوتے ہیں جن سے پرہیز گاری کے زمانہ میں وہ خود
نفرت کرتا اور بھاگتا تھا۔ اسی سبب سے جس قدر شراب خواری کی کثرت بڑھتی جاتی
ہے جرائم کی تعداد بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب شراب اپنا اثر کرنا شروع کرتی
ہے تو سب سے پہلے بے شرمی کا سامنا ہوتا ہے۔ چھوٹوں کا لحاظ بڑوں کا ادب

شراب عمدہ
اوصاف
کھودیتی ہے

ہمسرون کی حیا جاتی رہتی ہے۔ انسان زیادہ باتیں کرنی شروع کرتا ہے اور اس بکو اس میں اپنے تمام راز ظاہر کر دیتا ہے دیانت اور عزت کے خلاف اس کے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات ظلم و ستم بھی کر بیٹھتا ہے اس سبب سے شرع نے شراب خواری سے منع فرمایا ہے **فِيهِمَا اِلْتِمَ كَبِيرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِلْتِمَ اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا**۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر تھوڑی سی شراب پی جائے تو کام خوب ہوتا ہے اور طبیعت چست و چالاک رہتی ہے لیکن یہ خیال غلط ہے ڈاکٹر رچرڈسن کی رائے ہے کہ ”دماغی کام کرنا لوں کے لئے شراب سے زیادہ کوئی مضر شے نہیں ہے اور جن لوگوں کو جسمانی کام زیادہ کرنا پڑتا ہے وہ بغیر شراب پئے زیادہ مستعدی سے کام کر سکتی ہیں اور کم تھکتے ہیں“ شراب کے علاوہ اور بہت سی اشیاء ہیں جو نشہ کے لئے استعمال ہوتی ہیں اور کم و بیش سب ہی مضر صحت ہیں مثلاً افیون خواب آور زہر ہے۔ ہندوستان میں افیون کھانے کی عادت بہت پھیلی ہوئی ہے افیون اعصاب پر بہت شدت سے اثر کرتی ہے۔ تھوڑی سی کھائی جائے تو درد کو افاقہ ہوتا ہے زیادہ کھانے سے نیند آتی ہے۔ اگر تھوڑی سی افیون کھائیں تو اوّل اوّل دماغی قوتیں حرکت میں آتی ہیں لیکن پھر اس کے برعکس عمل شروع ہو جاتا ہے اور بدنی اور ذہنی قواں میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ افیون کھانے کی خوفناک عادت کے جاری رکھنے سے عمر بھر کے لئے دماغی اور بدنی قوت تباہ اور برباد ہو جاتی ہے اور جسم کے کل اعضاء کے کام میں خلل پڑ جاتا ہے۔ قوت ہاضمہ کم ہو جاتی ہے بھوک گھٹ جاتی ہے غذا مزہ نہیں دیتی۔ جسم کے عضلات گھٹنے لگتے ہیں جلد میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور جلد سکڑ جاتی ہے اور مصیبت زدہ انسان قبل از وقت بڑھا ہو جاتا ہے۔ گانجہ اور بھنگ بھی انسان کو بدست کر دیتے ہیں اور ان سے بھی صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور خلاف اخلاق افعال سرزد ہوتے ہیں۔

افیون

گانجہ اور بھنگ

۱۔ ان دونوں (جو شراب) میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ نہیں اور ان دونوں کا گناہ فائدہ

سے بڑھا ہوا ہے ۱۲

تنباکو

تنباکو کے اجزا کی تاثیر یہ ہے کہ وہ غنودگی۔ درد سر۔ دل اور پٹھون میں لرزہ زبان پر گرمی۔ حلق اور منہ میں خشکی پیدا کرتا ہے۔ اس کا ایک جز نکوٹین ہے جو اس قدر قوی زہر ہے کہ دو سگار میں جس قدر اُس کی مقدار ہوتی ہے اگر ایک دفعہ ہی خون میں مل جائے تو انسان ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ جب پہلے ہی پل تنباکو پیا یا کھایا جائے تو یہ تاثیریں اپنا رنگ دکھاتی ہیں اور متلی اور سٹے پیدا ہوتی ہے۔ تنباکو سے خون کی گردش خصوصاً دماغی خون کی گردش غیر منتظم ہو جاتی ہے اور پہلے دوران سر اور اُس کے بعد درد سر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان اس زہر کا عادی ہو گیا تو پھر اُس کو ایسی علامات معلوم نہیں ہوتیں اور وہ بے تکلف سگار پر سگار اور چلم پر چلم اڑا لے جاتا ہے۔ یہ چٹکیاں بھر بھر کر پان میں زردہ ڈالتا ہے اور کھا جاتا ہے۔ لیکن نکوٹین جیسا قوی زہر بغیر اپنا اثر کئے نہیں رہتا اور ایک عرصہ کے بعد تنباکو کا بہت عادی سبب خوابی۔ اختلاج قلب اور ایسی ہی ایسی بلاؤں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اوائل عمر میں تنباکو کے استعمال کی عادت ڈالنا۔ دل و جسم کے نمو کو روکتا ہے اور نو عمر لڑکے اگر اس کی عادت ڈالیں تو بد ہضمی۔ اختلاج قلب۔ اعصابی انتظام میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے تنباکو پینے کی عادت کو کبھی شروع ہی نہیں کرنا چاہئے۔ جو طالب علم تنباکو پیتے ہیں وہ اپنی جسمانی دماغی اور ذہنی قوتوں کو کمزور کر لیتے ہیں اور تنباکو نہ پینے والوں کی نسبت گھٹائے میں رہتے ہیں۔ جب ایک بار تنباکو پینے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر یہ لت چھٹائے نہیں چھٹتی۔

لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اوامرو نو اہی کی پابندی نہ کرنے اور عیش اڑانے میں اس زندگی کی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں لیکن اون کا یہ خیال غلط ہے پرہیزگاری میں جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں وہ ناپرہیزگاری میں نہیں ہو سکتیں اگر ناپرہیزگاری انسان کو حقیقی مسرت پہنچا سکتی یا بنی نوع انسان کے لئے اُس کا

پرہیزگاری

استعمال مضر نہ ہوتا تو وہ ”ناپرہیز گاری“ نہ کہلاتی۔ پرہیز گاری سے جو مسرت اور لذت حاصل ہوتی ہے ناپرہیز گار آدمی اُس سے آشنا نہیں ہوتا۔ وہ قیام پذیر لذت کو ایک فانی اور سرریح التغیر لذت کے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اور خسرا اللہ دنیا والاخرہ بجاتا ہے۔

مہ عصمت

خواہش نکاح
کی ضرورت

مقالہ دوم کے باب نکاح میں عصمت کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قدرت نے نکاح کی خواہش انسان کو اس واسطے عطا فرمائی ہے کہ انسان کے دونوں گروہوں یعنی مرد و عورت میں موافقت و اتحاد رہے اور ان کے ذریعہ سے بنی نوع انسان قائم رہے انسان کے علاوہ دیگر حیوانات میں بھی یہ خواہش ہے لیکن وہ اکثر اس سے سوائے قیام نسل کے دوسرا فائدہ نہیں اٹھاتے۔ انسان اپنے ساتھی سے ہر طرح کی مدد و معاونت حاصل کرتا ہے۔ جو اس کے آرام و آسائش اور خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ اور تمدن و معاشرت کی راحتیں اس وقت تک کامل نہیں ہوتیں جب تک مرد و عورت دونوں ان کے مہیا اور فراہم کرنے میں کوشش نہ کریں۔ اور اپنی کوششوں میں سے ایک دوسرے کو حصہ نہ دیں۔ لیکن جہاں انسان میں بہت سے نقص ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ وہ لذائذ کے حاصل کرنے میں بہت غلطی کرتا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ لذت طریقہ استعمال سے زیادہ اسراف حاصل ہوتی ہے اس سبب سے وہ عورتوں کی کثرت کی خواہش کرتا ہے۔ اور ایک بیوی پر قساع بنیں ہوتا۔ بعض اوقات بدبختی سے کئی بیویاں بھی اسے محدود نہیں رکھ سکتیں۔ اور وہ حظ نفس کی خاطر جہاں بس چلتا ہے۔ جاتا ہے۔ جس انسان کی یہ حالت ہو وہ حیوانات سے بدتر ہے کیونکہ حیوان اپنے جوڑے کے سوا دوسری طرف بہت کم میل کرتے ہیں اور اس سبب سے ان میں کوئی جنگ ایسی نہیں ہوتی جو زر۔ زمین۔ زن کے لئے ہو۔ لیکن انسان کی تاریخ میں

انسان کی
غلطی

ایسے صد ہا واقعات موجود ہیں کہ ایک عورت کی خاطر سخت سے سخت جنگ جہاں ہوئے ہوں۔ ملک کے ملک تباہ ہو گئے ہوں۔ راج پاٹ لٹ گئے ہوں۔ اور قوموں کی ہبہودی اور عزت پر پانی پھر گیا ہو۔ ہزاروں کے خون پانی کی طرح بہ گئی ہوں۔ اور کڑوڑوں روپیہ آتش بازی کی طرح سامان جنگ میں پھینک گیا ہو۔ اور ان سب کا نتیجہ پشیمانی۔ حسرت۔ ناامیدی اور ندامت ہو۔ اور ہر شک جو شخص جائزہ امتعات کو چھوڑ کر ناجائز کی طرف میل کرے وہ کبھی راحت خوشی آرام و مسرت نہیں پاسکتا۔

حرص

انسان اپنے ناکردنی افعال کے چھپانے کے لئے بہت سے عذرات گھڑ لیتا ہے اور جب وہ عصمت کی حدود سے باہر نکلتا ہے تو بھی ایسے ہی نامعقول عذرات بیان کرتا ہے لیکن فی الحقیقت سوائے حرص کے اور کوئی سبب نہیں ہوتا۔ کمزور طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اصلی اور پایدار لذت سے زیادہ عارضی شدید لذت کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے جو غذائیں کہ بدن کی پرورش کرتی ہیں اگر پھسکی ہوں تو انسان سے نہیں کھائی جاتیں لیکن اچار اور چٹنی کے نام سے اوس کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ اگرچہ ان میں پرورش بدن کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح بازاری عورتوں کی نمائش۔ تزیین اور شوخی اوسکو زیادہ گرویدہ کرتی ہے بہ نسبت ایک مذہب اور سنجیدہ بیوی کے۔ اور جب ایک بار وہ حرص کے میدان میں پہنچ جاتا ہے تو اوس کی عقل گم ہو جاتی ہے اور اوسے یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ تمام خوبصورت عورتوں سے تمتع حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اپنی صحت کا اپنے روپیہ کا اپنی عزت کا اپنی خوشی کا خون کرتا ہے۔ جو حفظان بازاری عورتوں سے حاصل ہوتا ہے وہ بہت عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ اصل حظ محبت میں ہے اور ظاہر ہے کہ ان عورتوں کو محبت نہیں ہوتی اور وہ اپنی محبت روپیہ کے بدلے اس طرح فروخت کرتی ہیں جیسے کوئی سوداگری کی شے۔ ہزاروں مثالیں ایسی نوجوانوں کی موجود ہیں۔

جنہوں نے اس خبط میں اپنی صحت کا نقصان کیا اور قبل از وقت موت کا مزہ چکھا۔ یا تمام روپیہ برباد کر کے آخر کار مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ اور تمام دنیا نے ان کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا۔ اور اسی سبب سے شرع نے اسکی سخت ممانعت فرمائی اور شدید عذاب اس کے لئے خدائے تعالیٰ نے مقرر کیا ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا جو لوگ پاک دامن اختیار کرتے ہیں وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں تمام حظ اور لذتیں پاتے ہیں کیونکہ ان کو وہ مسرت نصیب ہوتی ہے جو حقیقی ہمدرد کے اظہار محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ طبیعت میں وفاداری اور ثابت قدمی کا خیال خوشی پیدا کرتا ہی اور وہ بے حیائی کی مذلت سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ افعال شنیعہ کے ارتکاب سے بچانے کے لئے انسان کو حیا عطا ہوئی ہے اور اگر انسان اس قوت کو ترقی دے تو ہمیشہ پاک دامن رہ سکتا ہے۔

حیا حیلہ قوت ہے جو خواہشات نفسانی کے روکنے کے لئے اس واسطے استعمال کی جاتی ہے کہ دوسروں کی نظروں میں تذلیل نہ ہو۔ حیائیک بختی اور پاک دامن کی محافظ ہے حیا ایک روحانی قوت ہے جو ناجائز اور بے شرمی کے افعال سے بچانا چاہتی ہے۔ اس کا احساس اس قدر تیز اور جلدی ہوتا ہے کہ کسی مضرت رسان میلان یا عمل قبیح کے ارتکاب کا خیال آتے ہی یہ قوت حرکت میں آتی ہے اور تمام ایسے موقعوں کی شرکت سے جن میں اپنی آلودگی کا ذرا سا احتمال بھی ہو بچاتی ہے۔ حیا کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان برے کاموں کو علانیہ کرتا ہو اس سبب سے شرمائے کہ لوگ دیکھیں گے تو برا کہیں گے بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ وہ ہے کہ اگر کسی کی اطلاع یا دیکھنے کا خوف نہ بھی ہو تو بھی بُرائی کو بالطبع مکروہ سمجھے اور خیال کرے کہ خداوند تعالیٰ جو حاضر و غائب یکساں دیکھتا ہے ہمیں دیکھ رہا ہے بلکہ خود اپنی نظر میں اپنے برے کام ایسے بدنما معلوم ہوں کہ اگر کسی اور سے نہیں تو خود اپنے سے حیا آئے لے زنا کے پاس مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی اور ناراضی کا کام ہی اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

مقالہ دوم

تدبیر منزل

باب اوّل

امور نافعہ

۱۔ گھر کی عام حالت

تدبیر منزل حکمت کا ایک حصہ ہے اس میں اون تدابیر اور اصول سے بحث ہے جو ایک گھر کے رہنے والوں کے باہمی تعلقات اور روابط محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ تاکہ اون لوگوں میں محبت و انس قائم رہے۔ اور وہ آرام و خوشی ملاپ اور سنجوگ سے بسر کریں اور باہمی حقوق کا خیال رکھیں۔ کتاب حجۃ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک بحث تدابیر نافعہ کے بیان میں لکھی ہے جس میں منزل اور تمدن کے اصول پر بحث فرمائی ہے ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے ”انسان اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کرتا ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تدابیر ادنیٰ اور دوسرے تدابیر اعلیٰ۔ تدابیر ادنیٰ تو وہ ہیں جو ادنیٰ طبقہ کے لوگ مثلاً بیابان۔ پہاڑ اور چھوٹے چھوٹے دیہات میں رہنے والے اشخاص اختیار کرتے اور عمل میں لاتے ہیں۔ تدابیر اعلیٰ وہ قوانین ہیں جو بڑے شہروں کے رہنے والے اشخاص جن کے تجربہ اور تعلقات بہت وسیع اور جن کے اخلاق کامل اور عقلیں صحیح ہوتی ہیں وضع کرتے ہیں ان تمام تدابیر کا نام جو حوائج انسانی کے رفع کرنے کی غرض سے کی جاتی ہیں ”تدابیر نافعہ“ ہے یہ

تعریف

تدابیر ادنیٰ و

تدابیر اعلیٰ

تدبیر انسان کے دل میں وقتاً فوقتاً بطور الہام کے خداوند تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر روز ایسی نئی نئی ایجاد ہوتی رہتی ہیں جو پہلے موجود نہ تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ ایجاد بہت عام ہو جاتی ہیں اور ہر شخص ان کو استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ضروریات زندگی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ تدبیر نافعہ مبدع فیاض سے صرف انسان ہی کو الہام نہیں کی جاتی بلکہ حیوانات کو بھی الہام کی جاتی ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی کو پھولوں سے رس چوس کر شہد بنانا۔ پرندوں اور دوسرے جانوروں کو اپنا گھر بنانا۔ بچوں کی پروا کرنا۔ شکاریوں سے بچانا۔ سب قدرت نے بطور الہام سکھایا ہے جس طرح حیوانات کی تمام نوع کی ضروریات یکساں ہیں اسی طرح انسان کی ضروریات نوعی یکساں ہیں اور قدرت نے تمام نوع انسان کے دل میں حوائج کے رفع کرنے کی تدبیریں الہام فرمائی ہیں۔ لیکن نوع انسان میں ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اوس کے افراد عقل و تدبیر میں باہم مساوی نہیں۔ کوئی زیادہ عقلمند ہے کوئی کم۔ اون کے میلان بھی مختلف ہیں ایک کی عقل ایک کام میں زیادہ لڑتی ہے اور دوسرے کی فکر دوسرے کام میں خوب کام کرتی ہے۔ انسان قدرتی اشیاء میں تصرف و تغیر بھی کرتا ہے یعنی اون کی صورتوں کو بدل کر اپنی حاجت و ضرورت کے مطابق بنا لیتا ہے۔ ان ہی وجوہ سے انسان کی تدبیریں یہ امور اور اضافہ ہو گئے ہیں۔

۱۔ حیوانات کی آمادگی کسی طبعی خواہش یا خارجی احساس کے سبب سے ہوتی ہے مثلاً بھوک پیاس وغیرہ کے باعث لیکن انسان عقلی منفعت کی وجہ سے آمادہ ہوتا ہے مثلاً وہ چاہتا ہے کہ معاشرت اور تمدن کا عمدہ انتظام کرے۔ اپنی تہذیب نفس کرے۔ اپنی عزت و وقعت یا محبت لوگوں کے دلوں میں قائم کرے۔ ۲۔ حیوانات صرف اسی قدر کوشش کرتے ہیں کہ حاجت رفع ہو جائے مثلاً پیٹ بھر جائے۔ پیاس بجھ جائے۔ لیکن انسان کا برابری کے علاوہ۔ لذت۔ خوشامی

حیوان انسان
کی آمادگی میں
فرق

رفع حاجت کے
علاوہ انسان
لذت و خوشامی
اور فطرت بھی چاہتا

تفوق کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور اس سبب سے وہ بیوی بھی کرتا ہے تو حسین۔ کھانا پکاتا ہے تو مصالحو دار۔ مکان بناتا ہے تو عالی شان۔ لباس پہنتا ہے تو فاخرہ۔ چلتا ہے تو سواری میں اور وہ بھی جلوس کے ساتھ۔ غرض اصلی ضروریات سے زیادہ آرائش و نمائش کا سامان مہیا کرتا ہے۔

چونکہ انسان کی عقلوں کے درجے مختلف ہیں اس سبب سے بعض تو انہیں سے ایسے عقلمند اور دقیقہ شناس ہوتے ہیں۔ کہ وہ خود عمدہ اور مفید تدابیر کا استنباط کرتے ہیں۔ اور بعض خود کوئی تدبیر نہیں نکال سکتے لیکن جب وہ حکماء کی باتوں کو سنتے اور حکیمانہ کاموں کو دیکھتے ہیں تو ان کو آسانی سے سمجھ لیتے ہیں اور ان پر کاربند ہوتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خود ان لوگوں کو بھی بالطبع یہ ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے رفع کی ترکیب نہیں سوچ سکتی۔ اس سبب سے اس کی الجھن اور تلاش رہتی ہے۔ اور جب ترکیب معلوم ہو جاتی ہے تو ان کی عقل اسے تسلیم کر لیتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص کچا اناج کھاتا ہو اور یہ چاہتا ہو کہ کوئی تدبیر اس کی اصلاح کی ملے کہ یہ خوب ہضم ہونے لگے۔ اب وہ کسی ایسے شخص سے ملے جو پکا کر کھانا اور مصالحہ ڈالکر مزیدار بنانا جانتا ہو تو یہ شخص فوراً اس حکیم کی تدبیر اختیار کر لے گا کیونکہ یہ تدبیر اس کے علم جمالی کے موافق ہونگی۔ یہ ”تدابیر نافعہ“ جو انسان حوائج کے رفع کے لئے عمل میں لاتا ہے۔ بشمار ہیں اور روز بروز نئی ایجاد ہوتی جاتی ہیں مثلاً

۱۔ لغت کا ایجاد کرنا کہ انسان اپنا ما فی الضمیر بیان کر سکے اور دوسروں کا مطلب سمجھ سکے۔ یا حروف کا اختراع جس کے وسیلہ سے دور بیٹھے لوگ دوسروں کے مطالب سے آگہی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ہی ڈاک۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف وغیرہ ہیں۔

۲۔ گرمی اور سردی سے بچنے اور ذخیرہ جمع کرنے کے لئے مکانات بنانا۔

۳۔ اکتساب معاش کے لئے زراعت کرنا۔ درخت بونا۔ کنوئیں کھودنا۔

ان کاموں میں بہائم سے کام لینا۔ یا آلات اور کلین ایجاد کرنا۔

۳۔ بہائم کے پوست۔ درختوں کی چھال۔ رولی۔ ریشم۔ وغیرہ اشیاء سے لباس بنانا اور اس کے لئے کلین اور آلات ایجا کرنا۔

۵۔ عورت کو بذریعہ نکاح اپنا معین بنانا جس میں دوسرے فراحت نکرین تاکہ وہ خانگی ضرورتوں میں کام دے۔ اور اولاد کی پرورش اور تربیت میں مدد کرے۔ ۶۔ سواری اور شکار کے لئے جانوروں کا مطیع کرنا اور سدھانا۔

۷۔ باہم مصنوعات کا تبادلہ کرنا۔ یا روپیہ کے ذریعہ سے خرید و فروخت کرنا۔

۸۔ جس شخص کی رائے درست۔ عزت و قوت زیادہ ہو اس کو حاکم یا بادشاہ بنانا۔ ایسے قوانین جاری کرنا جس سے باہمی تنازعات کا فیصلہ ہو سکے ظالموں کو ظلم سے روکا جائے۔ حفاظت ملک کے لئے آلات حرب بنانا۔ فوج قائم کرنا وغیرہ

گھر کا اثر

ان تدابیر نافعہ میں بعض تدبیر منزل سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض تمدن سے تدبیر منزل گھر کے اُن تعلقات کی درستی کا نام ہے جن پر انسان کی راحت منحصر ہے اگر کسی شخص کا چال و چلن یا اس کے عام اخلاق معلوم کرنے ہوں تو اس کا بڑا و قریبی رشتہ داروں کے ساتھ دیکھو کہ وہ اپنے روزمرہ کے فرائض اُن کے ساتھ کس طرح ادا کرتا ہے۔ وسیع دنیا کے تعلقات کی نگہداشت اور بڑی سوسائٹی میں داخل ہونے کی قابلیت تمام انبائے جنس سے مناسب طور پر سلوک کرنے کا ملکہ خانگی حقوق اور خانگی فرائض کی سجاوڑی سے حاصل ہوتا ہے۔ گھر سب سے پہلا مدرسہ ہے جہاں تہذیب اخلاق کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ اور تمام شریف جذبات بدن کے ساتھ نشو و نما پاتے ہیں۔ تمام خوبیاں اور قابل قدر عادتیں جو مودی بکمال ہیں اور جن کا اثر بیرونی دنیا پر پڑتا ہے۔ گھر میں پیدا ہوتی ہیں اور اگر یہاں اپنی فرائض ادا کئے جائیں تو طبیعت میں محبت بنی نوع اور ادائے فرائض اور احتیاط اور غور و پرداخت اور ایثار کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ کنفیوسیس کہا کرتا تھا کہ اگر خانگی فرائض اچھی طرح ادا کئے جائیں تو کہیں جا کر قربانی چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ مبارک ہے وہ گھر جس کے مکینوں میں باہمی سلوک ہو۔ بزرگوں میں شفقت ہو

تو خوردون میں اطاعت۔ بھائی بہنوں میں موانست۔ رشتہ داروں میں مہربانی
تواضع اور ایثار۔ میان بیوی میں اُلفت۔ پاس عصمت۔ اور سب میں باہم
صداقت حسن سلوک و ہمدردی۔ تاکہ ہر شخص کو دنیا کی تکالیف اور رنجوں سے
ایک تسکین دے اور دل بہلانے والی جگہ مل سکے جہاں ایسے یقین ہو کہ میرے
سچے غم غلط کرنے والے اور رنج و راحت میں شریک ہونے والے موجود ہیں۔
جس گھر میں محبت نہیں خواہ وہ محل ہو یا قلعہ لیکن جسم بے روح ہے اور گھر کے
نام کا مستحق نہیں۔ کیونکہ گھر قلعہ کی طرح بیرونی دشمنوں اور حملہ آوروں کی تعدی
سے پناہ نہیں دیتا۔ بلکہ وہ دنیا کے افکار اور دنیا کی تشویش سے ایک با امن
اور تسکین دہ مقام ہے۔ سٹیبل صاحب فرماتے ہیں کہ اچھا گھر جنت کے مانند
ہے یعنی جہاں میان بیوی بھائی اور بہن بچے اور ماں باپ طرح طرح سے ایک
دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور پھر مدد بھی ایسی کہ اور کوئی کر نہیں سکتا۔ کیونکہ
اور کسی کو نہ تو ایسی خدمت کے موقع مل سکتے ہیں نہ کسی کو عادات ہی سے
ایسی واقفیت ہوتی ہے اور نہ کوئی اہل منزل کی طرح خون اور گوشت و پوست
میں خلقی طور پر شریک ہوتا ہے نہ باہمی عزت و اکبرو۔ بہبودی۔ شہرت۔ اقبال مندی۔
ناموری۔ بھلائی کا دلی خواستگار ہوتا ہے۔ صرف اہل منزل ہی ہیں کہ ایک
کی خوشی ناموری۔ بہبودی۔ شہرت اقبال مندی کو سب اپنا فخر اور اپنی بھلائی
خیال کرتے ہیں۔ ایک کی مصیبت سے سب کا دل دکھتا ہے بلکہ خود مصیبت
میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ایک کے خراب اعمال اور نالائقیان سب کو ذلیل و
خوار کرتی ہیں۔ اور ان کی پاکی طبیعت شرافت اور قوت خود سب کا پایہ بلند
کرتی ہے۔ اور پھر باہمی اداائے فرائض فردوس تو کیا چیز ہے خدا تک پہنچاتے
ہیں۔ اچھے گھر میں اچھے اور بُرے گھر میں بُرے اخلاق انسان کی طبیعت میں
نامعلوم طور پر جاگزیں ہوتی ہیں۔ مدرسہ کی تعلیم کا نمبر گھر کی تعلیم کے بعد ہے اور
اس کے بعد دنیا کا نمبر ہے۔ جہاں عملاً کام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ عورت ہو یا مرد

آگے چلکر وہ جیسے ہونگے یا ہوتے ہیں اوس کا انحصار بیشتر اسی ابتدائی تربیت پر ہوتا ہے۔ جو انہوں نے گھر یا مدرسہ میں حاصل کی ہے اگر ان کو گھر میں یا مدرسہ میں تربیت و تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا اور اسی طرح بے تربیت اور ناشائستہ وہ اہل دنیا میں داخل ہو گئے ہیں تو خود اُن پر اور اس سوسائٹی پر جس کے وہ ممبر ہیں افسوس ہے۔ سب سے بہتر گھر وہ ہے جہاں کا انتظام۔ جہاں کی تعلیم۔ جہاں کی تربیت۔ جہاں کی تادیب سب اچھے اصول پر مبنی ہو۔ اخلاقی تربیت قانون قدرت کی طرح اثر کرتی ہے اور جو لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں ان کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔

رئیس منزل

دنیا میں ہر ایک نظام کے لئے ایک رئیس ضرور ہوتا ہے جو تمام مصالح و نظم کا ذمہ دار ہو اسی طرح ہر گھر میں ایک شخص رئیس منزل ہے جو گھر کے مصالح و انتظام کا مرجع و ذمہ دار ہوتا ہے اوس کو تمام گھر والوں کی خصلت اور طبیعت سے اچھی طرح واقف ہونا لازم ہے تاکہ اگر انتظام میں کوئی خلل پڑے تو اُسے دور کر سکے۔ صاحب خانہ کی ذمہ داریاں بہت وسیع اور اہم ہیں لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اپنی خانگی ذمہ داریوں سے واقف نہیں یا اُن کو ضروری نہیں سمجھتے صاحب خانہ کو لازم ہے۔ کہ وہ اپنے گھر کے چھوٹے بڑے سب کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو اور اپنے مزاج سے اُن کو آگاہ کرے اہل منزل کے نظام حال اور معاش کے امور کا خیال رکھے اور ان کو سمجھانے بوجھانے۔ ڈرانے دھمکانے صلاح و مشورہ تادیب و توبیخ نرمی و درشتی سے سیدھے رستہ پر لگائے رکھے تاکہ امور معاشرت کی پیچیدگیاں رفع ہوں اور حصول معاش اور وصول کمال کے اسباب ہر وقت ہمتیا اور میسر رہیں۔

گھر ایک چھوٹی سی دنیا ہے اور اس میں بڑے بڑے فرائض کی انجام دہی ہوتی ہے۔ مبارک ہے وہ گھر جس میں محبت صداقت مہربانی اور پرہیزگاری کے اصول پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ کئی خصلتیں ہیں جو اہل منزل کی بہبودی اور ترقی کا

انتظام خاہن
محبت و اعتماد
کی ضرورت ہے

باعث ہوتی ہیں۔ ایک باہمی محبت ہے جس پر کل نظام کا دار و مدار ہے۔ دوسرے ایک دوسرے پر اعتماد کرنا ہے۔ اگر گھر والے ایک دوسرے پر اعتماد نہ کریں گے۔ باہم صداقت نہ برتیں گے تو ہمیشہ ان کو دقتوں کا سامنا رہیگا۔ ذرا ذرا سے امور میں شبہات پیدا ہوں گے جن کا نتیجہ سوائے بے لطفی اور بے اطمینانی کے کچھ نہیں ہوتا تیسرے تحمل ہے اگر یہ نہ ہوگا تو بات بات میں جھگڑے قضیہ پیدا ہوں گے اور شکر رنجیاں پھیلین گی۔ گھر کی خوبی تو یہ ہے کہ گھر کے باہر جو تکالیف اور خلاف طبع امور برداشت کرنے پڑتے ہیں ان سے یہاں امن و راحت ملے نہ کہ گھر کے قضیہ ٹنٹے ہر وقت ناک میں دم رکھیں۔ گھر کے کل لوگوں میں باہم محبت اور مودت ہونے سے سب ایک دوسرے کے معین و شریک حال رہتے ہیں۔ اور ہر ایک کے وہ تعلقات جو دوسرے گھر والوں کے ساتھ ہیں قائم رہتے۔ اور وہ سب محبت کی مستحکم زنجیروں سے جکڑے رہتے ہیں۔

۲۔ محبت

وہ کشش اور وہ جذبہ جو افراد انسان کو ایک دوسرے کی طرف راغب کرتا ہے ”محبت“ کہلاتا ہے۔ کوئی شخص خواہ تہذیب کے کسی درجہ پر کیوں نہ ہو محبت کے اثر سے خالی نہیں ایک جنگلی اور وحشی انسان کے دل میں بھی اپنی بیوی اپنی اولاد اور اپنے مکان کی خواہ وہ ایک غار ہی کیوں نہ ہو ایسی محبت ہے جیسی کہ ایک مہذب۔ شائستہ اور لائق شخص کے دل میں۔ محبت ایک فطرتی قوت ہے جو مختلف اشخاص کو باہم انس کے رشتہ میں باندھ دیتی ہے۔ اس قوت کا اثر ہر زمانہ میں یکساں رہا ہے اور جب تک دنیا قائم ہے اس ہی طرح قائم رہے گا۔ کیونکہ محبت کو انتظام عالم اور حسن معاشرت و تمدن میں قانون اور عدالت سے زیادہ دخل ہے۔ قانون کی بندش عارضی اور مجبوری کی ہوتی ہے۔ اور انسان اس بندش سے گھبراتا اور اس کے توڑنے کے لئے موقع ڈھونڈھتا ہے۔ لیکن محبت کی بندش حقیقی پائیدار اور خوش گوار ہوتی ہے۔ اور کوئی شخص محبت کو توڑنا

محبت کی ضرورت

اور کھونا پسند نہیں کرتا۔ نظام شمسی کا انحصار کشش پر ہے اور تمام سیاروں کی سلامتی کا مدار کشش ثقل کی بقا پر ہے اس ہی طرح تمام انسانوں کی سلامتی امن اور رفاه کا انتظام محبت پر منحصر ہے اگر ایک دن محبت دنیا سے مفقود ہو جائے تو بد نظمی، بربادی، خونریزی، ویرانی پھیل جائے۔ مان باپ، اولاد کو مار ڈالیں اور پرورش کے بارے سے سبکدوش ہو جائیں اولاد والدین کی خدمت گزاری چھوڑ دے اور آزاد ہو جائے۔ خاوند بیویوں کو اور بیویاں خاوندوں کو چھوڑ دین اور علیحدہ ہو جائیں۔ آقا پرانی نوکروں کا حق خدمت بھول جائیں اور روزینہ بند کر دیں۔ نوکر پرانی آقاؤں کا حق نمک بھلا دیں اور اگر ذرا تنخواہ میں دیر لگے تو ان کو تکلیف اور مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ لوگوں کو وطن سے انس اور قوم سے محبت نہ رہے وہ اس کی سرسبزی اور بہبودی کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں۔ نہ کوئی قوم اور ملک کی حمایت کرے۔ نہ مذہب اور ملت کی پاس داری۔ غرض رابطہ محبت اٹھتے ہی دنیا میں ہل چل مچ جائے اور نظام امور میں ایسا فرق آجائے جیسے کشش ثقل یا کشش انصاف کے گم ہو جانے سے اجرام سماوی اور اجرام سفلی کا انتظام اور ترکیب خراب ہونی متصور ہے۔

انسان کے علاوہ حیوانات میں بھی فطرت نے یہ مادہ عطا فرمایا ہے ایک چھوٹے سے چھوٹا پرندہ اور بڑے سے بڑا درندہ جانور اپنے جوڑے اور اپنے بچے سے محبت کرتا ہے۔ کبوتر کو اپنے آشیانہ سے اتنی محبت ہوتی ہے۔ کہ وہ کوسوں کی مسافت طے کر کے اپنے گھر میں آتا اور خوش ہوتا ہے۔ پرند جانور دانہ پانی کی تلاش میں دن کو کوسوں نکل جاتے ہیں لیکن شام کو اپنے ہی آشیانہ میں آکر بسیرا لیتے ہیں۔ گھوڑا، گتّا، بلی اور سارے پلاؤ جانور اپنے پالنے والے سے محبت کرتے ہیں۔ اسے دیکھ کر خوش ہوتے اور اس کے پاؤں پر لوٹتے ہیں یہ ساری حرکتیں محبت کراتی ہے جس کا اثر دلون پر اتنا قبضہ کر لیتا ہے کہ حکومت نہیں کر سکتی۔ بیشک محبت بے توار کے حکومت کرتی ہے۔ محبت روح کا نور اور زندگی کی روشنی ہے دنیا کے

حیوانات میں
محبت

محبت کا اثر

سارے مزے اور ساری خوشیاں بغیر محبت کے پہنچ نہیں بلکہ یہ بھی اس وقت زیادہ
 پر لطف ہو جاتی ہیں جب اون لوگوں کے ساتھ ہوں جن سے انسان کو محبت ہوتی ہے
 محبت انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو جذبہ اس سے ظاہر ہوتا ہے
 وہ محبت ہے۔ شیر خوار بچہ جس میں خود غرضی یا اپنی ذاتی محبت کا نام بھی نہیں ہوتا۔
 مان یا اپنے پالنے والے کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اور اس سے ملکر اُس کو جو
 راحت نصیب ہوتی ہے وہ دنیا کی کسی نعمت سے نہیں ملتی بلکہ وہ کسی اور نعمت کو
 جانتا ہی نہیں۔ اس محبت کو ”محبت طبعی“ کہتے ہیں محبت کا یہ جذبہ جو اس وقت
 پیدا ہوتا ہے کبھی نہیں جاتا۔ طفولیت میں ماں باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے
 جوانی میں بیوی سے۔ بڑھاپے میں اولاد سے اور عمر کے ہر ایک حصہ میں بھائی بہن
 دوست آشنا اور رشتہ داروں سے۔ ملک و قوم کی محبت سمجھ بچتہ ہونے کے بعد
 پیدا ہوتی ہے اور بلند نظر۔ صاف باطن۔ نیک سرشت لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا
 ہے۔ ماں باپ کو اولاد سے جو محبت ہوتی ہے یہ بھی طبعی ہوتی ہے اور اس سے
 زیادہ ہوتی ہے جتنی کہ اولاد کو ماں باپ سے ہو۔ باپ اپنے فرزند کو اپنا ایک حصہ
 یا اپنی نقل تصور کرتا ہے اور اس ہی سبب سے یہ چاہتا ہے کہ اس میں وہ کمال
 پیدا ہو جو مجھ میں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور اگر کسی باپ سے یہ بیان کیا جائے
 کہ آپ کا بیٹا آپ سے زیادہ لائق ہے تو اس کو گران نہیں گزرتا بلکہ خوش ہوتا
 ہے۔ بھائیوں میں جو محبت ہوتی ہے وہ ماں باپ یا اولاد کی محبت سے کم ہوتی
 ہے کیونکہ بھائی مرتبہ اور سبب وجود میں شرکت رکھتے ہیں اور یہ شرکت کسی قدر باعث
 منازعت ہو جاتی ہے۔ ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ بھائی اچھا یا دوست
 جواب دیا کہ بھائی اگر دوست نہ ہو تو کس کام کا ہے! پھر بھی بھائیوں میں قدرتا
 اتنی محبت ہوتی ہے کہ دوستوں کی محبت کی یہ مثال دی جاتی ہے کہ گویا وہ
 بھائی بھائی ہیں۔ اس کے علاوہ استاد شاگرد۔ ہمسایہ۔ آقا نوکر۔ پادشاہ و
 رعیت۔ حاکم و محکوم۔ غرض افراد انسانی کے بہت سے فرقوں میں بھی محبت ہوتی

محبت طبعی

محبت کے
مدارج

محبت ارادی

ہے۔ یہ ”محبت ارادی“ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ محبت کسی طبعی جوش یا غیر اختیاری حالت کے سبب پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی غرض یا غایت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اغراض جو افراد انسانی کو محبت کے رشتہ میں جکڑتی ہیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ لذت۔ نفع۔ خیر۔ یہ اغراض جس قدر زیادہ قوی ہوں گے اس ہی قدر زیادہ محبت ہوگی۔ اور ان اقسام کے اختلاف کے لحاظ سے محبت کا قیام بھی مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً لذت سہل الحصول اور سریع الزوال شے ہے اس سبب سے جس محبت کی غرض لذت ہو وہ جلدی پیدا ہوتی اور جلدی ہی جاتی رہتی ہے اور نفع چونکہ دیر میں حاصل ہوتا ہے اور جلدی جاتا رہتا ہے اس سبب سے جو محبت نفع پر مبنی ہو دیر میں پیدا ہوتی اور جلدی متغیر ہو جاتی ہے۔ لیکن خیر کا یہ حال نہیں اہل خیر میں ایک روحانی موانست ہوتی ہے اور اس سبب سے وہ جلدی دوست ہو جاتے ہیں اور چونکہ ان میں محبت بلا کسی خاص غرض کے ہوتی ہے اس میں کبھی زوال اور تغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں موانست طلب لذت یا نفع کے سبب سے شروع ہوتی ہے اور پھر مرتبہ بمرتبہ خیر کی طرف رجوع کرتی ہے اور ایسی مستحکم ہو جاتی ہے کہ عمر بھر نہیں جاتی۔

اسباب محبت

محبت خوشی
بخشتی ہے

محبت خوشی کا سرچشمہ ہے کیونکہ محبت اخلاق کے صرف روشن پہلو کو دیکھتی ہے اور ہمیشہ اس کا رخ خوشی کی طرف رہتا ہے۔ محبت خوشی کے خیالات کو ترقی بخشتی ہے گویا جن دلون میں محبت ہے وہ ہمیشہ مسرت بخش آب و ہوا میں رہتے ہیں یہاں تک کہ محبت کی تکلیف بھی خوش گوار ہوتی ہے اور اس کے آئینو بھی شیریں ہوتے ہیں۔ خوشی کا یہ حصہ جو ہر انسان کو بلحاظ انسان ہونے کے معمولاً حاصل ہوتا ہے زیادہ تر ان لوگوں کی تعداد پر منحصر ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں یا جن سے وہ محبت کرتا ہے اگر دوسرے لوگوں کے ساتھ محبت کا میل جول نہ ہو تو دنیا کی بڑی بڑی کامیابیاں بھی اگرچہ دیانت داری سے حاصل کی گئی ہوں مسرت و انبساط میں زیادتی نہیں کرتیں اور اس قسم کی محبت انسان کو زیادہ تر

اہل منزل کے ساتھ ہوتی ہے۔ سچی محبت جس میں پرہیزگاری شامل ہو (اور انسان کو اہل منزل کے ساتھ ایسی ہی محبت ہوتی ہے) انسان کی اخلاقی حالت کی عمدگی اور طبیعت کی صفائی کی دلیل ہے کیونکہ وہ انسان کو خود غرضی۔ ریاکاری۔ اور ایسے ہی بہت سے اخلاق ذمیمہ سے بچاتی اور ایثار اور بلند نظری سکھاتی ہے۔ اور وہ محبت جس کا اقتضاء بزرگوں کا ادب اور ان کی قدر و منزلت کرتا ہو۔ انسان کے اخلاق کو زیادہ پاک اور اس کے رتبہ کو زیادہ بلند کرتی ہے اور اس کو نفس سستی کی غلاظت سے نکال کر پاک اور منزہ کر دیتی ہے ایسی محبت خوش اخلاقی۔ ہمدردی۔ اعتبار۔ اعتماد۔ یگانگت۔ پیدا کرتی ہے۔ یہ محبت جو ابتدائیں اہل منزل کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ بعد میں بڑھتے بڑھتے دوست اقرباء اور پھر اس کے بعد ملک و قوم کی بھی خواہی تک پہنچ جاتی ہے۔ گویا وہ ایک شمع ہے کہ گھر میں روشن ہوتی اور سارے جہان کو متور کرتی ہے۔ اور وہ بے ریا محبت جو ملک و قوم کے لئے ہوتن میں آسائش اور قومی ترقی کا باعث ہوتی ہے۔ اس طرح محبت۔ عقل کی تیزی اور خیالات کی وسعت کا بھی باعث ہے اور محبت کا چراغ نہ صرف دل کو ہی روشن کرتا ہے بلکہ دماغ کو بھی۔

عاشقی رنج است و مردان را بسینہ راحت است
سلسلہ بند است و شیران را بہ گردن زیور است

باب دوم

(اقربا)

۱۔ محبت والدین

بچوں کا فرض ہے کہ اپنے والدین سے محبت رکھیں اور ان کا ادب کریں اور یہ جانیں کہ جو کچھ وہ ہمارے واسطے یا ہمارے ساتھ کرتے ہیں اگرچہ تنبیہ و تادیب بھی

بزرگوں کا
ادب اور
اطاعت

ہو ہماری ہی بھلائی اور ہماری ہی بہبودی کے لئے ہے اور دلسوزی اور محبت ہی اُن کو اس فعل پر مجبور کر رہی ہے۔ لہذا اُن کے حکم سے انحراف کرنا اپنے پانوں میں آپ کلھاڑی مارنا ہے ”بزرگوں کی زجر و توبیخ عقل کو تیز کرتی ہے اور اگر بچے اپنی مرضی پر چھوڑ دئے جائیں تو ان میں کم عقلی کی وجہ سے بُری عادتیں راسخ ہو جائیں گی اور وہ ننگ خاندان ہوں گے۔ ناسپاس اولاد جو والدین یا بزرگوں کی اطاعت نہیں کرتی (اور بزرگ بھی ایسے جنہوں نے بیکسی اور بے بسی کے زمانہ میں آپ طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر پالا اور بفرط مہربانی و شفقت ہمیشہ اپنے سے زیادہ اولاد کو آرام دیا) وہ نافرمانی والدین کی شامت سے تمام دنیا کی نظر میں حقیر و ذلیل رہے گی کیونکہ والدین کی محبت نہ صرف بدلائل عقلی واجب ہے بلکہ نیچرل ہے اور ان سے محبت نہ کرنا قانون قدرت کے خلاف کرنا ہے۔ مان باپ سے محبت اور ان کی اطاعت ہی نہیں بلکہ اُن کا ادب کرنا بھی شرط انسانیت ہے۔ اگر کسی شخص نے ہم پر کوئی احسان کیا ہو تو اس کے ساتھ اس کی ضرورت کے وقت احسان نہ کرنا ناشکر گزاری اور ناسپاسی ہے۔ جس قدر زیادہ کسی کے احسان ہوں اوس کی ناشکری اتنی ہی زیادہ نا انصافی ہے والدین اولاد پر جس قدر احسان کرتے ہیں اس سے زیادہ کون کرے گا۔ مان باپ کے طفیل وہ پیدا ہوئے ان کی شفقت و محنت سے پرورش پائی انہی کی بدولت تعلیم و تربیت پائی اور عقل و تیز نصیب ہوئی۔ بچہ شکم مادر میں اس کے خون سے پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہو کر اس کا دودھ پیتا ہے۔ مان ہزاروں طرح کی تکلیفیں بچے کی نگہداشت میں اُٹھاتی ہے۔ اور ایسے زمانہ میں اس کی خبر گیری کرتی ہے جب کہ وہ اپنے منہ سے دودھ بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ اس کو بچہ کے آرام و آسائش کا اتنا خیال ہوتا ہے کہ رات دن وہ اس ہی کے کام میں غلطان و پیچان رہتی ہے اور اپنی تکان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتی۔ جب بچہ بڑے ہو جاتے ہیں والدین اپنی عمر بھر کی کمائی ان کی تعلیم و تربیت میں خرچ کر دیتے ہیں۔ باپ نے جو سرمایہ مدتوں میں ہڈیاں پیل پیل کر جمع کیا تھا

مان باپ
کے احسانات

وہ بیدریغ اولاد کی تعلیم میں خرچ کر دیتا ہے اور اگر اولاد کوئی کمال حاصل کرے تو اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ کہ میری محنت نیک لگی۔ اور باپ کی تمام خوشی اس میں ہے کہ وہ اپنے بچہ کو سعادت مند دیکھے۔ پس جب ہم غیروں کے ذرا ذرا سے احسان کا گُن مانتے ہیں تو مان باپ کے اتنے احسان کا شکریہ ہم سے کس طرح ادا ہو سکتا ہے اولاد کی ناسپاسی اور ناسعادتمندی سے مان باپ کو غصہ نہیں آتا بلکہ رنج ہوتا ہے اور ان کا اظہار ناراضی و غصہ کرنا صرف اولاد کی ہی خواہی کے واسطے ہے نہ کہ اظہار حکومت کے لئے بھلا جن لوگوں کو اتنی محبت ہو کہ اولاد کی ذرا سی بیماری سے بچیں ہو جائیں ان کی ذرا سی تکلیف انہیں ناگوار گزرے کہیں دشمنی کر سکتے ہیں۔ اور شخص کہ اپنے مان باپ کے ساتھ اچھے سلوک نہیں کرتا وہ کسی کے ساتھ بھلائی نہ کریگا اور جو ایسے گھر میں جہاں سب اوس پر جان چھڑکنے والے ہوں اتفاق و آرام سے نہیں رہ سکتا وہ دنیا میں کہیں آرام سے نہ رہ سکیگا۔ اور کسی شخص کو اس آرام اور محبت کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ والدین کے بڑھاپے اور احتیاج کے زمانہ میں اون کی خدمت کرنی احسان نہیں ہے بلکہ فرض ہے کیونکہ انہوں نے ان دنوں میں خدمت کی ہے جبکہ اولاد نہایت ہی کمزور حالت میں تھی اور اوس کو جو توانائی اور قوت حاصل ہوئی انہی کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ اولاد مان باپ کی خاطر خواہ کیسی ہی تکلیف اٹھائے مگر اس تکلیف کے برابر نہیں ہو سکتی جو والدین کو تربیت اور پرورش اولاد میں اٹھانی پڑتی ہے پس اولاد کی خدمات نہ احسان ہیں نہ قابل شکریہ بلکہ ادائے فرض ہیں۔ مان باپ کے قریب ہی قریب استادوں کا درجہ ہے اس سے دوسرے درجہ پر دیگر سرپرستوں بزرگوں اور رشتہ داروں کا حق ہے اور یہ سب ادب اطاعت اور محبت کے مستحق ہیں۔ جو لوگ اپنے رشتہ دار بزرگوں کا بلکہ بزرگ ہمعصرون کا ادب اور لحاظ کرتے ہیں اور ان کے پاک یا عالی خیالات یا بزرگ کاموں کی قدر کرتے ہیں وہ ضرور شریف اور نیک ل ہیں

مان باپ کی خدمت فرض ہے۔

ادب باہمی رشتہ داروں خاندان اور گھر کے ممبروں - شہر کے باشندوں قوم کے لوگوں میں برابر خوشی کا باعث اور ترقی کا مد ہے۔

۲۔ برادرانہ محبت

برادرانہ محبت
قومی محبت کی
اصل ہے

بھائی بہنوں کے حقوق محبت اور مہربانی پر مبنی ہیں۔ بڑوں کو چھوٹوں کی مدد کرنی ان کو راہ راست بتانی اور خطروں سے بچانا۔ اور چھوٹوں کو اطاعت کرنی اور شکریہ ادا کرنا چاہئے اور سب پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کی خوشی کے زیادہ کرنے کی سعی کریں کیونکہ انہوں نے ایک ہی والدین کی محبت کا حظ اٹھایا ہے اور ایک ہی طریقہ زندگی میں پلے ہیں۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ گھر میں جن جن فضائل کی بنیاد طبیعت میں پڑتی ہے وہ ایسی مستحکم ہوتی ہے کہ زندگی بھر قائم رہتی ہے اب جس طرح چھوٹے بھائی بہنوں سے سلوک کیا جاتا ہے اس ہی طرح لیکن زیادہ وسعت سے دنیا کے معاملات میں اوروں کے ساتھ ہوگا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ لوگ آبائی ترکہ اور مالی تقسیم کے کارن طبعی تعلق محبت اور مسرت اتفاق کو چھوڑ دیتے ہیں اور قدرت کے ورثہ کو ترک کر کے روپیہ کے لالچ سے برادرانہ الفت قطع کر دیتے ہیں جن کی یہ حالت ہو کہ برادرانہ تعلقات نہ نبھاسکیں اُن سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ قوم اور ملک کے لئے وہ وفادار ثابت قدم اور محب ثابت ہوں گے۔ کیونکہ اُن کے دل میں سرے سے محبت کا مادہ ہی نہیں ہے اور جب ایسا قومی تعلق ان کو ایسے محدود حلقہ میں درجہ اعتدال پر نہ رکھ سکا تو جب تعلقات کا دائرہ وسیع ہوگا تو رشتہ الفت کا باقی رہنا ناممکن ہے۔

وراثت کے
جھگڑے

تقسیم وراثت کے جھگڑے اکثر بھائیوں کو کشیدہ کر دیا کرتے ہیں۔ اگر بھائی اپنے حقوق کا خیال رکھیں اور عدالت سے انحراف نہ کریں تو کوئی رنجش کی بات پیدا نہیں ہو سکتی لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وارث جس قدر لینا چاہتا یا لیتا ہے دوسرے اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں یا خود زیادہ لینا چاہتے ہیں۔ یا اکثر

یہ شکایت ہوتی ہے کہ بھائی اپنے مال اور جائیداد میں اُن کو حصہ نہیں دیتا۔ دنیا میں کون ہے جو اپنے مال میں سے دوسرے کو حصہ دیتا ہو تو یہ شکایت باقی تمام زمانہ سے بھی ہونی چاہئے کہ اپنے مال میں ہمیں کیوں نہیں نصیب کرنے دیتے دوسری طرف اس بھائی کا یہ حال ہے کہ نوکر سے ذرا سا کام نکلے تو انعام و اکرام سے نہال کر دین۔ غیرون میں سے کوئی سیدھے مسے بات کرے تو شکر یہ میں تحائف بھیجیں لیکن اگر بھائی اپنی جان بھی نثار کر دے تو ذرا قدر نہیں۔ گویا بھائی اس قابل نہیں کہ اس کو غیرون کی طرح بھی دوست بنایا جائے۔ اگر دیکھا جائے تو ایک مان سے پیدا ہونا۔ ایک گھر میں رہنا۔ ساتھ پرورش اور تربیت پانا ایسی باتیں ہیں کہ بہت کچھ محبت و موافقت پیدا کرنے والی ہیں۔ لیکن غلط فہمی اس تاخیر کو مٹا دیتی ہے اور اون میں باہم غیرون سے بھی بدتر جھگڑے اور قضیہ ہونے لگتے ہیں۔ بھائیوں کو تو اس طرح مل جل کر رہنا چاہئے کہ ایک دوسرے کی معاونت کریں اور ترقی میں مدد ہوں نہ کہ دوسرے بھائی کی ترقی کو روکیں یا اُسکے کاموں میں زحمت ڈالیں۔ خداوند تعالیٰ نے دو ہاتھ دو پانوں دے دیے ہیں تاکہ ایک ہاتھ دوسرے کو کام میں مدد دے۔ ایک پانوں دوسرے کو چلنے میں سہارا دے۔ ان سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہاتھ کوئی کام کرنا چاہے تو دوسرا مزاحمت کرے اور ایک پانوں دوسرے پانوں کو چلنے میں اڑھنگا لگائے۔ یہی حال بھائیوں کا ہے کہ ہر حال میں ایک دوسرے کے ہاتھ پانوں کی طرح معاون و مددگار ہوں یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جو چیز فائدے اور آرام کے لئے بنائی ہے وہ مبہرت اور نقصان پہونچانے والی بنجائے۔ ہاتھ پانوں آنکھیں کان اگرچہ دو دو ہیں لیکن ان کے کام پھر محدود ہیں ہاتھ ایک ہی وقت میں دو چیزوں تک جو دور دور رکھی ہوں نہیں پہونچ سکتا۔ پانوں ایک وقت میں ایک قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں طے کر سکتے۔ آنکھیں پیٹھ کے پیچھے کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتیں لیکن جب دو بھائیوں میں محبت و اتحاد ہو تو کوئی فاصلہ ان کو

باہمی معاونت سے نہیں روک سکتا۔

باب سوم

تاہل

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

نکحت کی
خواہش

سولہ سترہ برس کی عمر سے دل میں وہ شعلہ بھڑکنا شروع ہوتا ہے جس کو
جوش جوانی یا ولولہ کہتے ہیں۔ یہ آگ اگر مناسب وقت پر نہ بجھائی جائے تو ۲۷-
۲۸ برس کی عمر تک عموماً نہایت زور سے بھڑکتی رہتی ہے۔ یہ زمانہ اخلاق کے لحاظ
سے نہایت نازک اور خطرناک زمانہ ہے۔ کہ اس جوشیلے سمندر میں سے پاک دامن
گزرنے کے لئے نہایت احتیاط۔ نہایت خود داری اور اعلیٰ درجہ کی پیش بینی عزیمت
اور پابندی مذہب اور بیکارم اخلاق کی ضرورت ہے۔ جوانی کے خوش نما پھولوں
میں شہوانی کانٹے اس طرح چھپے ہوئے اور کثرت سے ہوتے ہیں کہ احتیاط کا
دامن ذرا سی چوک میں پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں پارسائی
اور پاکیزہ خیالات کی دھجیان اڑ جاتی ہیں۔ یہی زمانہ ہے کہ بہت سے روشن خیال
لوگوں کا پوشیدہ پہلو تاریک اور دھندلا نظر آتا ہے یہی زمانہ اس کو گناہ اور
بے احتیاطی سے تاریک بنا دیتا ہے۔ اگرچہ دوسرا پہلو روز روشن سے زیادہ منور
مجلی کیون نہ ہو۔ اسی زمانہ کی بے اعتدالیان آخر عمر میں حسرت و افسوس سے
خون رولاتی ہیں اور کونشنس ہمیشہ متاسف اور رنجور ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ بعض
اوقات ناامیدی ایسی دل پر چھا جاتی ہے کہ انسان اپنی جان سے بیزار ہو جاتا ہے
نوجوانو جب عشق کے سمندر میں تلاطم برپا ہو تو تردامنی سے بچنا ایسا نہ ہو کہ جوانی
تو چار دن کی چاندنی کی طرح ڈھل جائے۔ اور پھر بقیہ عمر دست افسوس ملتے گزرے

۱۵ اور اُس کی (اللہ) نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تمہارے لئے اوس نے تم میں سے جوڑا پیدا کیا تاکہ
تم دونوں سے آرام پاؤ اور اوس نے تمہارے درمیان دوستی اور رحمت قائم کر دی ۱۲

مان احتیاط اور غم سے کام لو۔ پیش بینی کی لالین لیکر عقل سلیم کی پیروی کرو۔
 یاد رکھو کہ اخلاق کے جتنے سبق پڑھائے گئے ہیں وہ اسی دن کے لئے ہیں۔
 دنیا میں کوئی مشکل نہیں جس کی تدبیر نہ ہو کوئی مرض نہیں جس کا علاج نہ ہو مان
 کوئی شخص اور علاج سے ناواقف ہو یا پرہیز نہ کرے تو وہ جانے اس عمر میں ایک
 فطرتی جوش یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آنکھیں کسی اچھی صورت کو دیکھتے ہی محو نظارہ
 ہو جاتی ہیں۔ اور بانگین یا سنگار کے ایک ایک ادا پر توجہ سے نکتہ چینی کرتی
 ہیں۔ شوق اور ولولے سینہ میں بھڑکتے ہیں۔ اور غیر معمولی تکلیف دہ خواہشیں
 دل و دماغ پر ایسا اثر ڈالتی ہیں کہ بعض اوقات استقلال کے قدم جادہ مستقیم
 سے بھی بھٹکا دیتی ہیں۔ اور اسی سبب سے یہ زمانہ جس قدر خوش نما ہے اتنا ہی
 خوفناک۔ عورتیں بھی اس فطرتی قانون سے خالی نہیں مگر قدرت نے ان کی
 سرشت میں شرم و حیا رکھی ہے۔ کہ وہ جب اُس وادی میں پہنچتی ہیں تو خود بخود
 اپنے سایہ سے بھڑکنے لگتی ہیں۔ آنکھوں میں حیا پیدا ہو جاتی ہے۔ دل میں شرم
 حجاب آتا ہے اور اسی لحاظ سے قدرت نے ان کو شرف دیا ہے کہ مردوں کو پرہیزگار
 اور باحیا رہنے کے لئے پابندی اور غریمت تائید کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر لڑکیوں
 کو بدقسمتی دھکا دے تو پردہ حیا کو اٹھانا اور جبلی شرم کو مشکل سے توڑنا پڑتا ہے
 قدرت کا کوئی فعل فائدہ اور حکمت سے خالی نہیں حیوانات میں اس مادہ سے
 بھی بہت سے ضروری کام لئے جاتے ہیں اور اصل پوچھو تو بقائے نسل کا سبب
 یہ ہی ہے۔ لیکن کوئی کام کیون نہ ہو فی نفسہ نہ اچھا ہے نہ بُرا۔ صرف اس کا طریقہ
 استعمال خواہ مدارج استکمال پر پہنچ کر اشرف و اعلیٰ بنائے اور خواہ صراط مستقیم
 سے پھیر کر حقیض نکبت میں گرائے شریعت نے اسی سبب سے قوتوں سے عمدہ
 پھل حاصل کرنے اور اون کو مفید طور پر کام میں لانے کے طریقے سکھائے ہیں
 اور طبیعت پر بیجا جبر کرنا نہیں بلکہ اس کے انعامات کا پورا پورا حفظ اوٹھانا اور
 سچی مسرت اور تسکین حاصل کرنا سکھایا ہے۔ اور اس ہی لئے نسر مادیا کہ

فَاتْلُوْهُ اَمْطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ لِيَكُنْ نِّكَاحٌ كِي شَرْطِ ضَرُوْرِي هِي۔ اور اس لئے قرار دی ہے کہ اس کے بغیر نہ حفظ ناموس ممکن تھا نہ سوشل لائف میں امن۔ ورنہ نسل انسان خانگی خوشیوں اور خانہ داری کے بیشمار آرام اور برکتوں سے بالکل محروم ہو جاتی فِعْلُ الْحَكْمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْحِكْمَةِ۔

۲۱۰ کے آرام

خداوند تعالیٰ نے عورت کو مرد کا مددگار بنایا ہے اور ان دونوں کو اُلفت کے رشتہ میں جکڑا تاکہ ازدواج کے ذریعہ سے ایک دوسرے کی کمی کو پورا کریں اور پھر دونوں کی خوشیاں بڑھتی جائیں۔ مرد کا کر لانا ہے تو عورت اس کو سلیقہ اور ہنرمندی سے اُٹھاتی اور محنت اور کفایت شعاری میں مدد دیتی ہے۔ چاہتی ہو ہی سچی دوست ہے اور عصمت خوشی وفاداری آرام و تسکین کا سرچشمہ ہے تہائی میں رفیق ہے مصیبت میں ساتھی۔ مشکون میں مددگار۔ بیماری میں آرام دہ۔ فارغ البالی میں زینت تجاویز میں مشیر اور دنیا کے مکروہات میں تسکین کا منبع جو غریب مصیبت زدہ کیسان یا مزدور کے لئے بھی ایسی ہی دل خوشکن اور آرام دہ ہے جیسے کہ امیر کبیر اور متمول آدمی کے لئے۔ جب دو دل محبت کے رشتوں میں پھنس جاتے ہیں تو ہمدردی۔ معاونت اور دنیاوی خوشیوں کے دریچہ دلون پر کھل جاتے ہیں۔ اور اب کچھ اور ہی انبساط حاصل ہونے لگتا ہے۔ جس سے اس وقت تک واقفیت نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ نئے امتحان اور نئے نئے افکار بھی پیدا ہو جاتے ہیں مگر ساتھ ہی عمدہ عمدہ پھل بھی ملتے ہیں جن سے ان افکار کی تلافی ہوتی رہتی ہے۔ مانا کہ متاہلانہ زندگی کے افکار وسعت تعلقات کے سبب زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن تجربہ کی تکالیف اس سے بڑھی ہوئی ہیں۔ پاکہ امنی اور حفظان صحت کے علاوہ بھی دیکھا جائے تو مجر شخص ایک خانہ بدوش ہے جسے کسی جگہ وہ اصلی آرام اور دلچسپی نہیں جو متاہل شخص کو اپنے گھر میں ہوتی ہے۔ کون ہے جو اس کے پیٹھ پیچھے اس کی واپسی کا شوق سے انتظار کرے۔ اور اسکی لئے پس نکاح کردہ تم اون عورتوں سے جو تم کو اچھی معلوم ہوں گے حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

واپسی سے قبل اس کے آرام اور آسائش کے سامان کماحقہ خوبی اور نہایت کفایت شعاری سے مہیا کر کے رکھے۔ اگر نوکر چاکر ہیں بھی تو وہ آقا کی غیر حاضری اس کی موجودگی سے زیادہ غنیمت جانتے ہیں۔ اور پھر دل میں وہ محبت اور محبت میں وہ دلسوزی وہ ہمدردی وہ سلیقہ کمان! کیا نوکر بیماری میں تیمارداری میں یا مصیبت میں رفاقت اور خدمت ایسی دلسوزی سے باوجود تنخواہ و معاوضہ زر کر سکتے ہیں۔ جیسے بیوی یا اولاد۔ علاوہ ازیں اگر اولاد کی خواہش ہے تو بیوی کرنی ضرور ہے یہ ضرور ہے کہ شادی سے قبل آمدنی اس قدر کافی ہو کہ بیوی اور اولاد کو تنگی معاش نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی مستقل آمدنی یا مزدوری غیبانہ حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہے تو یہ حالت بھی شادی کی مانع نہیں۔ لوگ شادی کے متعلق خیالی ضرورتوں اور غیر ضروری اخراجات کو مد نظر رکھ کر اپنی مقدرت سے زیادہ بوجھ اٹھانے سے گھبراتے ہیں یا کسی ایسی جگہ شادی کرنی چاہتے ہیں جو ان کی حیثیت سے زیادہ ہو اور اس لئے ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی ظاہری حالت ایسی بنائیں جو ان کی دسترس سے باہر ہے اس صورت میں شادی بچائے راحت کے کلفت کا سبب ہوگی اور ہوتی ہے اور جن لوگوں نے اس قسم کی غلطی سے تکلیف و نقصان اٹھایا ہے۔ وہ بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے فقط شادی کو اس نقصان کا سبب بتاتے ہیں۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے کہ مرد کو لایق و فائق بیوی اور عورت کو عمدہ شوہر ملے جس کے ساتھ وہ امن و اطمینان سے زندگی بسر کرے اور قسمت کے بھلے بُرے میں دونوں شریک ہوں۔ لیکن یہ ساری خوشیاں اور ساری برکتیں اس ہی وقت حاصل ہوتی ہیں کہ شادی مناسب وقت پر اور مناسب طریقہ پر کی جائے اور شوہر و زوجہ ہم مذاق اور ہم خیال ہوں۔

نسبت کی تلاش

شاید سمندر سے موتی نکالنا آسان ہے لیکن اچھی بیوی ڈھونڈنا مشکل اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اچھی بیویوں کا کال ہے۔ نہیں بلکہ ان سے آگاہی حاصل کرنے کے

ذرائع مفقود ہیں اچھی بیویاں کبھی ایسے لوگوں کے پتہ بندھتی ہیں جو ان کے لایق نہ ہوں
 اس ہی طرح کبھی اچھے مردوں کو ایسی بیویاں ملتی ہیں جن کی وجہ سے عمر بھر مصیبت
 میں رہتے ہیں۔ جو ان کے خیالات عادات اور حالات کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔
 اس کا برا نتیجہ سب سے پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ میان بیوی میں اُلفت نہیں ہوتی۔
 اور ایک دوسرے کی صحبت ناگوار خیال کرتے ہیں۔ بیوی تو مرد کو آرام پہنچانے
 اور گھر کا انتظام کرنے سے غفلت کرتی اور بد خلقی اور کج ادالی کرتی رہتی ہے۔
 اور مرد تنگ ہو کر اپنے لطف صحبت کے واسطے اور جلیس ڈھونڈھتا ہے۔ اور
 اس طرح وہ تامل جیتے جی کا دوزخ اور عمر بھر کی قید سے بدتر معلوم ہوتا ہے۔ میان
 بیوی کی نا اتفاقی کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے۔ وہ والدین کی بُری مثال دیکھ کر
 اس حالت کو داخل معاشرت یا ضروری اور معمولی چیز خیال کر کے اس سے اجتناب
 نہیں کرتی۔ بلکہ اس ہی راستہ کو اختیار کرتی ہیں۔ یہ خرابی اس وجہ سے پیدا ہوتی
 ہے کہ رسم و رواج کی پابندی نے ان دو شخصوں کے اختیارات جو ہمیشہ قسمت کی
 ایک سی حالت گزارنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں سلب کر لئے ہیں۔ اس سے پہلی
 خرابی تو یہ واقع ہوتی ہے کہ شادیاں قبل از وقت کی جاتی ہیں۔ کہ زوجین اپنے حقوق
 اور خانہ داری کے فرائض سے آگاہ نہیں ہوتے یا اس قدر عرصہ کے بعد کی جاتی ہیں
 کہ ضبط خواہشات پر قادر نہیں رہتے۔ بڑی عمر میں شادی سے ایک یہ خرابی بھی
 واقع ہوتی ہے کہ ان کے خیالات اور عادات چونکہ پختہ اور راسخ ہو جاتے ہیں۔
 اس واسطے ایک دوسرے کی طبیعت کی موافقت نہیں کر سکتی نہ دوسرے کے
 مذاق اور پسندیدگی کو قابل لحاظ خیال کرتے ہیں۔ ہندوستانی سوسائٹیوں میں
 بچوں کا بیاہ کرنا اور ان کا ہرہ دیکھنا بڑی محبت اور خوشی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن
 افسوس ہے کہ اکثر صورتوں میں بچائے محبت کے دشمنی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں
 غیر پختہ حالت میں ہوتے ہیں۔ اور کسی کے عادات اطوار چال چلن اخلاق کا پورا پورا
 حال نہیں گھلتا۔ اگر بڑا ہو کر وہی لڑکا جاہل ناشایستہ نکمٹو بد اخلاق بد چلن بد اطوار

شادی قبل
از وقت

ہو تو اس پاکباز لڑکی کے دل سے پوچھے جس نے آنکھ کھول کر اپنے تئیں ایسے بدکردار سے وابستہ دیکھا اسی طرح لڑکی کے اوضاع اور اطوار پسندیدہ نہیں تو اس بد نصیب لڑکے کی ساری خوشیاں اور سارے آرام خاک میں مل گئے۔ اولاد کی طفولیت میں شادی کرنی اس کو بڑی خوشی سے محروم کرنا اور اس کی حق تلفی کرنی ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز اس ہی زمانہ میں دل خوش کن اور پربار معلوم ہوتی ہے جس زمانہ کہ وہ شایان ہو۔ بچے جس قدر مٹھائی کھلونے لیکر خوش ہوتے ہیں جائداد سے نہیں ہوتے۔ لیکن بڑے ہو کر وہی کھلونے ان کو حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں اور ان کی وسیع نظر اس سے کسی قدر زیادہ بیش قیمت چیز پر پھیرتی ہے۔ غرض عمر کے ساتھ ساتھ مختلف جذبات طبیعت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ جذبات اس وقت پورے ہوں تو خوشی بخشتے ہیں نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ والدین طفولیت میں اولاد کی شادی کرتے ہیں اس لئے کہ اس تقریب سے ان کا دل خوش ہو گا مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ خوشی اولاد کا حصہ ہے نہ کہ والدین کا۔ بڑے ہو کر جب دلون میں شوق اور جذبات پیدا ہوں گے تو یہ موقع ان کو کیونکر ملیگا۔ کیونکہ قدرت کا یہ خاصہ ہے کہ جو بے تمنا ملے اس کی خوشی نہیں ہوتی۔ بلکہ خوشی کے واسطے ضرور ہے کہ پہلے آرزو ہو اور پھر حصول۔ چننا اور خرابیاں بھی قبل از بلوغ شادی میں واقع ہوتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ بچے چونکہ زیادہ نازک ہوتے ہیں ان میں اموات بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ لہذا کم عمر ہواؤں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ تکمیل نمو و سن رشد سے قبل شادی کرنے سے اولاد بھی کمزور اور بیمار پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔ کیونکہ خام حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسری شکل یہ پڑتی ہے کہ ماں باپ چونکہ خود کم سن ہوتے ہیں ان کو پرورش اور نگہداشت کا سلیقہ نہیں ہوتا اور یہ خرابی کیا کم ہے کہ بچپن کی شادی حصول اور کتاب کمال سے محروم رکھتی ہے کیونکہ کچھ تو دلی توجہ منقسم ہو جاتی ہے اور کچھ تعلیم میں پورا وقت صرف نہیں کیا جاتا۔ اور پھر عیال اور اطفال کا فکر درجہ کمال تک پہنچنے سے پہلے

شادی سے قبل
حقوق زوجیت
کا علم ضرور

انتخاب میں ان
باپ کی رائے کے
ساتھ اولاد کی
رائے بھی شریک
کر لی جائے

اکتساب معاش کے بھندون میں پھنسا دیتا ہے۔ لڑکے علوم و فنون کی ماہیت سے
بے بہرہ رہ جاتے ہیں تو لڑکیوں کو خانہ داری کا سلیقہ نہیں آتا۔ غرض جب تک
دونوں بچتے نہ ہو جائیں شادی رحمت نہیں رحمت ہوتی ہے۔ شادی کرنے سے
پہلے لڑکا لڑکی دونوں میں اتنی قابلیت ہونی چاہئے کہ وہ جانیں کہ اب ہم زندگی
کے کس حصہ میں قدم رکھتے ہیں اور وہ کیا ہے اور اس کے فرائض کیا کیا ہیں اور
کون کون سے تعلقات پیدا ہوں گے جن سے اس وقت تک سروکار نہ تھا۔ کیونکہ
شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ یہ تو وہ تعلق ہے جو جان کے ساتھ جاتا ہے اور پھر
تعلق بھی ایسا کہ دونوں ملکر ایک ہی خیال کئے جاتے ہیں۔ اس سبب سے اگر شادی
حسب دلخواہ نہ ہو تو عذاب بھی عمر بھر کا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ ماں باپ اولاد
کا شریک قسمت اپنی پسند کے موافق انتخاب کرتے ہیں نہ اولاد کی پسند کے لحاظ سے
سو شیل لائف میں خرابی کی جڑ یہ ہے کہ میان بیوی کے خیالات میں فرق ہو۔ اسلئے
ضرور ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی لیاقت خیالات۔ مزاج۔ عادت۔ حالات سے
پوری پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ تاکہ ان میں کوئی اختلاف واقع نہ ہو جو شکر بخشی
اور فقدان محبت پیدا کرے۔ میان بیوی کے لئے آرام کی لازمی شرط ہے محبت۔
اور محبت کے لئے پسندیدگی ضروری ہے۔ ہر ایک شخص کا میلان طبع جدا ہے حتیٰ کہ
زمانہ کے اثر سے ماں باپ اور اولاد کے مذاق میں بھی فرق ہوتا ہے یہ کیونکر ممکن ہے
کہ جو اوصاف والدین نے پسند کئے ہیں اولاد بھی ان کی ویسی ہی قدر کرے اور شاید
یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ جاہل اور اصول شادی سے ناواقف والدین جن کی تعداد
زیادہ ہے ایسی ایسی باتوں کا لحاظ کرتے ہیں جو کم مفید اور کم قابل لحاظ ہیں اور ان
امور کا خیال بھی نہیں آتا جو حقیقی خوشی اور آرام بخشنے والے ہیں اور اس ہی کا نتیجہ
کہ گاہ گاہ میان بیوی میں سلوک اور سنجوگ نہیں ہوتا۔ اس خراب طریقہ کا مفصل
حال بیان کرنے یا اس پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے شاید یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ
شادی کے اصول اور انتخاب کے طریقے بیان کئے جائیں تاکہ نسبت ڈھونڈتے وقت

ان امور پر لحاظ کر کے اوصاف حمیدہ کی جانچ پرتال کر لی جایا کرے خواہ شادی کرینو
 خود تلاش کریں خواہ اون کے بزرگ اللہ نیا متاع و خیر متاع الدنیا
 المرأۃ الصالحۃ اوپر کے بیان سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ بزرگون کو اس کام
 میں دخل نہ دیا جائے اور ان کو دودھ کی مکھی کی طرح علیحدہ کر دیں۔ کیونکہ یہ طریقہ بھی
 خرابی سے خالی نہیں ہے۔ اور سب سے بڑی خرابی تو یہی واقع ہوگی کہ چونکہ پردہ
 کی رسم اور رواج زیادہ ہے شریف اور قابل لڑکے اچھی لڑکیوں سے تو واقفیت
 ہونگے نہیں اور میدان طبع ان کے ساتھ وابستہ کر دے گا جن کو جوش طبع نے جوانی
 کی اُمنگوں میں پسند کر کے ان کی خرابیوں سے دانستہ اغماض کیا ہو۔ لیکن جب وہ
 جوش ٹھنڈا پڑ جائیگا اور وہ عیب سو جھنے لگیں گے تو پشیمانی اور خانہ دیرانی کے سوا
 کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ان بزرگ اپنی صلاح اور انتخاب میں شادی کرنے والے کی رائے
 اور پسندیدگی دریافت کر لیا کریں اور ان کو اپنے انتخاب کی پوری پوری کیفیت سے
 آگاہ کر دیں۔ اگر ان کا وہاں میدان نہ ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ لیکن
 مشکل تو یہ واقع ہوتی ہے کہ لڑکیاں حد طفولیت سے ذرا زیادہ قدم رکھتے ہی
 عورتوں سے بھی پردہ میں رکھی جاتی ہیں۔ خصوصاً ان عورتوں سے تو پورے پردہ
 کے فرائض ادا کئے جاتے ہیں جن کے خاندان میں آئندہ ان کو ایک ممبر بن کر رہنا
 تجویز کیا جا رہا ہو۔ یا ان لڑکوں سے چھپا دی جاتی ہیں (اگرچہ پہلے سامنے ہوتی تھیں
 جن کی قسمت کا شریک جن کے مال و دولت گھر بار دل و جان مصیبت و راحت کا
 ساتھی راز دار مشیر رفیق ہوتا ہے اور دنیا کی گاڑی گھسیٹنے کے لئے قدم بقدم چلتا ہے
 بھلا اس صورت میں مزاجوں کی واقفیت اور اوصاف سے آگہی کیونکر حاصل ہو
 اور جب یہ نہیں تو پسندیدگی اور محبت ایک اتفاقی فعل ہے ہو یا نہ ہو جس کا نتیجہ
 یہ ہے کہ صرف رسم و رواج کے سبب باقی زندگی کا آرام صرف اتفاق پر رہ گیا۔ اور
 غیر اختیاری ہو گیا۔ اس لئے ضرور ہے کہ انتخاب لائق اور دانا لوگوں کے سپرد کیا جائے

۱۲
 علہ دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی اچھی متاع صالحہ بیوی ہے ۱۲

اور عورتوں سے پردہ کی رسم اٹھا کر پوری تفتیش کی اجازت دی جائے۔ اگر ناواقفیت کی حالت میں شادی ہوئی تو بزرگوں کو یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ ہماری لڑکی اچھی جگہ گئی بلکہ اس بیماری کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ ان وہ کم قدری سے دیکھی جاتی ہے۔ اس پر نام رکھی جاتے ہیں۔ خاوند کی بے التفاتی سے جیتے جی دوزخ میں ہے۔ جو شاید دوسری جگہ اگرچہ ظاہری حالت ایسی نہ ہوتی لیکن پورے احترام خوشی اور عزت سے رہتی اور محبت کے وہ پھل حاصل کرتی جو قلبی تسکین اور متاہل زندگی کی برکتیں ہیں۔

مشاطہ

ہماری سوسائٹی میں تلاش بہت ہی ناکارہ مانتھوں میں سپرد کی گئی ہے جو نہ صرف قانون شادی سے بے خبر اور جاہل مطلق ہیں۔ بلکہ خود غرضی سے مکاری اور دھوکہ فریب جھوٹ کی پتلا ہیں یہ مشاطین اپنا کمال اس میں دکھاتی ہیں کہ کسی لعل کو پتھر سے ٹکرائیں۔ ان کی بڑی کوشش یہی رہتی ہے کہ چاہے مردہ بہشت میں جائے یا دوزخ میں ان کو علو اماند حاصل جائے کہ انہوں نے اونچے گھر نسبت کرادی اِنَ کَیْدَ کُنَّ عَظِیْمَہ۔ تلاش کا یہ طریقہ جس قدر مضر ہے ظاہر ہے۔ ایک دانشمند آدمی کو ہمیشہ کا ساتھی وہ ہی اچھا معلوم ہوتا ہے اور وہ ہی مناسب بھی ہے۔ جو اس کی طبیعت اور مذاق اور عادات کے موافق ہو جو اصول مذہب اور اعمال حسنہ کا پابند ہو جس کا دل قوی اور جسم صحیح اور تندرست ہو اور جسکی صورت اور جس کے مزاج نے دل میں گھر کر رکھا ہو۔ اور جس نے نیک پاک اور طیبہ زندگی بسر کی ہو۔ تاکہ اس کے ساتھ صرف چند روز ہی گچھڑے نہ اڑیں بلکہ تمام عمر چین اور آرام سے کئے۔

عادات و اخلاق

۱۔ غرض سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ دونوں کی عادات اور خیالات میں تباہی نہ ہو اور یہ باہمی سلوک اور سنجوگ اور افراط محبت کی بنیاد محبت وہ چیز ہے کہ دنیا کی مشکلیں سہل تکلیفیں راحت انقباض بشارت سے بدل دیتی ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کی مصیبتیں بلا شکایت برداشت

کرتے ہیں جس شادی میں محبت نہیں وہ شادی نہیں وہ کبھی آئندہ زندگی کے تفکرات کی برواشت نہ کر سکیں گے۔ ایک اولاد ہی ہے کہ نعمت عظمیٰ اور عطیہ ربانی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو بیوی سے محبت نہیں ہوتی۔ اُن کو اولاد سے بھی التفات کم ہوتا ہے یا کثیرالازدواجی کی صورت میں چاہتی بیوی کی اولاد بھی زیادہ لاڈلی ہوتی ہے۔ عادات کا اختلاف وہ بُری بنا ہے کہ چاہے کتنی خوبیاں کیوں نہ ہوں ملاپ ہونا محال ہے وہ خوبیاں خوبیاں ہی نہیں معلوم ہوتیں۔ یا اُن کا اثر کمزور اور تھوڑے عرصہ کے لئے ہوتا ہے۔

۲۔ عمر۔ عموماً ایسا ہوتا ہے اور ہونا چاہئے بھی کہ بیوی میان سے عمر میں کچھ چھوٹی ہو۔

۳۔ صحت۔ یہ سب سے بڑی اور ضروری شرط ہے کیونکہ بغیر صحت اور توانائی کے نہ انتظام خانہ داری درست رہ سکتا ہے نہ اولاد صحیح و سالم پیدا ہوتی ہے روز روز کی تکلیفیں ستاتی ہیں اور افلاس کی حالت میں تو خدا کی پناہ۔ جان و بال ہو جاتی ہے۔ وہ عورتیں جو اپنے تئیں گوٹھ بھٹہ اور زیور سے آراستہ و پیرا کرتی ہیں اون کو سمجھ لینا چاہئے کہ اصل حُسن صحت میں ہے۔ جب ہاتھ پاؤں لاغر اور نحیف ہوں گے چہرہ پُرمردہ اور زرد رنگ ہوگا تو زیور اُسے کیا سنوار سکتا ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف جب ہایک عضو میں مناسب موزونیت اور قوت و صحت ہوتی ہے۔ تو خواہ مخواہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس ہی طرح لڑکوں کی صحت کا خیال بھی ضروری ہے صحت نہ صرف معاش میں ان کی مدد کرتی ہے بلکہ وہ اون نظروں میں بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں جن کی چشم مست لئے ان کے دل میں گھر کر رکھا ہو۔

۴۔ خاندان اور نجابت۔ نجابت خاندانی کو دولت سے بڑھ کر خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمیشہ اپنے برابر کا خاندان ڈھونڈنا چاہئے کیونکہ اگر ذیل قوموں میں شادی کی جائیگی تو عزت و آبرو میں فرق آئیگا۔ اور اگر اپنے سے زیادہ

معزز خاندان میں شادی ہوگی تو وہ نظر حقارت سے دیکھیں گے۔ شرافت خاندانی اگرچہ اعتباری بات ہے۔ لیکن یہ ایسا اعتبار ہے۔ کہ تمام دنیا کی قومیں اس پر فخر کرتی ہیں اور اکثر صورتوں میں ان اوصاف کا اثر جو ایک خاندان میں خصوصیت سے زیادہ ہوتے ہیں اولاد پر پڑتا ہے۔ اور آبا و اجداد کے اخلاق کا اثر اولاد کو ملتا ہے۔ شرافت خاندانی شرافت ذاتی سے زیادہ رتبہ پر نہیں ہے لیکن اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سلسلہ میں اکثر افراد کسی نہ کسی جہت سے دوسروں سے امتیاز رکھتی ہیں۔ شرافت خاندانی تمدن اور سوسائٹی میں انسان کا رتبہ ظاہر کرتی ہے۔ اور اس رتبہ سے گرنا۔ اس کے لئے اپنی وقعت کا کم کرنا ہے۔

عصمت

۵۔ عصمت۔ آپ آئینہ لباس تن آئینہ بود + جائید بزجانیست تن خوبان را
عصمت وہ بیش بہا جوہر ہے کہ بغیر اس کے پاس ہے ساری خوبیاں اور دنیا بھر کا جہیز کیون نہ ہو لیکن شادی کے قابل نہیں۔ کامل عصمت یہ ہے کہ اگر بد لحاظی اور بد شرمی کا لفظ بھی کان میں پڑے تو لب پر مسکد ابٹ تک نہ آئے۔ اس کو خیال سے سنا تو ورکنا رہا۔ بد اطوار عورت سے تو واقفیت پیدا کرنی بھی بُری ہے کجا کہ شادی کرنا۔ کوہٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میں کسی چنچل چھو کرمی کو دیکھتا ہوں تو اس سے گپ شپ لڑانے کو تو میرا بہت جی چاہتا ہے مگر اُسے بیوی بنانیکا خیال بھی میرے پاس نہیں پھٹکتا۔ عصمت تمام بد قسمتی اور مصیبتوں کا عوض ہے یہ ایک ایسی چیز ہے کہ ہو تو کامل یا نہ ہو تو بالکل نہیں۔ بے عصمت عورت کبھی اعتبار کے قابل نہیں۔ جب اُس نے ایک سے ناجائز بے تکلفی اختیار کر لی تو پھر تو اوروں سے اختلاط کرنے میں کیا باک ہوگا۔ اگر کسی شخص کو خدا بخو استہ یہ شبہ ہو کہ اس کی بیوی کے اطوار خراب ہیں تو نہایت تحمل اور استقلال سے کام لینا چاہئے اور جب تک جرم پایہ ثبوت کو نہ پہنچ جائے۔ کسی رنجش۔ غصہ یا افسوس کا اظہار مناسب نہیں۔ البتہ ثابت ہونے پر اس سے بالکل علیحدگی اور کنارہ کشی اولیٰ ہر بدکار عورت کے ساتھ زندگی کی کسی حالت میں رہنا مرنے سے بدتر ہے۔ اور کوئی

عذر اور کوئی سبب اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے کافی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص اتنا بے حیا ہو تو انسان نہیں حیوان ہے۔ ہندوؤں کی پاکدامن بیویاں میان کے ساتھ سستی ہونا گوارا کرتی تھیں۔ لیکن زندہ رہ کر دوسرے مرد کی صورت دیکھنا گوارا نہ تھا۔ ہندو ہو یا مسلمان پاکدامنی پر دھبہ لگانے اور مان باپ بھائی بہن عزیز واقارب کے نام کو بٹہ لگانے سے مر جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔ اولاد کو مان باپ کی اطاعت اور عزت کرنی فرض ہے۔ لیکن ایسی مان کی اولاد جس نے خاندان بھر کا نام ڈبو دیا ہو جس نے خود اولاد کی عزت کو مٹایا ہو کیا خاک اس کی فرمان برداری اور عزت کر سکتی ہے۔

۶۔ پرہیزگاری۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں شریف خاندان کے لوگ اس صفت سے اکثر متصف ہیں۔ بعض مرد تو شاید چوری چھپے کہیں دو ایک جرعہ شراب کے پی جاتے ہوں لیکن بی بیان خواہ پھوڑ ہوں۔ بدسلیقہ ہوں۔ بدزبان ہوں۔ لیکن بادہ خوار نہیں۔ مان جو لوگ ولایتی بیویاں کر کے لاتے ہیں یا جو بازاری عام عورتوں سے نکاح کے تعلقات پیدا کرتے ہیں شاید ان کو یہ چیز بھی ضروریات زندگی کی طرح ہسیا کرنی پڑتی ہو۔ لیکن اگر کسی اور سبب سے نہیں تو صرف اس ہی سبب سے اس فرقہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کہ ان میں پرہیزگاری نہیں ہوتی۔ عورتوں ہی پر کیا منحصر ہے۔ بادہ خوار مرد بھی ہمیشہ خوار رہتے ہیں۔ اور اس قابل نہیں ہوتے کہ کوئی نیک بخت عورت ان کے پتے بندھنا پسند کرے۔ اگر مشکل کام آپڑے اور اس کے لئے کسی آدمی کی تلاش ہو تو کون ایسے مرد یا عورت کا انتخاب کریگا۔ جو شراب میں مخمور ہو۔ جسے دو قدم چلنا محال ہو۔ جس کے ہاتھ پاؤں زبان قابو میں نہ ہوں اور کون یقین کریگا کہ ایسا کام ایسے مرد یا عورت کے ہاتھوں اچھی طرح پورا ہوگا؟ دنیا کی گاڑی کا چلانا آسان کام نہیں۔ اس میں قدم قدم پر دقتوں کا سامنا ہے۔ پھر کیوں کر ایسا شخص اس کے لئے انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ جو عالم بدستی میں اپنے ہوش و حواس سے کام نہ لے سکتا ہو! فرض کرو کہ ایک

شخص بستر مرگ پر پڑا ہو اور اپنی اولاد کو ایک ایسے اتالیق اور سرپرست کی نگرانی میں چھوڑنا چاہتا ہو جو بچوں کو اچھی طرح تعلیم دے۔ لڑکوں کو نیک راہ چلائے۔ لڑکیوں کو سلیقہ۔ شعور اور اچھی اچھی باتیں سکھائے تاکہ بچے عزت اور آبرو حاصل کریں اور جو مالی و متاع وہ چھوڑتا ہے ایسے انتظام سے صرف کرے کہ پس ماندوں کو تکلیف نہ ہو اور جائیداد کی نگرانی اور انتظام ایسا اچھا رہے کہ وہ برباد نہ ہونے پائے تو کیا وہ شخص شراب خوار اور ناپرہیزگار شخص کو بچوں کی اتالیقی اور گھر کے انتظام کے لئے انتخاب کریگا؟ ہرگز نہیں! لیکن اگر یہ شخص خاوند یا بیوی ہو جس کے ہاتھ میں قدرتا سارا سرانجام چھوڑنا ہے تو اس شخص کی تکلیف کا کیا اندازہ ہوگا۔ جب ہم ایک ناپرہیزگار نوکر بھی رکھنا پسند نہیں کرتے۔ تو اپنے گھر بار کا شریک کس طرح بنا سکتے ہیں۔ ناپرہیزگار شخص صرف اور وہی کو تکلیف نہیں دیتا۔ بلکہ اپنے تئیں بھی مضرت پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اس کی یہ خراب عادت اس کو دنیا میں کسی کام کا نہیں رکھتی اور اس کا گھر آخر کار برباد ہو جاتا ہے۔ پرہیزگاری تمام خوبیوں کی جڑ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان بھلی باتیں سیکھ ہی نہیں سکتا نہ کوئی بھلا کام کر سکتا ہے۔ دوسروں پر اس کی صحبت وہ بُرا اثر کرتی ہے جو زہریلی ہوا صحت پر۔

محنت کی
عادت

۷۔ محنت کشی۔ محنت سے یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص اکتساب معاش کی غرض سے کچھ کام کرے۔ بلکہ اون لوگوں میں بھی جن کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہو کچھ نہ کچھ محنت کی عادت ہونی چاہئے۔ نوابوں اور امراء کی بیٹیاں بھی محنتی یا کابل ہو سکتی ہیں۔ زندگی کی کوئی حالت ایسی نہیں ہے جس میں ایک بیوی کی محنت گھر کی بہبودی اور زوجین کی مسرت کا باعث نہ ہو۔ کیونکہ اگر ہم صاف ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں اور کسی کام پر توجہ نہیں کرتیں تو نوکروں کو نوڈلوں سے اُمید نہ رکھنی چاہئے کہ وہ کچھ کام ٹھیک طور پر کریں گی۔ بلکہ وہ اور کابل ہو جائیں گی عورتوں کے لئے محنت کرنی اور گھر کا کاروبار خود انجام دینے کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے مردوں کو تحصیل علم اور اکتساب معاش کی اور یہ عادت عورتوں کے دل کو

خوش اور صحت کو بھی درست رکھتی ہے جو عورتیں گھر کے کاموں کو ہاتھ تک نہیں لگاتیں۔ ان کو قلت اشتہا۔ درد سر۔ اعضا شکنی۔ دل کی گھبراہٹ۔ سستی اور اس قسم کی شکایتیں اکثر ستایا کرتی ہیں۔ اور جب اوقات گزاری کے لئے مشغول کی ضرورت ہوتی ہے تو یا تو ماماؤں سے ادھر ادھر کی محراب اخلاق کہانیاں سنتی ہیں یا گھر کی یا دیوار پر سے ہمسایہ سے باتیں کرتی ہیں۔ نوکروں سے کوئی کام جب تک اس کی نگرانی نہ ہو پورا نہ ہوگا۔ بلکہ وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہیں گے کہ ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور لوٹ لوٹ کر کھائیں۔ کوئی کام کیا بھی تو خراب ناکارہ اُلٹا۔ نفع کی جگہ نقصان۔ غرض ہر وقت مشکلوں کا سامنا ہوگا۔ اور صرف اس وجہ سے کہ گھروالی کاہل اور سست ہے۔

کوئی کام کرنا صرف صحت جسمانی کے لئے ہی ضرور نہیں ہے بلکہ دل کے واسطے بھی اکسیر ہے۔ بیکار عورت ہمیشہ بد مزاج۔ لڑا کو۔ چڑچڑی اور فضول خرچ ہوتی ہے۔ اس کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کے لحاظ سے وہ اگر مردہ نہیں ہے تو خوابیدہ ضرور ہے۔ اور وہ عورت جو اپنے گھر کا کام خود کرے اور خود ہر ایک چھوٹے بڑے کام کی نگرانی رکھے وہ سارے گھر والوں کے لئے باعث خوشی اور باعث آرام ہے۔ اور جو بچے اس کے زیر تربیت ہوں وہ بھی عمدہ سبق حاصل کر سکیں گے۔ گھروالی میں خود کام کرنے اور دوسروں سے کام لینے کی لیاقت ہونی چاہئے۔ گھر کا آمد و خرچ برابر رکھنا۔ ہر ایک چیز کا عدہ اور قرینہ سے ضرورت کے مطابق صرف کرنی۔ گھر کی چیزوں کو بالترتیب صاف و آراستہ رکھنا۔ اور نوکروں پر دانشمندانہ حکومت کرنا۔ اور ان سے کام لینا عورت کا فرض ہے۔ اور ایسے انتظام خانہ داری کے لئے عورت میں خود کام کرنے دوسروں سے کام لینے کی لیاقت۔ سلیقہ۔ تربیت اور نگہداشت کی قوت۔ پیش بینی۔ دور اندیشی۔ سمجھ۔ تمیز ہونی چاہئے۔

کفایت شعاری

۸۔ کفایت شعاری۔ کفایت شعاری کے معنی یہ ہیں کہ فضول خرچی نہ ہو۔

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ طبیعت میں سخی ہو۔ اور تن کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی دینے کو

بھی دل نہ چاہئے۔ بلکہ کفایت شعاری یہ ہے کہ غیر ضروری اخراجات سے احتراز کیا جائے۔ کفایت شعاری خواہ امیری ہو یا غریبی دونوں حالتوں میں اچھی ہی ہے۔ بہت سے امیر آدمی جن کے ہاں دولت کے کھتے بھرے پڑے تھے فضول خرچی کے طفیل روٹیوں سے محتاج ہو گئے۔ اور اگر میان بیوی دونوں فضول خرچ ہوں تو بہت مشکل اوسط درجہ اور غریب آدمیوں کے لئے تو کفایت شعاری گویا فرض عین ہے۔ اور غضب ہے اگر ان کی بیویاں امیر زادیوں کی حرص کریں۔ اور ساری کمائی گوٹھ اور پٹھ میں رائیگان کر دیں۔ مرد کو یہ پپی پنا بھی آسان نہیں کہ جس لڑکی کو اس کی طبیعت نے ہمیشہ کا ساتھی پسند کیا ہے وہ کفایت شعار ہے یا فضول خرچ لیکن پھر بھی اگر غرور و نفمت سے طبیعت کے میدان کا اندازہ کیا جائے تو ضرور کچھ نہ کچھ پتہ چل سکیگا۔ اول تو لباس کی طرف غور کرو کہ آیا لباس رتبہ سے زیادہ پریشان و شوکت رہتا ہے یا موافق۔ دکھاوے کی اشیا زیادہ استعمال کی جاتی ہیں یا مفید بکار آمد اور جو میدان اس وقت معلوم ہو وہ عمر بھر ہیگا۔ اگر کسی لڑکی کی ایسی عادت معلوم ہو کہ عمدہ کھانے عمدہ پہننے زیورات میں فضول روپیہ خرچ کرنے اور غیر مفید کاموں میں دولت برباد کرنے کی عادی ہے تو جان لو کہ جس دن اسکے ہاتھ میں میان کی دولت آئی چار دن میں برباد کر دیگی۔ اس موقع پر یہ خیال ہے کہ طبیعت کے میدان کو اس کی آمدنی کے وسائل کے ساتھ موازنہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ جو چیز ایک شخص کے واسطے فضول خرچی ہے دوسرے کے لئے نہیں۔

صفائی

۹۔ صفائی۔ بعض پلید طبیعتوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ورنہ کس کا جی چاہیگا کہ میلی کچیلی عورت یا مرد سے محبت پیدا کرے۔ خصوصاً وہ شخص جس کی اپنی طبیعت میں نفاست ہو ایسے جلیس کے ساتھ کیونکر گزارہ کر سکتا ہے۔ آنکھیں تو یہ ڈھونڈیں کہ بیوی کی صورت دلفریب ہو اور دلفریبی اور غلاظت یک جا بہم نہیں ہو سکتی۔ پھر سچوگ کیا خاک ہو۔ بعض مرد اپنے پیشوں کے سبب سے ہر وقت صاف نہیں ہو سکتے لیکن گھر میں آکر ہر چیز میں صفائی اور بیوی کی پاکیزہ شکل دیکھ کر سب کا دل خوش ہوتا ہے

ہر ایک چیز کے بیش بہا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہاں بدن اور لباس صاف اور اچھا رہنا لازم ہے۔ شادی بیاہ کے موقع یا کسی تقریب کی ضرورت سے ہنا دھو کر اچھا ہو جانا اور نفاست میں قدم رکھنا اور بات ہے۔ اس سے مرد کا دل نہیں خوش ہوتا بلکہ دن رات ہر وقت صفائی اور پاکیزگی ہونی چاہئے۔ صفائی ظاہری تمذیب اور شائستگی کی نشانی ہے۔ اگر کوئی شخص میلی اور خراب حالت سے کسی جلسہ میں جاوے تو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور کوئی پاس بٹھانے کا بھی ہواوا نہیں ہوتا۔ ایک شخص پر منحصر نہیں اقوام کی تمیز کا اندازہ بھی ان کی افراد کی صفائی اور نفاست سے اس ہی طرح کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ علم اور سائنس کی ترقی سے انکی ترقی یافتہ ہونے کا اندازہ کرتے ہیں۔ اور جس قدر کوئی قوم زیادہ مذہب ہوگی اس ہی قدر اس میں صفائی اور پاکیزگی کا لحاظ زیادہ ہوگا۔ دوم صفائی اور پاکیزگی صحت اور تندرستی قائم رکھتی ہے اور بہت سی بیماریاں جو بدن یا دل کو بریا کرنے والی ہیں پیدا نہیں ہونے دیتی۔ صفائی ظاہر سے طبیعت میں پاکیزہ خیال پیدا ہوتے ہیں اور طبیعت شائستہ امور کی طرف راغب رہتی ہے۔ اور اپنے آس پاس کی تمام چیزوں کو صاف اور باقاعدہ مرتب دیکھ کر طبیعت کو جو بے اشتیاق اور حظ حاصل ہوتا ہے وہ تخیل پر بہت بڑا اثر ڈالتا ہے۔ لباس کے متعلق امیروں کی عادات کا پہچانا تو مشکل ہے۔ کیونکہ وہ بے ضرورت صرف نمائش کے لئے بھی تبدیل لباس کیا کرتے ہیں۔ ہاں اوسط درجہ اور غریبوں کی شناخت ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی لڑکی اپنے کپڑے ناصاف اور بے مرمت رکھے تو کیونکر اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ خاوند کے کپڑے صاف اور درست رکھنے کی تکلیف گوارا کریگی۔ اس کا مضائقہ نہیں کہ کپڑے موٹے اور کم قیمت ہوں مگر باسلیقہ سے ہونے وقت کے موافق اور صاف ہوں۔ تو جانتا چاہئے کہ صفائی اور خوش سلیقگی کا مادہ ہے۔ اور اگر خاص اس امر میں بد سلیقگی ظاہر ہو تو اور امور میں بھی سلیقہ کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ لوگ ان کی طرف کو بظاہر تو جہ

نہیں کرتے۔ لیکن دل میں یہ امور ایسے نامعلوم طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ کہ یہ خبر ہی نہیں ہوتی کہ کس وجہ سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور جو جو تھلیفین اُن وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ بعض کو تہ اندیش ان کو بھی دیگر اسباب پر محمول کر دیتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھو تو یہ معلوم ہو جائیگا۔ کہ عورت کی بدسلوکی انتظام خانہ داری کی خرابی اور چیزوں کے خراب اور برباد ہونے کا سبب ہوتی ہے اور اس سے مردوں کے دل میں انقباض اور حقارت اور کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ ان میں اس کے جاننے کی لیاقت نہ ہو حسن اکثر محبت اور دل بستگی کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن حسن بڑھاپے میں نہیں قائم رہ سکتا۔ ہاں طبیعت کی صفائی اور اس کی خوبیاں ہمیشہ رہتی ہیں۔ حُسن سے اگر محبت پیدا ہوتی ہے تو صفائی سے محبت قائم رہتی ہے انسان تو انسان کوئی پتھر بھی صاف کیا ہوا اور تراشا ہوا ہو تو نظر کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور عمارت کی محراب میں لگایا جاتا ہے۔ ورنہ وہی پتھر ہے کہ ٹھوکرین کھاتا پھرتا ہے۔

انتظام خانہ داری
کی لیاقت

۱۰۔ انتظام خانہ داری کی لیاقت۔ اس لیاقت کے بغیر کوئی عورت چاہے کسی نواب ہی کی بیوی ہو غریب ہے۔ سستہ فامین یہ دستور ہے کہ لوگ اپنی لڑکیوں کو سینا پر دنا کھانا پکانا۔ اور گھر کے کام دھندے سکھاتے ہیں اور اس میں شک نہیں اس سے ان کے خاندان میں آرام اور عزت کو ترقی ہوتی تھی۔ گھر کے بہت سے کام ایسے ہیں کہ مائیں اور مغلانیان ان کو نہیں کر سکتیں اور ان میں مردوں کو مداخلت کرنا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اور جو لڑکی خود کوئی کام کرنا نہیں جانتی۔ وہ بڑی ہو کر کسی سے کیونکر کام لیگی۔ جو شخص کچھ کام کرنا نہ جانتا ہو یا جس نے کوئی کام نہ کیا ہو وہ اوروں سے وہ کام نہیں لے سکتا۔ آرام اور خوشی کا انحصار زیادہ تر اون لوگوں کے اطوار پر منحصر ہے۔ جو خدمت کرتے ہیں اور ان کے اطوار اور اوضاع پر گھر کی بیگمیں کا ہر تو پڑتا ہے۔ جن کے ماتحت وہ لوگ کام کرتے ہیں اور جن کے ساتھ وہ گھر میں رہتے ہیں۔ اوسط درجہ کے لوگوں

میں انتظام خانہ داری کی واقعیت کی اس قدر ضرورت ہے کہ سب سے پہلے کسی لڑکی کے اوصاف میں اس ہی صفت کو دیکھنا چاہئے۔

انتظام خانہ داری
آرام بیوی بنانا ہو

انتظام خانہ داری کی قابلیت تمام گھر کے آرام و آسائش کے لئے ضروری ہے گھر کے ادنیٰ ادنیٰ کام بہت بڑے آرام اور آسائش کا باعث ہوتے ہیں اور گھر والی کی توجہ کے بغیر دست ہنہیں ہوتے۔ جس طرح مردوں کو ملازمت تجارت مزدوری یا کسی پیشہ کی خبر گیری رکھنی اور اس کے کاموں کو باحسن وجہ انجام دینا ضروری ہے۔ اسی طرح عورتوں کو سینا پر ونا۔ کھانا پکانا۔ بچوں کی نگہداشت اور پرداخت اور گھر کی ہر ایک چیز کی خبر گیری اور اس کو سلیقہ سے برتنا فرض ہے۔ اگر بیوی میں یہ قابلیت ہنہیں تو گھر میں جس قدر زیادہ دولت ہوگی اتنی ہی زیادہ ابتری ہوگی اور جس قدر زیادہ نوکر اور مامائیں ہوں گی اُسی قدر زیادہ کاموں میں بد انتظامی اور دیر ہوگی۔ جس قدر زیادہ انائیں اور مانیان ہوں گی اُسی قدر بچے زیادہ بے تربیت کثیف۔ بد اخلاق ہوں گے۔ غرض جس قدر زیادہ سامان مہیا ہوں گے۔ اس ہی قدر زیادہ ہر ایک چیز بے ترتیب اور ناقابل استعمال ملیگی۔ اور ضرورت کے وقت تکلیف رہیگی۔ بلکہ انتظام خانہ داری کی عمدگی اس پر منحصر ہے کہ خود بیوی کو اس کا خیال رہے۔

کوئی کام جو بالکل نوکروں کے اختیار میں چھوڑ دیا جائے عمدہ اور وقت پر ہنہیں ہوتا۔ بیوی کی لیاقت اور شکست کی یہ نشانی ہنہیں ہے کہ سارے دن بیٹھی پان کھایا کریں اور دو چار خوشامدی عورتیں بیٹھی جھوٹی سچی باتیں بنائیں۔ بلکہ عورت کا فرض یہ ہے کہ اس کا بہت سا وقت گھر کے کام کاج میں صرف ہو۔ گھر کے باہر کے کام مرد کے ذمہ ہیں۔ اور گھر کے اندر کے عورت کا حصہ ہیں جو عورتیں کھانا پکانیکا کام بالکل ماماؤن پر چھوڑ دیتی ہیں۔ مغلانیان اور درزی جنکے کپڑے سیتے ہیں۔ انائیں جن کے بچے پالتی ہیں۔ وہ خانہ داری کے لحاظ سے بیکار ہیں۔ ایسی عورتیں بیکار خدمتگاروں کو اس لئے اکٹھا کر لیتی ہیں۔ کہ انکے

خاوند کی کھائی کو بیدردانہ اٹھائیں۔ اور گھر کی رونق اور آسائش کو خاک میں ملائیں۔ اور جس قدر ایسے خدمتگاروں کا گروہ بڑھتا جاتا ہے۔ اسی قدر ہر ایک کام کی ضرورت اور تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ سلیقہ مند بیوی اپنے گھر کو ایسا صاف پاکیزہ اور دلکش اور آرام دہ بنا سکتی ہے کہ جب اس کا خاوند تمام دن کی تکلیف اور محنت اور کاروبار کے مشاغل سے فرصت پا کر گھر میں آئے۔ تو اس کو یہاں مسرت و راحت ملے اور وہ اپنے گھر کو نہایت صاف اور نہایت باقاعدہ اور منظم دیکھ کر خوش ہو اور اسے معلوم ہو کہ دنیا میں ایک جگہ ہے جہاں کشمکش مشاغل سے اسے پناہ مل سکتی ہے۔ اگر یہ نہیں تو خاوند کی حالت قابل افسوس ہے خواہ وہ امیر کبیر ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ہمیشہ بے گھر ہے اگرچہ محلوں میں رہتا ہو۔

۱۱۔ اخلاق حمیدہ۔ شادی سے قبل کسی کے اخلاق کی جانچ پڑتال کرنی بڑی مشکل ہے۔ اور اگر کسی طرح جاننا ممکن ہو تو زود درج عورت سے پرہیز لازم کر بعضوں کے مزاج تو اس طرح کے خراب ہوتے ہیں کہ چاہے کوئی بات نہ ہو مگر بیگم صاحب کا منہ پھولا ہی رہتا ہے۔ اور آپ ہی آپ خاموش بیٹھی طیش دکھایا کرتی ہیں۔ خوئے بد کا ہش جان۔ بعضوں میں یہ عادت ہوتی ہے۔ کہ بات بات پر گلہ بات بات پر شکایت اور پھر شکایت اور گلہ بھی بے وجہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں ضبط اور عقل نہیں۔ نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہونا ہے۔ کہ مرد اپنے لطف صحبت کے لئے کوئی اور چلیں ڈھونڈے اور گھر میں گھسنا اسے ناگوار معلوم ہو۔ جن لوگوں کو قسمت سے خوش اخلاق بیویاں مل جاتی ہیں۔ جو میان کے گھر آنے پر اظہار مسرت کرتی ہیں اوس کے پریشان خیالات کو اپنی دلکش اداؤں سے دور کر دیتی ہیں وہ مرد اپنا بہت سا فرصت کا وقت اپنے گھر میں صرف کرتے ہیں۔ دنیا میں تریا ہسٹ مشہور ہے اور یہ دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے۔

۱۲۔ حسن صورت۔ کسی شخص کے شکل و شمائل کی وہ خوبی جس میں

اخلاق حمیدہ

حسن

دوسروں کی طبیعت پر دلفریب اثر ڈالنے کی قوت ہو حسن صورت ہے۔ عورت
 میں حسن ایسا ہی ضرور ہے۔ جیسا کہ چراغ میں نور یا گل میں رنگ و بو جس طرح
 آفتاب کی روشنی تمام دنیا کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور رکھتی ہے۔ اسی طرح
 حسین بی بی اپنے خاوند کے دل کو دنیا بھر کے خراب لالچوں کی تاریکی سے
 بچائے رکھتی ہے۔ یہ مسئلہ ہے کہ دنیا میں ایک سے ایک بہتر ہے۔ لیکن اگر شادی
 سے قبل کسی کی صورت اچھی طرح دل میں گھر کر چکی ہے۔ اور محبت نے پورا اثر
 کر لیا ہے۔ آنکھیں جس کی صورت دیکھنے سے اور دل تعریف کرنے سے سینہیں ہوتا
 تو اس کے لئے وہی سب سے اعلیٰ ہے۔ خداوند تعالیٰ نے پسندیدگی کے میلان
 مختلف بنائے ہیں۔ اور اس سبب سے دل کسی میں جو ادا پسند کر لیتا ہے۔ اُسے
 سب سے زیادہ عمدہ اور نفیس خیال کرتا ہے۔ لیکن اگر پہلے سے پسندیدگی نہ
 ہے تو آئندہ حسن صورت پسند آنا ایک اتفاقی بات ہے ہو یا نہ ہو۔ اسی سبب
 سے حکماء کی یہ رائے ہے کہ شادی سے پہلے دیکھ لینا ضرور ہے۔ امام غزالی رحمۃ
 اللہ علیہ کتاب کیمیائے سعادت کے اصل دوم باب دوم میں لکھتے ہیں۔
 ”اولیٰ آن بود کہ زن را پیش از عقد ببیند تا پسندد۔ و آنگاہ عقد کند کہ الفت
 امیدوار تر بود“ شاہ ولی اللہ صاحب کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَاطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ
 فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْتَظِرَ إِلَى مَا يَذْعُ إِلَى الْإِثْمِ فَلْيَفْعَلْ وَقَالَ فَإِنَّهُ
 آخِرُ أَنْ يُؤْمَدَ بِبَيْنِكُمَا وَقَالَ هَلْ مَرَّ أَيْتُهُمَا فَإِنْ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ
 شَيْئًا۔ أَمْوَلُ السَّبَبِ فِي اسْتِخْبَابِ النَّظَرِ إِلَى الْمُخْطُوبَةِ أَنْ يَكُونَ
 آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 ہے کہ جب کوئی تم میں سے کسی عورت سے
 نواح کا پیام دے تو پس اگر وہ شخص اوس
 چیز کو جو اوس عورت کے ساتھ نواح کرنے کی
 باعث ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے۔ اور فرمایا
 کہ یہ بات تم دونوں میں الفت قائم رہنے کے لئے
 انسب ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تہذیبی
 نوئے اسکو دیکھ بھی لیا ہو کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب نہ
 میں کہتا ہوں مخطوبہ کو دیکھ لینا اس واسطے مستحب کہا گیا ہے

التَّزَوُّجُ عَلَى سَرَّوَيْتٍ وَإِنْ يَكُونُ
 أَبْعَدَ مِنَ السَّدَمِ الَّذِي يَكُونُ مَعَهُ
 إِنْ اقْتَحَمَ فِي الْبُكَاحِ وَلَمْ يُوَافِقْهُ
 فَلَمْ يَزِدْهُ وَاسْتَهْلَ لِلشَّكْلِ فِي
 إِنْ سَرَدَ أَنْ يَكُونَ تَزَوُّجُهُمَا
 عَلَى شَوْقٍ وَنَشَاطٍ أَنْ وَافَقَهُ
 وَالرَّجُلُ الْحَكِيمُ لَا يَكْبِرُ مَوْلِيًا
 حَتَّى يَتَبَيَّنَ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ قَبْلَ
 وَلَوْ جِهَ

کہ دیکھ لینے کے بعد جو نکاح واقع ہوگا ہوشمندی
 کے ساتھ ہوگا اور وہ ندامت جو بلا دیکھے بھلا
 نکاح کر لینے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور
 پھر اُسے رد نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے ایسے وقت میں
 پیش نہیں آتی۔ اور دیکھنے کے بعد اُسکو رد کرنا آسان
 ہوتا ہے۔ دوسرے ایسے وقت میں نکاح شوق اور نشاط
 کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اُسکی طبیعت کے موافق
 ہوتا ہے۔ اور عقلمند آدمی جب تک کسی چیز کی بھلائی نہ
 پہلے معلوم نہ کر لے اسکا اقدام نہیں کرتا۔

آئندہ اس وقت کے میلان یا منافرت کا اثر ہمیشہ رنگ دکھاتا ہے۔ اگر
 خدا نخواستہ اس وقت منافرت زیادہ ہو تو پھر دیگر خوبیوں سے آگہی کا موقع نہیں
 ملتا۔ یا وہ خوبیاں خوبیاں ہی نہیں معلوم ہوتیں۔ لیکن جب کسی کی دلفریب
 صورت اور ادائیں تسخیر کر لیتی ہیں۔ تو اخلاق اور بدسیلگی کے نقص بھی کم
 دل آزار ہو جاتے ہیں۔

حسین بی بی اپنے غریب خاوند کی تسکین اور تسخیر کے لئے اُس امیر زادی
 سے زیادہ بہتر ہے۔ جس نے عمدہ عمدہ زیورات اور جواہرات سے اپنے تئیں آراستہ
 کیا ہو۔ اور بد شکل عورت کو چونکہ اپنے تئیں اچھا بنانے کے لئے زیادہ عمدہ زیورات
 اور لباس فاخرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سبب سے وہ حسین عورت کی نسبت
 زیادہ فضول خرچ بھی ہوتی ہے۔ لیکن ”یک صورت زیبا بہ از ہزار خلعت دیا“
 اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام صفات حمیدہ عطا فرمائے تو کیا بڑی بات
 ہے ورنہ مذکورہ بالا اوصاف میں سے جس قدر زیادہ حصہ کسی کو ملا ہے اُس ہی قدر
 وہ قابل قدر ہے۔ اور تلاش میں اتنا ہی خیال رکھنا مناسب ہے کہ یہ اوصاف
 کس درجہ تک پائے جاتے ہیں۔ مردوں میں بھی خضائلِ رفیہ سے پرہیز اصول

باموردی فضول
 خرچہ پیدا کرتی
 ہے۔

اتفاق واتحاد

اخلاق اور تدابیر منزل اور سیاست مدن کی واقفیت ایک عمدہ شوہر بننے کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ اور جب تک خود مرد قابل نہ ہوں وہ نیک اور لائق بیوی کی کما حقہ کبھی قدر نہیں کر سکتے۔ ایک مثل ہے۔ کہ ”چاہ آسان بناہ شکل ہے“۔ شاید کسی خاص حد تک یہ سچ ہو لیکن شادی کے بعد مرد و عورت دونوں کو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ہم ایک ایسی گاڑی میں جوتے گئے ہیں جس کی منزل لب گور پر ختم ہوتی ہے اور دنیا کی راحت اور آرام اور متاہل زندگی کی ساری برکتیں ہماری باہمی سنجوگ باہمی ملاپ ہمدردی اور باہمی محبت پر منحصر ہیں۔ جب تک مرد و عورت دونوں محبت کی رستی میں جکڑے ہوئے نہ ہوں اور ان میں کامل اتفاق اور اتحاد نہ ہو۔ متاہلانہ زندگی کی اہم ذمہ داریوں کو اچھی طرح سے ادا نہیں کر سکتے۔ جس میان کے دل میں بیوی کی اور جس بیوی کے دل میں میان کی محبت نہ ہو وہ میان بیوی نہیں ہیں۔ جو شخص اپنی بیوی کے ہوتے کہیں اور اپنے دل کا پہلا ڈھونڈے وہ اپنی سچی راحت اور حقیقی آرام ہی کا خون نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خاندان میں بے التفاتی۔ نا التفاتی۔ اور تمام قسم کی بُرائیوں کا بیج بوتا ہے۔ وہ اپنی اولاد اور اپنے چھوٹے رشتہ داروں کے لئے ایک بُری مثال قائم کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی دل آزاری کا ہی مجرم نہیں ہے۔ بلکہ اس نے فارغ البالی اور عیش کے زمانہ میں بیجا گلچہرے اڑا کر وہ تمام حقوق کھو دئے ہیں جن کی رو سے عورت پریشانی یا بیماری یا کسی اور قسم کی مصیبت کے دنوں میں وہ اپنی ہمیشہ کی ساتھی کی دلجوئی اور مدد اور ہمدردی بلکہ شرکت مصیبت کا مستحق تھا۔ دنیا میں ناجائز تعلقات یا آوارگی کے روکنے کے لئے اس سے بہتر تجویز نہیں کہ مرد خود اپنی خواہشات کو روکین اس گناہ کے پھیلانے کی عورتیں اتنی مجرم نہیں ہیں جتنے خود مرد ہیں۔ عصمت مردوں کا بھی ایسا ہی عمدہ جوہر ہے جیسا عورتوں کے لئے جو لوگ اس جوہر کو کھو کر حفظ اور مسرت ڈھونڈتے ہیں وہ اندھے ہیں کہ اپنی آنکھیں کھو کر در بھیک مانگتے ہیں ”یار درخانہ ومن گرد جہان میگردد“۔ کیا یہ

مردوں میں
عصمت و
پاکدامنی کی
ضرورت

ممکن ہے کہ جو ظاہری اور عارضی محبت اُنہوں نے تھوڑی دیر کے لئے بہت سی معاوضہ دیکر خریدی ہے کوئی عمدہ پھل دیگی؟۔ اقدام معاصی اور حصول لذات شہوانی دین و دنیا دونوں میں ندامت اور پشیمانی و بربادی کا باعث ہے۔ اگر انسان طبیعت کو خلاف شرع امور سے نہیں روکتا اگر اسے اپنے اوپر اتنا قابو حاصل نہیں۔ کہ منہیات سے اجتناب اور اوامر کی پابندی کرے۔ اگر اس کے قواعد شہوانی قواعد عقلیہ کے مطیع نہیں تو وہ مرتبہ انسانی سے گر کر مراتب بہیمیہ کو پہنچ گیا ہے۔ وہ ایک ایسے زندان میں گرفتار ہے جہاں مکرو فریب کی زنجیریں جھوٹی محبت کے جال بکرا سے جکڑے ہوئے ہیں جہاں پر فسوں عشوہ و ناز اور ناپاک تزیین نے دھوکہ کی ٹیٹی بن کر زہریلے اثرات کو چھپا رکھا ہے۔ بدکردار شخص کی بیوی جب اپنے حقوق کو پورا ہوتے نہیں دیکھتی تو وہ بھی خاوند کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھتی اور اس کے دل سے اس کی عزت۔ وفاداری۔ رعب۔ اداسی۔ فرائض کا خیال جاتا رہتا ہے۔ خاندانی عزت۔ شرافت و نجابت۔ پاس تنگ نام کے لئے مردوں کی پاکدامنی بھی ضروری اور لازمی شرط ہے۔ اور یہ مردوں کی سخت غلطی ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنے فرقہ کے کیفر کردار سے ایسا اغماض کیا ہے۔ گویا ان کی نعرشیں اگر ان کا جوہر نہیں تو ایسی معمولی بات تو ضرور ہیں جن سے خاندان کے ناموس پر کوئی بڑھ نہیں لگتا۔ لیکن فی الحقیقت یہ مردوں کی ہٹ دھرمی ہے اور عورتیں اس ہٹ دھرمی سے واقف ہیں۔

اگر مرد خود بے مروتی اور غفلت شعاری اختیار کرتے ہیں۔ اگر ان کے اوضاع و اطوار میں بے قاعدگی ہے۔ اگر خود ان کو اپنا گھر اچھا نہیں معلوم ہوتا اور اس میں ان کو کوئی دلچسپی نہیں۔ تو قصور وار وہ خود ہیں اور ان کو سارے بُرے نتائج بھگتنے چاہئیں۔ لیکن خوش قسمتی سے دنیا میں ایسی پاک نفس عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی بد اطواری کے سبب کیسا ہی انگاروں پر کیوں نہ لوٹیں۔ لیکن آبرو پر جان دیدیتی ہیں۔ ان کی بہت مردانہ کو ہزار

آفرین ہے ! اور اس میں شک نہیں کہ اگر مرد قوانین شریعت کی پابندی کریں اور عورتوں کے حقوق نگاہ رکھیں تو عورتوں کی بد اطواری کی مثالیں بالکل مٹ جائیں صرف نان نفقہ کی کفالت سے بیوی کے پورے حقوق ادا نہیں ہوتے۔ اور انسان بیوی کی پوری خدمات کا مستحق نہیں بن جاتا۔ اس وقت تک متاہلانہ زندگی کی خوشیاں اور راحتیں پوری پوری نصیب نہیں ہوتیں جب تک میان بیوی نے ایک دوسرے کے دل میں گھر نہ کر لیا ہو۔

شادی کے بعد خواہ بیوی کیسی ہی ملے اس کو ستانا اور آزار دینا کینگی باہمی سلوک بلکہ وحشیانہ حرکت ہے۔ بلکہ شروع ہی سے باہمی رویہ ایسا ہونا چاہئے کہ خوش اخلاقی۔ خندہ پیشانی محبت اور اخلاق کی ادائیں۔ روز بروز زیادہ گرویدہ کرتی جائیں یہاں تک کہ ایک عرصہ کے بعد جب شادی کو کافی مدت گزر جائے تو یہ محبت اور اخلاص طبیعت میں راسخ ہو جائے۔ ابتدائیں چونکہ اجنبیت زیادہ ہوتی ہے لہذا اول ہی سے پوری سرگرمی اور اطاعت و اخلاص کی توقع کرنا بیجا ہے ہاں اس مطلب کے حصول کے لئے اگرچہ بہ تکلف ہو لیکن نہ اقوال سے بلکہ افعال اور باہمی رویہ سے ہر وقت ہر ضرورت کو اچھی طرح پورا کر کے اور آرام آسائش محبت خاطر داری کا لحاظ کر کے اس طرح پیش آنا چاہئے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ دنیا میں بیوی کو خاوند سے اور خاوند کو بیوی سے زیادہ کوئی چیز عزیز اور قابل ترجیح نہیں ہے۔ اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی عزت اور حرمت ہے۔ حتیٰ کہ یہ اعتقاد طبیعتوں میں راسخ ہو جائے اور دل محبت کی بندشوں میں جکڑ جائے عادت طبیعت ثانی ہے۔ اصول صداقت کا شروع ہی سے لحاظ کیا جائے تو پھر اس میں ہی ایسا لطف آنے لگتا ہے۔ کہ خود دل میں اس راہ چلنے کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ عورتوں کے دل زیادہ نازک ہوتے ہیں ان کی طبیعت پر ذرا سے رنج اور ذرا سی خوشی کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور خاوند کی ذرا سی بے اعتنائی یا بے اعتنائی کا اثر ان کی طبیعت پر زیادہ آزار دہ ہوتا ہے۔ عورت اپنی آزادی

اپنے آرام بلکہ دنیا کے ہر ایک نیک و بد حالت کو ترک کر کے اپنی ساری امیدیں اپنی ساری خوشیاں اور زندگی بھر کا رنج و راحت خاوند کی عنایت اور محبت پر چھوڑ دیتی ہے۔ اس کی مصیبتوں میں ثابت قدمی سے ساتھ دیتی ہے۔ مصائب میں خود شکر ادا کرتی ہے۔ کون ایسا شخص ہوگا کہ ایسے رفیق کی دل جوئی نہ کرے۔ اور اس کے حق میں ذرا سا بجا آزار بھی روا رکھے۔ اس ہی طرح سے بیوی کا فرض ہے کہ شوہر کی اطاعت اور رضا جوئی کرے۔ مرد عورت کا محکوم نہیں ہے اور کوئی عورت امید نہیں کر سکتی کہ کوئی مرد بے وجہ عورت کے حکم کو جو وہ بے سوچے سمجھے صرف ناز برداری کے زغم میں کہہ دے اٹھا سکیگا۔ بلکہ عورتوں کا فرض ہے کہ خاوند کی فرمان کی بجا آوری کرے۔ کسی عورت کا یہ شیخی بگھارنا کہ میرا خاوند مجھ سے ڈرتا ہے یا میری بجا باتیں سنتا ہے اور مجھ سے دبتا ہے فخر نہیں ذلت ہے۔ اگر عورت کی زبان سے کوئی ناشائستہ یا نامناسب لفظ نکلے۔ یا عورت مرد کے ایسے کاموں میں جو عورت کی قابلیت سے زیادہ یا اس سے غیر متعلق ہوں خواہ مخواہ دخل دے تو مرد کو حق ہے کہ اسے روکے۔ جو مرد اپنی بیویوں سے اس طرح دبتے ہیں اور ان کے ایسے محکوم ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کی فضیحت کیا کریں اور یہ سنا کریں یا وہ حاکمانہ یا خاوندانہ برتاؤ کریں اور یہ اٹھائیں یا بیوی کی کسی غلطی یا بیوقوفی پر اس کو تنبیہ نہ کر سکیں تو وہ ناز برداری نہیں کرتے بلکہ غلامی کرتے ہیں۔ جن کی نہ سوسائٹی میں عزت ہے نہ عزیز واقربا میں وقعت نہ خدمتگار اور ہمسایوں میں حرمت اور صرف میان ہی کی آبرو ہی نہیں جاتی بلکہ دانشمند ایسی بیویوں کو بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

ہر گھر کا ایک سردار ہوتا ہے اور جس شخص کے سر پر ساری ذمہ داریوں کا بوجھ ہے وہی گھر کا سردار ہو سکتا ہے۔ اور چھوٹے بڑے سب کو اس ہی کی بات ماننی چاہئے اگر مرد اس استحقاق کو چھوڑ دین تو اول ذلت اور پھر بربادی کا سامنا ہے



باب چہارم

اولاد

۱۔ پرورش اولاد

بچے باغِ زندگانی کے پھل پھول ہیں کہ شجر حیات والدین کی زینت اور خاندان کے دل بہلانے اور خوشی بخشنے کا ذریعہ ہیں۔ ان کے پیارے پیارے حرکات۔ بھولی بھولی باتیں۔ دلفریب صورت۔ مان باپ کی خوشی کا چشمہ اور غم غلط کرنے کا آلہ ہے۔ اُمید جو انسان کی دلی تسکین اور اطمینان کا ذریعہ ہے نو نہال اولاد کو دیکھ کر قوی ہو جاتی ہے۔ اور دل میں ڈھارس بندھتی ہے۔ کہ عصائے پیری موجود ہے۔

بچوں کا مشتاق ہونا یا ان سے محبت کرنا اس امر کی ذلیل ہے کہ انسان کے دل میں عاجز مخلوق کے ساتھ رحم اور ہمدردی کرنے کا مادہ ہے۔ جو شخص اپنی اولاد سے محبت نہیں کرتا اس سے یہ اسید فضول ہے کہ وہ بنی نوع انسان میں سے کسی اور سے محبت و معاونت کا برتاؤ کریگا۔ پرورش اولاد مشکل اور سخت کام ہے۔ لیکن اس کی محبت اس مشکل کو سہل اور سختی کو راحت سے بدل دیتی ہے حکمت بالغہ الہی نے حیوانات میں بھی یہ قوت اس سبب سے رکھی ہے۔ کہ اون کی محنتوں کو سہل اور خوشگوار کر دے۔ حیوانات چونکہ مدنی بالطبع نہیں ہیں پرورش کا زمانہ ختم ہوتے ہی ان کی محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان چونکہ مدنی بالطبع ہے۔ اس کے تعلقات عمر بھر قائم رہتے ہیں۔ اس لئے اس کی محبت میں زیادہ استحکام ہے۔ اسی محبت کے سبب سے والدین پرورش اور تربیت میں وہ تدابیر اختیار کرتے ہیں جن سے بچوں کے دل قوی ہوں اور ان کی

عادتیں سنوریں۔ اور ہمیشہ ان کی خوشی میں ترقی ہوتی رہے۔ بچوں کی ایسی نگہداشت کرنا جس سے شروع ہی سے وہ شائستہ تندرست اور بشاش رہیں۔ آسان کام نہیں ہے۔ بچوں کی مزاج کی پرداخت بہت توجہ سے کرنی چاہئے اور ان کے دل میں ایسی قابلیت پیدا کی جائے کہ وہ ماں باپ کے منشاء کو سمجھ سکیں اور ان کے اشاروں پر چلیں۔

اولاد کی پرورش

اولاد کی پرورش صرف اس خیال سے نہیں کی جاتی کہ اولاد بڑھی ہو کر ماں باپ کی خدمت کرے گی۔ بلکہ وہ اس تکلیف و نگہداشت کا عوض ہے جو ان کے ماں باپ نے خود ان کی پرورش و تربیت میں اٹھائی تھی۔ بچے اللہ کے معصوم اور لاچار بندہ ہیں اور اس نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا ہے کہ بے کسوں کی پرورش صاحبان قوت و قدرت کی مدد سے ہوا کرے پس عاجز بچوں کو حتی المقدور اچھی حالت میں رکھنا اور ان کی بہبودی کے لئے سعی کرنا ماں باپ کا فرض منصبی ہے۔ بچوں کی جسمانی صحت اور آئندہ اوصاف کی بنیاد بہت کچھ پرورش ہی کے زمانہ میں رکھی جاتی ہے اور ماں باپ کی لیاقت اور تجربہ کے استعمال کا وقت اولاد کی پرورش اور تربیت کے وقت سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے پرورش کی تکالیف کو کم کرنے کے لئے یا پونہ کہو کہ اپنے فرائض کی سجاوڑی میں کوتاہی کرنے کے لئے۔ بچوں کی ابتدائی پرورش اور تربیت بھی انانوں کے سپرد کر دی جاتی ہے اور بچہ سب سے پہلے ایک کثیف عورت کے سپرد دودھ پلانے کے لئے کیا جاتا ہے بچہ کی غذا اللہ تعالیٰ نے ماں کی چھاتی میں پیدا کی ہے اور یہی غذا اس کے مزاج کے موافق اور اس کے حق میں مفید قرار دی ہے۔ لیکن اپنے سینہ سے جدا کر کے دوسرے کی گود میں بچہ کو دینا اکثر تن آسانی یا اظہار امارت کی غرض سے ہوتا ہے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ماں میں یا تو محبت مادری کی کمی ہے یا بسبب جہالت پرورش کے اصول سے واقفیت نہیں انما خود بچہ دار ہے اوس کے دل میں خود مامتا کی آگ لگی ہوئی ہے۔ صرف تنخواہ یا معاوضہ کے لالچ سے گواں نے مجبوراً دوسرے بچہ کو اپنی اولاد کا حلق

بچوں کو انانوں کے سپرد کرنا مضر ہے۔

انہیں کافی
نگہداشت
نہیں کرتیں

کاٹ کر اس کے رزق میں شریک کر لیا ہے۔ لیکن اس سے کب ہو سکے گا کہ اپنے بچے سے زیادہ دوسرے بچے کو دودھ پلائے۔ یا اپنی اولاد سے زیادہ دوسرے بچے کی نگہداشت کرے۔ جب ماں بچے پالنے سے دل چڑائے تو انا کو پرانی اولاد کی ایسی کیا لگی ہے کہ پوری پوری نگہداشت رکھے۔ غرض چونکہ اناؤں۔ ماماؤں۔ مانیوں کو بچوں سے اپنی اولاد کی سی محبت نہیں ہوتی وہ ماں باپ کے سامنے تو دکھاؤ کو بچے کے صدقہ واری جاتی ہیں۔ لیکن غیبت میں اس کی نگہداشت کی ویسی پروا نہیں کرتیں۔ اور نہیں کر سکتیں۔ جن اناؤں یا ماماؤں کو اولاد سے محبت ہو بھی جاتی ہے۔ تو پرورش کے زمانہ کے اختتام میں اتنی مدت تک ساتھ رہنے سے ہوتی ہے۔ برخلاف ماں کے کہ اس کو محبت پیدا ہوتے ہی ویسی ہوتی ہے جیسی آخرین۔ پس نازک وقت میں کہ پرورش اور نگہداشت کی زیادہ ضرورت ہے۔ ماں کی سی دلسوزی اور محبت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ نقصان میں رہتا ہے۔ ایک ماں کا دودھ ایک بچے کی پوری غذا ہے۔ انا کو دیکر دوسرے بچے کے ساتھ شریک کرنا دونوں کی حق تلفی اور بے انصافی ہے۔

بعض اوقات انا
بچے کی خرابی صحت
یا پاکت کا باعث
ہو جاتی ہے۔

اناؤں کی محبت
مخربہ اخلاق ہو

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انا کچھ عرصہ کے بعد چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اور اب ادھر تو ماں کا دودھ خشک ہو جاتا ہے۔ ادھر بچہ اُس انا سے مانوس ہو جاتا ہے۔ کچھ بھوک کے مارے اور کچھ پالنے والی کے غم میں بچے کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔
نامیچہ بچے جب انا اور اس کے بچوں کی صحبت میں رہیں گے تو ظاہر ہے کہ سوا آوارگی کے اور کیا سیکھیں گے اور اس وقت آوارگی کا بیج ان کی طبیعت میں بویا جائیگا تو بڑے ہو کر اس کے نکالنے اور اخلاق حسنہ پیدا کرنے کے لئے کتنی دقت اٹھانی پڑے گی۔ زمانہ میں شرافت اور نجابت کی پرستش اس اعتقاد پر مبنی ہے کہ شریفوں کی اولاد میں عمدہ خون اور شریف سوسائٹی کے سبب قدرتا عمدہ اوصاف ہوتے ہیں۔ پس بچے کو رذیل اور کم ذات عورت کا دودھ پلانا اس میں طبعاً اخلاق ذمیمہ کا پیدا کرنا ہے۔ ایک یونانی حکیم کا قول ہے کہ ”اپنے بچے کو غلام کے ماتھے

غیر قوموں کی
عورتوں کے ہاتھ
میں بچہ کی پرورش
سپردہ کرنا کا اثر

پرورش کراؤ تو ایک غلام کے بدلے تمہارے پاس دو غلام ہو جائیں گے۔“
اس سے بھی زیادہ بدتر ہے غیر قوموں کے ہاتھ میں بچوں کی پرورش اور
ترسیت کا سپرد کرنا۔ ہمارے ملک میں امراء کے ہاں یہ قاعدہ ہوتا چلا ہے کہ عیسائی
یا پورپن عورتیں نرس مقرر کی جاتی ہیں۔ اور بچہ کم و بیش بالکل ان کے ہاتھوں
میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یورپین نرس اس خیال سے کہ وہ تعلیم یافتہ اور بچہ کی
پرورش کے قاعدہ سے واقف ہوتی ہے۔ شاید دیسی غریب جاہل ان کی نسبت
بہتر ہو۔ بلکہ شاید بچہ کی صحت اور خدمت کا ان جاہل ماؤں سے بھی بہتر انتظام
کرے جن کی ناقابلیت کے سبب بچہ اُن غیر قوم اور غیر مذہب عورتوں کے سپرد
کیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی بیش قرار خواہ کی بہت تعلیم یافتہ عورت مقرر کی گئی ہے
تو وہ یہ بھی کریگی کہ بچہ کو شروع ہی سے انگریزی باتیں کرنا اور انگریزی معاشرت کا
پابند ہونا سکھا دیگی۔ یہ باتیں خواہ اچھی ہوں یا بُری یا خواہ کسی قدر اعلیٰ درجہ پر
کیونکہ نہ حاصل ہوں۔ بچہ کو ایسی عورتوں کے سپرد کرنے سے وہ بہت بڑا جوہر
جاتا رہیگا جو اس کے لئے انسانیت کی شان ہوتا۔ اور جو نہ صرف اس کے لئے
بلکہ اس کی تمام قوم کے لئے فائدہ کی چیز ہے۔ یعنی ”قومیت و اخوت“ انسان
کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جو کچھ آنکھ سے دیکھتا ہے اس کا اثر اس کے دل پر
ان باتوں سے زیادہ ہوتا ہے جو وہ کانوں سے سنے اور بچوں کے دل میں وہ
باتیں جو وہ دیکھیں نقش ہو جاتی ہیں۔ اور ان کو جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے وہ بیشتر
آنکھوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور ان کو تو کیا دوسروں کو بھی نہیں
معلوم ہوتا کہ چپکے ہی چپکے ان کی طبیعت کیا رنگ اختیار کر رہی ہے۔ اس وقت
ان کو ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھیں اور سنیں اور سیکھیں غرض جو
نقش ان کے دل میں جمے ویسا اثر پیدا کرے۔ جیسا آگے چلکر ان کو بنانا ہے
غیر قوموں کے ہاتھ میں پرورش پالنے والے بچے چاہے آسمان کے تارے ہو جائیں
لیکن قوم کے خیر خواہ ممبر نہیں ہو سکتے۔ اور جب ان میں نیشنلسٹی نہ ہوگی تو ان کے

وجود سے سوسائٹی کو ذرہ سا بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جو لوگ غیر قوم کی عورت کے ہاتھ میں اپنا بچہ دیتے ہیں۔ وہ گویا اپنی قوم سے ایک شخص کو کم کرتے ہیں۔

مدارس کی تعلیم خواہ کچھ بھی ہو جو اثر کہ اس ابتدائی زمانہ کی گھر کی مثالیں دیکھ کر بچہ کی طبیعت پر پڑا ہے۔ وہ آئندہ جوان مرد یا عورت ہو کر ان کی طبیعت سے نکلنے والا نہیں۔ گھر سوسائٹی کا آئینہ ہے۔ اور جب وہ اپنے ایک سرپرست کو ایک خاص مذہب۔ خاص زبان۔ خاص خیالات۔ خاص طرز معاشرت۔ کا دیکھیں گے۔ تو ان باتوں سے ان کو اجنبیت اور مغارت نہ رہیگی۔ اور جب کہ سرپرست بھی وہ ہو۔ جس کی گود میں وہ کھیل کھیل کر بڑے ہوئے ہوں۔ اور جس سے ان کو مان سے زیادہ محبت ہو تو اس کی ہر ایک ادا سے مغارت تو کجا موافقت ہوگی۔ یہ سچ ہے کہ بڑے ہو کر بھی انسان دوسری قوموں سے ملتا جلتا اور ان کے اوضاع و اطوار سے واقفیت پیدا کرتا ہے۔ لیکن اہل دانش جانتے ہیں کہ خیالات کے راسخ اور خصائل کے پختہ ہونے کے بعد جو ایسی واقفیت حاصل ہوتی ہے تو بعض خام طبیعتوں کا تو کہنا نہیں ورنہ اس کا اثر ایسا قوی نہیں ہوتا کہ ان کو پرایا نہ سمجھے۔ لیکن یہ بچے جنہوں نے آنکھ کھول کر یہ باتیں دیکھیں اس سے بالکل متاثر ہو جاتے ہیں۔ طفولیت کے زمانہ میں پرورش و تربیت کے طریقہ سے خواہ اچھی ہو یا بُری مفید ہو یا غیر مفید۔ عادات۔ خصائل۔ خیالات۔ رائے۔ مسائل اور اصول جو تمدن اور معاشرت کی بنیاد ہیں۔ قائم ہوتی ہیں۔ پروفیسر بلیکلی بیان کرتے ہیں کہ اپنی قوم سے محبت کر لے کی اصل یہ ہے کہ اپنے ہاں کی ذرا ذرا سی عمدہ بات سے محبت ہو اور یہ محبت بچپن ہی میں پیدا ہو سکتی ہے۔ بڑے ہو کر محبت کا یہ دائرہ بھی وسیع ہو جاتا ہے اور قومیت کی بنیاد قائم ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کے دل میں زمانہ طفولیت میں نیشنلسٹی کی اصل قائم نہ کی گئی ہو۔ ان سے بڑے ہو کر اس کی امید رکھنی طلب محال ہے۔ مان علالت یا دودھ کی قلت یا کسی وجہ سے بھی بعض اوقات بچہ کو دوسروں کی گود میں دیتی ہے۔ لیکن اپنے

بچے کو اپنے پاس رکھنا اور اس کو بازار کا دودھ وغیرہ طبی طریق پر دینا۔ زیادہ مفید اور زیادہ سہل ہے نسبت اس کے کہ اُسے انا کو دیکر مان کی چھاتی سے علیحدہ کیا جائے۔

انا کی محبت

جب بچے ذرا ہوش سنبھالنے لگتے ہیں تو وہ اپنے تئیں اناؤں کے پاس دیکھتے ہیں۔ اور اپنی ساری حاجتیں اور ضرورتیں ان سے وابستہ اور ان ہی سے پوری ہوتی ہوئی پاتے ہیں۔ تو وہ قدرتاً مان سے زیادہ انا سے محبت کرتے ہیں بڑے ہو کر انہیں سکھانا پڑتا ہے کہ مان سے محبت کرنی فرض ہے تو چاہے سمجھ آ جانے کے سبب وہ مان کا زیادہ ادب کرنے لگیں۔ لیکن مان کی محبت کا وہ طبعی جوش جو بچپن میں پیدا ہونا چاہئے تھا اب نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا۔

پرورش کے اصول

بعض بچے تندرست اور توانا ہوتے ہیں۔ اور مان باپ کو پرورش کرنے میں زیادہ دقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ بعض ایسے کمزور اور لاغر ہوتے ہیں کہ ہمیشہ حکیم کے زیر علاج رہتے ہیں۔ لیکن اس میں بچوں کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ یا تو ان کے حفظ صحت کا لحاظ نہ رکھنا اس کا باعث ہوتا ہے۔ یا وہ خلقتاً نہایت کمزور اور بیمار پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ اکثر خود مان باپ کی صحت کی خرابی ہوتی ہے۔

بڑے ہون یا بچے سب کے لئے تازی اور صاف ہوا کی ضرورت ہے۔ دنیا میں طرح طرح کے زہر ہیں۔ لیکن شاید کسی اور زہر سے اتنی جانیں تلف نہیں ہوتیں جتنی زہریلی ہوا سے۔ اس لئے اوس مکان کو جہاں بچے رہیں تمام آلائش سے پاک اور صاف رکھنا چاہئے۔ صبح و شام بچوں کو باغون اور کھلے میدانوں میں ہوا خوری کو لیجانا بھی ان کے لئے مفید صحت ہوتا ہے۔

ہوا سے دوسرے درجہ پر صاف پانی کی حاجت ہے۔ جہاں تک ممکن ہو بچوں کو فلٹر میں مقطر کر کے۔ پانی دیا جائے۔ اور جہاں خراب کثیف پانی ملے۔ تو جوش کر کے دینا بہتر ہے۔

تیسرے درجہ پر کھانے کا انتظام ہے۔ لوگ بچوں کو بہلانے کی خاطر کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز دیدیتے ہیں۔ بے وقت اور مضر صحت چیزیں کھانے سے ان کے معدے خراب ہو جاتے ہیں۔ اور تندرستی میں فرق پڑ جاتا ہے۔ انامین تو اپنی جان چھٹانے کو اور کچھ نہیں تو سوکھی روٹی کے ٹکڑے ہر وقت ان کو دے کر بہلاتی ہیں۔ اس طرح بچوں کی نیت خراب ہو جاتی ہے کہ ہر وقت وہ کھانے کو مانگے جاتے ہیں۔ بچوں کے کھانے کے اوقات مقرر کرنے لازم ہیں۔ اور ان کی عمر اور مزاج کے لحاظ سے طاقت بخش اور عمدہ غذا دینی چاہئے۔ بدن کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دودھ اون سب کو پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح انڈا بھی جسم کی پرورش کرنے میں مفید ہے۔ گوشت طاقت بخشتا ہے۔ پکتے پھل بہت مفید ہوتے ہیں۔ لیکن کچے اور گلے سڑے نہایت مضر صحت ہیں

چاء اور کافی صغیر سن بچوں کو مفید نہیں ان کو دودھ اور کھیر کھلانی چاہئے بچوں کو روز نہلانا اور ان کے کپڑے بدلتے رہنا مفید صحت ہے۔ جاڑے کے موسم میں گرم کپڑے پہنانا اور ہوا سے بچانا اور گرمی میں دھوپ میں ننگے پانوں ننگے سر پھرنے سے منع کرنا چاہئے۔ بجائے اس کے کہ بچوں کے لئے گوڑے کناری کے قیمتی کپڑے یا سونے چاندی کے زیور بنانے میں روپیہ ضائع کیا جائے بہتر ہے کہ ان کے لئے بہت سے سادہ جوڑے تیار کر لئے جائیں۔ اور روزانہ کے کپڑے بدل دئے جائیں صاف لباس جو ان کی صحت کو برقرار رکھے۔ ان کو واسطے قیمتی لباس سے بہتر ہے۔ صبح کے وقت گرمی میں ٹھنڈے اور جاڑے میں سموئے ہوئے پانی سے نہلانا اور بدن کو ملکر صاف کرنا لازم ہے۔ تھکن۔ بخار۔ اور کھانے کے بعد ٹھنڈے پانی سے نہلانا نقصان دیتا ہے۔

چھوٹے بچوں کے لئے کھیلنا کو دنا۔ اوچھلنا۔ چلنا پھرنا چیخنا ہنسنا ہی ورزش ہے۔ اور ان کو کبھی منع نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ ایسے کھیلوں میں جس میں بھاگنے دوڑنے کی ضرورت پڑے بچوں کو لگانا چاہئے تاکہ ورزش اچھی طرح ہوتی ہے۔

اس طرح کھیل کود میں جو ورزش ہوگی اوس سے ہاتھ پاؤں میں چستی اور توانائی آئے گی۔ منو خوب اور جلد ہوگا۔ اور بچے نہایت بشاش اور تندرست رہیں گے صبح و شام کھلے میدانوں میں بچوں کو کھیل میں مشغول رکھنا اور پڑھنے سے فارغ ہونے یا مدرسہ سے آنے کے بعد سامان تفریح مہیا کرنے ان کے لئے ضرور ہیں۔

بڑے آدمیوں کی نسبت بچوں کو نیند زیادہ آتی ہے اور ان کو زیادہ سونے کی ضرورت بھی ہے اس لئے ان کو سویرے سے سلا دینا چاہئے اور کبھی کبھی نیند میں نہ جگایا جائے۔

۲۔ تربیت اولاد

جب بچے چار یا پنج برس کے ہوتے ہیں تو ان کی تعلیم و تربیت کا فکر کیا جاتا ہے۔ لیکن اصل میں بچوں کی تعلیم و تربیت اس وقت شروع ہوتی ہے۔ جب کہ ان کو ذرا ہوش آئے اور وہ اشیاء کو پہچاننے لگیں۔ اس وقت کی تربیت بہت زیادہ ماؤں کے حسن لیاقت اور قابلیت اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے پر منحصر ہے۔

تربیت میں
عورتوں کا
حصہ۔

تعلیم نسوان خواہ کسی وقت بکار آمد ہو یا نہ ہو لیکن اس وقت ضرور عورت کی اعلیٰ لیاقت بچہ کی عمدہ تربیت کا سبب ہوتی ہے۔ بچوں کی تربیت کی بنیاد اس ہی عمر سے رکھی جاتی ہے مگر نہ اس طرح کہ بچوں کو بات بات کا سبق پڑایا جائے یا ان کو اتنی سی عمر میں روکا ٹوکا جائے یا ان پر سختی اور مار پیٹ کی جائے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہئے کہ خود بخود نیک عادات اور عمدہ خصائل ان میں راسخ ہوتے جائیں۔ بچوں میں کسی بات پر غور و فکر کرنے کا مادہ نہیں ہوتا لیکن جب ان کو اشیاء کا پہچاننا آئے لگتا ہے تو اس وقت سے جو کچھ وہ دیکھتے ہیں اوس کی نقل اوتارنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ماں باپ جو بات بچہ میں پیدا کرنا چاہتے ہیں خود اپنے میں اُسے دکھائیں روزمرہ کے

مثال کا اثر
اخلاق پر

معمولی کام اور بود و باش کی عمدہ مثالیں۔ اگرچہ معمولی باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ کچھ کم ضروری نہیں ہیں۔ کیونکہ جب یہ باتیں سچے میں جڑ پکڑتی جاتی ہیں تو اُس کی طبیعت کو درست یا خراب کرتی ہیں۔ مہربانی۔ سلوک۔ راستبازی۔ پابندی وقت۔ خود داری کی جو مثالیں بچے مان باپ میں یا اور گھروالوں میں دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں اور یہ عادتیں عمر بھر قائم رہتی ہیں۔

جن گھروں میں محبت کے چراغ روشن ہیں۔ جہاں اداۓ فرائض کا خیال رکھا جاتا ہے جہاں کی روزانہ زندگی دیانت اور پرہیزگاری سے بسر ہوتی ہے۔ جہاں گھر کا سردار عقل اور مروت سے کام لیتا ہے۔ ایسے گھروں میں اُمید کی جاسکتی ہے کہ بچے اپنے بزرگوں کی مثال پر چلیں گے اور اپنا رویہ درست رکھیں گے اور اپنے گھر۔ اپنی قوم۔ اپنے ملک۔ بلکہ کل ابنائے جنس کے لئے راحت اور عزت کا باعث ہوں گے۔ لیکن جن گھروں میں خود غرضی۔ جہالت۔ بد مزاجی۔ بد سلیقگی کا دور ہے اوس گھر کے بچے بھی وہی عادات اختیار کریں گے۔ اور ان کے ناشائستہ حرکات دوسروں کے لئے بھی تکلیف اور ذلت کا باعث ہوں گے۔

پیدائش کے لحاظ سے سب انسان آپس میں برابر ہیں۔ لیکن دوسرے اعتبارات سے ان میں باہم فرق اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً جو لوگ عمر میں۔ اخلاق میں۔ دولت میں۔ علم میں اور اعتبارات دنیاوی کے لحاظ سے شرافت نسب میں دوسروں پر تفوق رکھتے ہیں وہ زیادہ قابل ادب زیادہ معزز اور با وقعت خیال کے جاتے ہیں۔ لیکن اس تمام تفریق اور امتیاز کے باوجود بھی ان کو باہم یکساں حیثیت سے برابری اور ہمہ سری کا رتبہ حاصل ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے فعل کا پورا محتاط اور آزاد ہے۔ عقل انسانی جو فطرت نے انسان کو عطا کی ہے اس کی راہنما ہے اور فطرتاً انسان مجبور نہیں ہے کہ سوائے نفس ناطقہ کے کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت کرے یا کسی انسان کی ناجائز جبر و تعدی کی فرمان بری کرے۔ ہر مذہب و سوسائٹی میں اس کے حقوق اس کی حیثیت کے موافق محفوظ ہیں۔ اور

بچوں کو اطاعت کرنی فرض ہے۔

ان حقوق سے متمتع ہونا انسان کے لئے جائز اور روا ہے۔ حدود آزادی قائم رکھنے کے لئے نیچر کا اقتضاء یہ ہے کہ امیر اپنے مال میں اور غریب اپنی کھال میں مست رہیں۔ لیکن بچوں کو پیدا ہوتے ہی ہمسری کا یہ استحقاق نہیں حاصل ہو جاتا۔ جب وہ پیدا ہوتے ہیں تو والدین کو ان کے اوپر فرمان دہی کا ایک حق حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ والدین کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ان کی ہر ایک بات پر نظر رکھیں۔ اور ان کو ہر امر میں ہدایت کریں۔ جب بچے اتنے بڑے ہو جائیں کہ اپنے نفع و نقصان کو خود سمجھنے لگیں اور ان کی عقل اس قدر پختہ ہو جائے کہ نیک و بد میں امتیاز کر سکے اس وقت رفتہ رفتہ والدین کو نگرانی کم کرنی چاہئے۔ بچے نا سمجھ۔ بے بس۔ ضعیف۔ پیدا ہوتے ہیں اور فطرتاً والدین کا یہ فرض ہے کہ بچوں کی حفاظت اور پرورش کریں اور ان کو تعلیم اور تربیت کریں تاکہ وہ سوسائٹی میں اپنے حقوق کے پہچاننے اور حقوق کے استعمال میں سلامت روی اختیار کرنے کے قابل ہوں۔ فائز العقل اشخاص کو آزادی اور ہمسری کا حق حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان میں اس قدر عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حقوق میں امتیاز کریں۔ اور ان کو اتہمال کر سکیں۔ اسی طرح جو لوگ عمداً یا سہواً عقل کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں اور دوسروں کے حقوق پر دست اندازی کرتے ہیں وہ بھی قانوناً ہمیشہ کے لئے یا عرصہ معین کے لئے آزادی سے محروم کر دئے جاتے ہیں۔ بچے چونکہ عقل و شعور رکھتے ہی نہیں۔ اس لئے ان کو بھی آزادی کے حقوق اس وقت تک نہیں دئے جاتے جب تک کہ وہ اپنی عقل سے کام لینے کے قابل نہ ہوں۔ اور اس زمانہ میں وہ والدین کی زیر نگرانی رہتے ہیں۔ والدین کی تعلیم و تربیت ان کو اس قابل بناتی ہے۔ کہ وہ سوسائٹی میں عزت۔ وقعت۔ آبرو۔ نام و نمود حاصل کر سکیں۔ اور پورے آزاد بن کر رہیں۔

بچوں کو آزادی کا سبق

آزادی سے یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ انسان کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو اور ایک وحشی جانور کی طرح وہ کھلے بندوں پھرے۔ یا قوائے غضبی کی مطاوعت

میں جو چاہے کرے۔ بلکہ بیان آزادی کے یہ معنی ہیں کہ انسان اس قابل ہو کہ قانوناً جو حقوق اس کو سوسائٹی میں حاصل ہیں ان سے متمتع ہو سکے اور ان کا پورا پورا حظ اٹھانے میں کوئی چیز اس کی مداخلت یا مداخلت نہ کرنے پائے۔ قانون مروجہ اگرچہ بظاہر روک اور بندش معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے حدود کا تعین کرتا ہے۔

والدین کا چونکہ یہ فرض ہے کہ زمانہ طفولیت میں بچے کی پرورش کریں ان کا یہ بھی فرض ہے کہ اس کو آزادی کے حقیقی معنی سمجھائیں اور بلحاظ تمدن جو مرتبہ اس کو حاصل ہے۔ اس سے پورا آگاہ کریں۔ اسی طرح والدین کا یہ بھی فرض ہے کہ جب تک بچہ نا سمجھ ہے اوس کے افعال پر نگاہ رکھیں اور اس کو اپنے احکامات پر اس طرح چلنا سکھائیں کہ آگے چلکر وہ تمدن کے قانون کی پیروی کرنا سیکھے۔ اور جب بڑا ہو کر اس میں خود مختاری اور آزادی کی خواہش پیدا ہو تو اس میں ساتھ ہی یہ قابلیت بھی ہو کہ وہ اپنے کام اور اپنے افعال و اقوال کو عقل و صواب اندیش کی رہنمائی سے حد اعتدال پر رکھے۔ لیکن جب تک قوائے عقلی اس قدر پختہ نہ ہو جائیں کہ اپنے اور پرانے کے حقوق میں امتیاز حاصل کر سکے اور اپنے حقوق کو ٹھیک طور پر کام میں لاسکے اوس کو اس وقت تک ایسے شخص کی ہدایت ضروری ہے جو ان باتوں کو نا سمجھ بچہ سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہو اور بچے کو والدین کی مرضی اور ان کی صلاح پر چلنا فرض ہے۔ والدین کا پہلا اور ضروری فرض یہ ہے کہ اولاد کی صحت کی نگرانی رکھیں اور اس کو ایسی تعلیم دیں کہ وہ بڑے ہو کر اپنے قوائے ظاہری اور باطنی سے پورے طور پر کام لے سکے نہ یہ کہ دیکھنے کو تو خاصہ بھلا چنگا ہو لیکن جہالت کے سبب دنیا میں ذلیل و خوار رہے یا علم میں کمال پیدا کرے لیکن صحت کو کھو بیٹھے اور اس قابل نہ رہے کہ جو اس نے پڑھا ہے اوس کو کام میں لاسکے۔

تعلیم کے زمانہ میں بچوں کی صحت کا خیال کھنا تربیت کا پہلا فرض ہے۔ ان کو صحت کا سبق

ایسے ڈھب سے پڑھانا لکھانا چاہئے کہ ان کی طاقت نہ گھٹے اور نمونین فرق نہ آئے
ورنہ ساری تربیت بیکار اور لا حاصل ہے۔

طفولیت کے زمانہ پر آئندہ زندگی کے بننے کا انحصار ہے۔ یہی زمانہ جسم کے نمو
اور اعضا کی پرورش کا ہے۔ اگر اس زمانہ میں صحت خراب ہو گئی۔ تو آئندہ جو عمارت
اس بنیاد پر اٹھیں گی ہمیشہ متزلزل اور کمزور رہیں گی۔

تعلیم میں میلان
طبع کا لحاظ
رکھا جائے

زندگی اکثر اس سبب سے خراب ہو جاتی ہے اور عموماً زندگی کی بخوشیوں بلکہ
کامیابیوں پر اس سبب سے پانی پھر جاتا ہے کہ بچے کے میلان طبع کا خیال نہیں
کیا جاتا۔ اور خداوند تعالیٰ نے جو جوہر اس کی طبیعت میں قدرتاً پیدا کئے ہیں ان کی
تکمیل اور تہذیب کا کچھ بھی اہتمام نہیں ہوتا بلکہ اس کو ایسے علوم و فنون کے اکتساب
پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جس کا اس کو مذاق نہیں ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے
میں جو محنت اور مشقت اسے اٹھانی پڑتی ہے وہ اس کے اعضا کو تحلیل اور
روح کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس بے جا محنت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ کسی خاص فن
میں کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کو خاص خاص مضامین سے دلچسپی ہوتی ہے
اور بعض مضامین سے منافرت۔ تو جن مضامین سے منافرت ہو مارپیٹ کر وہی سکھانے
مفید اور بکار آمد نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ بچہ کی طبیعت کو خاص مناسبت کس فن
سے ہے اور پھر اُسی کے سکھانے کی کوشش کرنی لازم ہے تاکہ محنت اور وقت
کم صرف ہو اور بہت کچھ آئے۔

تربیت مشکل
کام ہے

بچوں کو تعلیم دینا آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم و تربیت بہت مشکل فن ہے
بچہ کی عادات اور اطوار کا درست کرنا۔ اس کے دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا کرنا
اور ساتھ ہی اس کے قوائے جسمانی کے نشوونما کی احتیاط کرنا بہت قابل آدمیوں کا
کام ہے اور اس کے لئے اتنی محبت اور شفقت کی ضرورت ہے۔ جتنی کہ ماں باپ کو
ہوتی ہے۔ مدارس میں بیٹھ کر جماعت کو پڑھانا اور سب کو ایک لکڑی ہانکنا۔ طاقت
سے زیادہ بچہ پر تعلیم کا بوجھ ڈالنا۔ اور فضول اور غیر دلچسپ مضامین مار مار کر

خودداری
کی تعلیم

پڑھانا نسل انسان کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ معلم اور اتالیق کا پہلا فرض یہ نگرانی رکھنا ہے کہ بچہ کی تمام جسمانی طاقتیں اور ذہن اور اخلاق ساتھ ساتھ ترقی کریں۔ بلکہ بچوں کی تعلیم اس طریقہ سے ہونی چاہئے کہ خودداری یعنی اپنے اوضاع و اطوار کو قابو میں رکھنے کی عادتیں۔ خود بخود ان میں پیدا ہوتی جائیں۔ بچوں کو یہ تو بہت سکھایا جاتا ہے کہ لکھتے وقت اس طرح ہاتھ قابو میں رکھو۔ پڑھتے وقت آواز اور لہجہ اس طرح نکالو۔ مضامین نویسی میں الفاظ اس طرح استعمال کرو لیکن کوئی بھی نہیں بتاتا۔ کہ اپنے دلی جذبات پر اس طرح قابو رکھو۔ لالچ۔ غصہ۔ حقارت کو کیونکر دباؤ۔ طبیعت پر کس طرح قدرت حاصل کرو۔ محبت۔ وفاداری۔ اخلاص۔ ہمدردی کا اظہار کیونکر کرنا چاہئے۔ اور فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے کس طرح آمادہ ہونا لازم ہے۔ صحت جسمانی قائم رکھنے کے کیا اصول ہیں اور دنیا میں صحت جسمانی قائم رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اگر بطوٹے کی طرح الفاظ کے معنی یاد کر آؤ یا کوئی عبارت حفظ کرادی۔ یا اعداد کے بعض خواص سکھا دئے تو یہ تعلیم پوری مفید اور دنیا میں انسان کامل بنانے میں مدد نہیں ہو سکتی۔ جب تک تربیت اسکے ساتھ ساتھ نہ ہو۔

کام بمقدار
طاقت لینا
چاہئے

اتالیق (خواہ مان باپ ہوں یا کوئی غیر استاد) کو خیال رکھنا چاہئے کہ بچہ سے اس ہی قدر کام لیا جائے کہ جس قدر وہ بسہولت کر سکتا ہے نہ کہ اس قدر کہ اس کی طاقت سے باہر ہو۔ سبق اتنا نہ دو کہ صحت کو نقصان پہنچے۔ زیادہ مطالعہ جسم کو کمزور اور لاغر کرتا اور ضعف معدہ پیدا کرتا ہے جس سے طرح طرح کے جسمانی عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر جسمانی ورزش اور تفریح بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے تو مطالعہ سے زیادہ ترقی کا ذریعہ اور کوئی نہیں ہے۔ محنت اعضا جسمانی کو تحلیل کرتی۔ غذا اور راحت ان کو بڑھاتی اور قوت دیتی ہے۔ اگر ہر عضو سے بقدر مناسب کام لیا جائے تو وہ طاقتور رہتا ہے اور ہر وقت کام دینے کے لئے مستعد رہتا ہے لیکن کسی عضو سے بہت زیادہ کام لیا جائے تو بہت تھک جاتا اور

کم زور ہو جاتا ہے۔ یہی حال دماغ کا ہے کہ اگر اس سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لیا جائے تو کمزوری لاحق ہوتی ہے۔ طبیعت مکرر اور منقبض ہو جاتی ہے۔ افراد انسانی میں کام کر سکنے کی طاقت کم و بیش ہوتی ہے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ جتنا کام ایک شخص کر سکتا ہے دوسرا شخص بھی اتنے وقت میں اسی قدر کر سکے لہذا پہلے تجربہ سے معلوم کرنا چاہئے کہ لڑکا تعلیم کا کس قدر بار اٹھا سکتا ہے۔ نوجوان آدمی جن کی صحت بہت اچھی ہو۔ بدن میں خوب طاقت ہو اور روزِ جسمانی ورزش کرتے ہوں اور خوب کھاتے پیتے بھی ہوں۔ کھلے میدان اور تازہ ہوا میں رہتے ہوں بحساب اوسط جاڑے کے دنوں میں دن گھنٹے کام کر سکتے ہیں اور گرمی میں دن سے کم۔ کالجوں میں شوقین سے شوقین طالب علم آٹھ نو گھنٹہ سے زیادہ کام نہیں کر سکتے۔ مائی اسکول کی تعلیم کا زمانہ عموماً لڑکوں کے نشوونما اور بالیدگی کا زمانہ ہوتا ہے۔ ان دنوں میں پانچ یا چھ گھنٹہ سے زیادہ کام کرنا نقصان دہ ہے۔ بارہ برس سے کم عمر بچوں کے لئے چار گھنٹہ کافی ہیں۔ سات برس سے کم عمر بچے تین گھنٹہ سے زیادہ نہ پڑھائے جائیں۔

تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ جو عمدہ اوصاف مان باپ یا معلم پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں اس کے حاصل کرنے کی قابلیت ہے۔ بلکہ جب کبھی کسی عمدہ صفت کا بچہ سے ظہور ہو تو اس کی تحسین و آفرین کی جائے اور ایسا اظہار کیا جائے کہ گویا بچہ بالطبع اس خلق کی طرف مائل اور اس سے پورا واقف ہے۔ جو کمال انسان میں موجود نہ ہو اس کے حاصل کرنے کی طرف انسان اتنا جلدی اور ایسے شوق سے مائل نہیں ہوتا جیسا موجودہ کمالات کی حفاظت کرنی۔ یا ان کو اور ترقی دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ ہماری نسبت یہ عمدہ رائے رکھتے ہیں تو ان کا دل خوش ہوتا ہے اور وہ اس رائے کے مطابق اپنے تئیں ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ان کو لعنت طاعت کرنے یا اون کے عیوب گناہوں یا انکو

تعلیم و تربیت
کا طریقہ

جاہل یا کندہ ناتراش بتانے کا نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ان کو غیرت آئے اور وہ اس سے باز رہیں وہ خود اپنے تئیں ناقابل اور نالایق سمجھنے لگتے ہیں اور یہ خیال دل کو سست اور ہمت کو پست کر دیتا ہے۔ اور انسان کی ترقی کی رفتار رک جاتی ہے۔ شوق اور تحریک مٹ جاتی ہے۔ بچوں پر اس کا بہت بُرا اثر ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ جو کمال یا جو صفت پیدا کرنی مقصود ہے پہلے اس کا یقین دلایا جائے کہ متعلم میں اس کے حاصل کرنے کی پوری قابلیت اور استعداد موجود ہے اور پھر اس کے حصول کا شوق اور تحریک پیدا کی جائے۔ پہلے سے پہلے یہ سمجھ لینا کہ یہ بچہ بیوقوف۔ کند ذہن۔ شریر۔ بے شوق ہے اس کو ویسا بنادینا ہے۔ اگر بچے سے کوئی غلطی یا خطا ہو بھی جائے تو بھی اُس کو ایسا ملزم نہ بنانا چاہئے جیسا کہ بڑے آدمیوں کو۔ بچوں میں بھلے بُرے کی تمیز نہیں ہوتی وہ کسی نتیجہ کی پیش بینی نہیں کر سکتے ان کا غم بھی مستقل نہیں ہوتا۔ ان کی قوتیں بھی کمزور ہوتی ہیں۔ پس ان کو ملزم ٹھہرانا غلطی ہے بلکہ ان کی خطا کو بہت خفیہ بنا کر ظاہر کرنا چاہئے۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حرکت اس کی عادت اور طبیعت کے خلاف کم عمری یا نا سمجھی کی وجہ سے اتفاقیہ ظاہر ہوئی ہے۔ اور اگر چشم پوشی کے قابل ہو تو بالکل ذکر ہی نہ کیا جائے۔ تربیت کا بڑا گریہ ہے کہ بُری باتوں پر ملامت نہ کریں بلکہ اچھی باتوں کی ترغیب اور تحریص دیں۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ بھی اپنی نسبت سوچتا اور غور کرتا رہتا ہے۔ اپنی قابلیت اور استعداد کی نسبت رائے قائم کرتا یا کرنا چاہتا ہے۔ اور جب اور دن سے سنتے سنتے اس کو یہ یقین ہو جائے کہ کسی خاص فن یا کسی خاص صفت کے حصول کی اس میں قابلیت نہیں ہے۔ تو وہ پھر کبھی اُسے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور بیوقوف معلم زجر و توبیخ کرتے کرتے یہ کیفیت اکثر بچوں کی طبیعت میں پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی طالب علم سے جو ”اقلیدس“ پڑھنا چاہتا ہو اگر یہ کہا جائے کہ اس کا دماغ اسکی لیاقت۔ اسکی سمجھ اس قابل نہیں ہے کہ وہ اقلیدس سمجھ سکے تو وہ کبھی حاصل

نہیں کر سکیگا۔ اس کے برخلاف اگر اس کو جرات و ہمت دلائی جائے کہ ذرا غورو
 فکر یا توجہ سے وہ اس کے مسائل سمجھ سکتا ہے۔ اور کسی قدر محنت سے اس کی
 مشکلیں یاد کر سکتا ہے تو وہ خواہ مخواہ اس کی طرف مائل ہوگا۔ لہذا معلم کا یہ کام
 ہے کہ وہ بچے کو یہ سمجھائے کہ وہ اس علم کو حاصل کر سکتا ہے جو اس کو پڑھایا جا رہا
 ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچے میں بے تابش رہنے اور ہر کام کو خوش دلی سے
 کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ جو کام انقباض اور بیداری سے کیا جائیگا۔ اس میں
 کبھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکتی۔ بے تابش روح کو قوت بخشی ہوئے۔ اور
 چونکہ اُمید شامل ہوتی ہے مشکلیں سہل معلوم ہوتی ہیں اور ہر ایک مشکل کام کرنے پر
 انسان آمادہ ہو جاتا ہے بلکہ اور لوگوں کو بھی کام کے لئے اکساتا اور ابھارتا ہے
 جس کام میں بے تابش اور اُمید نہ ہو اور پہلے ہی سے اُمیدی نے دل توڑ رکھا
 ہو اس کے لئے انسان پوری طرح کوشش نہیں کرتا۔ اور چونکہ دل کی آسگاہ
 مرجاتی ہے طاقت بھی جواب دیدیتی ہے۔ جو معلم بچوں کے سامنے کسی مضمون کو
 مشکل اور دقت طلب بیان کرتے ہیں اور ان کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ اپنی ذہنی
 کے سبب اس کے حاصل کرنے کی قابل ہی نہیں وہ ان کے دل سے اس کی
 رغبت اور اس کے حاصل کرنے کی ہمت کھو دیتے ہیں اور عداً بچوں کو ناکارہ کرنا
 چاہتے ہیں۔ بچوں کو کسی کمال کے حاصل کرنے پر آمادہ کرنے کی یہ صورت نہیں کہ
 حصول کمال کو مشکل بیان کیا جائے بلکہ سہل اور قابل سہول بیان کرنا اور شوق
 دلانا چاہئے۔

بہت سے بچے خود اتنے بے شوق نہیں ہوتے جتنے غلط طرز تعلیم اور اُستاد
 کی سختی اور زبرد توینج کے اثر سے بد شوق ہو جاتے ہیں۔ جس قدر بچہ زیادہ چھوٹا
 ہے اسی قدر معلم میں طریقہ تعلیم کی زیادہ استعداد کی ضرورت ہے۔ بچوں کی بات کا
 یقین کرنا۔ انہوں نے جو کچھ عہدہ کام کیا ہو اس کی تعریف کر کے دل بڑھانا۔ انکی
 شوق کو ترقی دیتا ہے اول بچوں کو سہل کام جو ان کی استعداد کے موافق ہوں

طرز تعلیم

دے جائیں۔ تاکہ ان کو کام کرنے کی عادت پڑے اور طبیعت میں یہ اعتماد پیدا ہو جائے کہ ہم بھی کوئی کام کر سکتے ہیں۔ ایسے کاموں میں کامیابی کی جو عادت پڑیگی وہ آئندہ بڑے کاموں میں کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دے گی۔ اور ان کو اپنی قوت کا صحیح اندازہ معلوم ہوگا۔ تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بچہ مان باپ استاد معلم یا اپنے بزرگوں سے محبت کرے۔ اس کو ان کا خوف بھی ہو لیکن یہ خوف ادب کی وجہ سے ہو نہ کہ دہشت کے سبب سے۔

اگر بچہ کی اطاعت صرف دہشت کے سبب سے ہے تو بڑا ہو کر یا تو وہ بزدل ہوگا یا سرکش اور نافرمان ہوگا۔ جہاں تک ممکن ہو بچوں کو سزا نہ دیجائے تاکہ ان کے دل میں خوف نہ بیٹھے بلکہ اس کے بدلے مان باپ کو ناخوش کرنے کی پشیمانی اور تاسف ہونا چاہئے۔ بڑا کام کر کے پشیمان ہونا ایک نہ ایک دن راہ راست پر آنے کی علامت ہے لیکن سزا کبھی بُرائی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ یا اگر سزا نا واجب یا زیادہ سخت دی جائے تو وہ اخلاق کو اور خراب کرتی ہے جب سزا بدداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر اخلاق ذمہ ناقابل اصلاح ہو جاتے ہیں۔ بچوں کے بہت سے قصور کم سنی اور نا فہمی کے سبب سے ہوتے ہیں۔ جو بڑے ہو کر وہ خود بخود چھوڑ دیتے ہیں ایسی باتوں سے ہمیشہ چشم پوشی اور بے اعتنائی لازم ہے۔ مان باپ جب اپنے بچوں کو اچھے اچھے اخلاق سے آراستہ دیکھتے ہیں تو ان کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔ ہر قسم کا کمال جو بچہ میں پیدا ہو مان باپ کی خوشی بلکہ فخر کا باعث ہوتا ہے اگر ایسے اوصاف کا اظہار دیر میں ہو تو مان باپ کو عجلت نہیں کرنی چاہئے۔ اونہیں یقین رکھنا لازم ہے کہ عمدہ مادہ سے عمدہ چیزیں بنتی ہیں۔ تربیت و تعلیم میں کوشش کے جائیں جلدی سے یا دیر میں بچہ کے اخلاق و عادات سنور ہی جائیں گے۔

بچوں میں ابتدا ہی سے اچھی اچھی عادتیں ڈالنی چاہئیں۔ اگر بری تربیت یا بُری سوسائٹی کے اثر سے ایک دفعہ بُری عادت پڑ گئی تو اس کا چھٹانا اور اس کے

بجائے کوئی عمدہ عادت ڈالنا بہت مشکل ہے۔ بچہ کو شروع ہی سے سکھاؤ کہ وہ اپنا
 رویہ کس طرح کا رکھے۔ بعض لوگ بچوں کے بری عادات اور خصائل کو یہ کہہ کر
 مائل دیتے ہیں کہ جب بڑے ہوں گے اور سمجھ آجائے گی تو خود چھوڑ دیں گے۔ یا بچپن
 میں ان سے ناشائستہ حرکات کراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ طفولیت میں اس کا
 کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ باتیں بڑی بڑی خرابیوں کا تخم بناتی ہیں۔ طفولیت زندگی
 کے سفر کی ابتدا ہے۔ جو شخص ابتدائے سفر میں غلط راہ پر چلے گیا وہ آخر میں صحیح
 مقام مقصود کو پہنچے گا؟ جو ان عمر بڑھتی جاتی ہے عادتیں طبیعت بنتی جاتی
 ہیں اور پھر ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ کسی
 سادہ تختی پر لکھنا آسان ہے لیکن اس کے سابقہ نقش بالکل صاف کر کے پھر ایسا
 لکھنا کہ بدنامی نہ رہے بہت مشکل ہے۔ اسی طرح کوئی عادت اختیار کرنی مشکل بات
 نہیں لیکن کسی عادت کا چھوڑنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ اخلاق کی تعلیم کے دو
 طریقے ہیں ایک الفاظ سے اور دوسرا افعال سے اور ان میں دوسرا طریقہ زیادہ
 موثر ہے۔ اگرچہ عمدہ نصیحت کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن عمدہ مثال کا اثر اس سے کہیں
 زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ سنکر اتنا نہیں سیکھتا جتنا
 دیکھ کر سیکھتا ہے خصوصاً بچے جس قدر علم حاصل کرتے ہیں وہ قوت باصرہ ہی کے
 ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں اس کی نقل اُتارنا چاہتے ہیں
 برساتی تیتیریاں اور کیڑے جیسے پتے کھاتے ہیں ویسے ہی رنگ اختیار کرتے ہیں۔ انسان
 بھی جس سوسائٹی میں رہتا ہے اس ہی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور سب سے پہلا
 اثر اپنے گھر کی طرز معاشرت کا پڑتا ہے۔ مدارس کی تعلیم گھر کے اثر کو نہیں مٹا سکتی
 اور لڑکے اور لڑکیاں جب مرد اور عورت کے درجہ پر پہنچتے ہیں تو ان کے اخلاق
 کی عمارت گھر کی ابتدائی تربیت و تعلیم کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ گھر کی اس تعلیم و
 تربیت کا اثر صرف خانگی حالت تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ سوسائٹی اور قوم پر بھی
 جو ان ہی افراد سے مرکب ہے پڑتا ہے۔ یہ عادتیں خواہ اچھی ہوں یا بُری جوانی میں

اخلاقی تعلیم
 کے طریقے

گھر کا اثر سوسائٹی پر

اس طرح دور دور اثر ڈالتی ہیں جیسے کہ آفتاب کی شعاعیں دور دور روشنی پہنچاتی ہیں گھر کا اثر قومی حالت کی اصل ہے۔ یہاں انسان ہمدردی۔ محبت۔ اخوت۔ رحم۔ انصاف۔ غرض تمام صفات جو سوسائٹی پر اثر ڈالتی ہیں سیکھتا ہے۔ گھر کا اثر صرف ماں باپ ہی کی مثال پر منحصر نہیں ہے۔ بچوں میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ ہر شخص کے مدارج اور اس کی اخلاقی حالت میں تمیز کر سکیں۔ بلکہ ان کے اوپر گھر کے ہر شخص کی حالت کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے صاحب خانہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ملازم عورتوں اور مردوں کے عادات و اخلاق اور چال چلن پر بھی نظر رکھے۔ اور گھر میں ایسے نوکروں کو جمع نہ کرے۔ جو بد وضع ہوں خصوصاً انائیں اور مانیان اور وہ نوکر جن کی سپردگی میں بچے ہر وقت رہتے ہیں۔ بلکہ جہاں تک مل سکیں شائستہ آدمی تلاش کر کے رکھنے چاہئیں۔ یہ بدیہی بات ہے کہ غلیظ طبیعت نوکر بچوں کو صاف نہیں رکھ سکتے۔ اور اس سبب سے بچوں میں صفائی کی عادت پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب نوکروں کو گالیاں بکتے سنتے ہیں تو خود بھی وہی الفاظ دہراتے ہیں۔ نوکروں کے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہیں اور بازاری الفاظ استعمال کرتے اور ویسی ہی حرکتیں کرتے ہیں۔ اس ہی طرح نوکروں کی بدکرداری کی مثالیں ان کے سامنے ہوتی ہیں اور دیکھتے دیکھتے وہ ان کو قبیحہ یا باعث نفرت نہیں معلوم ہوتیں۔ عمدہ تربیت کی خوبی یہ ہے کہ بچہ (عورت ہو یا مرد) بُرائی سے نا آشنا ہو اور اگر وہ کسی بُرے فعل یا قول کو دیکھے یا سنے تو اُسے تعجب اور نفرت پیدا ہو۔ لیکن وہ جن باتوں سے بچنے سے آشنا ہے ان سے تعجب اور نفرت کیونکر کر سکتا ہے۔ اسی طرح بد افعال نوکروں کی وجہ سے افعال قبیحہ سے کراہت قائم و باقی نہیں رہتی۔ اور جب کراہت نہیں تو ارتکاب کی طرف میلان ذرا اشارہ میں پیدا ہوگا۔ جو بچے ایسی سوسائٹی میں رہتے ہیں جہاں گھر کے نوکر جن کی گودیوں میں وہ پلے ہیں افعال قبیحہ کے مرتکب ہوتے ہوں اور بچوں کو ایسی وقت میں ان کے حالات سے آگہی ہو جبکہ ان کی قوت عقل و تمیز کامل نہیں ہے تو وہ کیونکر ان افعال کو مکروہ خیال کر سکتے ہیں

نوکروں کا
اثر

اور جب کسی فعل سے کراہت اٹھ جائے تو پھر پیداوار قائم نہیں ہو سکتی۔ کراہت کا اٹھ جانا اس بڑی روک کا اٹھ جانا ہے جو افعال ذمہ سے بچاتی ہے اور ایسے گھر میں یہ صفت کبھی پیدا ہی نہیں ہوتی۔

معلم کا اثر

خود معلم اور تالیق کا اثر بھی بچوں پر اس ہی طرح پڑتا ہے۔ بچے معلم کو اپنے سے برگزیدہ سمجھتے ہیں۔ ان کے دل میں اس کی وقعت اور عزت ہوتی ہے اور اس کی مثال پر چلنا عمدہ بات خیال کرتے ہیں اور اس کا رنگ اختیار کرتے جاتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ معلم علانیہ شراب پیتا ہے (اگرچہ یورپین ہی ہو) اور اوامر اور نواہی شرع کا پابند نہیں تو کیونکر وہ شراب کو گناہ خیال کر سکتے ہیں اور جن لوگوں نے ایسی سوسائٹی میں نشوونما پایا ہو جہاں ہر روز میز پر شراب آتی ہو (اگرچہ صرف دو ایک ہی کے سامنے رکھی جاتی ہو) وہ لوگ اکثر اس بلا میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے اثر سے دوسرے نوجوان اس ہی طرح خراب ہوتے ہیں۔ اور یہ متعدی مرض پھیلتا جاتا ہے۔

گھر کا اثر

قدرتی تربیت یہ ہے کہ گھر کی زندگی تمدن کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور اخلاق چال چلن پر پہلے گھر کی زندگی کا اثر پڑتا اور گھر کے سانچے میں انسان ڈھلتا ہے اور پھر یہی انسان تمدن کے بازار میں پیش ہوتا ہے۔ پہلے گھر کا ایک ممبر ہوتا ہے۔ اور پھر تمدن کا۔ اس طرح گھر کو یا تہذیب کا ایک مدرسہ ہے جہاں تہذیب کی ابتدائی بلکہ انتہائی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس قوم کے بچے گھروں میں عمدہ تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں وہ بڑے ہو کر قوم کے اچھے ممبر ہوتے ہیں اور جن کی ابتدائی تربیت خراب ہوتی ہے وہ اپنی قوم کا برا نمونہ ہوتے ہیں۔

بچنے کی عادت کا اثر

عادات و خصائل کی وہ خصوصیت جو انسان میں عمر بھر رہتی ہے بچنے ہی میں قائم ہو جاتی ہے اور گھر کی تربیت یا بے تربیتی کا اثر جو اس وقت طبیعت میں جاگزیں ہو جاتا ہے وہ نقش کا لچر ہے کہ پھر نہیں مٹ سکتا۔ پوت کے پانوں پالنے ہی میں نظر آتے ہیں اور اس وقت جو عادتیں ان کی طبیعت میں راسخ ہو جاتی ہیں

خواہ اچھی ہوں یا بُری عمر بھر جھلک دکھاتی ہوں۔ بچہ دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور جب وہ آنکھ کھولتا ہے۔ تو نئی نئی اور عجیب عجیب چیزیں اس کو معلوم ہوتی ہیں وہ ہر ایک چیز کو استعجاب اور غور سے دیکھتا ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو وہ اشیاء کو پہچاننے اور اور ان میں مقابلہ کرنے اور جانچنے لگتا ہے۔ جب اس قدر تمیز پیدا ہو جاتی ہے تو ان میں رائے لگاتا اور ان کی حقیقت کو سوچنا شروع کرتا ہے اور جو علم اس کو اس طرح حاصل ہوتا ہے (خواہ غلط ہو یا صحیح) اس سے اس کی طبیعت اثر پذیر ہو جاتی ہے اگر وہ اس وقت کسی عقلمندانہ باپ کی نگرانی میں ہے تو جو ترقی اس طرح کرتا ہے وہ حیرت انگیز ہوتی ہے اور شروع ہی سے اس کو صحیح واقعات اور صحیح نتائج اور عمدہ اصول معلوم ہوتے جاتے ہیں طفولیت کے زمانہ میں بچوں کا دل ہر بات کا نقش آسانی سے قبول کر لیتا ہے اور ان کی طبیعت ہر ایک اثر بہت دیر تک قائم رہتا ہے۔ اگر اس وقت عقل و دانش کی شعاعیں اُن کے دل پر پڑیں تو وہ ہمیشہ روشن اور منور رہتی ہیں۔ جس طرح فوٹو کے شیشے پر عکس جم جاتا ہے اور اس سے اسی طرح کی تصویریں اُترتی ہیں اس طرح بچوں کا دل ان باتوں کو بہت جلد قبول کر لیتا ہے۔ جو اس کے گرد و پیش ہوں اور بلا اختیار ویسے ہی افعال اُن سے صادر ہونے لگتے ہیں اور جو بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے وہی مثالیں جو اس کے پیش نظر تھیں اور جن کی وہ نقل اُتارتا تھا اس کی عادت اور خصلت ہو جاتی ہیں اور پھر چھپائے نہیں چھپتیں۔

جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو نہیں معلوم ہوتا کہ مذہب کیا ہے نہ مذہب کی کنہ حقیقت کو سمجھنے اور مختلف مذاہب کا مقابلہ کرنے کی تمیز ہوتی ہے۔ مان باپ کا یا جس سوسائٹی میں کہ وہ رہتا ہے اس کا مذہب بلا تحقیق اختیار کر لیتا ہے اور یہ اثر اس کی طبیعت پر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ عمر بھر وہ اس مذہب پر قائم رہتا ہے بڑے ہو کر وہ مذہب کی حقیقت اور اصول کی تلاش کرتا ہے۔ لیکن اپنے مذہب کو نہیں چھوڑتا اور اگر کبھی تبدیل مذہب کرے تو اس کو سخت تکلیف

اٹھانی پڑتی ہے۔ یہی حال تمام عادات اور خصائل کا ہے۔ جو اس وقت طبیعت میں جاگرین ہو جائیں پس جو لوگ اولاد کو عمدہ خصائل سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں ان کو لازم ہے کہ بچوں کو اپنی عمدہ مثال دکھائیں اور ان کو عمدہ سوسائٹی میں رکھیں۔

باب پنجم

مال و دولت

انسان کی ضرورتیں کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہیں کہ صرف اوس کے لئے پوری نہیں ہوتیں۔ بلکہ اوروں کی استعانت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ بنجار صندوق نہیں بنا سکتا جب تک کہ لوہار اُسے اوزار نہ دے۔ لوہار کام نہیں کر سکتا جب تک کہ کسی نے کان میں سے لوہا نکال کر نہ دیا ہو۔ غرض دنیا میں ایک شخص کے اغراض دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ اگر ایک کام بند کر دے تو سب کے معاملات اور آسائش میں ابتری واقع ہو جائے۔ اور یہ صانع قدرت کی مہربانی ہے کہ کسی کو کسی کی خدمت سے مستغنی نہیں بنایا۔ مگر کوئی شخص کسی کی خدمت نہیں کرتا۔ جب تک کہ خود اُسے بھی کوئی فائدہ نہ ہو۔ وہ اگر خدمت کے عوض میں خدمت نہیں لیتا تو روپیہ لیتا ہے اور اس سے وہ اپنی مایحتاج پوری کرتا ہے۔ اس ہی سبب سے روپیہ اگرچہ فی نفسہ انسان کی کسی حاجت کو پورا نہیں کرتا لیکن دنیا کی کل حاجتیں اور اشیا ضروری روپیہ سے پوری و مہیا ہوتی ہیں۔ بیمار ہیں تو دوا کھنڈا لی۔ تندرست ہیں تو سامان خورد و نوش۔ سفر میں ہیں تو سواری اور سامان سفر طالب علم ہیں تو کتب و فیس۔ غرض کوئی کام خواہ اپنی ذات کے لئے ہو یا کسی اور کی بھلائی کے واسطے روپیہ بن نہیں چلتا۔ حتیٰ کہ اولاد جو ایک نعمت الہی ہے اور دل و جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے افلاس میں اُس کی پرورش کیسی بار

دولت کی
ضرورت

معلوم ہونے لگتی ہے۔ نورجہان کو جسے اپنے حسن و لیاقت اور اقبال مندی کے طفیل عالمگیر شہرت اور ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنی تھی۔ مفلس مان باپ نے ہندوستان آتے ہوئے راستہ میں چھوڑ دیا مگر دولت مند امیر قافلہ نے پرانے لخت جگر کو اٹھالیا اور پرورش کیا۔ کیسے کیسے عمدہ ارادے کیسی کیسی بیش بہا تدبیریں اولوالعزم خیال۔ دلی آرزوئیں اور تمنائیں۔ چاہتے و لو لے طبعی شوق۔ دلچسپ مشاغل صرف اس سبب سے پورے نہیں ہوتے کہ روپیہ نہیں۔ اُن طلبہ کی حالت کس قدر قابل افسوس ہے جو باوجود ذکاوت فہم و کیاست کے اس سبب سے مدارج علیہ پر نہ پہنچ سکے کہ ان کے پاس روپیہ نہ تھا۔ اور ضرورتیں مجبور کرتی تھیں کہ وقت اکتساب معاش میں صرف کریں۔ ان کی وہ بیش بہا قابلیتیں جن کو اگر زمانہ فرصت اور اطمینان دیتا تو جواہر آبدار سے زیادہ دنیا میں مفید اور فرین ثابت ہوتیں۔ دل کے قید خانہ میں بند رہتی ہیں اور معاش کا فکر کبھی ان کے اظہار کا موقع نہیں دیتا۔ مفلسی اخلاق کو بھی خراب کرتی ہے۔ احتیاج وہ بُری بلا ہے کہ لالچ اور بدنیتی آہی جاتی ہے اور دولت مند شخص جس کو زیادہ احتیاج نہیں ہوتی لالچ کو آسانی سے روک سکتا ہے۔ مفلس آدمی کا خیال چونکہ ہر وقت معاش کے افکار میں رہتا ہے وہ دماغی کام نہیں کر سکتا۔ نہ کسی سائنس کی طرف توجہ کر سکتا ہے بلکہ فراغت سے عبادت بھی نہیں کر سکتا۔

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد سر زندم
دوست و آشنا عزیز و اقارب تک مفلسی میں کنارہ کر جاتے ہیں اور اکثر دولت مند رشتہ دار تو غریب رشتہ داروں سے اس سبب سے ملنے میں بھی اجتناب کرتے ہیں کہ سوسائٹی میں ان کی عزت کم نہ ہو جائے کسی کم کا قول ہے کہ جب افلاس دروازہ پر آتا ہے تو محبت دریچہ سے بھاگ جاتی ہے۔ اس لئے پرہیزگار آدمی کو لازم ہے کہ افلاس سے بچے اور قرض سے دور رہے۔ افلاس دلی مسرت اور انبساط کے حق میں زہر قاتل ہے اور بہت سی نیکیاں انسان صرف افلاس کی وجہ سے

نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو خود اور دن کی امداد کی ضرورت ہو وہ اور دن کی مدد کیا کر لگا پس خرچ کرنے سے پہلے آمدنی کے کافی وسائل پیدا کرنے چاہئیں۔ اور سب سے پہلے انسان کو لازم ہے کہ معاش سے اطمینان اور فراغت حاصل کرے اور حتی الامکان اکتساب مال میں جائز کوشش کرے تاکہ آزادی قائم رہے۔ حاجتیں رفع ہوں اور مصیبت۔ بڑھاپے۔ اور ضرورت کے وقت تکلیف نہ ہو۔

دولت اطمینان بخشی ہے

جب روپیہ پاس ہوتا ہے تو طبیعت میں دلیری ہوتی ہے کیونکہ یہ خوف نہیں ہوتا کہ کسی کی ناراضگی وظیفہ میں خلل انداز ہوگی۔ اور اس اطمینان کا تو کیا پوچھنا ہے جو کثرت دولت سے میسر ہوتا ہے مفلس آدمی کو ہر ضرورت کے وقت پس و پیش کرنا اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ دران حالیکہ دولت مند آدمی ایسی ایسی ضرورتوں کو خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ کوئی آدمی مفلس بھی ہو اور آزاد بھی تو جانو کر امت ہے۔ دولت خواہ کسی قدر حاصل اور کتنی ہی کیون نہ جمع ہو جائے اگر جائز وسائل سے ہے تو جس قدر زیادہ ہے اس ہی قدر بہتر ہے البتہ لالچ یا ناجائز وسائل سے اکتساب کرنا بڑا ہے۔ انسان کا ضروری ذمہ ہے کہ اکتساب معاش کے فراخ وسائل بہم پہنچائے۔ اور جائز منافع اٹھائے تاکہ دنیا اور عقبی کی بہبود کا باعث ہو اگر غریبوں کی مدد کرنا رشتہ داروں یتیموں ہمسایوں وغیرہ کی معاونت کرنے کا خدا کے ہاں اجر ہے تو مال اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر مالک کی سیر عجائبات کا نظارہ خوشگوار ہے تو مال سے یہ مسرت نصیب ہو سکتی ہے یہ بھی نہیں تو دونوں وقت کھانا کھانے کیڑا پہننے کی ضرورت ہے اور یہ بغیر روپیہ پیسہ عزت سے نہیں ملتا۔ اس لئے کوئی شخص اکتساب مال سے مستغنی نہیں ہو سکتا اور اس کو ضرور کچھ نہ کچھ تدبیر حصول دولت کی کرنی چاہئے۔ جو اشخاص ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور اس کو قناعت یا توکل کہتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور لوگ اپنی محنت میں سے ہمیں حصہ دیں یہ توکل نہیں۔ توکل سعی سے باز رکھنا نہیں سکھانا بلکہ صرف نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دینے کا

دولت کے فائدے

توکل

نام ہے۔ ایسے ہی قناعت یہ ہے کہ ہماری محنت اور وسائل سے جس قدر ہم کو مل سکے اس پر اکتفا کریں۔ اور ناجائز وسائل سے اور دن کا مال نہ ٹکین۔ نہ یہ کہ جو ہماری محنت اور سعی کے صلہ میں ہم کو ملے اسے بھی چھوڑ دیں۔ اور آمدنی کے جائز وسائل سے متمتع نہ ہوں یا صحت اور فرصت کے لحاظ سے محنت اور وقت اکتساب کمال میں صرف نہ کریں۔ یہ نہ قناعت ہے نہ پرہیزگاری کہ باوجود قدرت اور جواز کے کوئی شخص اکتساب معاش میں غفلت کرے اور اپنے تئیں یا اپنے عزیز و اقارب کو تکلیف میں ڈالے یا اور دن کی خیرات پر گزارہ کرے اگر وہ زیادہ دولت سے مستغنی ہے اور اس کے مایحتاج سے زیادہ اس کے پاس موجود ہے۔ تو بھی اکتساب سے باز نہیں رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں جب ذاتی ضرورتیں نہیں ستاتیں تو رفاہ عام اور خیر خواہی غلامی کے کام کر سکتا ہے۔ ابنائے جنس اور اپنی قوم کو فائدہ پہونچا سکتا ہے جس سے عند اللہ اور عند الناس مشکور ہوگا۔ نیز بقائے نام کا سبب بھی ہے۔

فارغ البالی کے زمانہ میں آئندہ کے واسطے فراہم کرنا پیش بینی اور صفت محمود ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ خرچ آمدنی سے زیادہ نہ ہو۔ بلکہ کچھ نہ کچھ ہمیشہ پس انداز ہوتا رہے۔ اگر روزمرہ کا حساب قلمبند کیا جائے تو خواہ مخواہ یہ نظر پڑتی ہے۔ کہ پوئے کس کس طرح صرف ہوتا ہے۔ اور ان میں ضروری اور غیر ضروری مدات کیا ہیں۔ اور جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ آمدنی کیا ہے اور خرچ کیا انسان ضرور فضول خرچی میں پڑ جاتا ہے۔ آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ بچانا اگرچہ قلیل مقدار ہی کیون نہ ہو ضرور چاہئے کیونکہ اس سے طبیعت کو خوشی پیدا ہوتی ہے۔ اور اطمینان نصیب رہتا ہے اور اگر آمدنی سے زیادہ ایک پائی بھی خرچ ہو تو جان لو کہ رفتہ رفتہ بربادی آئینوالی ہے کیونکہ اس صورت میں ضرور قرض لینا پڑیگا اور قرض بربادی کی جڑ ہے۔ اگر آمدنی کم ہے تو خرچ کو بھی کم کر دینا ضرور ہے۔ ظاہری شان و شوکت کی حاجت نہیں۔ عمدہ کھانی اور عمدہ لباس کی ضرورت نہیں۔ خدمتگاروں کے بدلے خود اپنا کام کرنا

گوارا مگر قرض نہ لینا چاہئے۔ جو شخص قرض لیتا ہے وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتا ہے۔ روکھی
 رولی بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قرض سے دسترخوان آراستہ کیا جائے۔ اور یہی
 حقیقت میں قناعت ہے۔ کفایت شعاری ذریعہ مسرت بھی ہے لہذا نہ صرف یہ
 ضرور ہے کہ اکتساب معاش کے وسیع وسائل اختیار کریں اور ان کو پوری پوری طرح
 پر کام میں لائیں بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ جو کچھ حاصل ہو اس کا کچھ حصہ بطور اندوختہ
 رکھیں۔ کیونکہ اگر جس قدر کمایا تھا سب کا سب خرچ بھی کر دیا تو محنت اور کاہلی کا
 انجام ایک سا ہوا۔ عقلمندی یہ ہے کہ مجبوری اور بیکاری کے زمانہ کا خیال کھا جا
 اور اچانک ضرورتوں کے واسطے پیش بینی سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہیں۔
 کفایت شعاری بہت سے ناجائز تعیش سے بچاتی ہے اور پرہیزگار رکھتی ہے
 ساتھ ہی بہت سی مباح خوشیاں بھی بخشتی ہے۔ یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر زیادہ
 رقم پس انداز نہیں ہو سکتی تو تھوڑی رقم کو کیا بچائیں دانہ دانہ شود انبار تھوڑا تھوڑا
 جمع ہو کر معتد بہ رقم ہو جاتی ہے۔ جو کسی خاص ضرورت کے وقت کچھ نہ کچھ کام آئیگی
 کفایت شعاری کے لئے کسی زیادہ لیاقت کی ضرورت نہیں صرف تھوڑا سا ہیئت
 پر قابو ہونا چاہئے کہ انسان غیر ضروری اخراجات صرف دل بہلانے یا تھوڑی در
 کی واہ وا کی خاطر نہ کر بیٹھے اور جب کفایت شعاری کی عادت پڑ جاتی ہے اور
 کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے تو اسکے فوائد خود بخود نظر آنے لگتی ہیں۔ حادثات زمانہ
 اور واقعات غیر اختیاری کے وقت مصیبت کی گھڑیوں میں۔ سخت ضرورتوں
 کے مقابلہ میں اپنا پیسہ بے منت کام آتا ہے۔ نہ کہ اور دن کی سخاوت اور فیاضی۔
 اول تو کوئی اس قسم کی مدد کرتا نہیں اور اگر کسی نے کی بھی تو غیر مکتفی اور ہزار
 منت۔ اگر کوشش بیکار ہی جائے اور کچھ بھی پس انداز نہ ہو سکے تو بھی سعی
 منفعت سے خالی نہیں اور کچھ نہ ہو گا تو طبیعت میں احتیاط اور انضباط ہی پیدا
 ہو جائیگا۔ فضول خرچی کی عادت ہی چھٹ جائیگی۔ بیہودہ مشاغل ہی سے
 بچ جائیگا۔ بیہودہ جذبات ہی رُک جائیں گے۔ کسی قدر افکار ہی ہلکے ہو جائیں گے۔

اور طبیعت کو سکون نصیب ہو جائیگا۔ روپیہ پاس ہوتا ہے تو طبیعت میں عجب استغنی اور بے فکری کی کیفیت ہوتی ہے اور بڑا پے مین یا معذوری کے وقت عزت بنی رہتی ہے اور طبیعت کو یہ بھی اطمینان ہوتا ہے کہ اولاد ہمارے اند وختہ سے متمتع ہوگی دنیا میں جس قدر تہذیب پھیلی یہ کفایت شعاری اور اند وختہ کی بدولت ہے۔ کیونکہ کفایت شعاری سے اس المال حاصل ہوا اور اس المال سے اشیاء پیدا کرنے کی قوت ہوئی۔ کفایت شعاری کی عادت بعض لوگوں میں قدرتی ہوتی ہے۔ لیکن اکثر کو اکتسابی طور پر حاصل کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے ضرور ہے کہ انسان کو آئندہ کی آسائش اور آرام کے لئے موجودہ وقت کی تھوڑی سی غیر ضروری خواہش کو روکنا پڑے۔ یہی حال قوموں کا ہے کہ جو قومیں اپنی تمام پیداوار خرچ کر ڈالتی ہیں اور کچھ نہیں بچاتیں ان کے پاس بالکل اس المال نہیں ہوتا۔ اور وہ ذرا ذرا سی خسروں کے لئے دوسروں کی دست نگر ہوتی ہیں۔ ان میں افلاس اور مصیبت پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اور بے مائیگی کی وجہ سے وہ تجارت بھی نہیں کر سکتیں نہ ان کے پاس جہاز ہوتے ہیں۔ نہ ریل نہ کشتیاں بلکہ جو قومیں کفایت شعاری ہیں وہ آج دنیا کی تہذیب کا چشمہ اور دولت کا مخزن بنی ہوئی ہیں کسی ملک میں دو وجہ سے افلاس پھیلتا ہے اول روپیہ کی احتیاج۔ دوم روپیہ کا بیجا اصراف اور بڑی وجہ بے ضرورت اصراف ہے۔ روپیہ پیدا کرنا تو مشکل ہے لیکن اس کو سلیقہ سے خرچ کرنا اور کبھی زیادہ مشکل ہے۔ جو شخص اپنی قوت بازو سے اس قدر پیدا کر لیتا ہے کہ اس کی احتیاج کو کافی ہو اور کچھ پس انداز ہو جائے تو یہ اند وختہ خواہ کسی ہی قدر تھوڑا کیون نہ ہو اس سے اس کی اور کل گھر کی معاشرت کی بہبودی پر بڑا اثر پڑتا ہے اور یہی اند وختہ اس کی آزادی کو قائم رکھتا ہے۔ جس شخص کو خدا نے معمولی عقل بھی دی ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ جو کچھ ملے روز کار و صرف کر دینا عاقبت اندیشی کے بالکل خلاف ہے۔ جس شخص کو معقول تنخواہ ملتی ہو یا جس کی آمدنی معقول ہو وہ مرتے وقت کچھ نہ چھوڑے اور اس کی بیوی بچہ محتاج اور بے سہارے رہ جائیں یا ان کے سر پر

مرحوم کے قرض کا بار پڑے تو سوائے اس کے کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ ناعاقبت اندیش تھا۔ یا اس قدر خود غرض تھا کہ اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کے آگے اسے کسی بات کی پرواہ ہی نہ تھی۔ ایسے لوگ اپنی آزادی ساہوکاروں کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے ہیں۔ اور خود نمائشی سامانوں کے پیچھے محتاج ہو جاتے ہیں۔ کسی عارضی حظ یا نمائش کا خیال ان لوگوں کے دلوں پر اس قدر مستولی ہو جاتا ہے کہ نتیجہ کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا۔ پرہیزگاری۔ آزادی۔ دیانت داری۔ خود داری وغیرہ اوصاف کفایت شعاری سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ ایسے اوصاف ہیں جن پر انسان کے اخلاق کی بنیاد ہے۔ اور خود داری کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی وضع کو نبھائے اور اپنا بار خود اٹھائے۔ اور اس میں اوس کی عزت ہے۔ اور اگر دوسروں پر اپنا بوجھ ڈالے گا تو وہ حقیقی عزت اور آرام سے نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنی حاجتوں کا جس قدر احساس ہوتا ہے دوسرے کو نہیں ہوتا۔ اسی طرح اپنے دل کی محبت۔ اپنے دل کی امید۔ اپنی پسند کا اثر۔ جس طرح خود اپنے اوپر ہوتا ہے دوسروں کو اسکی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر شریف شخص کا فرض ہے کہ اپنی آئندہ حاجتوں کا خیال رکھے۔ اور چار دریکھ کر پانوں پھیلانے۔ غریب ہونا عیب نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ افلاس بہت سے نیک کام نہیں ہونے دیتا۔ اطمینان اور سکون خاطر کو برباد کر کے خوشیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ کفایت شعاری کے اصول کچھ مشکل نہیں ہیں۔ اور ہر شخص ان کو سمجھ سکتا اور ذرا سے انتظام سے اون پر عمل کر سکتا ہے۔ اول تو یہ کہ آمدنی کا تھوڑا سا حصہ خواہ کسی قدر ہی تھوڑا کیوں نہ ہو آئندہ کی حاجتوں کے لئے جمع کیا جائے۔ دوم جو کچھ خریدا جائے اس کی قیمت نقد ادا کر دیجائے اور قرض کے بکھیرے سے پرہیز کیا جائے۔ نیز یہ انتظام کیا جائے کہ کوئی چیز قرض لینے کی ضرورت نہ ہو۔ سوم جس کام میں روپیہ لگایا جائے پہلے اسکے نفع نقصان کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ اور جس کا نفع یقینی نہ ہو اوس میں روپیہ صرف نہ کیا جائے۔ چہارم آمد و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جائے پنجم جو چیز خریدی جائے

کفایت شعاری
کے اصول

اس کو احتیاط سے خرچ کیا جائے اور یہ خبر رکھی جائے کہ نوکرون یا اور لوگون یا خود اپنی غفلت سے خواہ مخواہ ہر چیز ٹوٹ کر خراب نہ ہو۔ اور گھر کی چیزیں اس طرح فضول برہا نہ ہوتی رہیں۔ کہ ہر وقت اون کے خریدنے اور بنوانے کی ضرورت رہے۔ بلکہ ہر شے سلیقہ سے استعمال ہو۔ اور یہ کام گھر کے نوکریا داروغہ کے ذمہ نہ ہو۔ بلکہ خود صاحب خانہ کو فرد ہو یا عورت نگرانی کرنی چاہئے۔ جو لوگ غلط اصول پر اپنا کام چلاتے ہیں۔ وہ ناکام رہتے ہیں۔ مثلاً جو لوگ دوسرے کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ اکثر ناکام یا ہوتے ہیں۔ یا جو لوگ اپنا مال و اسباب ہمیشہ خراب و برباد کرتے رہتے ہیں ناکام رہتے ہیں۔ اسی طرح بخیل اور فضول خرچ دونوں ناکام رہتے ہیں۔

جائز وسائل سے دولت پیدا کرنے کی سعی اگرچہ عمدہ بات ہے لیکن ایک دم سے دولت مند بننے کی خواہش نہ کرنی چاہئے۔ ورنہ دیانت داری کے ماتھے سے جاتے رہتے اندیشہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دولت دیانتداری سے نہیں ہاتھ لگتی مگر پرہیزگاری سے کبھی افلاس بھی نہیں آتا۔ غریب وہ شخص نہیں ہے جس کی آمدنی کم ہو بلکہ وہ شخص جس کے مایحتاج زیادہ ہوں۔ انسان کو تو اکثر خیالی ضرورتیں ستاتی ہیں ورنہ مایحتاج تو اس قدر کم ہیں کہ ان کی نسبت زیادہ تحسس کی ضرورت نہیں۔ عیش و عشرت کے مصارف کا نہ کوئی ٹھکانا ہے نہ حد۔ خواہ انسان قارون کا خزانہ خرچ کر دے۔ سب سے زیادہ خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسان اپنی حالت سے بڑھکر ظاہری سامان رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ لوگ اُسے امیر جانیں۔ اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ غریبی کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ مگر یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ غریبی کو شرم کی بات سمجھا جائے۔ اگر کوئی شخص اپنی روٹی قوت بازو سے کماتا اور آرام سے کھاتا ہے تو وہ کیوں شرمائے؟ ان جو لوگ ناجائز وسیلہ سے کمائیں اور بُرے مصرف میں اٹھائیں ان کو شرم لازم ہے۔ سچ یہ ہے کہ لوگون کے بُرے استعمال نے دولت کو خراب اور بدنام کیا ہے مگر دولت پر منحصر نہیں ہر ایک قوت کا یہی حال ہے کہ انسان خواہ اچھی طرح صرف کرے اور فائدہ اٹھائے یا بُری طرح صرف کرے اور برباد ہو۔

خیالی ضرورتیں

تو اسے خواہ اپنے جان و مال کی حفاظت کرے یا دوستوں کا سرکائے۔ پس بڑا طریقہ استعمال ہے نہ خود دولت۔ اس ہی طریقہ استعمال کا سوسائٹی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ چونکہ رواج کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنے سے اعلیٰ کی حرص کرتا ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ اس درجہ کی حیثیت سے عزت اور وقار ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ اون کی عزت و وقار صرف اپنی نظروں میں ہے۔ ورنہ وہ بھی اسی خبط میں گرفتار ہیں۔ اور اپنے سے اعلیٰ کی حرص کے پیچھے برباد ہو رہے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی اصلی حالت کے موافق رہنا اور وہی ظاہر کرنا چاہئے۔ جب سرمایہ نہ ہو یا خالی ہوتا جاتا ہو تو ظاہری اسباب عیش کیا خوشی دینگے۔ اور دلی اطمینان کا کیا حال ہوگا۔ اور کچھ دنوں کے پچھڑے اڑائے بھی تو پھر کیا بلکہ اس طرح تو باقی زندگی زیادہ ذلت میں کٹتی ہے۔ بعض ایسے نوجوان ہیں جن کو میراث میں روپیہ ملا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ اسے احتیاط سے صرف کرتے اور اس کو مفید طور پر کام میں لاتے۔ ناچ رنگ میں اڑا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرضدار ہوتے اور ذلت اٹھاتے ہیں۔

قناعت

قناعت یہ ہے کہ جس وقت جو حالت میسر ہو اس پر اکتفا کیا جائے۔ اور جو حاصل نہیں ہو سکتا اس کے واسطے اضطراب نہ ہو۔ اگر طبیعت میں یہ جوہر نہ ہو تو دولت کا حظ حاصل نہیں ہوتا۔ پس دولت کا حظ اٹھانے اور اس وسیلہ سے خوشی حاصل کرنے کے لئے قناعت کی تعریف سے واقف ہونا اور دولت اور مسرت کے تعلقات کو جانچنا ضرور ہے۔ کیونکہ اگرچہ دولت اطمینان اور آرام دلجمعی اور خوشی بخشی ہے مگر اسی وقت کہ اس کے ساتھ قناعت ہو ورنہ اس کے برخلاف نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہے۔ خوشی دولت کے مناسب استعمال سے ہوتی ہے نہ کہ دولت سے۔ اور جو لوگ دولت صرف دولت کی خاطر جمع کرتے اور ضرورت کے وقت بھی اسے کام میں نہیں لاتے یا جن کے دل میں حرص یا دولت کی محبت اس قدر پیدا ہو گئی ہے۔ کہ وہ اس کا مناسب استعمال ہی

بھول گئے۔ یا اکتساب میں ناجائز وسائل استعمال کرنے لگے۔ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور ان ہی صاحبوں نے دولت کے نام کو بٹہ لگایا ہے۔ ایک طرف تو کفایت شعاری کو بخل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور یہ صفت مذموم ہے۔ دوسری طرف اکتساب میں قناعت کی بجائے حرص کو کام میں لانے لگے۔ اگر کفایت شعاری اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بخل ہے۔ بخیل آدمی کو اس خیال سے بھی رنج ہوتا ہے کہ ورثہ میرے اندوختہ کو صرف کریں گے۔ کفایت شعاری حسبِ مقدور آرام کرنے اور صرف کرنے کو منع نہیں کرتی۔ بلکہ ضروری اخراجات میں مدد ہوتی ہے اور بخیل باوجود قدرت کے مصیبت جھیلتا ہے اور اس کا جی نہیں چاہتا کہ اشد سے اشد ضرورت میں بھی اس کا ایک پیسہ صرف ہو بخیل آدمی طلب مال میں حرص بھی ہوتا ہے اس کا بس نہیں چلتا کہ دنیا بھر کی دولت اس ہی کے پاس آجائے۔ اور یہ بخیل لوگ اکثر جذبِ منفعت میں اپنے استحقاق یا وسائلِ جائز کا خیال بھی نہیں رکھتے۔ اس عادت سے اور جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں سو ہوتی ہیں۔ حرص کو ایک سزا تو یہی ملتی ہے کہ اس کا مطلب پورا نہیں ہوتا۔ اگرچہ زکثیر کیون نہ ملے۔ کیونکہ حرص کی آگ اور بھڑکتی ہے اور خواہش اور لالچ طبیعت کو ویسا ہی مضطرب رکھتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس اس قدر جمع ہو جائے۔ کہ مجھے استغنی حاصل ہو اور اُسے بہت کچھ ملتا بھی ہے۔ مگر استغنی اور اطمینان نہیں ملتا۔ اور جب تک یہ نصیب نہیں وہ فائدہ جو حصولِ دولت سے مطلوب ہے مفقود ہے۔ اوس کے لئے بھی یہ افکار ایسے دل آزار ہیں جیسے کہ غریب آدمی کے لئے ہیں۔ یہ لوگ دولت کے مالک نہیں۔ دولت کے غلام ہیں۔ اور دولت ان کے حق میں آزار جانے لگی کیونکہ صرف عقلمند آدمی ہی کو دولت فائدہ پہنچا سکتی ہے جو ہمیشہ دولت کی خواہش میں رہیں گو وہ دولت مند ہوں مگر غریب ہیں۔ غریب آدمیوں کو تھوڑی یا بہت چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر حرص کو ہر ایک چیز کی خواہ مخواہ ضرورت ہے۔ قناعت ایسی چیز

کہ دولت سے راحت پہونچاتی ہے۔ قناعت اگرچہ حتی الوسع سعی کرنے اور دولت دنیا سے متمتع ہونے کو منع نہیں کرتی۔ مگر موجودہ حالت پر اکتفا کرنا اور اسے اس طرح کام میں لانا سکھاتی ہے۔ کہ اطمینان اور تسکین خاطر ہاتھ سے نہ جائے۔ قناعت رضا جوئی الہی کا سبق دیتی ہے۔ قناعت اگرچہ روپیہ پیدا نہیں کرتی۔ مگر خیالی ضرورتوں کو دور کر کے احتیاج کا دائرہ چھوٹا کر دیتی ہے اور یہ نتیجہ منفعتمندانہ کم نہیں بلکہ بڑھکر ہے۔

ملک آزادگی و کج قناعت گنجیست کہ بشمشیر میسر نہ شود سلطان را
قناعت ہمیشہ خیالات کو پاکیزہ دل کو مطمئن طبیعت کو لبشاش رکھتی ہے۔ اگر انسان نظر غور و تعمق سے دیکھے تو اسے معلوم ہوگا کہ اصلی ضرورتیں کس قدر قلیل ہیں۔ اور ان کے واسطے کس قدر کم دولت درکار ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ تو ابناے جنس میں تفوق اور بزرگی حاصل کرنے کے واسطے ہے۔

ایک دن سقراط بیٹھا اپنے دوستوں سے باتیں کر رہا تھا۔ (اس کی باتیں بھی پسند و نصائح کی کتاب ہوتی تھیں کہ باتوں باتوں میں حکمت کے ایسے ایسے اصول سکھا جاتا تھا کہ سننے والے کے دل میں نقش کا لہجہ ہو جاتے تھے)۔ ایک شخص ایشیفون جو یہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سقراط کو جھپائے اس موقع پر ادھر آ نکلا۔ پہلے تو چپکا بیٹھا سنتا رہا۔ پھر کہنے لگا کہ ”سقراط میں تو یہ جانتا تھا کہ فلسفی اور لوگوں کے نسبت دنیا میں زیادہ خوش رہتے ہونگے لیکن میری رائے میں تو تمہاری عقل نے تم کو اور مصیبت میں ڈال رکھا ہے تم تو اس طرح رہتے ہو کہ کوئی ذلیل سا ذلیل خدمتگار بھی نہ رہتا ہوگا۔ موٹا جھوٹا کھانا کھا لیا۔ بڑے بھلے کپڑے پہن لئے۔ گرمی جاڑے برسات ایک ہی کپڑا پہنے پھرے ننگے پانوں چل نکلے۔ بھلا یہ بھی کوئی حالت ہے۔ تم کیوں نہیں روپیہ پیدا کرتے۔ اور امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے۔ صحبت اور تعلیم میں بہت بڑا اثر ہے اگر ان لوگوں نے تمہارے پاس آکر اور تمہاری باتیں سنکر یہی سیکھا تو تمہارے جیسے مصیبت زدہ بن جائیں گے۔“ سقراط نے کہا ”ایشیفون

سقراط کا قول

تم یہ خیال کرتے ہو کہ جس غریبانہ حالت میں رہتا ہوں اگر خدا نخواستہ تمہاری یہ حالت ہو تو تم تو مر ہی جاؤ لیکن میں حیران ہوں کہ تم کو میری طرز معاشرت میں ایسی کوئی مشکل اور عجیب بات نظر آتی ہے؟ تم مجھے یہ الزام لگاتے ہو کہ میں روپیہ نہیں کھاتا۔ لیکن تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو لوگ روپیہ کھاتے ہیں۔ ان کو کیا کام کرنے پڑتے ہیں اور کن کن لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ میں کسی سے کچھ لیتا نہیں تو کسی کی خدمت بھی تو نہیں کرتا۔ اور میرا ہر کس و نا کس سے معاملہ بھی تو نہیں پڑتا۔ تم میرے کھانے پینے کو اس سبب سے برا بتاتے ہو کہ وہ تمہارے نزدیک فریاد نہیں ہوتا۔ لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایک شخص جو کچھ کھاپی رہا ہے وہ ہی اسے خوشگوار معلوم ہو تو پھر اسے کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی۔ آپ نے میرے لباس کی نسبت بھی غلط رائے قائم کی آپ کو معلوم ہے کہ لباس کی ضرورت کیا ہے۔ اور مختلف موسموں میں تبدیل لباس کیوں کیا کرتے ہیں؟ اس لئے کہ موسم کی گرمی اور سردی سے محفوظ رہیں۔ لیکن سچ کہنا آپ نے کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ میں سردی کے مارے کبھی گھر سے نہ نکلا ہوں۔ یا گرمی میں نے ٹھنڈے سایہ میں آرام لیا ہے۔ جو تیان اس لئے پہنتے ہیں کہ چلنے میں سہولت ہو۔ میں بے شک ننگے پائون پھرتا ہوں لیکن جہاں کہیں مجھ جانا ہوتا ہے بے تکلف چلا جاتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ بعض لوگ خلقتاً نازک اور کمزور ہونے ہیں۔ لیکن ورزش اور مشقت کی عادت سے وہ ان لوگوں سے زیادہ جفاکش ہو جاتے ہیں جو خلقتاً موٹے تازے اور مضبوط تھے۔ لیکن انہوں نے جفاکشی کی عادت نہیں ڈالی اور نازک اور بودے ہو گئے۔ میں نے عمر بھر محنت اور مشقت سے کام لیا ہے اور دشواریوں کا تحمل کیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے زیادہ مضبوط ہوں۔ میں ان لذائذ کا خواہان نہیں جن کی لذت دم کے دم رہتی ہے بلکہ میں ابدی خوشیوں کا خواستگار ہوں جو لوگ زیادہ متول حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ عموماً خوش نہیں رہتے کیونکہ معاملات میں پیچیدگیوں اکثر پڑتی رہتی ہیں۔ اور ان بیچاروں کو ہمیشہ فکر و انقباض ہی ہوتا

ہے۔ اس لئے میں روحانی اطمینان اور آرام حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی ایسا موقعہ آپرے کہ بہن اپنی قوم اور اپنے ملک کی خاطر لڑنا پڑے۔ تو اس دن کون زیادہ کام دیگا۔ میری طرح کا آدمی کہ وقت پر اسے جو کچھ میسر آگیا اسے غنیمت معلوم ہو یا آپ کی طرح کا ناز پروردہ کہ جب تک دنیا بھر کی نعمتیں میانہ ہوں حلق سے نوالہ ہی نہیں اُترتا۔ اگر محاصرہ آپرے تو کون زیادہ ٹھیرے گا میں یا آپ؟ ایسی کیفیتوں تم یہ خیال کرتے ہو کہ عمدہ عمدہ کھانے کھانا اور فاخرہ لباس پہنتا اور امیرانہ طرز سے رہنا خوشی بخشتا ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ کسی چیز کی حاجت نہ ہونا بادشاہت ہی۔ اور یہی وہ کمال ہے جو خداوند تعالیٰ کی شان کی نیازی سے ملتا جلتا ہے۔ بلند نظر اشخاص جو صحیح اصولی پر چلتے ہیں وہ دکھاوے کی باتوں سے بہت پرہیز کرتے ہیں اور نہایت دیانتدار سے اپنی آمدنی ہی میں اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ روپیہ کو سلیقہ اور قرینہ سے خرچ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں عقل عملی کس قدر ہے۔ یہ باناکہ روپیہ ایسی چیز نہیں ہے۔ کہ انسان اس کی محبت میں گرفتار رہے۔ اور اس کو زندگی کا مدعا قرار دے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ منزلی اور تھکنی آرام روپیہ پر منحصر ہیں۔ دو باتیں ہیں۔ ایک دوسروں کی معاونت پر گزارہ کرنا۔ دوسرے اپنا جس کی معاونت کرنا۔ ان میں سے دوسری حالت زیادہ معزز یا قابلِ قدر اور زیادہ مستحسن ہے۔ اور یہ اوس شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو معاش کے افکار سے فارغ ہو۔ اور دوسروں کی حاجت روائی کر سکتا ہو۔ جو شخص خود دوسروں کی معاونت کا محتاج ہے۔ یا جو احتیاج کی بندشوں میں گرفتار ہے۔ وہ اگرچہ کسی کا غلام نہ ہو لیکن اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اسے دوسروں کے سامنے جھکنا۔ ان کی نرم گرم باتیں سہنا ان کے سخت شرائط کو منظور کرنا پڑتا ہے۔

آنکھ شیریں را کند رو باہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج
اور اگر پیارہ کبھی جرات کرتا اور کسی نا واجب بات پر طیش کھاتا ہے۔ ”تو قمر درویش بر جا“

درولیش“ کا مصداق بنتا ہے۔

باب ششم

مکان

مکان کی صورت اور حیثیت تدبیر منزل میں داخل نہیں۔ بلکہ منزل سے مراد ہر ایسا مقام ہے جہاں کوئی شخص اپنے بیوی بچوں مان باپ وغیرہ کے ساتھ رہے اور معاشرت کے کام انجام دے خواہ یہ مقام پہاڑوں کے غار ہوں یا خیمہ و خرگاہ۔ یا گھانس کے جھونپڑے یا ایوان و محل۔ لیکن چونکہ مکان کی حیثیت اور مقام کا اثر انسان کی صحت پر پڑتا ہے۔ لہذا تعمیر مکان میں اصول حفظان صحت کا خیال رکھنا ضرور ہے۔ اور چاہے مکان کی ظاہری آرائش اور دیوار کے نقش و نگار اور عمارت کی خوبصورتی میں فرق آجائے لیکن اُن خوبیوں میں فرق نہ پڑنے پائے۔ جو کمینوں کے آرام و راحت میں بکار آمد اور مفید ہیں۔ مکان بناتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے ایک یہ کہ مکان کا موقع عمدہ ہو۔ دوسرے اسکی گرد و نواح صحت بخش ہو۔ مکان بلند قطعات زمین پر بنوانا زیادہ مناسب ہے کیونکہ نشیب کی زمین میں پانی جمع رہتا ہے اور زمین تر رہتی ہے۔ جو لوگ سیلے ہوئے مکانوں میں رہتے ہیں ان کو نزلہ اور بخار اکثر متاثر رہتا ہے۔ بارش کے بعد جب آفتاب نکلتا ہے اور زمین خشک ہونے لگتی ہے۔ تو سڑے ہوئے نباتی اور حیوانی مادہ میں سے زہریلے بخارات پیدا ہوتے ہیں جن سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں خصوصاً ملیریا بخاراں ہی خراب بخارات کے اثر سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے جس قدر زیادہ بلند جگہ مکان مل سکے بہتر ہے مذی دریا جھیل تالاب کے کناروں سے تقریباً دو سو گز پرے مکانات تعمیر کرنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ مکان کرسی دار ہو اور سطح زمین سے کم از کم تین فیٹ بلند ہو۔ اور اگر ممکن ہو تو رہنے کے کمروں کی زمین چونہ سے بچتہ کرائی جائے۔ کمرے بھی ایسے وسیع اور ہوادا ہوں کہ ہر وقت تازہ ہوا آ سکے۔ اور ہوا کے آنے کے لئے بڑے بڑے دروازے اور

منزل کی تعریف

مکان کی وضع

درتچے بنائے جائیں۔ عمارت کے دروازے سورج کے رخ ہوں تاکہ اندر دھوپ اور روشنی آسکے۔ ”جس مکان میں روشنی نہیں جاتی اُس مکان میں ڈاکٹر ضرور جاتا ہے۔“ سورج کی روشنی صحت بخشتی ہے۔ مکان کی ہوا کو صاف کرتی ہے۔ اور طبیعت کو نشاں اور چالاک رکھتی ہے۔ جس مکان میں چینی (دودکش) نہ ہو وہاں کوئلہ اور آگ نہیں سلگوانی چاہئے کیونکہ کوئلہ میں سے جو گیس پیدا ہوتی ہے وہ مضر صحت ہے اگر دھواں چینی میں سے نکل سکے تو مضائقہ نہیں۔ مکان میں چھوٹا سا باغچہ یا دو چار درخت ہونے بہتر ہیں لیکن مکان کے گرد بہت سے درخت یا جھاڑیاں ہونی مضر صحت ہیں۔ ان میں سے جو پتہ گرتے اور سڑتے ہیں وہ ہوا کو خراب اور مضر صحت کرتے ہیں مکان کو چوڑے سے پھوٹا یا سفیدی کرانی بہت عمدہ بات ہے۔ اگر چوڑے سے نہ ہو سکے تو مٹی سے پھوٹا بھی اچھا ہے لیکن ہر روز اس طرح لینا کہ سیل رہے یا گوبر سے لینا بیماری کا گھر بنانا ہے۔ اس ہی طرح سارے گھر میں جھاڑو ہر روز دینی چاہئے لیکن سوائے پاخانہ کے اور حصہ زمین کو ہر روز دھونا اور تر رکھنا ٹھیک نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مکان کو غلاظت سے پاک رکھا جائے موریوں کا ایسا انتظام کیا جائے کہ تمام خراب پانی اور فضلات بہک دوڑ چلے جائیں۔ اس ہی طرح پاخانے پختہ بنائے جائیں۔ اور ان کو دھلواتے رہیں۔ ہر بار رفع حاجت کے بعد خشک مٹی یا راکھ ڈالتے رہنے سے ہوا خراب نہیں ہونے پاتی۔ کیونکہ خشک مٹی میں بعض ایسے اجزاء ہیں جو غلیظ اور زہریلے اجزاء کو جذب کر لیتے ہیں۔ گھر کا کوڑا اور گلی سڑی اشیاء دور پھکوانی چاہئے۔ میلا اسباب اور کثیف کپڑے بھی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مکان میں صفائی رکھنے میں کسی قدر روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ لیکن مکان ناصاف رکھنے میں اس سے زیادہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ اور علاج میں روپیہ صرف ہونے کے علاوہ بے آرامی اور بیماری کی تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے۔

مقاله سوم

سیاست مدن

مقالہ سوم

سیاست مدن

باب اول

گورنٹ

۱۔ تمدن کی حاجت اور ابتدا

سیاست مدن حکمت کے اُس حصہ کا نام ہے جو ایک شہر یا ملک کے رہنے والوں یا ایک قوم کے باہمی تعلقات کے حفظان کے وہ اصول بیان کرے جس سے تمام افراد ترقی اور بچودگی کی طرف مائل ہوں اور ان میں طریقہ عدالت جاری اور قائم رہے۔ انسان کی ضروریات اس قسم کی واقع ہوتی ہیں کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ اور جس دن سے انسان اس دنیا میں پیدا ہوا کبھی تنہا نہیں رہا۔ سب سے پہلے اُسے ایک ایسے جلس کی ضرورت واقع ہوئی جو نہ صرف دل لگی کا سبب ہو بلکہ معاشرت کے کاموں میں اُس کا ہاتھ بٹائے دل گھبرائے تو اس سے باتیں کرے۔ بیمار ہو تو تیمارداری اور خبر گیری کرے۔ بغرض ہر حال میں اُس کا معاون اور مددگار ہو۔ اس طبعی خواہش نے انسان کو تنہائی سے نکال کر تمدن کی طرف مائل کیا۔ اور وہ دوسرے انساے جنس کے ساتھ ملکر رہنے پر مجبور ہوا۔

خدا جو ضرورت پیچھے لگاتا ہے اُس کی سہولت اور دلچسپی کے ایسے سامان پیدا کرتا ہے کہ وہ کام بہت ہی سہل اور نہایت ہی مزیدار ہو جاتا ہے مگر مُمِیْسَرٌ لِمَا خَلَقَ لَہُ اس لئے مبدع فیاض سے اس کو نطق اور عقل عطا ہوئی کہ تمدن کی راحتیں زیادہ بڑھ جائیں اور باہم مل جل کر رہنے اور بات چیت کرنے سے اُن میں موافقت اور استحباب پیدا ہو

انسان کو تمدن کی ضرورت

اس کام کے لئے سب سے پہلا رفیق مرد کو عورت اور عورت کو مرد ملا۔ اور پھر اولاد نے اوس سوسائٹی کو بڑھایا رفتہ رفتہ اس میں خدمتگار بھی داخل ہوئے اور یہ الگ گروہ بن گیا۔ لیکن انسان کی ضرورت نے اس پر بس نہ کی۔ اوس کی ضرورتیں مختلف واقع ہوئی تھیں اور وہ اون کو تنہا پورا نہ کر سکتا تھا۔ اوسے ایسے بہت سے آدمیوں کے مجمع کی ضرورت ہوئی جو مختلف طرز سے اس کی معاونت کر سکیں اور چونکہ اور لوگوں کو بھی اس قسم کی ضرورتیں تھیں اور وہ بھی اس شخص کی خدمت کے ایسے ہی محتاج تھے جیسا یہ اون کی خدمت کا حاجت مند تھا۔ اس لئے سب کو باہم ملکر رہنا اچھا معلوم ہونے لگا اور ایک دوسرے کا اجتماع غنیمت سمجھنے لگے اسی سبب سے انسان کا یہ عالم ہے کہ اگر حالت مسافرت میں دوسرا مسافر گاڑی یا ریل یا جہاز میں شریک ہو تو خواہ پہلے کی جان پہچان بھی نہ ہو لیکن مل بیٹھتے ہیں اور کچھ نشین تو باتیں ہی کر کے وقت کاٹتے ہیں۔ انتظام دنیا ایسے تدبیر کے ساتھ میں ہے کہ وہ جس طرح کی ضرورت پیدا کرتا ہے اُس کے دفع کرنے کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ انسان کی ضروریات مختلف واقع ہوئیں تو لوگوں کے طبائع اور میلان بھی مختلف واقع ہوئے اور ہر شخص ایک نئی صنعت کی طرف متوجہ ہوا۔ کوئی سنا ہے۔ کوئی انجار۔ کوئی سنگتراش۔ کوئی معمار۔ کوئی مصور۔ کوئی باغبان۔ کوئی کسان۔ کوئی درزی۔ کوئی منشی وغیرہ چونکہ دن بھر سب کو باہم کام پڑتے رہتے ہیں اس لئے ضرور ہوا کہ سب ملکر رہیں اور اپنے اپنے کام کریں اور جس وقت کسی ایک کو دوسرے شخص کی معاونت کی ضرورت ہو تو فوراً اوس سے مل سکیں۔ ایسی ایسی ضرورتوں کے سبب سے ملکر رہنے کا نام تمدن ہے اور لوگوں کی جماعت کا نام سوسائٹی یا گروہ ہے اور جہاں یہ سب ملکر اس غرض سے رہیں کہ باہم معاونت و استمداد سے زندگی بسر کریں اوس مقام کا نام مدینہ یا شہر یا قریہ۔ یا قصبہ۔ یا گاؤں ہے۔

سوسائٹی کی اس حالت میں سب انسان برابر ہیں۔ وہ آزاد ہیں کہ جو چاہیں پیشہ اختیار کریں۔ انہیں اختیار حاصل ہے کہ جو کچھ وہ اپنی قوت بازو سے پیدا کریں اوسے جس قیمت پر چاہیں فروخت کریں۔ انہیں حق ہے کہ اپنے مال و متاع سے جس قدر

جن میں انسان کی آزادی

آرام و آسائش چاہیں حاصل کریں۔ وہ اگرچہ دوسروں کی خدمت کرتے ہیں لیکن اُس سے بھی اُس کے عوض کوئی کام لیتے ہیں۔ ایک پیشہ ور دوسرے پیشہ ور کو کوئی چیز دیتا ہو تو اس سے بھی اس کے عوض میں روپیہ یا کوئی چیز لے لیتا ہے۔ ایک شخص دوسرے کا خادم ہے لیکن وہ وہی کام کرتا ہے جس کے لئے وہ نوکر رکھا گیا ہے۔ اور مہینہ کے مہینہ اوس کے عوض میں تنخواہ لے لیتا ہے وہ مجبور نہیں ہے کہ اپنے مفوضہ کام سے زیادہ کوئی کام بلا معاوضہ کرے۔ اسے اختیار ہے کہ جب چاہے نوکری چھوڑ دے بغرض ہر ادنیٰ و اعلیٰ شخص سوسائٹی کی اس حالت میں پورا آزاد اور خود مختار رہتا ہے۔ فطرت نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور انسان کو اپنی آزادی کی قدر بھی بہت ہے۔ لیکن جہاں انسان کی فطرت میں ہزاروں خوبیاں ہیں وہاں یہ عیب بھی ہے کہ اسکی طبیعت میں عدالت نہیں۔ وہ دوسروں کا مال غصب کرنا۔ اون کو بے وجہ دہانا۔ اون سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا غرض کسی نہ کسی طرح دوسروں پر جبر کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے یہ ضرورت واقع ہوئی کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ انہائے جنس اوس شر سے محفوظ رہیں تاکہ ہر شخص کے حقوق اوس کی جان اور اوس کا مال محفوظ رہ سکے۔ اور قدرت نے مساوات کا جو درجہ لوگوں میں قائم کیا ہے وہ ہمیشہ قائم رہے کوئی چیز اون کی آزادی میں خلل انداز اور مارج نہ ہو۔ جو شخص آزادی کے قانون کی خلاف ورزی کرے اسکو سزا دی جائے۔ جو لوگ دوسروں کو ضرر اور نقصان پہونچانے کے اور قانون عدالت توڑنے کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں اگر اون کا ضرر نہایت شدید ہو تو سوسائٹی کو اون کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو اُس سوسائٹی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تمدن کی ابتدائی حالت میں تمام سوسائٹی کو یہ اختیار تھا کہ سوسائٹی کے کسی ممبر سے کوئی جرم سرزد ہو تو سب ملکر اس کے واسطے سزا مقرر کرتے تھے۔ جرائم کی نوعیت اور مجرموں کی حیثیت مختلف ہے۔ اس سبب سے ہر جرم کے لئے ایک جدا سزا مقرر کرنی پڑتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ فیصلے جو ہر قسم کے مجرموں کے واسطے کئے جاتے تھے قانون بن گئے اور آئندہ انفصال مقدمات اس قانون کی رو سے ہونے لگا۔ سوسائٹی کے ان اقتدارات کا نام

انسان کی طبیعت کا نقص

جو لوگوں میں قاعدہ عدالت قائم رکھیں اور جو شخص اس قاعدہ سے کسی طرح کا انحراف کرے اس کو سزا دین سیاست کہلاتا ہے۔ اس سوسائٹی کے ہر ممبر کو ہر مقدمہ کی میں شریک ہونے اور آزادی سے رائے دینے کا حق برابر حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح سوسائٹی کی صورت جمہوری سلطنت کی سی ہو جاتی ہے اور ان کو قانون بنانے اور قانون کے خلاف کرنے والوں کو سزا دینے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ہر چھوٹے چھوٹے مقدمہ میں سب لوگوں کا اکٹھا ہونا اور اسے زنی کرنا خالی از دقت نہ تھا دوسرے لوگوں کے کاروبار میں ہرج پڑتا تھا اس واسطے بعض لوگوں کو انفصال مقدمات کے اختیارات اس شرط سے دئے گئے کہ قاضی اپنی رائے سے نہیں بلکہ ان قوانین کی رو سے انفصال کرے جو سب لوگوں کے اتفاق رائے سے بنائے گئے ہیں۔ اس طرح اگرچہ قانون کے بنانے کا اختیار تمام سوسائٹی کو حاصل رہا لیکن قانون پر چلانے کی قوت ایک شخص کے ہاتھ میں آگئی۔ اور اس کا نام قاضی یا منصف رکھا گیا۔ اس سوسائٹی کو ایک اور شدید قاضی ضرورت یہ واقع ہوئی کہ اپنے گروہ میں مفسد اور خطا کار لوگ تو تھے ہی جن کے واسطے قانون اور قاضی مقرر کئے گئے تھے لیکن ایک گروہ اور پیدا ہوا اور اس نے یہ چاہا کہ اس گروہ کا مال و متاع چھین کر ان کو اپنا غلام بنالے۔ اس بیرونی حملہ کا دفع کرنا تمام سوسائٹی پر فرض تھا کیونکہ اگر وہ غارتگر لوگ فتویا ب ہو جاتے تو ان سب کی گردنیں بندھ جاتیں۔ اس لئے انہوں نے متفق ہو کر اس کا مقابلہ کیا اور مار بھگایا یا مصلحت وقت دیکھ کر ان سے صلح کر لی۔ یہ صلح اور جنگ کا اختیار ہے۔ لیکن جنگ میں لوگوں کا نقصان بہت ہوا۔ اول تو دشمن کی قوت کا پہلے سے اندازہ نہ تھا دوسرے جنگ میں بہت سی جانیں تلف ہوئیں اور ان دنوں میں سارے کاروبار بند ہو گئے۔ ضروریات کے حاصل کرنے میں بڑی دقت واقع ہوئی۔ اس لئے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ نوجوان اور من چلے بہادروں کی ایک فوج تیار کی جائے اور وہ سب لوگوں کے جان و مال کے بچانے کی خدمت انجام دیں۔ صلح اور جنگ کرنے کا اختیار اور اس فوج کی عنان حکومت بھی ایک شخص کے سپرد کی گئی۔ تاکہ کوئی وقت آپڑے تو وہ ان سے کام لے اور دوسری

جان بچائے۔ جب فصل خصوصیات اور عنان حکومت فوج ایک ہی شخص کے ہاتھ میں گئی تو اس کے اقتدارات بہت وسیع ہو گئے اور اس کا نام حاکم یا بادشاہ یا خلیفہ رکھا گیا۔ اس کا یہ فرض قرار پایا کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے اور ان میں قانونی عدالت قائم رکھے۔ اور اگر وہ اُس سے انحراف کریں تو سزا دے یا کوئی اُن پر حملہ کرے تو اس کو دفع کرے۔ چونکہ ایسی مشکل خدمات اُس کے سپرد ہوئیں اس کو معاوضہ بھی سب سے زیادہ ملنا ضرور ہوا۔ اتنے بڑے بڑے کاموں میں اور وہ بھی دوسروں کی خاطر مصروف رہ کر وہ اپنے واسطے اکتساب معاش یا ضروریات زندگی ہتیا نہیں کر سکتا تھا اور ضرور تھا کہ جو لوگ اس سے ایسی خدمات لیتے ہیں وہی اس کو معاوضہ میں خراج دیں۔ یہ خراج کچھ عدالت اور کچھ فوج کے اخراجات میں صرف ہوتا تھا اور حسب ضرورت بادشاہ کے صرف میں آتا تھا۔ لوگ اس شخص کی جو اُن کے جان و مال کا محافظ ہو قدر اور عزت کرتے تھے۔ اور اُسے اپنا سردار یا پیشوا یا بادشاہ مانتے تھے۔ اور چونکہ اس کا ہر ایک قول عوام کی بہبودی اور آسائش کے واسطے ہوتا تھا سب اس کا کہا مانتے تھے اور اس کے احکامات کی تعمیل کرتے تھے۔ لیکن اگر وہ غلط حکم دے یا اگر اس کا کوئی فعل قانون عدالت کے خلاف ہو تو ادنیٰ ادنیٰ آدمی فوراً ٹوک دیتے تھے اور بادشاہ کی ایک نہ چلتی تھی۔ اس طرح تمدن نے ترقی کرتے کرتے سلطنت قائم کی۔ لیکن یہ سلطنت جمہوری سلطنت تھی کہ بادشاہ کا انتخاب خود رعایا کرتی تھی۔ اور صرف جنگ کے موقع پر فوج کے کل انتظامات اس کے ہاتھ میں ہوتے تھے باقی امن کے دنوں میں اس کی حیثیت تمام رؤساء شہر کے برابر ہوتی تھی۔ اور باقی سلطنت کا نظم و نسق رعایا یا کونسل کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی بادشاہ کے اختیارات و اقتدارات بعض امور میں دوسروں سے زیادہ ہوتے تھے۔ اور رعایا کو اس کا حکم ماننا اور ادب کرنا فرض تھا۔ جب سلطنت قائم ہوئی تو ایک شخص کو یہ اختیار نہیں دیا کہ کسی دوسرے شخص کو جس نے اس کا مال چُرا یا سے خود سزا دے بلکہ اس کو حاکم وقت سے شکایت کر کے سزا دلوانی چاہئے اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جس دشمن سے وہ

بادشاہ

خراج

سلطنت

لڑنا نہیں چاہتا اس سے نہ لڑے بلکہ یا تو سارے کام چھوڑ کر اس سے لڑنا اور اس کو دفعہ کرنا پڑتا ہے یا روپیہ دینا پڑتا ہے کہ دوسرے اس کے بدلے لڑیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن انسان نے اس اطاعت اور مجبوری کو اپنے حق میں مفید اور باعث راحت خیال کر کے اپنی مرضی اور خوشی سے اختیار کیا ہے۔ خود مختاری اور مطلق العنانی کی حالت میں ہر انسان کے اختیارات بے شک بہت وسیع تھے۔ لیکن وہ اس آزادی کا پورا پورا حظ نہیں حاصل کر سکتا تھا اور اس طرح آزادانہ رہنے میں اس قدر خطرات تھے کہ وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر بادشاہی کا دعویٰ تھا تو اور سب لوگ بھی اسی طرح خود مختار بادشاہ تھے۔ اور جہاں ہر شخص خود سر بادشاہ ہو وہاں کی بد امنی کا کیا پوچھنا ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ کسی کو وہ اختیارات دے جائیں جو دوسروں کو حاصل نہ ہوں اور وہ سب کے امن و آسائش کا برابر لحاظ رکھے اور یہی بادشاہ جو خود سیر کی حالت میں تین دقتیں بڑی سخت تھیں جن کا تدارک سوائے اس کے ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ کسی قسم کی سلطنت قائم کی جائے

خود سری کی حالت
کی دقتیں

اول۔ کوئی ایسا قاعدہ اور قانون نہ تھا جو سب کے نزدیک برابر مسلم اور سب کو معلوم ہو جو جائز و ناجائز کا معیار ہو اور لوگوں کے قضیہ اس قانون سے فیصلہ کئے جائیں بلکہ ایک ہی قضیہ کا تصفیہ ایک وقت کسی طرح کیا گیا اور دوسرے وقت لوگوں کی طرف ذاری یا خاص اقتدارات اور اثر سے اس میں کمی و بیشی ہو گئی۔ علاوہ ازیں انسان بالطبع اپنی بات کی پیروی اور ہٹ کرتا ہے۔ اس لئے جو کام وہ ایک بار کر بیٹھا تھا اس کو جس طرح ممکن ہو صحیح ثابت کرنا اور اس کے خلاف ہر کارروائی سے بچنا چاہتا تھا اور چونکہ کوئی مسلمہ قانون نہ تھا اکثر لوگوں کی ہٹ دھرمی چل جاتی تھی۔

دوم۔ کوئی شخص مسلمہ منصف اور جج نہ تھا۔ جس کو یہ اختیار حاصل ہو کہ مجوزہ قانون کی رو سے انفصال کرے۔ لوگ خود ہی واضح قوانین اور منصف تھے۔ اور چونکہ فطرتاً انسان کو اپنے معاملات میں بہت خود غرضی اور ضد ہوتی ہے وہ اپنے لئے اچھے کاموں کا بہت زیادہ معاوضہ اور بُرائی کی بہت کم سزا مقرر کرتے تھے۔ دوسروں کے

موقعوں پر انتقام لینے کو تیار ہو جاتے لیکن معاوضہ کے وقت اغماض کرتے یا جیسی سرگرمی اپنے مقدمہ کے وقت ظاہر ہوتی تھی دوسرے کے مقدمات کے وقت ظاہر نہ ہوتی تھی۔

سوم۔ اگر کسی مقدمہ کے فیصلہ پر عمل درآمد کرنا مقصود ہو تو کسی شخص میں ایسی طاقت نہ تھی کہ جزا اور سزا کا عمل کر سکے۔ اور کوئی سہارا دینے والا نہ ہوتا تھا۔ جو لوگ قانون عدالت کے خلاف ورزی کرتے تھے اگر زیادہ زور آور ہوئے تو وہ سزا دینے والوں کو خود اُلٹی سزا دیتے تھے اور اس طرح اکثر کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ اس سبب سے جہاں تک جلدی ممکن ہو لوگوں نے نہ صرف گروہ قائم کئے بلکہ ان گروہوں میں سیاست یا سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ تاکہ یہ دقت کہ سب لوگوں کو سزا دینے کا اختیار ہے باقی نہ رہے۔ اور چونکہ اس اختیار میں ہر شخص باوجود مختار ہونیکے تکلیف میں تھا اُن اختیارات سے دست بردار ہونا ناگوار نہ ہوا بلکہ بہت اچھا معلوم ہوا۔

۲۔ جمہوری سلطنت

انسان جب تمدن میں داخل ہوتا ہے تو اگرچہ وہ ہمہ ساری اور آزادی اور وہ اقتدارات جو اس کو پہلے حاصل تھے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن وہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ صرف اسی طرح اس کی آزادی قائم رہ سکتی ہے اور اس کا جان و مال محفوظ رہ سکتا ہے اور جو آرام و آسائش اس کو تمدن اور سلطنت میں رہنے سے حاصل ہے خود مختاری میں اس کا عشرہ عشر بھی نہیں مل سکتا۔ لیکن سلطنت کے اقتدارات اس سے زیادہ بڑھنے نہیں پاتے جو تمام لوگوں کی آسائش اور حفاظت کے لئے ضروری ہوں اور جس شخص کے ہاتھ میں ان اقتدارات کی عنان ہوتی ہے اس کا فرض ہوتا ہے کہ ایسے مجوزہ قوانین کی رو سے حکومت کرے جو سب کو پہلے سے معلوم کرادے گئے ہوں۔ اور ایسے بے تعصب اور دیانت دار جج مقرر کرے جو ان مجوزہ قوانین کے مطابق انفصال مقدمات کریں۔ بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ تمام ملک اور ساری

قوم کو بیرونی حملہ آوروں سے بچائے اور اس کام میں اس کا مطلب کوئی خود غرضی نہ ہو بلکہ رعایا کا امن حفاظت اور بہبودی مقصود ہو۔

اس جمہوری سلطنت کو جو امن عامہ قائم رکھنے کے لئے قائم کی جاتی ہے تین قسم کے اختیارات ہوتے ہیں ایک تو قانون بنانا۔ دوسرے اس قانون کے بموجب حکمرانی کرنا اور لوگوں میں نصفت و عدالت قائم رکھنا۔ تیسرے باہر کے حملہ آوروں کے حملہ سے اپنی جمعیت کو بچانا اور ان سے جنگ اور صلح کے عمدہ و پیمان کرنا۔

سلطنت کے کام

سوسائٹی میں انتظام و عدالت قائم رکھنے کے لئے سب سے مقدم کام قانون بنانا ہے۔ قانون کے متعلق رائے دینے کا حق ہر شخص کو جو اس سوسائٹی کا ممبر ہو حاصل ہے۔ لیکن ہر شخص میں اتنی قابلیت اور ہر شخص کو اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ ہر امر میں مشورہ دے سکے۔ اور خواہ کیسا ہی سہل کام کیوں نہ ہو جب تمام رعایا سے اُس میں استفسار کیا جائے تو اس کا پورا کرنا بھی نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے رعایا اپنے گروہ میں سے ایسے سربر آوردہ ممبر جو اپنے ملک اپنی قوم اور اپنی کل سوسائٹی کے بہی خواہ ہوں اور عقل و دانش علم و لیاقت میں دوسروں سے ممتاز و متمیز ہوں انتخاب کر لیتی ہے اور تمام اشخاص اس بات پر رضا مند ہو جاتے ہیں کہ یہ ہمارے انتخاب کئے ہوئے ممبر جو قانون بنائیں اس کو ہم سب تسلیم کریں گے۔ یہ مجلس و اضع قوانین یا لیجسلیٹو کونسل ہے۔ قانون بنانے کا حق خواہ ایک جماعت (کونسل) کو حاصل ہو یا ایک شخص (بادشاہ) کو بہت بڑا اختیار ہے کہ دوسرے لوگوں کو واضح قوانین کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنی بہنزلہ فرض ہو جاتی ہے اور اسکے علاوہ اور لوگ خواہ کیسے ہی احکامات جاری کریں اور ممکن ہے کہ ان کے احکامات کے پلہ پر پلہ بڑے بڑے طاقتور امرا اور روسا رکھی ہوں لیکن وہ اس وقت تک قانون نہیں بن سکتے جب تک کہ وہ واضح قوانین یعنی (کونسل یا بادشاہ) اُسے پاس نہ کرے تمام سوسائٹی میں یہ یقین ہی ایسا ذمی رتبہ شخص ہے کہ وہ لوگ بھی جنہوں نے اسے قانون بنانے کی اجازت دی اس کے آگے سرطاعت خم کرتے اور اس کا کہنا مانتے ہیں

وضع قانون

اگر دوسرے بادشاہ بھی یہ چاہیں کہ کوئی شخص اپنے ملک کے قانون کی اطاعت نہ کرے یا کوئی بڑی سے بڑی طاقت کسی شخص سے یہ عہد و پیمان چاہے کہ وہ اپنے ملک کے قانون کو تسلیم نہ کریگا۔ تو ناممکن ہے۔ یہ ایک مضحکہ انگیز بات ہے کہ انسان رہے کسی سوسائٹی میں اور اطاعت کرے کسی غیر سوسائٹی کے قانون کی۔ اگر کسی سوسائٹی میں رہنا ہے تو یا اس کے قوانین کی تعمیل کرنی پڑیگی یا اُس سوسائٹی اور سلطنت سے کنارہ کش ہونا پڑیگا۔ لیکن دریا میں رہنا اور مگر مجھ سے بیرنمکن نہیں۔

یہ مسئلہ امر ہے کہ مقنن کے اختیارات سب سے زیادہ بالا اور سب سے زیادہ قوی ہیں اور جن ہاتھوں میں قانون کا نفاذ کرنا سپرد کیا جاتا ہے وہ عوام کی نسبت بہتر۔ پاک اور قابل ادب ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واضع قوانین ایسا خود مختار ہے کہ اس کے اقتدار کی حد نہ ہو۔ بلکہ اوس کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اور اس کو ہر حکم اور ہر قانون کے نفاذ کرتے وقت یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ آیا وہ عام رعایا کی بہبودی اور ان کی خوش حالی اور ان کی ترقی میں مدد ہے یا نہیں اور وہ اُن کی آزادی اُن کے استحقاق اُن کے آرام و آسائش میں خلل انداز نہ ہوگا۔

چار باتیں ہیں جن کا مقنن کو خیال رکھنا چاہئے :-

قانون کا منشا

درستی حالت

اول۔ قانون کے نفاذ کا منشا سوا اس کے اور کچھ نہ ہو کہ لوگوں کی حالت سنورے۔ مقنن کو یہ اجازت نہیں ہے کہ لوگوں کی جان و مال پر ہاتھ ڈالے۔ اور ان پر ناجائز جبر و تعدی اور سختی کرے۔ قانون بنانے کی ضرورت یہ ہے کہ قدرت کا قانون ظاہر اور آشکارا ہو اور جو قدرت کے قانون کا منشا ہے پورا ہو۔ قدرت کا قانون کہیں لکھا ہوا نہیں ہے لیکن دلوں پر نقش ہے۔ جو لوگ قانون قدرت کے رمز شناس ہیں وہ جانتے ہیں کہ قادر مطلق اور خلاق عالم کی مرضی یہ ہے کہ لوگ امن اور حفاظت سے رہیں نہ یہ کہ برباد رسوا اور خراب ہوں۔ پس انسان کا کوئی قانون جو اس قانون قدرت کے خلاف ہو قابل پسند نہیں ہو سکتا اور کسی انسان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کو برباد کرے۔ انہیں غلام بنائے۔ اُن کا مال و متاع چھین کر

مفسل اور محتاج کر دے۔ جمہوری سلطنت میں رعایا نے مقنن کو اپنی مرضی سے یہ اختیار دے دینا کہ وہ جو حکم سب کی بہبودی کی مصلحت کے لحاظ سے جاری کرے اس کی سب اطاعت کرینگے کسی شخص سے ممکن نہیں کہ جو اختیار اسے خود حاصل نہیں ہے وہ دوسرے شخص کو دے سکے۔ واضح قوانین کو خود رعایا نے انتخاب اور پسند کیا ہے۔ لیکن رعایا میں سے فرداً فرداً یا اجتماعاً کسی کو اختیار نہیں ہے کہ وہ دوسرے کا مال چھین لے یا اس کی جان لے یا اسے اپنا غلام بنائے۔ ان لوگوں کو صرف اسی قدر اختیار حاصل ہے کہ اپنے جان و مال کی حفاظت کریں۔ لیکن نہ یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے تئیں دوسروں کی مرضی کے حوالہ کر دیں نہ یہ اختیار ہے کہ دوسرے کو اپنی خود مختار مرضی کا تابع بنالیں۔ اور جب خود اوں کو یہ اختیار نہیں ہے تو وہ مقنن کو جسے انہوں نے خود اختیارات دے دیے ہیں کیونکر یہ اختیار دے سکتے ہیں کہ وہ لوگوں کے جان و مال کو اپنی خود مختار مرضی کا نشانہ بنائے۔ اور اگر ایسا ہے تو سلطنت خواہ کیسی بھی عظیم الشان ہو لیکن تمدن کی قدرتی اور فطرتی غرض اس سے پوری نہیں ہوتی۔

عدالت

دوہم۔ جو قانون بنائے جائیں وہ سب کے لئے یکساں ہوں نہ امیر کی رعیت نہ غریب پر جبر اور یہ قانون پہلے سے مشترکے جائیں تاکہ لوگوں کو معلوم رہیں یہ کوئی انصاف نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر مقدمہ کے لئے جو دل میں آیا حکم دیدیا اور وہ اس مقدمہ کے لئے قانون بن گیا۔ یا جس شخص کو چاہا اس وقت مقدمہ کے فیصلہ کے لئے مقرر کر دیا۔ بلکہ ایسا قانون جو جلدی جلدی تبدیل نہ ہوتا ہو پہلے سے سب کو معلوم ہو اور انفضال مقدمات کے لئے پہلے سے ایسے جج مقرر کئے جائیں جن کو خاص خاص اختیارات دے گئے ہوں لوگ سوسائٹی میں اس واسطے داخل ہوتے تھے کہ دوسروں کی مصرت سے محفوظ رہیں اور ان کی آزادی کو زیادہ تقویت ہوگی۔ اگر کسی انسان کو پہلے سے یہ معلوم ہو کہ جس جماعت میں داخل ہوتا ہوں وہاں کی جماعت یا کسی شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی خاص مقدمہ میں میرے ساتھ کچھ فیصلہ کرے گا اور دوسرے شخص کے ساتھ کچھ اور

فیصلہ کر گیا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ فیصلہ کیا ہوگا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ مقدمات کا انفصال کس شخص کے ہاتھ میں سپرد کیا جائیگا تو وہ کبھی ایسی سوسائٹی میں داخل ہونا پسند نہیں کر گیا کیونکہ تمدن میں داخل ہونے سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے وہ یہاں مفقود ہے۔ نیچرل یا غیر تمدنی حالت میں اُسے قدرتا یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنی حفاظت کر سکے لیکن ایسی سوسائٹی میں داخل ہو کر اُس کا یہ اختیار تو مفقود ہو جاتا ہے اور دوسرے کسی شخص یا کئی شخصوں کو اُس پر حاکمانہ اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ایسے تمدن میں داخل ہونا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے ہتھیار کھول کر مخالف کے ہاتھ میں دیدے اور خود نہ ہتا ہو جائے۔

سلطنت کے لئے ضرور ہے کہ وہ ایسے قوانین کی رو سے حکومت کرے جو پہلے سے مقرر کئے گئے ہوں۔ تاکہ ہر شخص کو پہلے سے یہ معلوم ہو کہ اس فعل کی یہ سزا یا جزا ہے۔ اور خود جج بھی اپنے حدود اختیارات میں رہیں اور ایسا نہ ہو کہ ججوں کا تلون مزاج کبھی تو مروت یا لالچ یا رحم دلی یا فیاضی کے سبب کسی کو ناجائز فائدہ پہونچائے یا کوئی رعایت کرے۔ اور کسی کو اپنے دلی عناد یا غصہ یا کسی اشتعال طبع کے باعث ناجائز نقصان پہونچائے۔ یا حد سے زیادہ سزا دے۔

حفاظت مال

سوم۔ مقنن یا بادشاہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی شخص سے کوئی چیز اُس کے خلاف مرضی لے لے۔ لوگ سوسائٹی میں مال کی حفاظت اور اس سے جائز متاع حاصل کرنے کے لئے داخل ہوئے ہیں اور جب خود بادشاہ ہی لوگوں کے مال چھینے اور ضبط کرنے لگے یا سوسائٹی میں کسی شخص کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ دوسروں کا مال چھین لے تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ دوسروں کے پاس کوئی مال نہیں ہے۔ بلکہ جس چیز کا نام ہے وہ یہی ہے کہ ایک شخص کو اپنی کسی چیز پر مالکانہ اختیار ہو وہ اُسے جس طرح چاہے خرچ کرے اور دوسرا شخص بغیر اس کی مرضی کے نہ لے سکے لیکن اگر کسی دوسرے شخص کو اُس میں بغیر اجازت لینے کا حق ہے تو وہ اُس مال کو ”میرا“ نہیں کہہ سکتا۔ اس طرح ملکیت جو نظام تمدن کی اصل ہے مفقود ہو جاتی ہے۔

بعض ایسے مواقع ہیں کہ حکمران کو ماتحت کی جان پر اختیار حاصل ہو سکتا ہے لیکن مال پروان بھی نہیں ہے۔ ایک سپہ سالار بلکہ ایک سارجنٹ ایک سپاہی کو میدان جنگ میں حکم دے سکتا ہے کہ توپ اور تلوار کے مقابلہ میں کھڑے رہو۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کی تعمیل سے سپاہی کی جان نہیں بچ سکتی۔ لیکن سپاہی کا فرض ہے اور اصول تمدن کے لحاظ سے لازم ہے کہ اس حکم کی اطاعت کرے چاہے جان جائے یا رہے۔ لیکن اس سپہ سالار یا سارجنٹ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سپاہی کے مال میں سے ایک پیسہ لے سکے۔ آئین فوج کے لحاظ سے تمام سوسائٹی کی حفاظت اور بہبودی اس میں ہے کہ فوج کے سپاہی اپنے افسر کے احکامات کی اسی طرح اطاعت کریں اور جان دیں۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ مال میں سے ایک جہہ دیں۔ یہ سچ ہے کہ سلطنت کے اخراجات کے لئے روپیہ جمع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنی آمدنی کے لحاظ سے ٹیکس دے لیکن یہ ٹیکس بھی رعایا کی مرضی سے لگایا جاتا ہے اور مقررہ مقدار سے زیادہ وصول نہیں کیا جاسکتا۔

واعمال میں
اپنا اختیار منتقل
نہیں کر سکتے

چهارم۔ واضح قوانین کو یہ اختیار نہیں ہے اور نہ اس کو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مرضی سے قانون بنانے کے اختیارات دوسرے شخص کو دیدے۔ کیونکہ مقنن کو قانون بنانے کا اختیار لوگوں سے حاصل ہوا ہے اور لوگوں نے اسکو قانون بنانے کا اختیار دیا ہے مقنن بنانے کا اختیار نہیں دیا۔ واضح قوانین کے انتخاب کے وقت لوگ اس امر پر متفق ہوئے تھے کہ جو قانون یہ مجلس یا شخص بنائے اس کی ہم اطاعت کریں گے پس اس مجلس یا اس شخص کے سوا دوسرے کو اختیار دینا لوگوں کی مرضی کے خلاف ہے اور یہ ناجائز ہے۔

قانون بنانا اور قانون کے بموجب حکمرانی کرنا دو مختلف کام ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قانون کا نافذ کرنا اور اس پر عمل کرنا ایک ہی شخص یا ایک ہی جماعت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور کبھی مختلف لوگوں کو یہ کام سپرد ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کے لحاظ سے یہی مناسب ہے کہ مختلف آدمیوں کو یہ کام سپرد کئے جائیں۔ کیونکہ خود واضعان

مقنن اور حاکم
مختلف اشخاص
ہونے چاہئیں

قوانین پر بھی یہ فرض ہے کہ جو قانون وہ بنائیں اُس کے بموجب خود بھی عمل کریں۔ اگر دونوں اختیارات ایک ہی شخص یا جماعت کے ہاتھ میں ہونگے تو ضرور وہ جماعت یا شخص اپنے تئیں اُس قانون کے اثر سے بچالے اور استثنیٰ کرنے کی کوشش کریگا اور رفتہ رفتہ اس کا رتبہ عوام سے ایسا بلند ہو جائیگا کہ کسی کا ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکے گا۔ لوگ ہر طرح اپنے اغراض کو خواہ جائز ہوں یا ناجائز پورا کرنا چاہتے ہیں اس لئے مقنن یا حکمران ہونے کی حالت میں ان کو یہ موقع باسانی حاصل ہے کہ اپنی خواہشوں کو پورا کریں چاہے دوسروں کا نقصان ہو یا نفع اس لئے ضرور ہے کہ مختلف لوگ واضح قوانین مقرر کئے جائیں اور جب وہ قانون بنا چکیں تو ان پر بھی قانون کا ایسا ہی عمل ہو جیسا دوسروں پر۔ دوسرے یہ کہ جو قوانین ایک بار بن جاتے ہیں وہ ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ ہمیشہ قانون بنانے کی ضرورت نہیں لیکن یہ نگرانی رکھنی ضرور ہے کہ قانون مروجہ پر ہر شخص عمل درآمد کرے اس لئے ہمیشہ ایک ایسے حکمران کی بہت ضرورت رہتی ہے کہ گو وہ واضح قوانین نہ ہو لیکن ان قوانین پر عمل کرائے۔ اس طرح مجلس واضح قوانین اور حکمران علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

حکمران کے بعض
اختیارات

انسان ایک سوسائٹی میں داخل ہو کر اپنے جان و مال کی حفاظت اور آزادی قائم رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس سوسائٹی کے علاوہ دوسری سوسائٹی میں شریک ہیں وہ بعض اوقات اس کل سوسائٹی کو یا اس کے کسی ممبر کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اس وقت اس کل سوسائٹی کا یہ فرض ہوتا ہے کہ سب کے سب حملہ آوروں کو روکنے یا اون سے بدلہ لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ یہ جنگ و صلح کرنی یا عہد و پیمان کرنے کا اختیار ہے اس طرح حکمران کے ذمہ حفاظت کے متعلق دو مختلف کام ہوتے ہیں۔ ایک اپنی سوسائٹی کے مختلف لوگوں میں عدالت قائم رکھنا۔ دوسرے ان کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانا اور یہ نہایت ضروری اور بہت مشکل کام ہے۔ اور اس انتظام کے حسن و قبح پر قوم کی قوت۔ وقعت۔

آزادی اور آسائش کا انحصار ہے۔ اس لئے یہ اختیار ایسے دورانِ دلش۔ مگر یہی خواہ
ملک لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے جو سلطنت کے فائدہ کے لئے اسے کام میں
لانے کی پوری لیاقت رکھتے ہوں۔ صرف صلح اور جنگ ہی پر کیا منحصر ہے جس شخص
کے ہاتھ میں عثمان حکومت ہو اسے خاص خاص ایسے اقتدار حاصل ہوئے
ضرور ہیں جو مروجہ قانون سے برتر ہوں۔ کیونکہ مقنن کا تجربہ خواہ کیسا ہی وسیع
اور اس کی نظر خواہ کتنی ہی دور بین کیوں نہ ہو۔ ایسے واقعات ضرور پیش آتے رہتے
ہیں جن کی نسبت قانون میں کوئی خاص ہدایت نہیں ہوتی اور ایسے موقع پر اگر
حکمران کو اپنی رائے پر کام کرنے کا اختیار نہ دیا جائے تو انتظام ریاست اور ریاست
میں فرق آتا ہے۔ اگر اس وقت اس خاص کام کے واسطے قانون بنانے کے لئے
مجلس واضع قوانین کا انعقاد کیا جائے تو فضول طوالت اور بیکار تضييع اوقات
ہوگی۔ بعض ضرورتیں ایسی بھی پیش آتی ہیں کہ وہاں مروجہ قانون پر عمل کرنے سے
ہرج اور نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور قانون کے خلاف کرنا امن عامہ یا آسائش
یا کسی مصلحت سے مناسب ہوتا ہے۔ ایسے موقع کے لئے حکمران کو اختیار حاصل
ہونا چاہئے کہ وہ مناسب وقت اور صوابدید کے لحاظ سے قانون پر عمل نہ کرے اور
اپنی رائے کی مصلحت پر عمل کرے۔ فرض کرو کہ شہر کے کسی حصہ میں آگ لگ رہی ہے
اور اس کے بجھانے کے لئے ضرورت یہ ہے کہ ایک شخص کی دیوار ڈھا دی جائے
قانون اجازت نہیں دیتا کہ ایک بے گناہ کے مکان کی دیوار ڈھائی جائے لیکن
چونکہ مصلحت کا اقتضا یہی ہے اس لئے حکمران کو اجازت ہونی لازم ہے کہ وہ
قانون کے خلاف کرے۔ گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ عامہ خلافت کی بہبودی اور
خوشی کا خیال رکھے اس لئے اگر کسی بے گناہ کو آزار نہیں پہنچتا تو کسی مجرم کو
بخش دینا بھی گورنمنٹ کے اغراض کے خلاف نہیں ہے۔ حکمران کو ایسے ذاتی
اختیارات دینے نہ صرف ضروری ہیں بلکہ مفید بھی ہیں کیونکہ بعض ممالک میں مجلس
واضع قوانین ہر وقت قائم نہیں ہوتی یا کوئی قانون کسی خاص واقعہ یا واقعہ کی

کسی خاص صورت کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ یا مجلس واضع قوانین کسی خاص حالت کی پیش بینی نہیں کر سکتی یا قانون پر بعض وقت زیادہ سختی سے عمل کرنا زیادہ مضر اور خلاف مصلحت ہوتا ہے۔ غرض ایسی ایسی صورتوں کے لئے حکمران کو اختیار ہے کہ اپنی رائے اور عقل صواب اندیش پر چلے اور جس طرح مناسب ہو عمل کرے۔ اگر حکمران ان اختیارات کو عوام کے فائدہ اور حفاظت کے لئے عمل میں لائے تو لوگوں کو گران نہیں گزرتا بلکہ نہایت خوشی سے احکام کی اطاعت کرتے ہیں عام لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ حکمران کے احکامات پر نکتہ چینی نہیں کیا کرتے۔ لیکن اسی وقت تک خاموش رہتے ہیں کہ یہ یقین ہو کہ حکمران جو کچھ کرتا ہے سوچ سمجھ کر کرتا ہے اور جو سوچتا ہے ہمارے بھلے ہی کی سوچتا ہے۔ لیکن اگر حکمران اپنی حد سے باہر قدم رکھنے لگے اور لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ اس سے ہمارا نقصان ہوگا تو پھر شکایت کے دفتر کھل جاتے ہیں۔ اور اعتراضوں کی بوجھاڑ پڑنے لگتی ہے۔ اس سوال کا فیصلہ کیا حکمران کا کوئی فعل جائز ہے یا ناجائز نتیجہ پر منحصر ہے۔ اگر نتیجہ عوام کے حق میں اچھا ہے تو جائز ہے اور اگر نتیجہ خراب ہے تو ناجائز۔ غرض سلطنت جمہوری ایسی سلطنت ہے کہ نیچرل حالت میں جو اختیارات اور اقتدارات لوگوں کو فرد افراد حاصل تھے وہ انہوں نے سوسائٹی کو دئے۔ اور سوسائٹی نے اس اعتماد اور یقین پر گورنر (حکمران) کو دیدئے کہ یہ اپنے اختیارات کو ہماری حفاظت اور آسائش کی غرض سے کام میں لائیں گے۔ ان کو فطرتی حالت میں جو اختیار حاصل تھا اور جس کو وہ ایسی حالت میں کہ سوسائٹی اوس کی حفاظت و معاونت کر سکے سوسائٹی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ صرف اسی قدر ہے کہ وہ اپنے مال کو بچائے اور اگر کوئی شخص قانون فطرت کے خلاف ورزی کرے اور اوس کو آزار دینا چاہتا ہے تو اُسے سزا دے۔ سوسائٹی میں رہ کر یہ قاعدہ سوسائٹی کی عام بیہودگی اور حفاظت کا باعث بھی ہوتا ہے۔ پس جب یہ اختیار ایک حکمران کے ہاتھ میں دیا جائے تو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ایسی تدابیر عمل میں لانے کا مختار ہو کہ خلقت

امر: ہمارے قائم رکھنا
سلطنت کی
علت غائی ہو

کی عام آسائش اور حفاظت اور آزادی قائم رہے۔ لیکن اس سے لوگوں کی جان و مال پر خود مختارانہ اختیار حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ان کی حفاظت ہے نہ کہ اون کی بربادی۔ اگر کوئی شخص قانون کے خلاف کرے تو اس کو سزا دے یا اگر کسی شخص کا وجود عامہ خلافت کے حق میں نہایت ضرر رسان ہو تو سب کی رحمت اور امن کے لئے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دے اور کسی حکمران کو یہ اختیار لوگوں کی رضا مندی اون کے انتخاب اور اون کی کثرت رائے سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ حالت جنگ

(یعنی غیروں کے حملہ کی مدافعت اور اپنی محافظت)

سلطنت کے دو اہم فرائض ہیں ایک اپنی رعایا کے امن اور بہبود کی تدبیر اختیار کرنا اور امور نافعہ پر کاربند ہونا۔ دوم ان کو غیروں کے حملہ سے بچانا تاکہ انکی آسائش اور راحت میں خلل نہ پڑے۔ انسان مختلف خاصیتوں اور مختلف جذبات کا پتلا ہے کبھی مختلف آدمیوں سے مختلف طرح کے افعال سرزد ہوتے ہیں جو کہا جاسکتا ہے کہ اون کی عادت یا طبیعت ہیں اور کبھی ایک ہی شخص سے ایسے مختلف افعال سرزد ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ اس کی فطرت میں مختلف جذبات کیونکر جمع ہو گئے مثلاً ایک شخص نہایت بے درو اور ظالم و سفاک ہے اور اس کی یہ عادت اپنے رشتہ داروں دوستوں ہم وطنوں غیروں سب کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرا شخص جو اسی طرح کا ایک آدمی ہے نہایت متواضع رحمدل اور منکسر مزاج شخص ہے کہ اپنے پرانے سب کے ساتھ ملاطفت اور ملامت سے پیش آتا ہے۔ اسی طرح سب کا رنگ جدا جدا دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے طبائع مختلف ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایک ایک ہی شخص سے مختلف طرح کے افعال مختلف اوقات میں سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنے بچوں اور گھر والوں کو بہت چاہتا ہے اور اچھی طرح سے رکھتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں ہمدردی انسانی کا مادہ ہے۔ لیکن غیروں کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا

انسان مختلف
عادات اور خواہش
کا ظہور

خراب ہے کہ ہر ایک اوس کے ہاتھ سے نالان ہے۔ ہمسائے تنگ ہیں۔ اہل محالہ
 شاکی ہیں۔ اہل شہر ناراض ہیں۔ ماتحتوں کا ناک میں دم ہے۔ اسی طرح ایک گرو
 ہے کہ اگرچہ اُن میں تہن کے تمام اصول پائے جاتے ہیں اور باہم اُن میں عدالت
 بھی قائم ہے۔ لیکن دوسرے اہل ملک یا دوسری سوسائٹی کے لئے وہ فراق
 رہزن۔ ٹھیرے بجاتے ہیں بلکہ علانیہ حملہ کر کے جان و مال پر قبضہ و تصرف کر لیتے
 ہیں۔ یہی کیفیت بادشاہوں کی بھی ہے کہ اکثر اچھے اچھے بادشاہ جو اپنی رعایا کی
 آسائش کے لئے جان و مال قربان کرنے کو مستعد ہو جائیں اور رات دن ملک
 کے انتظام کے لئے کوشش و سعی میں گزار دیں۔ جب ملک گیرمی پر کھڑے ہوئے
 ہیں تو لا کھون کے خون پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ سرسبز ممالک اور آباد شہروں کو
 برباد اور ویران کر کے چھوڑتے ہیں۔ اس جنگ و جدل کے کئی سبب ہوتے ہیں۔
 مثلاً (۱) دوسروں کا مال و ملک حاصل کرنے کی طمع۔ (۲) کسی غصہ یا کینہ یا عداوت کا
 اثر اور اس سبب سے دوسروں کو ضرر پہنچانا۔ (۳) حکمرانی کی خواہش۔

جنگ جب اسی طرح ایک شخص یا ایک فرقہ کسی شخص یا کسی فرقہ کی جان ہلاک کرنے اور
 مال چھین لینے کی غرض سے دوسرے شخص یا فرقہ پر حملہ کرے یا اس کو برباد کر دے
 ارادہ یا کوئی تجویز کرے تو دوسرے شخص یا فرقہ کو بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے
 کہ اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے دوسرے شخص کے حملہ کو روکے اور
 بجائے اس کے کہ خود برباد ہو دشمن کے برباد کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا
 نام جنگ ہے۔ اگر شیر یا بھیڑ یا کسی انسان پر حملہ کرے تو انسان شیر کو
 مارنے کی فکر کرتا ہے اور بس چلتا ہے تو مار بھی ڈالتا ہے۔ جو لوگ بے گناہوں کو
 اپنے پنجہ بستم کا شکار بناتے ہیں اور اُن کا جان و مال برباد کرنا چاہتے ہیں وہ انسان
 درندے جانوروں سے بدتر ہیں اس لئے اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے
 اون کے حملہ کو روکنا اور مار بھگنا بھی قدرتا جائز اور روا ہے۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی انسان کو اپنے قبضہ میں اس طرح کرے کہ اس کے

دشمنی

جان و مال پر قدرت حاصل ہو جائے وہ گویا اس انسان سے جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔ انسان بالطبع آزاد پیدا ہوا ہے اور اس کی آزادی کو چھیننا اس کو غلام بنانا ہے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جان و مال کی ایسی حفاظت کرے کہ دوسرا اس پر مالکانہ قبضہ نہ کر سکے اور جو کوئی اس پر مالکانہ قبضہ کرنا چاہے اسے اپنا دشمن سمجھے۔ اسی طرح جو قوم دوسری قوم کی آزادی چھین کر اس کو غلام بنانے کے لئے حملہ کرے اور لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالے وہ دشمن ہے جس کا یہ ارادہ ہے کہ کل چیزیں اور دنیا کی نعمتیں چھین کر دوسروں کو غلام بنائے اور خود گلچھرے اڑائے۔ ایسے دشمن کی مدافعت کے لئے اُس سے لڑنا اور اپنی حفاظت کرنا جنگ کہلاتا ہے۔ حالت جنگ میں یہ جائز ہے کہ دشمن سے نقصان اٹھانے سے پہلے اس پر حملہ کرے یا اسے مارے کیونکہ جب اُس نے کسی قوم کی جان و مال پر قبضہ کر لیا اور ان کو محکوم بنا لیا تو پھر اس کا دفعہ کرنا ناممکن ہے۔ چو کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ چوری کر کے کسی کا مال لیجائے لیکن چور اپنے سے پہلے اُسے مارنا جائز ہے اگرچہ اُس نے ذرہ سا بھی نقصان نہ پہنچایا ہو۔ جو شخص یا جو فرقہ کسی شخص یا کسی فرقہ پر خود مختارانہ قبضہ کرنا اور اسے اپنا محکوم بنانا چاہے تو خواہ اس کا ارادہ کچھ بھی کیوں نہ ہو وہ دشمن ہے اور اپنی محافظت کے لئے اس سے جنگ جائز ہے۔ کیونکہ جو شخص دوسرے کی آزادی لے لے وہ جب دل چاہے اور جو کچھ چاہے لے سکتا ہے اس لئے اس کی مضرت سے بچنا اور اُسے مار ڈالنا اس لئے جائز ہے کہ خود اُس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا اور دوسروں پر حملہ کیا ہے۔

صلح کل۔ امن جوئی۔ معاونت و ہمدردی۔ حفاظت۔ تمدن کے معاون
ہیں۔ لیکن دشمنی۔ حسد۔ زبردستی۔ ظلم۔ خانہ جنگی۔ تمدن میں رخنہ ڈالنے والے
اور اجزاء عالم کے پریشان کرنے والے ہیں۔ قانون عدالت خرابی کی رخنہ بندی اور
مظلوم و مستحقین کی حفاظت کرتا ہے لیکن جہاں ایسا ہو کہ قانون اور عدالت سے

حق۔ عدالت
خود خدائی

اپیل کرنے کا موقع نہ رہے وہاں ہر شخص کو حق حفاظت خود اختیاری حاصل ہے کہ اپنے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اور اگر ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر حملہ کرے اور کوئی عدالت یا کوئی جج اُن دونوں میں تصفیہ کرنے والا نہ ہو تو بھی یہی حق حفاظت خود اختیاری جنگ و جدال کی اجازت دیتا ہے مثلاً ایک شخص ہے جس پر مجھ کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ میں اُسے ستاؤں یا ماروں لیکن اگر وہ رات کو میرے ہاں چوری کرنے آئے اور میں جانتا ہوں کہ یہ مجھے مار ڈالیگا اور راتوں رات بھاگ جائیگا تو مجھے حق حاصل ہے کہ میں چور کو مار ڈالوں کیونکہ اگر میری جان گئی تو وہ پھر ملنے والی نہیں نہ کوئی اس کا معاوضہ دے سکتا ہے پس جس قانون نے میری حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس نے مجھے یہ حق بھی دیا ہے کہ جہاں قانون سے اپیل نہ کیا جاسکے وہاں حق حفاظت خود اختیاری کام میں لایا جائے۔ یہ حالت جب افراد انسانی میں ہو تو جدال کہلاتی ہے۔ اور جب اقوام یا بادشاہوں میں ہو تو جنگ ہے۔ لیکن جب جنگ و جدال ہو چکا تو موسائٹی کے ہر فرد پر اس مروجہ قانون کی اطاعت پھر لازم ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت درعدالت کھل جاتا ہے اور گزشتہ بے اعتدالیوں کی تلافی یا انداد ہو سکتا ہے۔ لیکن جب تک قانون میں اس تلافی یا انداد کی قوت نہ ہو حالت جنگ و جدال قائم رہتی ہے یہاں تک کہ حملہ آور کو امن کی درخواست کرنی پڑے اور آئندہ بے گناہوں کے ستانے سے باز آنے کا اقرار کرے یا مخالفین میں سے ایک بالکل تباہ و برباد ہو جائے اور قضیہ مٹ جائے۔ غرض دونوں فریقوں میں سے جس کسی کو فتح حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے کے ملک اور ملک پر قبضہ کر لیتا ہے۔ زمانہ کارواج اس قدر خراب ہو گیا ہے اور دلوں میں سے قانون قدرت کا علم اتنا محو ہو گیا ہے کہ اب جنگ و فتح قبضہ و اقتدار کی دلیل بلکہ استحقاق سمجھی جانے لگی ہے۔ انسان کی تاریخ میں ہزاروں برس سے جنگ و فتح کی کہانیاں چلی آتی ہیں اور جس فریق کو فتح حاصل ہو خواہ وہ حق پر ہو

یانا حق پر تمام ملک اس کا ہو جاتا ہے۔

ناجائز فتح

کسی ملک پر لڑ جھگڑ کر فتح حاصل کرنا اصول تمدن میں داخل نہیں ہے۔ مکان کا بنانا اور رہے اور اس کا ڈھانپنا کچھ اور ہے۔ جو قومیں اپنے زور کے برتنے پر دوسروں کے تمدن میں خلل انداز ہوتی ہیں وہ تمدن کی اعانت نہیں بلکہ اس کی برباد کرنے والی ہیں اور ان کو قدرت کے اصول کے لحاظ سے مفتوحین کے جان و مال پر کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ڈاکو زن کسی بھلے مانس کے گھر میں گھس کر اس کی مشکین باندھ لے اور جبراً اس سے یہ کاغذ لکھو الے کہ جو کچھ اس گھر میں ہے وہ اس ڈاکو کا مال ہے تو کیا فی الحقیقت ڈاکو کو اس گھر کے مال و اسباب پر مالکانہ قبضہ حاصل ہو جائیگا اور عدالت ایسے ڈاکو کو سزا سے بری کر کے اس مال و اسباب کا مالک تسلیم کر لیگی۔ ہرگز نہیں۔ پھر ایک بادشاہ جو بیٹھے بٹھائے دوسرے کے ملک پر حملہ کر کے بزور شمشیر فتح پاتا ہے یا اس کو مجبور کر کے من مانے معاہدے لکھواتا ہے کیونکر اس ملک کا مالک یا اس معاہدے سے فائدہ اٹھانے کا مستحق تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بات صرف اتنی ہے کہ دنیا میں ڈاکو کے لئے عدالت کھلی ہوئی ہے جو غریب مالک مکان کا مال دلواتی اور ڈاکو کو سزا دیتی ہے۔ لیکن حملہ آور بادشاہ کے لئے جو سب سے بڑا اقزاق ہے دنیا میں کوئی ایسی عدالت نہیں ہے جو اس کا انصاف کرے۔ یہ بادشاہ اپنے چھوٹے اور کمزور آدمیوں کو جو دوسروں کے مال میں دست اندازی کریں یا امن عامہ میں خلل ڈالیں سخت سزا سنائیں دیتے ہیں لیکن خود دوسروں کے ملک پر حملہ کر کے طرفین کے لاکھوں انسانوں کی جانیں گنوا دیتے ہیں۔ اور ملک کی سرسبزی۔ خوش حالی۔ امن۔ آزادی پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ لیکن قدرت کے قانون کے بموجب ان ناجائز فتح پالنے والوں کو مفتوحین سے اطاعت اور فرمان برداری کروانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

مستحقین کی فتح

فتح کے لئے ضرور نہیں کہ ہمیشہ حملہ آوروں اور ظالموں ہی کا ساتھ دے بلکہ اکثر وہ مظلومین بھی جو اپنے ملک کو غارت گروں سے بچانے کے لئے لڑتے ہیں

فتحیاب ہوتے ہیں اور خود حملہ آوروں پر ان کو وہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے جو حملہ آور حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب مستحقین کو فتح حاصل ہو تو یہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔
۱۔ جو لوگ فاتح کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور جنہوں نے اپنے سر ہستی پر رکھ کر دشمن کو مغلوب کیا ہے ان پر بادشاہ یا سردار کو کوئی زیادہ اقتدار حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ جیسے پہلے آزاد تھے ویسے ہی رہتے ہیں بلکہ لوٹ کے مال اور مفتوحہ ملک میں سے ان کو حصہ ملتا ہے۔

۲۔ فاتح کو مفتوحین پر خود مختارانہ اقتدار حاصل ہوتا ہے کیونکہ مفتوحین نے خود فتنہ اٹھایا تھا اور اس سبب سے اب ان کو اپنی آزادی کو کھونا پڑا۔ لیکن فاتح کو صرف ان ہی لوگوں کے جان و مال پر یہ مالکانہ حق حاصل ہوتا ہے جو جنگ میں بذات خاص شریک ہوں۔ وہ لوگ جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے اس کے مستوجب نہیں بلکہ جو کوگ ناجائز جنگ میں شریک نہیں ہوئے اگرچہ وہ مخالف قوم اور ملک کے ہوں زیادہ مراعات کے مستحق ہیں کیونکہ وہ صرف شریک جنگ ہی نہیں ہوئے بلکہ ان کی علیحدگی سے دشمن کی قوت گھٹی رہی اس طرح وہ فاتح کے مدد و معاون ہوئے۔ اور اس سے زیادہ رعایت اور حسن سلوک کے مستحق ہیں۔

۴۔ قانون

انسان کو عقل راہنمائی کے لئے عطا ہوئی ہے۔ لیکن انسان کی عقل کے مراتب مختلف ہیں اور ہر شخص کی عقل اس قدر کامل نہیں ہے کہ وہ ہر انسان کو برائیوں سے بالکل بچا سکے بلکہ اکثر اوقات انسان سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو اس کی ذات یا سوسائٹی کو نقصان پہنچاتے ہیں جب انسان اپنی عقل سے کام لیتا ہے تو بہت مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں مثلاً وہ ایک خاص مذہب کی پابندی کرتا ہے۔ خدا سے عزوجل کی پرستش کرتا اور اپنے تئیں عبد سمجھتا ہے۔ علم و فن میں ترقی کرتا اور طرح طرح کی دستکاریاں کرتا ہے۔ تمدن و معاشرت میں

انسان کی عقل کے نتائج

اصلاح کرتا اور امن ورفاہ عام کے قیام و ثبات میں مدد دیتا ہے۔ اسی طرح شہروں میں ملکر رہنا۔ دوسروں کے ساتھ مشارکت و منی لطف اختیار کرنا ایک طاقت بہم پہنچانا اور سلطنت قائم کرنا۔ مال و دولت جمع کرنا۔ اور ہر شخص کی علیحدہ بلک قرار دینا۔ اپنی اپنی چیزوں سے حظ اٹھانا۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرنا۔ نئی معلومات بہم پہنچانا۔ نئی اشیاء یا اشیاء کے خواص یا قدرت کے قانون دریافت کرنا اہم مسائل میں غور و فکر کرنا۔ انسان کے ایسے کام ہیں جو اوس کو عروج اور ترقی کی طرف مائل کرتے۔ اور اوس کا رتبہ بلند کرتے ہیں۔ اور یہی انسان کا کمال ہے یہ انسان کی ضروریات۔ دانش۔ ارادہ اور استعداد کا نتیجہ ہیں۔ لیکن جب انسان پر حیوانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو یہی انسان لوگوں کو قتل کرتا۔ عمارتوں کو ڈھاتا کھیتوں کو تباہ کرتا۔ شہروں کو ویران کرتا۔ معابد و مساجد توڑتا۔ صنعت و کمال کے نمونوں کو مٹاتا۔ کتب خانوں کو جلاتا لوٹ مار کرتا۔ اور ہر طرف بربادی پھیلاتا ہے اس حالت میں اوس کی روح تنزل کی طرف مائل ہوتی ہے اور وہ انسانیت سے دور ہوتا جاتا ہے۔

اگرچہ نیک و بد کی تمیز کرنا اور اوس میں سے ایک کو اختیار کرنا انسان کے ارادہ پر چھوڑا گیا ہے اور یہ اختیار ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے لیکن یہ اختیار جس قدر بڑا ہے اسی قدر زیادہ خوفناک اور نازک ہے اور اس حالت میں ضرور ہے کہ انسان کو اشیاء اور معاملات کے حسن و قبح کا علم ہو اور اوس کی طبیعت میں پسندیدہ اور مفید امور پر کاربند ہونے اور عمدہ چیزوں کو انتخاب کرنے کا میلان بھی ہو۔

انسان قدرت کے منشاء کے مطابق اپنی عقل اور ارادہ پر کاربند ہوتا اور اپنی سمجھ اور مرضی کے مطابق ہر کام کرنا چاہتا ہے لیکن اوس کی ناقص عقل اور غلط راہ سے برائی کی طرف مائل کرتی ہے اور انسان کو ضرورت پڑتی ہے کہ وہ یہ جانے کہ مجھے کس طرح عمل پیرا ہونا اور اپنے چال و چلن کو کن اصول کا پابند رکھنا یا اپنی طبیعت پر کس طرح قابو رکھنا چاہئے۔ یہ علم احکام شرع اور مسائل تہذیب اخلاق کے جاننے سے

انسان کا ارادہ

انسان کو
راہ غائی کی
ضرورت ہے

حاصل ہوتا ہے۔ لیکن انسان کی جہالت یا بعض اوقات باوجود علم کے اوس کی طبیعت کا ضعف او سے قوانین شرع و اخلاق کا پابند نہیں رکھتا اور اس سبب سے تمدن میں خرابی اور امن عامہ میں خلل پڑتا ہے۔ اور تمام گروہ کی آسائش اور حفاظت کے لئے یہ ضرورت پڑتی ہے کہ جو لوگ عمداً یا خطاً قانون عدالت کی خلاف ورزی کرنی چاہیں اون کو بہ جبر و بزور احکام عدالت کا پابند رکھا جائے۔ اور اگر کبھی اوس کے خلاف کریں تو سزا دی جائے۔ تاکہ امن و ترتیب قائم رہے چونکہ ہر سوسائٹی میں گورنمنٹ اسی منشاء کے واسطے قائم ہوتی ہے۔ لہذا یہ اختیار گورنمنٹ کو دیا گیا ہے اور جو ضوابط کہ گورنمنٹ لوگوں کے افعال میں حد اعتدال قائم کرنے کے لئے جاری کرتی ہے قانون کہلاتے ہیں۔

نیچرل حالت میں جب انسان کسی حکومت کے ماتحت نہ ہو ہمیشہ یہ ہوا کرتا ہے کہ زور آور کمزور کو ستاتا اور پیسے ڈالتا ہے اس لئے بنی نوع انسان میں سے کمزورون کو یہ ضرورت ہوئی کہ کوئی اون کا محافظ اور نگہبان ہو۔ بیویان خاوندون کے بچے والدین کی حفاظت میں رہیں اور کمزور گروہ طاقتور گروہ کی تعدی سے بچنے کے لئے گورنمنٹ کی حمایت میں رہیں۔

گورنمنٹ بنی نوع انسان کا وہ باقاعدہ منتظم اور آزاد گروہ ہے جو اپنے تمام ممبرون کی بھلائی اور فائدہ کے لئے اور تمام گروہ کے انتظام کی خاطر تمدنی اصول وضع کرتا ہے اور اون کو مشہر کرتا اور رعایا کو اون پر کاربند رکھتا ہے۔ اور قانون وہ قواعد ہیں جو ایک سلطنت اپنی رعایا کے معاملات اور ایسے افعال کی دستی کیلئے مقرر کرے جو تمدن سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کی رو سے اون کے باہمی مقدمات کا انفصال کیا جائے۔

فطرتاً انسان میں صحیح و غلط میں امتیاز کا مادہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ جائز و ناجائز امور میں تمیز کرتا ہے۔ انسان کے تمام قانون کی بنیاد اسی قدرتی ہدایت پر ہے یعنی جو کچھ جائز و روا ہو اوس پر کاربند ہو۔ اور جو کچھ ناجائز اور ناروا ہو اوس سے

انسان کو
حفاظت کی
ضرورت ہے

قوانین

باز رہے۔ لیکن چونکہ انسان کے طبائع مختلف ہیں اور مختلف ممالک کے لوگوں کے میلان اور رسوم بھی مختلف واقع ہوئے ہیں اس لئے مختلف ممالک کے قوانین میں اختلاف ہوتا ہے لیکن سب جگہ یہ ضرور ہے کہ حکومت کی بنیاد گورنمنٹ کے ماتھے میں ہو اور گورنمنٹ لوگوں سے جبراً قانون پر عملدرآمد کرے۔

ہر گورنمنٹ کے فرائض کا اگر استقصا کیا جائے تو وہ تین قسم کے ہونگے۔

۱۔ وضع قانون۔ قانون بنانا اور اون کی اشاعت کرنا۔

۲۔ عدالت و سیاست۔ کوئی شخص کسی صورت میں ان قوانین کی خلاف ورزی کرے تو سزا دینا۔ اور خرابیوں کا علاج کرنا۔

۳۔ نظم و نسق۔ ریاست کی فوجی۔ سیاسی۔ اور انتظامی قوت کو کام میں لانا ایک ملک میں جو قوانین نافذ ہوتے ہیں اور جن کے بموجب کوئی ریاست سلطنت کرتی ہے اون کے مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں اس سبب سے قانون کے مختلف اقسام قرار دئے گئے ہیں۔

سلطنت کا کام عہدگی سے انجام دینے کے لئے مختلف عہدہ داروں میں منقسم ہوتا ہے جو ارکان دولت کہلاتے ہیں۔ ان کے علیحدہ علیحدہ فرائض اور ذمہ داریاں اور اختیارات ہیں۔ اس طرح جو اقتدارات اور جو قوت من حیث المجموع ایک سلطنت کو حاصل ہوتی ہے وہ چند ارکان سلطنت میں منقسم ہو جاتی ہے جن قاعدوں کی رو سے یہ اقتدارات تقسیم ہوتے ہیں اور اون کا انتظام کیا جاتا ہے اور جس قاعدہ کی رو سے وہ عہدہ دار اپنے اپنے اختیار کو کام میں لاتے ہیں وہ ”آئین مملکت“ کہلاتے ہیں۔

وہ علاقہ جو ایک سلطنت اپنے اور اپنی رعایا میں قائم کرتی ہے اور جس قاعدہ کے بموجب وہ ریاست کے معاملات چلاتی ہے اور اپنے ماتحت حکمرانوں کے فرائض اور رعایا کے ساتھ برتاؤ کے قواعد مقرر کرتی ہے یا اپنے آئین کی حفاظت کرتی اور ہر صیغہ اور سلطنت کے ہر شعبہ کے فرائض کی حدود مقرر کرتی اور نگرانی

گورنمنٹ کے فرائض

آئین مملکت

ضوابط انتظام

کرتی ہے ضوابط انتظامی کہلاتا ہے۔

قانون سپلیٹ

لوگوں کے گروہ شہروں اور قصبوں میں آباد ہوتے اور ملکر رہتے ہیں سو اسطے خود اون کو بھی ایسے اختیار دئے جاتے ہیں کہ اہل شہر کے چال چلن اور رویہ کی دستی کی نگرانی رکھیں تاکہ اوس سوسائٹی کے اراکین باہم حق تلفی نہ کریں اور معاملات میں طریقہ عدالت مد نظر رکھیں اگر اون میں سے کوئی اپنی حد سے بڑھ جائے تو اوکو تنبیہ کی جائے اور جو نقصان اوس نے پہونچایا ہے اوس کا تدارک کیا جائے یہ اختیارات تدابیر مدینہ اور قانون میونسپلیٹی کہلاتے ہیں۔

قوانین انتظام عام

میونسپلیٹی کے قانون چھوٹے چھوٹے امور کی نسبت ہوتے ہیں لیکن جو قوانین رعایا کے اہم معاملات کا تصفیہ کرتے اور اون کے اخلاق و رویہ کی نگرانی رکھتے اون کے حسن معاشرت کا انتظام کرتے اور خود ریاست اور ارکان ریاست کے کاموں کی نگرانی کرتے ہیں قوانین انتظام عامہ یا قوانین فاعلام کہلاتے ہیں۔ ان قوانین پر عملدرآمد عہدہ داران ریاست کے ماتھے میں ہوتا ہے۔

قانون فوجداری

انسان اپنا جس کو ضرر پہونچاتا اون کے مال تلف کرتا اور اون کی جان لینا چاہتا ہے اور بعض اوقات ایسے کام کرتا ہے جو اس سلطنت کے مخالف ہوتے ہیں اور چاہتا ہے کہ سلطنت کے احکام نہ مانے یا اون کی تعمیل میں مارج ہو۔ ایسے لوگوں کو سزا دینے اور اون کو اپنے ہت کھنڈوں سے باز رکھنے کے لئے جو قانون بنایا جاتا ہے وہ قانون فوجداری یا تعزیری کہلاتا ہے۔

قانون برائی

معاملات حفظ حقوق اور لین دین میں صداقت و صفائی رکھنے کے لئے یا واجبی معاوضہ اور اجرت کے تصفیہ کے واسطے جو قوانین بنائے جاتے ہیں وہ قانون دیوالی کہلاتے ہیں۔

انسان کے حقوق

انسان جس چیز کی حفاظت کی درخواست قانون سے کرتا ہے وہ اوس کے حقوق ہوتے ہیں۔ آزادی کی حفاظت کی درخواست بھی انسان قانون سے کرتا ہے کیونکہ آزادی انسان کا حق ہے قانون کا بڑا کام یہ ہے کہ لوگوں کے

کی حفاظت

قانون کا فرض

ہے

حقوق کی حفاظت کرے اور اوس کے حقوق معین کرے۔ انسان کا ایک حق قانون پر یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی حق تلفی کرے تو اوس کا معاوضہ دلائے۔ جو شخص کسی دوسرے شخص کو ناخوش کرتا ہے وہ اوسے آزار پہونچاتا ہے لیکن جو شخص ناخوش کر کے اوس کی تلافی نہ کرے وہ سب سے زیادہ آزار پہونچانے والا ہے اس واسطے قانون کا فرض ہے کہ آزار دہ شخص سے معاوضہ لے اور ایسے طریقے مقرر کرے کہ آزار دینے والا مجبور کیا جاسکے اور اس مضرت کا علاج ہو جائے۔

حق حفاظت
خود اختیاری

خاص خاص حالتوں میں یہ بھی جائز ہے کہ انسان کو حق حفاظت خود اختیاری دیا جائے کیونکہ بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اوسی وقت مدافعت نہ کی جائے اور دشمن کے حملہ سے حفاظت نہ کریں تو اوس کی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے اس وقت جس شخص پر حملہ کیا جائے اوس کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو اپنی ذات کو بچائے اور خطرہ کو دفع کرے۔

جان کی حفاظت

انسان کے حقوق جن کی قانون حفاظت کرتا ہے بہت سے ہیں مثلاً:-
۱۔ انسان کی ذات کی حفاظت۔ قانون کا فرض ہے کہ ہر شخص کی جان کی حفاظت کرے اور اوس کو خطرات سے بچائے۔ کسی شخص پر حملہ کرنا اوس کی صحت کو نقصان پہونچانا۔ زخمی کرنا۔ مارنا۔ قید کرنا۔ اوس کے کاموں میں بے جا مداخلت کرنا۔ مان باپ بیوی بچوں سے جدا کرنا۔ کسی شخص کے گھر پر حملہ کرنا۔ اور اوس کو مجبور کرنا کہ اپنا مسکن چھوڑ دے اور جلاء وطن ہو جائے وغیرہ۔ کل ایسے امور ہیں جو ذاتی ایذا رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔

رتبہ کی حفاظت

۲۔ انسان کی تمدنی حالت اور رتبہ کی حفاظت۔ ہر شخص کا تمدنی حالت میں ایک مقام اور درجہ ہے اور اوس کے بموجب اوس کے حقوق اور فرائض کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً وہ صاحب خانہ ہے۔ شہر کا مجسٹریٹ یا کو تو ال ہے۔ یا وکیل۔ یا دستکار یا سوداگر ہے۔ غرض بلحاظ نسب۔ عمر۔ دولت۔ علم۔

طریق معاشرت وغیرہ ایک خاص درجہ رکھتا ہے۔ اور اوس کی حفاظت کا قانون سے متوقع ہے۔ لوگوں کو بہکانا کہ کسی خاص سوداگر سے مال واسباب نہ لین۔ یا وکیل سے مشورہ نہ کریں۔ کسی خاص ڈاکٹر کی دوا نہ پیئیں۔ کسی کی ملازمت نہ کریں۔ ایسے اسباب ہیں جو اوس کے تمدنی درجے کو گھٹاتے ہیں اور قانون کا فرض ہے کہ اوس کی حفاظت کرے۔

خاندانی حقوق
کی حفاظت

۳۔ انسان کے خاندانی حقوق کی حفاظت۔ مثلاً بیوی کو مجبور کیا جائے کہ خاوند کی اطاعت کرے۔ خاوند کا فرض ہے کہ بیوی اور بچوں کی خبر رکھے اور انکی پرورش کرے۔

عزت و نام کی
حفاظت

۴۔ عزت و نام کی حفاظت۔ انسان کو نیک نامی سب چیز سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اور کسی شخص کے نام کو بٹہ لگانا۔ اوس کو رسوا کرنا۔ یا اوس پر اتہام لگانا تاکہ وہ خلقت کی نظروں سے گر جائے انسان کو بہت آزار دیتا اور دل دکھاتا ہے۔ نیک نامی عمدہ اخلاق کا نتیجہ ہے اور اس لئے اس کی حفاظت رکھنا اخلاقاً حق ہے۔ علاوہ ازیں نیک نامی سے انسان کو بہت سے فائدے ہوتے ہیں اور اس منفعت کی حفاظت کرنا قانون کا فرض ہے۔

مال کی حفاظت

۵۔ مال کی حفاظت۔ مال انسان کی ضروریات پورا کرنے کا آلہ اور اوسکو آرام پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ مال سے محروم کرنا اوس کو محتاج بنانا اور اوس کے حظ اور خوشی کو کم کر دینا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ قانون مال کی حفاظت کرے۔

اوقاف کی
حفاظت

۶۔ اوقاف کی حفاظت۔ دنیا میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ کسی خاص آدمی کی ملک قرار نہیں دی جاسکتیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے ان کو جمیع مخلوقات کے آرام اور استعمال کے واسطے پیدا کیا ہے۔ مثلاً ہوا اور دریا کا پانی وغیرہ جس طرح کسی خاص شخص کی ملک میں دوسرے کی مداخلت ناجائز ہے۔ اسی طرح ان اشیاء پر خاص اشخاص کا قبضہ ہونا ناروا ہے۔ اسی طرح سڑکیں۔ پل۔ مساجد۔ عبادت خانہ۔ مہمان سراے وغیرہ رفاہ عام کی عمارات وقف خیال کی جاتی ہیں۔

اور کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتیں ان سے عوام یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں اور قانون یہ نگرانی رکھتا ہے کہ کوئی خاص شخص اون پر مالکانہ قبضہ نہ کرے۔

معادہ کی
حفاظت

۷۔ حقوق معاہدہ کی حفاظت۔ انسان کے باہمی معاملات کے لئے ضرور ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کریں اور صداقت برتیں۔ نطق ہی ایک ایسی صفت ہے جس سے انسان دیگر حیوانات سے امتیاز رکھتا ہے اور صرف زبان کے ذریعہ سے انسان اپنے خیالات اور ارادے دوسروں پر ظاہر کر سکتا ہے۔ اور جو شخص اپنی زبان اور اپنے الفاظ کی پابندی نہیں کرتا وہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اور اس رابطہ کو توڑ دیتا ہے جو نطق کے ذریعہ سے لوگوں میں باہم قائم ہے۔ تمام معاہدوں کی اصل اور ضروری شرط یہ ہے کہ انسان اپنے قول کا پابند رہے۔ اسی سے لوگوں میں اعتبار پیدا ہوتا ہے۔ اس سے تجارت اور تمام کاروبار چلتے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ لوگوں میں وفاء و عہد۔ خوش معاملگی اور قول کی پابندی ہو تاکہ جتنے لوگ ایک کام میں شریک ہیں اون کا نقصان نہ ہو۔ اس سبب سے ضرور ہے کہ اگر سوسائٹی میں سے کوئی شخص بد عہدی کرنا چاہے تو قانون اسے روکے یا نقصان کا معاوضہ دلائے۔

جب چند اشخاص متفق ہوتے ہیں کہ متحدہ طور پر اپنے کسی مشترک ارادہ کی تکمیل کریں اور اون کا وہ ارادہ کسی قانون وقت کے مخالفت نہیں ہوتا تو کہا جاتا ہے کہ ان میں معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی تکمیل کبھی تو اسی وقت ہو جاتی ہے جیسے خرید و فروخت کی صورت میں یا آئندہ کسی وقت پر منحصر ہوتی ہے مثلاً کچھ عرصہ کے بعد ادائے قرض یا قیمت وغیرہ جسے وعدہ کہتے ہیں۔ قس علیٰ ہذا۔

تمدنی حالت میں یہ ضرور ہے کہ لوگوں میں معاہدہ کی صورتیں واقع ہوں۔ کیونکہ انسان طبعاً مختلف چیزوں کا محتاج ہے اور وہ تمام اشیاء خود نہیں بنا سکتا بلکہ مبادلہ اور تجارت کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے یا مزدوری کر کے کماتا ہے۔ اس طرح وہ ہر حال میں دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے۔ بڑے

بڑے معاملات میں یہ معاہدے کاغذ پر لکھے جاتے ہیں اور لوگوں کو شاہد بنایا جاتا ہے۔ گورنٹ میں اون کی رجسٹری کرائی جاتی ہے اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی فریق اپنے وعدہ سے نہ پھرے۔ اور بدعہدی کی صورت میں قانون سے بہ آسانی چارہ جوی کی جاسکے۔

۸۔ حق وراثت۔ انسان دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ بلکہ مدت حیات ایک معین زمانہ ہے۔ اور اس زمانہ میں جس قدر دنیوی چیزوں سے تمتع اور جس قدر منافع اور حفظ حاصل کر سکتا ہے کرتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو اوس کے حصہ کے تمام منافع اور تمام حفظ بھی ختم ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد چونکہ دنیا کے تمام تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں لہذا وہ اشیاء بھی اوس کی ملک نہیں رہ سکتیں بلکہ ضرور ہے کہ اب اون کا کوئی دوسرا شخص مالک قرار دیا جائے۔ اس لئے وراثت کا حق قرار دینا ضروری اور لازمی امر ہے۔ یہ حق اون لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جو فطرتاً اوس کے وارث قرار دئے جاسکیں یا جن کو متوفی نے اپنی زندگی میں اپنا وارث قرار دیا ہو۔ مثلاً بیٹا بیٹی۔ مان باپ۔ بھائی بہن۔ میان بیوی اور دیگر رشتہ دار۔

قانون کا اثر ذرا سے غور و فکر سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ تمدنی حالت میں جبکہ انسان کے گروہ ملکر رہیں دو چیزیں انسان کو ٹھیک رکھ سکتی اور اوس کے دست تغلب و جبر کو روک سکتی ہیں۔ ایک ”اخلاق“ دوسرے ”قانون“ تمدنی حالت میں جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور ہر ایک انسان کے عام خیالات یا اوس کے پیشہ جس قدر بڑھتے جاتے ہیں اور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی طبعی تحریکیں۔ شوق۔ دلچسپیاں۔ خواہ خاگی حالت کے متعلق ہوں یا تمدن کے یا کسی پیشہ یا تجارت کے متعلق سب اوس کے اخلاق پر اثر ڈالتے ہیں۔ اور ان سب میں وہ قانون کے خوف سے کچھ نہ کچھ عدالت کا خیال رکھتا ہے قانون خاندان کے واسطے ضابطہ بناتا ہے اور فیصلہ کر دیتا ہے کہ خاندان کے ہر ممبر کی

کیا حیثیت اور اس کے کیا حقوق ہیں اسی طرح تمام گروہ میں ہر شخص کی ملک اور اس کے حقوق کی نگہبانی قانون کرتا ہے۔ قانون کاروبار اور معاملات دنیا میں ہر امر کی تحقیق اور تشریح کرتا ہے اور پھر اون میں ہر شخص کے فرائض معین کرتا ہے قانون معاملات میں صداقت رکھنے اور حقوق کی نگہداشت پر مجبور کرتا ہے اور عدالت کو نہایت استواری اور استحکام سے قائم کرتا ہے لیکن قانون کے حدود کے اندر بھی ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام ہیں جن کا اثر مضرت اور فائدہ۔ راحت اور تکلیف پہنچانے میں بہت قومی ہے اور قانون کا اون پر بس نہیں چلتا۔ ایک شخص ایک برا خاوند۔ ایک براباپ۔ ایک براسرپرست ہو سکتا ہے۔ لیکن قانون کی حد میں نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص جابر زمیندار ہو اور اجارہ داروں پر جبر و تعدی کرتا ہو یا اجارہ دار ہو لیکن پیداوار زمین برباد کرتا اور منافع تلف کرتا ہو۔ بیوپار میں بہت سختی کرتا ہو۔ سوداگر ہو لیکن بے اعتبار ہو۔ اور ملک کا قانون اسے درست نہ کہے ممکن ہے کہ ایک شخص اعلیٰ درجہ کا چال باز۔ فتنہ پرداز۔ متغی۔ خیرہ سر ہو لیکن مطمئن ہو کہ قانون اس پر کوئی دعوئے نہیں کر سکتا لیکن باوجود ان اسقام کے بھی قانون قومی اور ملکی فلاح اور امن کے لئے ضروری اور لابدی چیز ہے۔

اخلاق کا اثر

انسان اپنے بنی نوع کے ساتھ قاعدہ نصفت و عدالت کی دو سبب سے رعایت کرتا ہے یا تو اس کو یہ خوف ہو کہ اگر میں بے ایمانی اور دغا کر دوں گا تو اس کے برے نتائج مجھے بھگتنے پڑیں گے۔ یا جس کام کو وہ واجب اور فرض سمجھتا ہو طبعاً اس کے پورا کرنے کی طرف راغب ہو۔ ہر کام میں فرائض منصبی کے ادا کرنے کا خیال رکھنا اور اس کے اقتضا کو کشادہ پیشانی اور دلی رغبت سے انجام دینا یا تو انسان کی طبیعت پر منحصر ہے یا تمدنی اور معاشرتی تحریکوں پر جو اس سوسائٹی کے اثر سے ہوں جن میں وہ رہتا ہے یا اس تجربہ پر کہ فرائض کے انجام دہی میں کیا لذت کیا تسکین اور کیا فائدہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاق کی

تمام تحریکین ”امید و بیم“ سے پیدا ہوتی ہیں بعض کہتے ہیں کہ تمام انسانوں میں اخلاقی اثر عقل حیوانی کی طرح قدرتی اور فطرتی ہوتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اخلاقی اثر کچھ تو طبعی اور جبلی ہوتا ہے اور کچھ تمدنی حالت اور سوسائٹی کا اثر نیز زندگی کے تجربوں سے اوس پر رنگ چڑھتا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ جو خیالات عام طور پر قوم میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کا اثر قوم کے ہر فرد میں اس طرح ساری ہوتا ہے کہ اون کے نیک و بد کی تمیز اون ہی خیالات پر مبنی ہو جاتی ہے اور وہ انسان کی طبیعت میں ایسا انقلاب پیدا کر دیتے ہیں کہ ان کا اثر وراثتاً دوسری نسل میں پہنچتا ہے۔ اور اون سے جبلی کیفیت کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے اعتقادات کے موافق اصول اخلاق کسی فرقہ میں رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہیں اور قوم کے عام طریقہ اور رویتہ کے اثر سے پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس عام اخلاق کا اثر انسان کی زندگی کے ہر ایک حصہ ہر جذبہ اور ہر فعل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور تہا دلہ خیالات کی وجہ سے ان میں نئی نئی تبدیلیاں و تفریقین ہوتی جاتی ہیں۔ یا اون میں زیادتی اور کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے اور یہی قومی اخلاق کی ترقی اور تنزل کا باعث ہے۔

اخلاق کا اثر اتنا قوی ہے کہ کسی ویران جنگل یا بیابان میں یا عمیق سمندر میں جبکہ جہاز تباہی میں آگیا ہو۔ یا بلند پہاڑ کی چوٹی پر جہاں کوئی دوسرا مددگار نہ ہو ایک محب وطن اور ہمدرد قوم اپنی جان اپنی قوم کی خاطر صرف اس سبب سے دیدیتا ہے کہ اوس کا دل اوس کام کو فرض سمجھتا اور ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ فرض کا فرمان نہیں ٹال سکتا۔ لیکن قانون کا اثر اتنا قوی نہیں ہوتا بلکہ انسان کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ قانون کی دسترس سے باہر ہے فوراً اوس کی پابندی چھوڑ دیتا ہے۔

اخلاق اور
قانون کے اثر
میں فرق

اخلاق اور قانون میں یہ فرق ہے کہ اخلاق میں اگرچہ افعال کو بھی یکساں جاتا ہے لیکن زیادہ تر انسان کے خیالات اور دلی جذبات سے بحث کی جاتی ہے

اور قانون میں صرف افعال کو دیکھا جاتا ہے۔ اور اگر خیالات اور میلان کا ذکر ہوتا ہے تو اسی قدر کہ انسان کے افعال کے حالات کے معلوم کرنے میں مدد مل سکے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ قانون کی ساری قوت سزا کے خوف میں ہے۔ لیکن اخلاق انسان کو مائل کرتا ہے کہ ایسے اعمال حسنہ کا پابند ہو جن کا رتبہ اون اعمال سے بہت بلند ہے جن پر قانون مجبور کر سکتا ہے۔ اس لئے قانون فطرتاً خوف پیدا کرتا اور اخلاق انسان کو جبری بلے خوف اور دلیر بناتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ قانون کی پابندی میں بھی اصول اخلاق پر چلنے کی گنجائش اور آزادی حاصل ہے اور اسی سبب سے دلیری اور جرأت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ جرأت قانون میں اخلاقی حصہ کا نتیجہ ہے نہ قانون کا۔ اور جب قانون کے بنانے میں ذرا غلطی ہو جاتی ہے تو یہ اثر جاتا رہتا ہے۔

جب انسان اپنی زندگی کے نہایت مشکل امتحانوں میں تنہا شامل ہوتا ہے اور دوسرا کوئی شخص اوس کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتا نہ اوس کا ہاتھ بٹاتا ہے تو لوگ ایسے موقع پر جو اعمال اوس سے صادر ہوتے ہیں اون کی نتیجہ اور تنقید کرتے ہیں اور وہ خود بھی اپنے نیک یا بد عمل پر خوش یا رنجیدہ ہوتا ہے لیکن عمل کرنے سے پہلے ہزاروں تردد ہزاروں شبہ ہزاروں خوف اور ہزاروں امیدیں اوس کے ارادہ میں تغیر پیدا کیا کرتی ہیں۔ اوس وقت وہ صرف اپنے اون اخلاقی اصول پر چلتا ہے جو اوس نے سیکھے ہوتے ہیں یا اوس ضابطہ کی پابندی کرتا ہے جو ادائے فرض نے اوس کے واسطے مقرر کیا ہو۔ قانون کا خیال نہیں ہے قانون کے تمام ضوابط چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر کام کے کرتے وقت کسی کو یہ شبہ نہیں ہوتا کہ آیا میرا کام قانوناً جائز ہے یا ناجائز۔ اس طرح قانون کے تمام احکامات مرتب ہو سکتے ہیں لیکن ہر موقع کے لئے اخلاق کا حکم پہلے سے نہیں مرتب ہو سکتا بلکہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

لیکن باوجود ان نقائص کے بھی دنیا میں قانون کی بہت حاجت ہے

قانون کی ضرورت
ہو۔

کیونکہ قانون اگرچہ بلا واسطہ اخلاق پر اثر نہیں ڈالتا لیکن بالواسطہ اخلاق کی بہت مدد کرتا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ اپنے اغراض اور اپنے فوائد عزیز ہوتے ہیں۔ اور ان کے حصول کے پیچھے وہ دوسروں کی فلاح اور اغراض کا بہت کم خیال رکھتا ہے لیکن قانون تمام لوگوں کے اغراض اور مقاصد پر نظر رکھتا ہے اور سب لوگوں کے مال و اسباب کو تغلب و تصرف سے بچاتا ہے۔ نہایت ہوشیار اور زیرک آدمیوں کا بعض وقت یہ ارادہ ہوتا ہے کہ اپنے ہمسایہ کے حقوق پر قبضہ کر لیں۔ لیکن قانون ہر شخص کے حقوق کے گرد ایک مضبوط روک کھڑی کر دیتا ہے اور دست برد سے بچاتا ہے۔ اسی طرح بعض سادہ دل اور بھولے بھالے آدمی یا کمزور طبیعت اشخاص رضا مند ہو جاتے ہیں کہ اپنی آزادی کے حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ اور اپنے تئیں ظالموں کی مرضی کے حوالہ کر دیں۔ لیکن قانون ان کی حمایت کرتا ہے اور ان کو سہارا دیتا ہے اور انہیں ان کے حقوق یاد دلاتا ہے اور ظالموں کو تنبیہ کرتا ہے کہ ان کی طرف آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھنا۔ اس لئے قانون انسان کی اخلاقی فطرت کی تکمیل میں مدد دیتا ہے اور ہر شخص کے دعوں اور حقوق کا شاہد ہے۔ اور سب لوگوں کو انسانیت کے احکام کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔

کسی ناجائز کام کے ارتکاب سے انسان کو تین قسم کی تکالیف ہر داشت کرنی پڑتی ہیں۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ اور جسمانی۔ مذہبی تکالیف کا انحصار کسی مذہب پر یقین رکھنے اور معصیت پر سزا ملنے کے اعتقاد پر منحصر ہے۔ اخلاقی تکالیف طے طرح کی ہوتی ہیں۔ پشیمانی۔ غم۔ افسوس۔ شرم۔ وغیرہ جسمانی تکالیف۔ بیماری۔ موت وغیرہ ہیں۔ قانون جو سزائیں دیتا ہے وہ جسمانی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا اثر روحانی قوا پر بھی پڑتا ہے۔ انسان اپنے اعضاء کا استعمال خاطر خواہ نہیں کر سکتا اور جن جسمانی کاموں میں لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے ان میں سے بالکل روک دیا جاتا ہے اپنی جائداد اور املاک سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے حقوق

چھن جاتے ہیں اوس کی آزادی مٹ جاتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصہ کے لئے انہما جنس کی سوسائٹی سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ جو اوس کی روحانی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور جو مذلت کہ اوس کو قانونی سزائیں سہنی پڑتی ہے وہ اسے غم غصہ اور شرم میں مبتلا کرتی ہے۔ قانونی سزا انسان کی مذہبی اور اخلاقی سزا کو کم نہیں کرتی بلکہ اوس کے اثر کو اور تیز کر دیتی ہے۔ غرض تمام سزائوں کی بنیاد خوف پر ہے اور قانون اس خوف کو زیادہ کرتا اور پھیلاتا ہے۔

خوف کا اثر

انسان بہت سے کام صرف اس خوف سے کرتا ہے یا بہت سے کاموں سے صرف اس سبب سے پرہیز کرتا ہے کہ اون کے ترک یا ارتکاب سے کسی تکلیف کے پہننے کا خوف ہوتا ہے۔ ہر انسان میں یہ خوف اوس کی طبیعت کے لحاظ سے کم و بیش ہوتا ہے لیکن ہوتا ضرور ہے۔ خوف کے اثر میں اس قدر جلدی تغیر نہیں آتا جیسا کہ دوسرے جذبات میں آتا ہے۔ بلکہ خوف کا اثر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ جہاں کہیں نتیجہ مشتبہ یا اوس میں کسی قسم کی بھلائی کی امید بھی ہو تو بھی کسی برائی یا تکلیف کا شبہ انسان کو محتاط رکھتا ہے۔ ملک کا قانون اخلاق کے قانون کا ضمیمہ یا اوس کی شرح ہے۔ ملک کے قانون کی خلاف ورزی کرنا اپنا فرض نہ ادا کرنا ہے اور یہ اخلاقاً گناہ ہے۔ کسی شخص کو قتل کرنا کسی کا مال چُرانا۔ اخلاقاً اور قانوناً گناہ قرار دئے گئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اخلاقی قانون تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں ہے لیکن ملک کا قانون بہ لحاظ مصلحت ملک و معاشرت فروعی امور میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اخلاقی سزا

ملک کے قانون کے خلاف کرنے میں جرمانہ۔ قید۔ موت وغیرہ سزائوں کی دھمکی ضرور ہے ورنہ ملک کے قانون کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور کسی کو اوپر کاربند ہونے کی پروا نہیں رہتی۔ اخلاق کے قانون کی یہ حالت نہیں۔ وہ بے اختیار شرم۔ غصہ۔ رنج۔ ندامت اور بیماری کی سزائیں دیتا ہے۔ اخلاق کے قانون کے خلاف کرنا ساتھ ہی سزائیں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس طرح آگ کی خاصیت جلانا۔

زہر کی خاصیت مار ڈالنا ہے۔ اسی طرح اخلاق کے خلاف کرنے کی خاصیت ہی یہ ہے کہ انسان اوس کی پاداش بھگتے۔ اصول صحت کے خلاف کرنے یا ناپرسرگاری کی عادت اختیار کرنے سے بیمار ہو یا مر جائے۔ قوائے غضبی اور شہوانی کے بے جا استعمال سے ندامت اٹھائی یا اوس کی خوشی اور اطمینان کا کوئی حصہ کم ہو جائے اور یہ سخت ترین سزا ہے۔ ملک کا قانون بھی اپنے خلاف میں ہی نتیجہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ طبعاً یہ کیفیت نہیں پیدا کر سکتا اس لئے جسمانی سزاؤں سے کام لگاتا ہے۔ اس طرح انسان کا بنایا ہوا قانون اوس کے اپنے رویہ کی درستی کا ایک ضابطہ ہے اور انسان کا رویہ یا اوس کے اعمال اوس کمال کا زینہ ہیں جس پر پہنچنے کی اوس کو خواہش ہے۔

۵۔ آزادی

گورنمنٹ کا استحکام اور اوس کی خوبی قوانین کی مضبوطی اور عہدگی پر منحصر نہیں بلکہ اوس کی رعایا کے عادات اور خصائل پر منحصر ہے قوم افراد سے بنتی ہے اور اکثر افراد کی اچھی یا بری حالت عین قوم کی اچھی یا بری حالت ہے خود تہذیب بھی لوگوں کی شایستہ اور عمدہ حالت کا نام ہے۔ اس بات سے پہلے کہ یہ دیکھا جائے کہ اور لوگ اوس پر کس طرح حکومت کرتے ہیں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انسان خود اپنے اوپر کس طرح حکومت کرتا ہے جو شخص اپنی نفسانی خواہشات کا تابع ہو تو کیا تعجب ہے کہ کوئی شخص اوس پر جابرانہ حکومت چلائے۔ جو قوانین کہ اس طرح ادبار کے ماتھے میں گرفتار ہوں وہ قانون یا سلطنت کے بدلنے سے آزاد نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ اگر ایک کی ماتحتی سے سکھیں گی تو دوسرے کے پنجہ ستم میں گرفتار ہو جائیں گی۔ خود لوگوں کے دلوں میں آزادی کا مادہ اور ترقی کی خواہش ہونی لازم ہے اور جب یہ بات دلوں میں پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ ہر ایک گورنمنٹ کو اون کی آزادی اون کی عزت اون کی خاطر داری کا خیال رکھنا پڑیگا۔ ورنہ سلطنت کے آئین و قوانین کا تغیر تو کیا خود سلطنت کی تبدیلی سے

بھی ان کی حالت میں تبدیلی ہونی محال ہے۔

اپنی رائے اور مرضی کے مطابق عمل کر سکتا۔ یا اوس کا ظاہر کر سکتا۔ آزادی کی اصلی غایت ہے۔ انسان میں اتنی جرأت ہونی چاہئے کہ جہاں اوسکی رائے کی ضرورت ہے وہاں بلا خوف و تردد اوس کا اظہار کر سکے اور دوسروں کی مان میں ہان نہ ملائے۔ ”جو شخص اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتا وہ غلام ہے اور جو ظاہر نہ کرے وہ بزدل ہے اور جس کی کوئی رائے نہ ہو وہ بے وقوف ہے۔“

انسان جب تمدنی حالت میں ترقی کرنی شروع کرتا ہے تو پہلے ہر ایک گھر کی ایک جماعت جدا ہوتی ہے اور یہ جماعت بڑھتے بڑھتے ایک ریاست بن جاتی ہے اس حالت میں انسان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ایک آزاد زندگی بسر کرتا ہے مختلف طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کچھ تو اصول اخلاق کی ترقی ہوتی ہے اور لوگ اہل منزل اور دیگر اہل معاملہ کے ساتھ عدالت و دیانت داری سے کام لیتے ہیں اور کچھ یہ ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ ملکر ایک قانون بناتے ہیں تاکہ کوئی شخص اپنی حد سے باہر قدم رکھ کر دوسرے کی آزادی میں خلل انداز نہ ہو۔ تمدن کی ابتدائی حالت میں انسان کی آزادی اسی قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش طبع کے موافق اپنی نیند سوئے اور اپنی بھوک کھائے۔ جہاں چاہے چلے پھرے اور اپنے اعضا سے جس وقت اور جس طرح چاہے کام لے۔ انسان کی اس آزادی کو جس قدر کم کیا جائیگا۔ اسی قدر اوس کی زندگی کے امکان میں کمی واقع ہو جائے گی اور اگر اوس کو بالکل روک دیا جائے تو اوس کی حیات ناممکن ہے۔

ابتداءً تمدن
میں آزادی
کی کیفیت

جب کوئی قوم پیدا ہوتی ہے تو اون میں شخصی آزادی کا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اخلاق اور تمدنی حالت میں ترقی کر سکیں گے۔ اور جب آزادی کا خیال خوب پختہ ہو جائے اور آزادی اتنی پھیل جائے کہ اوس پر ریاست کے قیام و ثبات کا انحصار ہو جائے تو اوس وقت اون کی شخصی آزادی

آزادی کے
فوائد

حارثی طور پر اس لئے روکنا کہ دوسروں کی آزادی کے دائرہ میں کمی واقع نہ ہو
اون کے اخلاقی جوہر کو روشن کرنا اور اون کے عام آزادی اور امن اور ترقی کی
مدد کرنا ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی اگر انسان کی آزادی کو بالکل روک دیا جا
یا غیر ضروری حد تک گھٹایا جائے تو قوم کا ملک کا ریاست کا تنزل اور
تباہی ہے۔

صرف آزادی ہی کی حالت میں لوگ صنعت و حرفت کو ترقی دے سکتے
اور مختلف پیشوں میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ آزادی ہی کی حالت میں تجارت کو
رواق اور ترقی ہو سکتی ہے آزادی کی حالت میں ایک شخص اپنی خاندانی اور خانگی
تعلقات کو نبھا سکتا اور اون کی خبر گیری کر سکتا ہے۔ آزادی کی حالت میں
تمدنی تعلقات رفتہ رفتہ مضبوط اور منتظم ہوتے ہیں اور آزادی کی حالت میں
انسان کو یہ فرصت مل سکتی ہے کہ وہ اپنا دماغ نیک تدابیر اور نیک خیالات
سے آراستہ کرے اور اپنے عمدہ ارادوں اور طبعی شوق اور ولولوں کی تہذیب
کرے۔ اور یہی چیزیں ہیں کہ من حیث القوم ان کے مجموعی اثر پر تمام سلطنت کے
قیام اور ترقی کا دار و مدار ہے۔

آزادی کے معنی پر منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے
منفی معنی تو یہ ہیں کہ انسان کے جائز افعال کے لئے کوئی روک نہ ہو لیکن اتنی
روک کی بہت ضرورت ہے کہ دوسرے اشخاص کی آزادی کی حدود بھی ایسی ہی
قائم رہ سکیں جیسے کہ ایک شخص کی۔ مثبت معنی بھی بہت اہم اور ضروری ہیں
یعنی آزادی انسانی زندگی کی وسعت ہے اور اس وسعت پر انسان کی قوت فکر
تخیل اور تمام قوا ظاہر و باطنی کی تدریج لیکن مستقل ترقی اوس کے تمام
منصوبوں اور ارادوں کا استحکام اور یہ یقین کہ اوس کا عزم پورا ہو سکتا ہے منحصر
ہے۔ اور اسی پر انسان کی تمام عظمت اور قوت کا انحصار ہے۔

جو شخص بالکل اصول اخلاق پر چلتا ہے اور اپنے حدود اندازہ سے قدم باہر

آزادی کی
تعریف

حق کی فرائض

نہیں رکھتا اس کی شخصی آزادی کا نام ”حقوق“ رکھا گیا ہے۔ اور اس آزادی کے معاوضہ میں جو کام اسے کرنے پڑتے ہیں وہ اس کے فرائض کہلاتے ہیں۔ یہ الفاظ انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ سوسائٹی میں رہ کر دوسروں کے حقوق غصب کرنا یا سوسائٹی کے انتظام کو خراب کرنا ناجائز ہے اور غاصبون کی خود غرضانہ اور شہوانی خواہشوں کے مقابلہ میں آزادی اور انصاف کا ضابطہ موجود ہے۔ اور اس ضابطہ کو ہر ملک اور ہر زمانہ کے لوگوں کے تجربہ نے مکمل کیا ہے۔ اور ہر مہذب ملک کے حکماء اور علماء نے اس کی تصدیق اور اس کی عزت کی ہے۔ اور اس سبب سے اگر کوئی شخص دوسرے کے حقوق میں دست اندازی کرتا ہے تو قانون اس کا معاوضہ دلاتا ہے کیونکہ جو شخص اپنی آزادی کو یہاں تک بڑھائے کہ دوسرے کی آزادی پر حملہ کرے جائز ہے کہ اسکو روکا جائے اور نقصان کی تلافی کرائی جائے۔

انسان کے اعمال میں اس کے ارادہ اور مرضی کو بہت بڑا دخل ہے اور چونکہ وہ اپنے ارادہ اور مرضی کا آزاد حاکم ہے بعض اوقات ایسے اعمال کرتا یا کرنا چاہتا ہے جو دوسروں کی آزادی میں خلل ڈالتے ہیں اس واسطے قانون کا کام یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی بے جا آزادی کو روکے اور اس کی حد قائم کرے اس طرح سوسائٹی کے سب لوگ ملکر یہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ہر شخص کے ناجائز ارادہ اور مرضی کو جو کبھی کبھی اس میں پیدا ہوتی ہے روکا جائے اور یہی قانون آزادی ہے اور اس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر شخص کو کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہئے۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون گویا انسان کے افعال کی روک تھام ہے اور قانون نے اپنے ماتھے میں سارے اختیارات رکھے ہیں اور اسکی اقتدار کو کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ قانون کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حد بندی کرے اور سوسائٹی کے ہر ممبر کے لئے کاموں کے حدود مقرر کر دے

انسانی آزادی کی حد

۱۱

اس طرح رفاہ عام کی حفاظت اور نگہ رانی رکھے۔ قانون انسان کی خیالی اور مفروضہ آزادی کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر انسان کو خود مختار چھوڑ دیا جائے تو اس کی بد عنوانی کی کوئی حد نہ رہے اور اس طرح خلیج العذار چھوڑ دینا بہت سی خرابیاں برپا کر دے۔ بلکہ لازم ہے کہ اس کی مرضی کا میدان محدود رکھا جائے۔ اور اس کی لیاقت۔ حوصلہ۔ اور تمام لوگوں کی مصلحت کے موافق اس سے اپنی مرضی کے کام میں لانے کے لئے میدان اور وسعت دی جائے۔ آزادی کے یہ معنی ہیں کہ تمدنی حالت میں ایک شخص کو اپنی مرضی بلا روک ٹوک کام میں لانے کا جس قدر اختیار دیا جاسکتا ہے وہ اس کو حاصل ہو اور وہ کسی ایسے فعل یا کسی ایسے حظ کے حاصل کرنے سے نہ روکا جائے جس میں کسی دوسرے شخص کا نقصان نہیں اور جو اس کا حق ہے نیز اس کی ایسی ترقی میں جو دوسروں کو مضرت رسا نہیں ہے کوئی چیز مارج اور مانع نہ ہو۔ قانوناً آزادی کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہر شخص کا جان و مال محفوظ رہے اور اس کو اپنے مال کو ہر طرح کام میں لانے کا اختیار ہو۔

غرض قانون کی نظر میں آزادی اس کا نام ہے کہ جو شخص کوئی جائز فعل کرنا چاہتا ہے وہ کر سکے اور جو کام وہ کرنا نہیں چاہتا اس پر مجبور نہ کیا جائے لیکن انسان کی مرضی میں یہ ضرور دیکھنا ہے کہ آیا وہ حق و جائز ہے یا ناحق و ناروا۔ ایک مسافر کو اختیار ہے کہ جس راستہ سے چاہے منزل مقصود کو جائے لیکن اگر وہ ٹیڑھا خطرناک اور ناقابل گزار راستہ اختیار کرے تو وہ عقلمند آدمی نہ خیال کیا جائیگا۔ زندگی کے طویل سفر میں بھی جاوہ مستقیم سے بھٹک جانا آزادی نہیں بلکہ طبیعت کی کمزوری۔ بد قسمتی۔ اور انسان کا نقص ہے۔ اور اس کو روکنا آزادی کا روکنا نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کے ارادہ اور مرضی کے خلاف سوائے اخلاق یا ملک کے قانون کے (جو راہ نمائی کی غرض سے بنایا گیا ہو) کوئی روک نہ ہو وہ پورا آزاد ہے۔ سسر کا مقولہ ہے کہ جو لوگ قانون کے

بندے ہیں وہ دراصل آزاد ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ انسان کی آزادی طبع بہت قیمتی اور شریف چیز ہے لیکن یہی بعض وقت بہت خوفناک بھی ہو جاتی ہے انسان اپنے قوار کو کام میں لانے سے پہلے اوس کا ارادہ کرتا ہے اور چونکہ وہ سمجھ دار ہے اوس کا ارادہ کسی نہ کسی غرض یا مقصد پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ مقصد خود انسان کی طبیعت اوس کے شوق اور اوس کی خواہش کا معین کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات حصول مدعا کی خواہش اس قدر غالب ہو جاتی ہے کہ وہ اندھا دھند حصول مطلب کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور ناجائز طریقہ یا وسیلہ کو کام میں لانے میں بھی باک نہیں کرتا۔ اخلاق یا ملک کے قانون کا یہ فرض ہے کہ اس وقت اوس کو روکے اور یہ آزادی کے خلاف نہیں۔ لیکن جو قانون کسی قوم کو اون کے جائز حقوق نہ دے جو قانون اون کو جائز حظوظ سے محروم رکھے یا جو قانون انسان کے کسی گروہ کے حق میں ترقی کی روک ہو یا جس قانون کی رو سے لوگوں کے جان و مال زبردستی چھینے جاتے ہوں۔ جو قانون اپنی تمام رعایا کو برابر نہ سمجھے۔ اور ایک کی بے جا حمایت اور دوسرے پر تعدی کرے جس قانون میں مختلف گروہوں کے ساتھ یکساں انصاف نہ کیا جاتا ہو۔ جہاں کوئی سچ بات کہنے پر سزا پاتا ہو۔ جہاں لوگوں کو یہ اختیار نہ ہو کہ وہ اپنی راحت و ترقی کے سامان خود جمع کر سکیں اور جس ترقی کے قابل ہیں یا ہو سکتے ہیں وہ حاصل کر سکیں۔ جہاں لوگوں کے حقوق تعصب و طرفداری کے سبب تلف ہوتے ہوں وہ قوم اور وہ ملک آزاد نہیں ہے۔ یہاں انسان کی آزادی طبع مٹ جاتی ہے اوسکی ترقی کی طاقت نیست و نابود ہو جاتی ہے اور وہ شخص حکمرانوں کے ہاتھ میں ایک بے جان آلہ کی طرح ہوتا ہے۔ اوس میں ترقی اور آزادی کی تمام قوتیں ہوتی ہیں لیکن جس طرح عالم خواب میں انسان کے قوار ظاہری بے حس ہوتے ہیں اسی طرح خود مختار گورنمنٹ کے عہد میں انسان کے قوار روحانی خوابیدہ ہونے

ہیں۔ آزادی کے قیام کے لئے ضرور ہے کہ قانون تمام رعایا میں مساوات قائم رکھے اور سب کے حقوق کی برابر حفاظت کرے اور اس لئے ضرور ہے کہ قانون کے بنانے میں رعایا کا حصہ ہو۔ تاکہ مقنن اپنے واسطے بڑی بڑی رعایتیں اور دوسروں پر جبر نہ کر سکیں۔ کسی قوم کو پولٹیکس سے بالکل روک دینا اوس میں ترقی۔ آزادی اور انتظام کی قوت کا کھو دینا ہے۔ اون کی شگفتگی خاطر اور آئندہ ترقی کی تحریک اور امنگ کو مٹا کر بالکل ناکارہ کر دینا ہے۔

قانون کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ قانون کی حمایت کے سبب ہر شخص اپنی مرضی اور پسند کے مطابق اپنی زندگی کے واسطے جائز مشاغل اور کام اختیار کر سکتا ہے یعنی ہر شخص کی ذاتی آزادی قائم رہتی ہے۔ جب تک انسان آزاد نہ ہو اسکی اخلاق کامل نہیں ہو سکتے نہ وہ کوئی سعادت کما حقہ حاصل کر سکتا ہے اور انسان اوس وقت تک آزاد نہیں رہ سکتا جب تک اوس کی آزادی اون لوگوں کی غارتگری سے بچائی جائے جو اپنے خود غرضانہ مقاصد کے لئے اوس میں رخنہ ڈال سکتے ہیں۔ صرف زبردست اور سینہ زور یا ذمیم الاخلاق لوگوں سے ہی کمزوروں کی آزادی کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات اون نیک ارادہ اور روشن دماغ اشخاص سے بھی محافظت کی حاجت ہوتی ہے جو اپنے اتفاقی تلون مزاجی یا شدید جذبہ کو روک نہیں سکتی۔ قانون تمام لوگوں کی آزادی کا خیال رکھتا ہے اور کمزور سے کمزور اور ادلے سے ادلے شخص کی بھی اوسی مستعدی ویسی دلسوزی اور قوت سے حفاظت کرتا ہے جیسا کہ امیر اور اعلیٰ طبقہ کی۔ بعض ممالک میں ایسے قانون موجود ہیں جو اعلیٰ طبقہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور غریبوں یا رعایا کے ادلے طبقہ کو پیسے ڈالتے ہیں یا جو رعایا کی آزادی حکمرانوں کی مغرور طبیعتوں کے خوش کرنے کے لئے قربان کرتے ہیں یہ قانون بنانے والوں کا قصور ہے نہ اصول قانون کا۔ قانون وضع کرنا انسان کا فعل ہے اور انسان کا فعل سقم۔ غلطی۔ لغزش۔ عیب سے خالی نہیں ہو سکتا

قانونی آزادی

اس سبب سے ممکن ہے کہ ہر ضابطہ اور قانون میں واضعان قوانین کی عقل و دراندیشی میلان طبع کے لحاظ سے کم و بیش نقص پائے جائیں۔ لیکن اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ برے قانون نہیں بلکہ اچھے قوانین کے طفیل سلطنتوں اور ملکوں اور قوموں نے ترقی کی ہے اور اشاعت قانون نے ہر ملک میں آزادی کو اتنا برباد نہیں کیا جتنا اس کو بچایا ہے اور تہذیب و شائستگی کو بہت ترقی دی ہے۔

۴۔ ٹیکس

ہر گورنمنٹ کا فرض ہے کہ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اور بعض ایسے کام کرے جو بحیثیت گورنمنٹ اس کے ذمہ فرض ہیں۔ یا ملک کی رفاہ اور رعایا کی بہبودی اور آسائش کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح جو کام گورنمنٹ کو کرنے چاہئیں۔ وہ دو قسم کے ہو سکتے ہیں :-

۱۔ ضروری جو گورنمنٹ کے فرائض میں داخل ہیں۔

۲۔ استحصانی جو گورنمنٹ اس سبب سے اپنے ذمہ لیتی ہے کہ رعایا کو ایسے کا بندوبست کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور رعایا کا ہر ایک شخص یا چھوٹی چھوٹی جماعتیں اسے ایسی سہولت سے اور ایسے کم خرچ میں ایسا عمدہ نہیں کر سکتیں جیسا کہ گورنمنٹ کر سکتی ہے۔ اور چونکہ وہ کام نہایت ضروری اور ملک اور اہل ملک کے لئے سہولت و آسائش کا باعث ہوتے ہیں گورنمنٹ کا اون کے واسطے بندوبست کرنا نہایت مستحسن بلکہ لازمی ہے۔ پہلی قسم کی ضروری ذمہ داریاں تھوڑی ہیں لیکن جس قدر تھوڑی ہیں اسی قدر مشکل۔ اہم۔ بڑی ہیں مثلاً رعایا کے جان و مال کو غیر مالک کے حملہ آوروں کی دست برد سے بچانا۔ اس کے لئے بہت بڑی مسلح فوج رکھنے اور اس کے واسطے سامان حرب تیار کرنے جنگی جہاز بنانے وغیرہ کاموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوم خود رعایا میں جو مفسدین مفرق چور دوسرے لوگوں کے جان و مال کو تباہ اور برباد کرتے ہیں اون کو روکنا۔ اور

رعایا کی نگہبانی اور پاسبانی کرنا۔ اس کے لئے پولس متعین کرنے اور کو توالی کے انتظام کی حاجت ہے۔ سوم رعایا کی باہمی منازعات اور قضایا کا فیصلہ کرنا۔ اس کے لئے عدالت قائم کرنے قانون نافذ کرنے۔ اور دارالقضا بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب کام گورنمنٹ کے ذمہ فرض ہیں۔ چارم ملک کے واسطے سکہ بنانا اگرچہ بعض حکماء اس کو گورنمنٹ کے فرائض میں نہیں داخل کرتے لیکن سچ یہ ہے کہ اگر گورنمنٹ کوئی سکہ جاری نہ کرے تو ملک میں تجارت کی سہولت اور لین دین میں آسائش قائم نہیں رہ سکتی۔ ممکن ہے بلکہ یقیناً ایک شر یا ایک گروہ کے مفروضہ سکہ کو دوسرے شہر کے باشندے یا دوسرا گروہ نامنظور کرے گا۔ اور ان میں آئے دن رد و بدل اور قضیہ ہوتا رہے گا۔

یہ کام ایسے مہتمم بالشان ہیں کہ سوائے گورنمنٹ کے رعایا کبھی انجام نہیں دے سکتی خواہ وہ گورنمنٹ خود مختار بادشاہت ہو یا جمہوری سلطنت اور اگر رعایا کو اپنے جان و مال کی حفاظت بیرونی حملہ آوروں یا اپنے ہی شہر اور ملک کے قزاقوں سے کرنی پڑے تو اوس کا تمام وقت اپنی حفاظت میں گزر جائے۔ اور وہ کوئی صنعت کوئی پیشہ یا کوئی کام بھی نہ کر سکیں۔ بلکہ تھوڑے ہی دن میں فنا اور برباد ہو جائیں گی۔ یا جو کچھ پیدا کریں گی وہ محفوظ نہ رہے گا اور جلدی غارت ہو جائے گا۔

ان ضروری کاموں کے علاوہ استحسانی کام بہت سے ہیں اور یہ ضرور نہیں ہے کہ جو استحسانی کام ایک ملک میں کوئی گورنمنٹ اپنے ذمہ لے دوسرے ملک میں بھی گورنمنٹ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہوں۔ بلکہ ان کی تعداد ہر جگہ کی ضرورت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے مثلاً بعض ممالک میں سڑک اور ریل گورنمنٹ جاری کرتی ہے بعض میں خود رعایا کی کمپنیاں ان کاموں کو انجام دیتی ہیں۔ تمام مہذب ممالک میں ڈاک اور تار کا انتظام گورنمنٹ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ جس قدر سہولت سے گورنمنٹ اس کام کو چلا سکتی ہے اگر رعایا اپنی ڈاک علیحدہ علیحدہ

بھیجی چاہے تو اس قدر کم بلکہ برائے نام خرچ میں کبھی خبر سانی کا انتظام نہیں
 ہو سکتا۔ اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ خط بھیجنے میں اتنا ہی خرچ پڑے جتنا کہ
 انسان کے خود جانے میں تو جو دقیقین پیش آئیں وہ ظاہر ہیں۔ ڈاک اور تار
 اور اور ایسی چیزوں کے اس قدر کم ارزان اور سہل ہونے سے جو صرف گورنمنٹ کے
 انتظام کی خوبی ہے بے انتہا سہولتیں اور آسائشیں حاصل ہو رہی ہیں اور
 تجارت وغیرہ کی ترقی میں بہت مدد ملی ہے۔ یہ ناممکن بات ہے کہ کوئی صحیح
 فہرست ایسے کاموں کی بنائی جاسکے جس میں یہ فیصل کر دیا جائے کہ فلاں کام
 گورنمنٹ کو اپنے ذمہ لینے چاہئیں۔ اور فلاں کام خود رعایا کو کرنے چاہئیں۔
 ہر کام فی نفسہ غور طلب ہے اور ہر ملک کی حالت اور رعایا کی ضرورت اور مفاد
 کے لحاظ سے اس کی نسبت یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ گورنمنٹ انجام دے یا
 رعایا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ رعایا یا گورنمنٹ دونوں میں سے کون اس کام کو
 کم خرچ میں اور زیادہ عمدگی سے کر سکتا ہے۔ اور جس کی نسبت یہ فیصلہ ہو جائے
 اسی کے اختیار میں دینا چاہئے۔ جو کام ایسے وسیع ہیں کہ رعایا کے کل افراد
 امیر سے لیکر غریب تک ہر فرقہ ہر پیشہ اور ہر درجہ اور طبقہ کے لوگوں کو اذن کی
 ضرورت ہوتی ہے بلکہ اذن کی وسعت غیر ممالک اور غیر اقوام تک بھی پہنچتی ہو
 وہ گورنمنٹ کے کئے بغیر نہیں ہو سکتے۔ مثلاً انتظام ڈاک وغیرہ۔ لیکن جن کاموں
 کو رعایا سہولت اور کم خرچ میں کر سکتی ہے ان میں گورنمنٹ کا خواہ مخواہ دخل
 کرنا اور اس پر زیادہ روپیہ خرچ کرنا نازیبا ہے۔ مثلاً نمک یا امیون وغیرہ اشیاء
 کی پیداوار گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور اس کو بہت زیادہ
 گران کر کے فروخت کرتی ہے۔ گورنمنٹ کو اپنے ملازمین کو کام چھوڑنے کے بعد
 بھی بیش قرار تنخواہیں اور بھاری بھاری وظیفے دینے پڑتے ہیں اور اس سبب سے
 جو کام وہ کرتی ہے وہ زیادہ گران ہوتا ہے جس کا بار غریب رعایا کو اٹھانا پڑتا
 ہے اس لئے جب تک یہ یقین نہ ہو کہ گورنمنٹ کوئی کام کم خرچ میں اور زیادہ

سہولت اور زیادہ عمدگی سے انجام دے سکیگی اوس وقت تک گورنمنٹ کو ہاتھ ڈالنا ضرور نہیں ہے۔ البتہ بعض ضروری اور مفید کام جن کے فوائد سے رعایا ناواقف ہو خود شروع کر کے رعایا کے ہاتھ میں دیدینے شفیق اور محسن گورنمنٹ کا کام ہے۔ ہندوستان میں کونین کی کاشت اور فوائد سے لوگ ناواقف تھے اس واسطے گورنمنٹ نے خود اس کام کو شروع کیا اور فائدہ عام کر دیا۔ اسی طرح محکمہ تعلیمات ہے۔ قس علیٰ ہذا۔

خواہ گورمنٹ صرف ضروری فراغ انجام دے یا کم وبیش استحسانی کام بھی کرے اوس کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لئے فوج کی تنخواہ اور سامان جنگ کی قیمت کے لئے روپیہ درکار ہے۔ محکمہ عدالت و کہ تو الی میں ملازموں کی تنخواہیں دینی پڑتی ہیں علیٰ ہذا لقیاس حکومت اور سیاست کے قیام کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن روپیہ کہاں سے آئے جو اس قدر خرچ کیا جائے اس واسطے جن لوگوں کی حفاظت اور آسائش کے واسطے یہ کل کام کئے جاتے ہیں اون سے ہی اون کی اجرت لینی چاہئے۔ بازار سے جا کر میز و کرسی اور خور و نوش کا اسباب خریدتے ہیں اور مال کی قیمت اوپر بازار سے گھرتک لانے والے کی مزدوری دیتے ہیں۔ کھانا پکانے کے لئے باورچی اور خدمت کے واسطے ملازم رکھتے ہیں تو اوس کو تنخواہ دیتے ہیں۔ گورمنٹ سے جان و مال کی نگہبانی اور پاسبانی کا کام لیا جاتا ہے اور اوس کو اس کے عوض میں ٹیکس دیتے ہیں تا پاسبانی کے اخراجات چلا سکے۔ اس واسطے ٹیکس اوس رقم کا نام ہے جو لوکل یا جنرل گورمنٹ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر شخص اس واسطے ادا کرتا ہے کہ اوس کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ غرض ملک کے صنعتی یا زراعتی پیداوار کا ایک حصہ کل رعایا کی حفاظت اور امن کے کام میں صرف کرنے کے لئے گورمنٹ کو دیا جاتا ہے۔ تاکہ بد امنی اور فساد۔۔۔ جملہ لوگوں کے اطمینان اور اکتساب معاش کے مشاغل میں مارج نہ ہو۔ اور ملک کی کل

پیداوار پر پانی نہ پھر جائے۔ ورنہ جس قدر ٹیکس مین دیا جاتا ہے اوس سے زیادہ نقصان ہوگا۔ اس سبب سے گورنمنٹ خواہ کیسی بھی جابر اور ظالم کیون نہ ہو گورنمنٹ نہ ہونے سے بہتر ہے۔ اور اس کو دینار ایگان کرنا نہیں ہے۔ دوسرے لوگوں کو اجرت دینے اور گورنمنٹ کو اجرت دینے میں اتنا فرق ہے کہ اوروں کو دینا یا نہ دینا اور اوس سے کام لینا یا نہ لینا ہمارے اختیار میں ہے لیکن گورنمنٹ نے جو کام اپنے ذمہ فرض سمجھ رکھا ہے وہ اوس کو ضرور کر لینی خواہ ہم اوس سے وہ کام لینا چاہیں یا نہ چاہیں۔ اور جو معاوضہ (ٹیکس) گورنمنٹ نے مقرر کیا ہے وہ اگر ہم نہ دین تو زبردستی لیگی۔ یا تو گورنمنٹ کی حفاظت میں رہو ورنہ اوس کے ملک سے نکل جاؤ۔ کیونکہ گورنمنٹ یہ نہیں کر سکتی کہ جو فوج اور سامان اوس نے ملک کی حفاظت اور آسائش کے لئے مہیا کئے ہیں کسی خاص شخص کے لئے اوس کو روک دے۔ بلکہ وہ اوس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر سے نہیں اٹھا سکتی۔ اس واسطے یہ بالکل قرین انصاف ہے کہ اوس سے ٹیکس بھی برابر وصول کرے خواہ وہ دینا چاہے یا نہ چاہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ٹیکس کی مقدار معین کرنے کا اختیار بھی گورنمنٹ کو یا رعایا میں سے اون چند اشخاص کو جن کو گورنمنٹ مشورہ میں شریک کرے حاصل ہے اور جس وقت مانگے دینا پڑتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی حریف گورنمنٹ ضرورت سے زیادہ بھی لیتی ہو۔ لیکن عموماً انصاف پسند سلطنتیں اوسی قدر ٹیکس کا بار رعایا پر ڈالتی ہیں جو نہایت ضروری اور مناسب مقدار میں ہو۔ اور بہت ہی نرمی سے وصول کرتی ہیں۔

ٹیکس دو طرح وصول کیا جاتا ہے بلا واسطہ اور بالواسطہ۔ بلا واسطہ ٹیکس وصول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص سے ٹیکس لینا منظور ہو خود اوس کی ذات سے وصول کیا جائے۔ مثلاً انکم ٹیکس یا ہوس ٹیکس وغیرہ۔ اور بالواسطہ ٹیکس وصول کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اشیا تجارت وغیرہ پر ٹیکس لگا دیتے ہیں۔ ٹیکس

ٹیکس وصول کرنے کا طریقہ

سود اگر اوقات معینہ پر ادا کرتے ہیں مثلاً مال کی درآمد و برآمد پر یا کسی اور وقت۔
لیکن جب وہ شے خریداروں کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے تو سود اگر جس قدر
ٹیکس ادا کرتے ہیں وہ بھی قیمت میں بڑھا کر خریداروں سے وصول کر لیتے ہیں
اس طرح فی الحقیقت ٹیکس کاروپہ خریداروں سے وصول ہوتا ہے۔ اگرچہ
گورنمنٹ کو سود اگر وہ لے دیا ہو۔

اسٹامپ بھی ایک قسم کا ٹیکس کا ٹیکس ہے جو عدالت کے اخراجات
کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک کاغذ کی ایک خاص قیمت مقرر کر لیتے ہیں
اور فریقین مقدمہ کو وہ کاغذ خرید کر استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح سے
اگرچہ لوگ عدالت میں انفصال مقدمہ کے لئے کوئی رقم نہیں داخل کرتے لیکن
اون سے کافی فیس وصول کر لی جاتی ہے۔

گورنمنٹ کا بغیر ٹیکس لئے کام نہیں چلتا اور لوگوں کو ٹیکس دینے گران
گزرتے ہیں اور بعض اوقات یہ شکایتیں بہت بڑھ جاتی ہیں کہ گورنمنٹ بھاری
بھاری ٹیکس لگا کر غریبوں کو تنگ کرتی ہے۔ یا گورنمنٹ کو یہ شکایت ہوتی ہے
کہ لوگ ضرورتوں کا تو لحاظ نہیں کرتے اور ٹیکس دینے سے دم چراتے ہیں۔
لیکن اگرچہ گورنمنٹ اپنا کام کسی نہ کسی طرح نکال لیتی ہے۔ اور لوگوں کو چار و ناچار
جتنا گورنمنٹ مانگے ٹیکس دینا ہی پڑتا ہے لیکن پھر بھی یہ مناسب ہے کہ بعض ایسے
طریقے مقرر کئے جائیں کہ ٹیکس بسہولت وصول ہو جائے۔ اور رعایا پر بے ضرورت
بار نہ پڑے اس لئے چار طریقے مقرر کئے گئے ہیں:-

اول۔ ہر ایک شخص سے اوس کی آمدنی کے موافق ٹیکس لیا جائے۔ یعنی
گورنمنٹ کی زیر حفاظت رہ کر جو شخص جس قدر پیدا کرتا ہے اوس کے متناسب دسپہر
ٹیکس لگایا جائے تاکہ امیر غریب اپنی اپنی حیثیت کے موافق ٹیکس ادا کریں اور
سب میں درجہ مساوات قائم رہے۔ لیکن یہ اصول ایسے صحیح طریق سے کام میں
لانا کہ کسی شخص سے ذرا بھی کم و بیش ٹیکس نہ لیا جائے عملاً مشکل ہے۔ ہر شخص

کی صحیح آمدنی یا اوس کے روپیہ پیدا کر سکنے کی قابلیت کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اور یہ بھی ہو جائے تو اوس کے اخراجات کے لحاظ سے ایسا تناسب قائم کرنا کہ وہ مساوات کے درجہ سے متجاوز نہ ہو محال ہے۔ مثلاً عمرو کی آمدنی سو روپیہ ماہوار کی ہو اور اوس کے ذمہ چار آدمیوں کی پرورش ہو اور زید کی آمدنی بھی سو روپیہ ماہوار ہو اور اوس کے ذمہ کسی دوسرے شخص کا خرچ نہ ہو تو ان دونوں اشخاص سے برابر ٹیکس بنین وصول کیا جاسکتا۔ عمرو کو خور و نوش اور لباس وغیرہ کی اشیاء زید کی نسبت چار چند خریدنی پڑیں گی اور جو ٹیکس اوس کو ان اشیاء کے خریدنے میں بالواسطہ دینا پڑیگا وہ زید سے چار چند حصہ زیادہ ہوگا دراصل ایکہ دونوں کے اخراجات کے لحاظ سے قرین انصاف یہ ہے کہ زید زیادہ ٹیکس دے کیونکہ اوس کے اخراجات کم اور بچت زیادہ ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ زید اور عمرو کے استعمال کی اشیاء میں بھی فرق ہو اور ان کے لحاظ سے ۱ اور ۴ کی جو نسبت قائم ہے یہ بھی نہ رہے۔ گورنمنٹ کے لئے یہ ناممکن بات ہے کہ وہ کل رعایا کی آمد و خرچ کا بالکل صحیح حساب لگا کر اون پر ٹیکس قائم کرے۔ کوئی گورنمنٹ ایسا کرنا چاہے تو اوس کو اس قدر عملہ رکھنا پڑیگا کہ وصول شدہ ٹیکس کی ساری مقدار اوس عملہ کی تنخواہ وغیرہ اخراجات میں صرف ہو جائیگی۔ اور گورنمنٹ کو کچھ بھی پس انداز نہ ہوگا۔ اور اس طرح ٹیکس جمع کرنے کا اصلی مطلب فوت ہو جائیگا۔ پوری پوری مساوات قائم ہونا تو ناممکن ہے ان گورنمنٹ یہ کر سکتی ہے کہ محض آرائش یا مفضل خرچی کی اشیاء پر جن پر صرف امراء ہی روپیہ صرف کر سکتے ہیں زیادہ ٹیکس لگائے۔ مثلاً شراب۔ تنباکو۔ یا بیش قیمت لباس یا سامان آرائش پر کہ غباء اوس ٹیکس سے بچنا چاہیں تو اون کو نہ خریدیں۔ اور چونکہ وہ اشیاء ضروریات زندگی میں داخل نہیں ہیں اون کا کوئی ہرج اور نقصان بھی نہ ہوگا۔

دوم۔ ہرجیز کی نسبت ٹیکس کی مقدار معین کی جائے اور ٹیکس وصول

کرنے والوں کو اس میں کم و بیش کرنے کا اختیار نہ دیا جائے۔ اور ٹیکس کے ادا کرنے کا وقت۔ ادا کرنے کا طریقہ۔ اور مقدار معینہ۔ خود ٹیکس دینے والوں کو بلکہ عام طور پر سب کو پہلے سے معلوم ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو گورنمنٹ کے کارپرداز زیادہ ٹیکس وصول کریں گے یا لوگوں کے ساتھ رعایت کر کے کم ٹیکس وصول کریں گے۔ اس صورت میں تجارت کو بہت نقصان پہونچے گا۔ اور چونکہ لوگوں کو پہلے سے یہ نہ معلوم ہوگا کہ کس قدر ٹیکس دینا پڑے گا وہ اشیاء کی قیمت کا صحیح اندازہ نہ کر سکیں گے۔ اور لین دین میں تاہل کریں گے۔ نیز رشوت ستانی اور بے ایمانی کا بازار گرم ہو جائیگا۔ جس میں رعایا اور گورنمنٹ دونوں کا سراسر نقصان ہے۔

سوم۔ ٹیکس ایسے وقت میں لگایا جائے اور اس طرح سے وصول کیا جائے کہ دینے والوں کو ادا کرنا بہت سہل ہو۔ سوداگری کی اشیاء پر جو ٹیکس لگایا جاتا ہے وہ خریدار اس وقت ادا کرتے ہیں۔ جبکہ اس چیز کو خریدیں۔ اور خریدتے اس وقت ہیں جبکہ قدرت ہو۔ پس ایسے وقت میں ذرا سا ٹیکس ادا کرنا ناگوار نہیں معلوم ہوتا اور چونکہ عموماً اشیاء حسب ضرورت تھوڑی تھوڑی خریدی جاتی ہیں ٹیکس بھی تھوڑا تھوڑا ادا ہوتا رہتا ہے۔ اور گران بھی نہیں گزرتا۔ اسی طرح روپیہ کے لین دین کے وقت لینے والے سے رسید کے ٹکٹ کی غرض سے ایک آن وصول کرنا نہایت سہل طریقہ ہے۔ روپیہ وصول کرنے والے کے پاس چونکہ ایک رقم آتی ہے اسے ایک آن دینے کی کچھ بھی پروا نہیں ہوتی لیکن اگر یہی ایک آن روپیہ دینے والے سے لیا جائے تو اسے بہت ناگوار گزرے۔ اسی طرح ہر ایک ٹیکس کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ قاعدہ ملحوظ نہ رکھا جائیگا تو ایک تو لوگوں کو ادا کرنے میں تکلیف زیادہ ہوگی۔ دوسرے گورنمنٹ کو بھی کم روپیہ وصول ہوگا۔

چہارم۔ ٹیکس وصول کرنے کے ذریعے بھی ایسے مقرر کئے جائیں کہ وصول

خرچ بہت کم ہو اور جس قدر مقدار لوگوں سے وصول کی گئی ہے اوسمین سے بہت کم وصول کرنے والوں کی تنخواہ وغیرہ میں صرف ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو لوگوں کو زیادہ ٹیکس دینا پڑیگا۔ جو اون پر بار اور جبر ہوگا اور گورنمنٹ کا یہ نقصان ہوگا کہ رعایا سے روپیہ بھی لیا اور خزانہ خالی ہی رہا۔ اگر تیسرے اصول کی رعایت کی جائیگی تو ٹیکس وصول کرنے میں کم خرچ ہوگا کیونکہ اوس صورت میں وصول کرنے کے لئے زیادہ عملہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ٹیکس لگاتے وقت یہ ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ غریب پر ٹیکس کا بار کم پڑے۔ ایسی چیزوں پر جیسی کہ ٹیک۔ اناج۔ ترکاری وغیرہ میں ٹیکس لگانا غریب کو فاقہ مارنا ہے کیونکہ جب تک اپنے کسی ضروری خرچ کو بند نہ کریں غریب ٹیکس نہیں دے سکتے۔ مان جو لوگ نعمات اور لذت دنیا سے حظ اٹھا سکتے ہیں وہ اگر گورنمنٹ کے خزانہ میں بھی کچھ روپیہ داخل کریں تو جائز اور واجب ہے۔ اسی طرح سے انکم ٹیکس ہے جو ہر شخص کی ذاتی آمدنی پر لگایا جاتا ہے اس کا اثر بھی غریب پر زیادہ پڑتا ہے کیونکہ قلیل آمدنی والے شخص کو ٹیکس کی ایک رقم دینی اگرچہ خفیف ہو خالی از تکلیف نہیں ہے۔ قرین مصلحت یہ ہے کہ انکم ٹیکس میں بھی مختصر آمدنی کے لوگ ٹیکس سے مستثنیٰ کئے جائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے شہروں کی ویرانی کے دو سبب تحریر فرمائے ہیں۔ ایک تو ایسی جماعت کا پیدا ہونا جو کوئی کام نہیں کرتی اور بیت المال میں اپنا حق سمجھتی ہے ایسی جماعت جو دوسروں کے مال میں حصہ بنانے کے لئے تیار ہو جائے جب زیادہ ہو جاتی ہے تو قوم پر ایک بار ہو جاتا ہے۔ دوسرے بڑا سبب یہ ہے کہ سوداگروں اور صناعتوں پر بھاری بھاری ٹیکس مقرر کر دئے جائیں۔ ٹیکس کی کثرت سے فرمان بردار لوگوں کا امتیصال ہو جاتا ہے وہ بد حال اور تنگ دل ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ بغاوت کر بیٹھتے ہیں۔ تمدن کی اصلاح بڑے بڑے ٹیکسون سے نہیں بلکہ خفیف محصول مقرر کرنے سے ہوتی ہے۔

باب دوم

معاملات

۱۔ انسان کی ضرورتیں اور اون کے پورے ہونیکے عام تدابیر

انسان دنیا میں بہت سی چیزیں کا محتاج ہے اوس کو کھانے کے لئے غذا کی ضرورت ہے پینے کے واسطے پانی کی حاجت ہے رہنے کے لئے مکان درکار ہے۔ پھننے کے واسطے کپڑا چاہئے استعمال کے لئے برتنوں اور ہزار ہا اقسام کے اشیاء کی احتیاج ہے غرض دنیا میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے کسی نہ کسی طرح انسان کے کام کا ہے۔ انسان دنیا میں سردار بنا کر بھیجا گیا ہے اور اوس کو قدرت حاصل ہے کہ دنیا کی ہر ایک چیز کو خواہ قدرتی حالت میں خواہ اوس میں تصرف اور تصنع کر کے اپنے کام میں لائے۔ فطرت نے یہ انعام سب کو یکساں بخشا ہے اور کسی شخص کے واسطے دنیا کی پیداوار یا اوس کا کوئی حصہ اس طرح مخصوص نہیں کیا کہ یہ حصہ ایک شخص کی ملک ہے اور دوسرا حصہ دوسرے شخص کی۔ جو کچھ دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اوس کے استعمال کا استحقاق کل نسل انسان کو برابر عطا ہوا ہے اور اوس کو ہتھی عقل و تیز دی گئی ہے کہ وہ ان اشیاء کو کام میں لا کر فائدہ اور آرام حاصل کرے اور یہ چیزیں انسان کی بقاء حیات اور بقا و نسل کے لئے عمد ہوں۔ نباتات جو زمین سے اگتی ہیں حیوانات جو انسان کی طرح پیدا ہوتے ہیں اور اس زمین کی پیداوار سے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ معدنیات جو زمین سے نکلتی ہیں۔ یہ سب انسان کے استعمال میں آنے کی چیزیں ہیں لیکن قدرت نے ان کو کسی خاص شخص کی اس طرح ملک نہیں بنایا کہ اس میں دوسروں کا حصہ نہ ہو

لیکن انسان کی خلقت بکلاف دوسرے حیوانات کے فطرتاً ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ نہ تو کسی چیز کو کام میں لاتا ہے نہ اوس سے اوس وقت تک فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک کہ وہ اُسے اپنی ملک اس طرح نہ قرار دے کہ دوسروں کی شرکت یا اون کا حق اوس شے پر باقی نہ رہے۔ جس چیز میں سب کا حق برابر ہو اوس کو سب سے چھین کر محض اپنا قرار دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن خود ہر ایک انسان کی ذات میں ایک ایسی چیز ہے جو خاص اوس کی ملک ہے اور دوسروں کا اوس میں کوئی دخل نہیں ہے اس قوت کا نام ”محنت“ ہے یا اُس کے ہاتھوں کا سلیقہ جسے ”صنعت و حرفت“ کہتے ہیں۔ قدرتاً جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ بہت کم ایسی ہیں جو اوس حالت میں انسان کے استعمال کے قابل ہوں۔ مثلاً لکڑی کہ جب تک درخت سے کاٹ کر نہ لائیں ایندھن کا کام نہیں دیتی۔ یا جب تک اوس کا صندوق نہ بنائیں کپڑے رکھنے کے کام نہیں آسکتی۔ پتھر قدرتاً پیدا ہوتا ہے لیکن جب تک سنگتراش نہ گھرے مکان کے لئے ستون نہیں بن سکتے قس علی ہذا۔ پس انسان قدرتی حالت سے اٹھا کر جس چیز پر اپنی محنت صرف کرتا ہے وہ اوس کی ہو جاتی ہے وہ کان سے سونا نکالتا ہے اور پھر زیور بنا کر فروخت کرتا ہے غرض جس جگہ اور جس حالت میں قدرت نے کوئی چیز پیدا کی ہے اوس کو اوس جگہ سے لانا یا اوس میں کچھ تصرف کر کے استعمال کے قابل بنانا ملکیت کا استحقاق قائم کرتا ہے اور دوسرے اشخاص جو اس محنت میں شریک نہیں ہوتے اوس پر سے اپنا حق کھو دیتے ہیں اور وہ چیز محنت کرنے والے کی ہو جاتی ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قدرتی حالت میں ایک چیز تمام لوگوں کی ملک ہے تو کسی شخص کو اوس کو ہاتھ لگانے اور خواہ بذریعہ محنت ہی کیوں نہ ہو اوس پر قبضہ کرنے کا حق کیوں کر حاصل ہو گیا جب تک کہ وہ دنیا بھر کے تمام لوگوں سے اسے ہاتھ لگانے اور استعمال کے قابل بنانے کی اجازت نہ لیے لیکن نہیں فطرت کا یہ آئین نہیں ہی

حق استعمال کیلئے
ملکیت شرط ہے

محنت حق ملکیت
قائم کرتی ہے

فطرت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز پر پہلے محنت کرے اور پہلے اسے لیے وہ اوسی کی ہے۔ ایک شخص جنگل کے درختوں میں سے جنگلی پھل چن لیتا ہے اور اپنے گھر لاکر کھاتا ہے۔ دوسرا ایک ندی میں سے جو تمام ملک کو سیراب کرنے کے لئے بہ رہی ہے ایک گھڑا پانی بھر لیتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔ وہ ایک ہرن کا شکار کرتا ہے جو جنگل میں چرتا پھرتا تھا اور اس کا گوشت کھاتا اور کھال اوڑھ لیتا ہے۔ یہ پھل اور یہ پانی اور یہ گوشت و پوست جو اس شخص نے اور وہ سے پہلے لے لیا اس کی محنت کے طفیل اس شخص کا حق ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو خدا کے سارے بندے بھوکے پیاسے مرجائیں اور ہر ایک چیز جو نہایت افراط سے کل دنیا کے لئے پیدا کی گئی ہے بیکار پڑی رہے۔ لوگ نعمتہائے الہی کو دیکھیں اور ترسین اور کوئی شخص ہاتھ بھی نہ لگا سکے آج کل کا زمانہ تہذیب اور قواعد کا زمانہ ہے بات بات کے لئے قواعد و قوانین مقرر کئے گئے ہیں ملک اور جاگیر کے لئے بھی بہت سے قوانین ہیں لیکن قدرت کا یہ قانون جیسا ابتداءے آفرینش میں تھا آج تک تمام املاک کے قانون کی بنیاد ہے۔ آج بھی مچھلی والے بے پایاں سمندر میں سے مچھلیاں نکال لاتے ہیں اور فروخت کر کے اُن کی قیمت اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ سمندر میں سے موتی نکالتے ہیں اور دوسروں کو دکھاتے بھی نہیں۔

ایک اعتراض یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب ملک کا مدار محنت پر ہے تو ممکن ہے کہ ایک شخص تمام دنیا کی پیداوار پر قابض ہو جائے۔ تمام معدنیات اور نباتات وغیرہ اس کے حصہ میں آجائیں۔ لیکن یہ بات نہیں ہے۔ قدرت کے جس منتظم نے ہمیں محنت کا استحقاق عطا فرمایا ہے اُس نے اپنی حکمت بالغہ سے اس کی حد بھی مقرر فرمادی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر ایک چیز نہایت افراط سے پیدا کی ہے اور ہمیں اتنی ہی قوت بخشی ہے کہ ہم اس قدر حاصل کر سکتے ہیں جو ہماری ضروریات کے لئے کافی ہو۔ اور جس کی ہمیں

کوئی شخص اپنی قوت سے زیادہ محنت نہیں کر سکتا

فی الحقیقت ضرورت ہے۔ اور اس سے زیادہ جس قدر ہے وہ ہمارا نہیں بلکہ دوسروں کی محنت کا حصہ ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اس لئے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ وہ فضول برباد کی جائے۔ اگر دنیا بھر کی پیداوار کی افراط کو دیکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اتنی مدت سے دنیا قائم ہے اور اس میں سے کس قدر حصہ آج تک خرچ ہوا ہے پھر ایک انسان کے جمع کرنے کی طاقت کا اندازہ کرو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے دولت مند سے دولت مند کے پاس بھی دنیا کے کل خزانہ کے مقابلہ میں جو قدرتی حالت میں موجود ہے اتنا بھی نہیں جتنا کہ سمندر میں قطرہ۔ اس کے علاوہ انسان میں استعمال کی قدرت بہت ہی محدود ہے اس کے پاس چاہے کسی قدر ہر لکھن وہ صرف اتنا ہی استعمال کر سکتا ہے جتنا کہ ایک شخص کو درکار ہے اور باقی اگر کچھ بچے تو کسی نہ کسی طرح اور کبھی نہ کبھی دوسروں کا حصہ ہو گا۔

حیوانات کا گوشت و پوست۔ یا درختوں کے پھل پھول اور لکڑی یا معدنیات میں سونا چاندی اور تانبا ہی انسان کی ملک، مین داخل نہیں بلکہ انسان خود زمین کے حصوں کا مالک بھی ہے جس میں سے یہ کل چیزیں پیدا ہوتی ہیں ابتداء سے تمدن میں یہ زمین بھی انسان کے ہاتھ محنت ہی کے استحقاق سے لگی کیونکہ ہر ایک شخص جس قدر زمین میں زراعت کر سکتا۔ باغات لگا سکتا معدنیات کھود سکتا تھا غرض اپنی محنت و مشقت سے جس قدر حصہ زمین کو کام میں لا سکتا تھا وہ اُسی کا مالک ہو گیا اور جو لوگ ان کاموں کو ہاتھ نہ لگاتے تھے وہ اس کے استحقاق سے محروم ہو گئے۔ اور اگر اب وہ اس شخص سے چھینیں گے تو اس کی حق تلفی اور غصب کر جائے۔

اس طرح انسان کی ضروریات دو چیزوں سے پوری ہونے لگیں ایک تو زمین کی پیداوار سے اور دوسری اپنی محنت یا صنعت سے لیکن پھر بھی اسکی مشکلات کا خاتمہ نہ ہوا۔ انسان کی ضروریات لا حدود و لا تحصى واقع ہوئی ہیں

زمین انسان کی ملک ہے

انسان کی حاجت کی کثرت

اور خود اس کے پورا کئے پوری نہیں ہو سکتیں۔ اوس کو کھانے کے واسطے اناج کی ضرورت ہے اور اناج کے لئے زمین میں ہل چلانا۔ بونا۔ کاٹنا۔ پیسنا۔ چھٹانا۔ پکانا پڑتا ہے۔ یہی اتنا بڑا کام ہے کہ سارا وقت اسی میں صرف ہو جاتا ہے دوسری طرف لباس کی حاجت ہے رولی کی کاشت اوس کا کاتنا۔ کپڑے بننا۔ سینا۔ اس میں بجائے خود سارا وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کاموں کے کرنے کے لئے آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر زمین سے لوہا نکالنا اور اوزار بنانا آسان کام نہیں۔ اگر ایک جوتی کی ضرورت ہے تو چمڑا صاف کرنا۔ رنگنا۔ جوتا سینا۔ اسی طرح ہزاروں ضرورتیں اور لاکھوں کام ہیں ایک سر اور ہزار سودا بچارا انسان کیا کیا کرتا وہ ایک کم تو کر سکتا ہے کہ اناج بہت سا پیدا کر لے یا کپڑے بُن لے یا جوتے بنالے لیکن سارے کام اوس سے نہیں ہو سکتے۔ اناج کو ٹھون میں بھرا پڑا ہے۔ لیکن گلے سے ننگا ہے۔ سردی کے مارے اکڑا جاتا ہے۔ دوسرے شخص کے پاس کپڑوں کے تھان تیار رکھے ہیں لیکن فاقون کے مارے دم لبون پر آ رہا ہو عرض اس طرح ہر ایک کے پاس ایک چیز تو اوس کی ضروریات سے زیادہ موجود ہے لیکن دوسری چیزیں نہیں ہیں۔ اور حاجت سب کی برابر ہے۔ اس احتیاج نے اوسے یہ سبق پڑھایا کہ اپنے پاس جو چیز زیادہ ہو وہ تو وہ دوسروں کو دے اور جو چیز اون کی ضرورت سے زیادہ ہو وہ اون سے معاوضہ میں لے۔ اس طرح جولاہے نے کسان کو کپڑے دئے اور اناج لیکر اپنا پیٹ بھرا۔ موچی نے معمار کو جوتا بنا کر دیا اور اوس سے اپنا مکان بنوایا۔ غرض یوں ایک دوسرے کی معاونت سے سب کا کام چل نکلا۔ اسی کا نام ”تعاون“ ہے۔ اس احتیاج تعاون نے انسان کو مجبور کر رکھا ہے کہ چاہے باہم تخاص اور فساد ہو۔ جنگ و جدل برپا ہو لیکن سب ملکر رہیں۔ انسان جانوروں کی طرح تنہا رہی نہیں سکتا اور صرف اسی سبب سے نہیں رہ سکتا کہ تنہا اوس کی حاجتیں پوری

نہیں ہوتے۔ باہم ملکر رہنے سے مختلف صنعتوں کے لوگ اپنی اپنی اشیاء جو اون کے استعمال سے زیادہ ہوں دوسروں کو دیدیتے ہیں اور اون سے اوس کے عوض میں وہ چیز لے لیتے ہیں جو اون کو درکار ہے اس لین دین کا نام ”معاملات“ ہے۔ یعنی معاملات حکمت کا وہ حصہ ہیں جس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ باہمی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے دوسروں کی معاونت کس طرح کریں۔ نیز صنعت و زراعت و تجارت اور پیشوں کا بیان ہے جس سے لوگ باہم حاجت روائی کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”لوگ جتنی ترقی کرتے جائیں گے اور اون میں تہذیب و شائستگی بڑھتی جائیگی۔ لذت و عیش کی خواہش زیادہ ہوتی جائیگی آرائش و نمائش کا خیال بڑھتا جائیگا اوسی قدر مختلف صنعتیں اور دستکاریاں ایجاد ہوتی جائیں گی۔ لوگ کوئی خاص پیشہ دو وجہ سے اختیار کرتے ہیں ایک تو یہ کہ قدرتاؤں میں اوس کام کرنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے مثلاً کوئی دلیر اور شجاع آدمی ہے تو وہ فوجی خدمت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ عقل مند اور قوی الحافظ شخص حساب کتاب اور امور انتظامی اچھے کرتا ہے۔ یا توانا اور قوی الجثہ شخص ہے تو محنت اور مشقت کے کام زیادہ آسانی سے کریگا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ بعض اتفاقات ایسے واقع ہو جاتے ہیں کہ کسی شخص کو کوئی خاص فن سیکھنا سہل ہوتا ہے مثلاً کسی پیشہ ور کا لڑکا اپنے باپ کا فن آسانی سے سیکھ سکتا ہے یا ایسے مقام اور شہر میں رہتا ہے جہاں کسی خاص فن کی تعلیم دی جاتی ہو یا جہاں کسی خاص پیشہ کے اسباب قدرتاؤں ہوں اکثر لوگ عمدہ صناعت اور جائز طریقہ اکتساب معاش نہیں حاصل کر سکتے تو وہ ناجائز طریقوں پر اتر آتے ہیں مثلاً چوری کرتے ہیں۔ جو اکیلے ہیں اور ایسے ہی ایسے طریقوں سے دوسروں کا مال غصب کرتے ہیں۔ دنیا میں سلسلہ اسباب اس طرح قائم ہوا ہے کہ لوگوں کی حالت میں مساوات نہیں ہے

کوئی عقلمند ہے کوئی بے وقوف کسی میں کام کرنے کی قوت بہت زیادہ ہے کسی میں کم کوئی بالکل اپاہج ہی ہے کسی کی ضرورتیں بہت زیادہ ہیں کسی کی کم ہیں اس لئے یہ ضرور ہے کہ لوگ باہم معاونت کریں۔ اور یہی معاونت ”معاہدہ“ کہلاتی ہے۔ چونکہ معاملات میں لوگ اکثر بددیانتی۔ سستی۔ نقص عہد۔ یا انکار کیا کرتے ہیں اس لئے گواہ اور دستاویز۔ رہن۔ کفالت کی حاجت واقع ہوئی اور چونکہ انسان میں باہم ہمدردی اور اُلفت کا مادہ بھی ہے اسلئے وہ محتاجوں کو ضروری چیزیں بغیر معاوضہ کے بھی دیتا ہے اور اسی سبب سے ہبہ۔ عاریت۔ صدقہ۔ اور خیرات کا طریقہ جاری ہوا۔“

تبادلہ اشیا میں
دقتیں

ابتداء میں لین دین تبادلہ اشیاء کے ذریعہ سے ہوتا تھا اور یہ طریقہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ لیکن اس میں بھی قباحتیں اور دقتیں پیش آئیں مثلاً سنار جو تاج خریدنا چاہتا ہے اوس نے موچی سے کہا کہ زیور لیکر جوتا بنا دو لیکن موچی کے پاس تن ڈھکنے کو نہیں تو بال بچوں کا ماتھ گلا کیا ڈھکے۔ اوس نے جواب دیا کہ زیور نہیں کپڑے ہوں تو لاؤ۔ غرض یہ دقت اکثر پیش آنے لگی کہ ایک شخص کی چیزوں کو دوسرا اس سبب سے نہ لیتا تھا کہ اوس چیز کی اوس وقت ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اور وہ جو تیسری چیز لینا چاہتا تھا وہ اوس کو اس سبب سے نہ ملتی تھی کہ اوس کے مالک کو بھی ان اشیاء کی ضرورت نہیں تھی۔ غرض اس طرح ہر ایک شخص اپنی اپنی اشیاء لئے پھرتا تھا اور اون کا تبادلہ اس سبب سے مشکل ہو گیا تھا کہ ایسے دو شخص جن کو اون ہی اشیاء کے تبادلہ کی ضرورت ہو نہ ملتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اشیاء کی قیمت معین نہیں ہو سکتی تھی۔ سنار اور موچی میں اس سبب سے اتفاق نہ ہو سکتا تھا کہ زیور پیش قیمت ہے اور جوتہ کم قیمت اگر زیور کا ایک حصہ کاٹ کر دیدیں تو سنار زیور خراب ہوتا ہے۔ دو صاحب کتاب اور خوردبین کا تبادلہ کرنے بیٹھے لیکن خوردبین کی قیمت کتاب سے دو چند ہے اگر خوردبین آدمی

توڑ دین تو ساری برباد ہو جائے۔ اس وقت کو دور کرنے کے لئے سب نے ملکر یہ تجویز کی کہ ایک تیسری چیز اور ایجاد کی جائے اور سب اشیاء کے باہمی تبادلہ کے سب لوگ اس سے تبادلہ کیا کریں۔ اس چیز کا نام روپیہ رکھا گیا اب یہ ہونے لگا کہ بنیہ روپیہ کے عوض میں اناج فروخت کرتا اور اس روپیہ سے جوتا۔ زیور۔ چار۔ صندوق اور جو چیز درکار ہو خرید لیتا۔ اسی طرح موچی جوتہ روپیہ کے عوض بیچتا اور روپیہ کا اناج اور کپڑا خرید لاتا۔ روپیہ کے ایجاد ہونے سے دو فائدے ہوئے ایک تو تبادلہ اشیاء میں جو وقت پڑتی تھی وہ اٹھ گئی۔ اور روپیہ ذریعہ تبادلہ ہو گیا۔ دوم اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپیہ سے کیا جانے لگا۔ مثلاً یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں مکان کی کیا قیمت ہے تو کہہ دیجئے کہ اس قدر روپیہ اوس کی قیمت ہے۔ یا موتیوں کا ہار دو لاکھ روپیہ کا ہے۔ اگر روپیہ قیمت کے اندازہ کرنے کا ذریعہ نہ ہوتا اور ہم کو کسی بڑی آمدنی و خرچ کا اندازہ معلوم کرنا ہوتا تو بڑی وقت پڑتی مثلاً یہ دریافت کرنا ہوتا کہ کسی نواب کے پاس کتنی دولت ہے تو ضرور تھا کہ اوس کی کل املاک کی ایک لمبی چوڑی فہرست بنائی جائے اور اگر کسی ملک کی دولت اور پیداوار کا حال معلوم کرنا ہو تو ایک فہرست کیا ایک کتاب بنانی پڑتی اور پھر بھی شاید صحیح اندازہ نہ ہو سکتا۔ اسی طرح ایک چھوٹی سی چھوٹی کم قیمت چیز اور اعلیٰ سے اعلیٰ بیش قیمت شے کی قیمت روپیہ میں بیان کی جاتی ہے۔ غرض روپیہ دو کام دیتا ہے ایک تبادلہ اشیاء کا ذریعہ ہے اور دوم قیمتوں کے اندازہ کرنیکا معیار ہے روپیہ کے لئے یہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی خاص چیز کا بنایا جائے لیکن یہ ضرور ہے کہ خواہ کوئی چیز روپیہ قرار دی جائے لیکن تمام لوگ متفق ہو کر قرار دیں اور سب اوس کو روپیہ تسلیم کریں۔ اگر تمام دنیا کے لوگ نہیں تو ایک ملک اور ایک آبادی کے لوگ جن کو باہم لین دین کا اکثر کام پڑتا ہے ضرور متفق اور مجتمع ہوں۔ چنانچہ ایک زمانہ میں اہل چین نے چاء کے پتوں پر کچھ سکھ لگا کر روپیہ

روپیہ

روپیہ تبادلہ اشیاء اور قیمتوں کے اندازہ کرنے کا ذریعہ ہے۔

کی طرح چلایا۔ قدیم زمانہ میں یونانیوں کے ہاں مویشی سے روپیہ کا کام لیا گیا اور جب انہوں نے اتنی ترقی کی کہ باہر والوں کے ساتھ تجارت کرنے لگے تو کسی دھات کے ٹکڑوں پر پہل کی تصویر بنا کر روپیہ بنائے۔ غرض ہر ملک کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ ضرور ہے کہ اون میں روپیہ کا نام بھی نہ ہو اور وہ تمام اشیاء کا لین دین تبادلہ کے ذریعہ سے کرتے ہوں بعد میں جو چیز روپیہ کے بجائے قائم کی گئی وہ اکثر مالک میں ایک معمولی چیز ہوتی تھی یا ایسی چیز ہوتی تھی جس کی اوس ملک میں زیادہ ضرورت یا قدر یا پیداوار تھی۔ بعض ملکوں میں چمڑے کے ٹکڑے یا رنگی ہولی کھالیں روپیہ کا کام دیتی تھیں۔ ایسے روپیہ کے جاری کرنے سے اگرچہ ان لوگوں میں اشیاء کے تبادلہ میں سہولت ہو گئی لیکن جس چیز کا روپیہ بنایا جاتا تھا دوسری اقوام کی نظر میں اوس کی کوئی قیمت نہ ہوتی تھی۔ اس سبب سے وہ اُسے قبول نہ کرتے تھے اور دیگر اقوام سے تجارت نہ ہو سکتی تھی۔ جب تمدن اور تہذیب نے زیادہ ترقی کی اور لوگ دنیا کے دور درختوں میں تجارت کرنے لگے تو روپیہ کی اصلاح کی بھی ضرورت واقع ہوئی۔ اور کسی ایسی چیز کی روپیہ بنانے کی حاجت ہوئی جس کو دنیا کے تمام لوگ روپیہ تسلیم کرنے میں تامل نہ کریں۔ اگرچہ کسی ملک کے روپیہ کی قیمت کچھ زیادہ ہو کسی جگہ کے روپیہ کی قیمت کچھ کم ہو۔ لیکن ہم نہ ہو کہ کوئی اُسے روپیہ ہی نہ مانے۔ ظاہر ہے کہ ایسی چیز جس کا روپیہ بالعموم تسلیم کیا جائے وہی ہو سکتی ہے جس میں روپیہ کی ضرورت کو پورا کرنے کی زیادہ قابلیت ہو۔ سات صفتیں ہیں جو روپیہ میں ہونی چاہئیں اور اگر ان میں سے ایک کی بھی کمی ہوگی تو وہ روپیہ یا تو زیادہ عرصہ تک چل سکیگا یا عموماً سب ملکوں میں وہ روپیہ تسلیم نہ کیا جائیگا۔

اول۔ جس چیز یا جس دھات کا روپیہ بنایا جائے فی نفسہ وہ خود بھی قیمتی ہو اگرچہ ایک کاغذ یا چمڑے کے ٹکڑے یا پتھر یا لوہے کے روپیہ بھی بن سکتے ہیں اور اون سے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ کی قیمتی چیزیں خرید و فروخت کی جاسکتی ہیں

لیکن روپیہ کی یہ قیمت فرضی ہوگی اور اس وقت تک قائم رہے گی جب تک لوگ اس کے ذریعہ سے اشیاء کا تبادلہ کرنے یا معیار قیمت قرار دینے کے لئے متفق رہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہی سے ہونگے۔ یہ بات مدت سے چاندی اور سونے کو حاصل ہے کہ وہ دنیا کی تمام مہذب اور غیر مہذب اقوام میں قیمتی مانا جاتا ہے۔ اور اس سبب سے سونے اور چاندی کے سکے نے تمام دنیا میں رواج پایا۔

دوم۔ روپیہ کا حجم کم ہو۔ یعنی ایسی دھات کا ہو کہ اس کی تھوڑی مقدار کی بڑی قیمت ہو۔ قیمت لوہے۔ پتھر۔ رائگ۔ لکڑی کی بھی ہوتی ہے لیکن اگر لوہے یا لکڑی کے روپیہ بنائے جائیں تو ضرور تھا کہ کسی قیمتی چیز مثلاً سونے کی گھڑی یا ہیرے کی انگلیٹھی بلکہ اس سے بھی کم قیمت اشیاء کی قیمت کے روپیہ چھکڑوں پر لا کر لہجائے پڑتے اور ہر وقت کے لین دین میں ایسی بھاری بھاری بوجھ کا اٹھائے پھرنا کس قدر دشوار ہوتا۔ سونے اور چاندی میں یہ صفت ہے کہ تھوڑی مقدار ہی زیادہ قیمت کی ہوتی ہے اور اگر سونے اور چاندی کے روپیہ اسی گھڑی یا انگلیٹھی کی قیمت میں دے جائیں تو اون کی مقدار اس قدر ہوگی کہ لانے اور لیجانے میں ذرا بھی دقت نہ ہو۔ جواہرات کو بھی یہ تفوق حاصل ہے کہ وہ بہت ہی قیمتی مانے جاتے ہیں لیکن پھر بھی چاندی اور سونے کے سکے نے دنیا میں رواج پایا اور جواہرات کا روپیہ کبھی کسی ملک میں نہیں چلا۔ سبب یہ ہے کہ زیادہ قیمتی ہونے نے جواہرات کو محروم رکھا ایک تل برابر عمدہ جواہر کی قیمت دس بیس روپیہ ہوتی ہے۔ اب اگر روپیہ دو روپیہ کی چیز خریدنی ہو تو جواہرات کا سکے کتنا سا ہوگا۔ اور ہر وقت کے لین دین میں ایسی چھوٹی چیز کی حفاظت اتنی مشکل ہے کہ عملاً جواہرات کا سکے کام نہیں دے سکتا۔ سکے کا قیمتی ہونا ضرور ہے مگر نہ اتنا!

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا
سوم۔ ناممکن الفنا ہو۔ اگرچہ بقاؤ تو خداوند عزوجل ہی کی ذات پاک کو

ہے لیکن اس دنیا میں سونے کو یہ صفت حاصل ہے کہ چاہے آگ میں ڈالو یا پانی میں یا مٹی میں وہ ضائع نہیں ہوتا۔ زمین میں دفن کر دو کبھی نہیں گلتا۔ ہزاروں برس کے بعد نکالا جائے وہی آب و تاب موجود۔ رنگ بھی نہیں لگتا۔ اس کے خلاف اگر انڈون کا سکھ ہوتا یا شیشہ کی طرح کوئی اور نازک چیز ہوتی کہ ذرا ٹھیس لگی اور ٹوٹی تو بہتیروں کے دوالے روز نکل جاتے۔

چوتھی صفت روپیہ کی یہ ہے کہ اوس کے مادے کی قیمت مختلف نہ ہو۔ خالص سونے کے تولہ تولہ بھر کے دو ٹکڑے مساوی قیمت ہوتے ہیں۔ جواہرات کا یہ حال نہیں اون کی قیمت چمک دمک اور رنگ کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہے اگرچہ جسامت برابر ہو۔ مساوی وزن کے دو ہیرے کے ٹکڑے ہوں تو ایک کی قیمت پانچ سو اور دوسرے کی پانچ ہزار ہونی ممکن ہے۔ پھر بہلا ایسی چیز کا کیا سکھ چل سکتا ہے جس کے جتنے روپیہ نہیں سب مختلف قیمت کے ہوں۔ اور ہر وقت روپیہ کی صحیح قیمت تشخیص کرنا آسان کام نہیں۔ روپیہ پیدا ہوا ہے دنیا کے کاروبار میں سہولت پیدا ہونے کے لئے نہ کہ اور دقت پیدا کرنے کے واسطے۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ روپیہ کے مادہ کے ٹکڑے ہو سکیں اور نسبتاً اونکی قیمت میں کمی نہ آئے۔ مثلاً تولہ بھر سونا گھسے کا ہو تو چہ ماشہ بچے کا تین ماہیے کا جواہرات میں یہ بات نہیں وہ جتنے بڑے ہوں اتنے ہی زیادہ قیمتی ہیں۔ اور اگر اون کے ٹکڑے کیجئے تو قیمت بہت زیادہ گھٹ جاتی ہے۔ مثلاً ایک ہیرے کے دو مساوی حصہ کریں تو قیمت نصف نہ رہے گی بلکہ بہت زیادہ گھٹ جائیگی۔ چھٹی صفت یہ ہے کہ مادہ کی قیمت سب جگہ یکساں ہو۔ ایک سونا اور

چاندی ہے کہ تولہ بھر کی قیمت جو ہندوستان میں ہے وہی انگلستان میں وہی جاپان اور امریکہ میں۔ لکڑی۔ چمڑے۔ اناج۔ مویشی اور تقریباً تمام اشیاء کی قیمت یہاں کچھ ہے وہاں کچھ۔

ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ آسانی سے کھوٹا کھرا پر کھا جاسکے جیسے مر

علامات معینہ و مخصوصہ کے ذریعہ سے پہچان لیتے ہیں اور اس صفت کی حفاظت کے لئے ضرور ہے کہ گورنمنٹ روپیہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے اور اس پر کوئی علامت بنائے تاکہ کسی کو شک و شبہ کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور تمام لوگ اُسے سکہ قبول کریں۔ جن ممالک میں گورنمنٹ کی طرف سے سکہ کے انتظام پر توجہ نہیں ہے خود وہ ان کی رعایا غیر اقوام کے روپیہ لینے دینے میں تو باک نہیں کرتی لیکن اپنے ملک کا روپیہ لیتے ہیں تامل کرتی ہے۔

یہ تجارت کی ترقی کا زمانہ ہے لوگوں کو مختلف اقوام اور مختلف ممالک سے لین دین کرنے کا کام پڑتا ہے۔ اس سبب سے ان کو ایسے روپیہ کی ضرورت درپیش رہتی ہے جو زیادہ مروج ہو اور زیادہ مروج وہی ہوگا جس کی قیمت معین ہو اور جس کے کھرے ہونے میں لوگوں کو شبہ نہ ہو۔ اور چونکہ روپیہ فی نفسہ دولت نہیں ہے اور اس کی قیمت اعتبار پر ہے اس لئے ہر ملک کو اپنے روپیہ کا اعتبار قائم کرنا لازم ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ اعتبار صرف گورنمنٹ کے انتظام سے ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں چاندی کے روپیہ چلتے ہیں اور روپیہ کا وزن ایک تولہ ہے۔ چاندی کی ارزانی نے تولہ بھر کی قیمت تقریباً نو آنہ کر رکھی ہے لیکن روپیہ وہی سولہ آنہ کو چلتا ہے۔ اگر روپیہ کی قیمت صرف بازار کے بھاؤ پر قرار دی جائے کہ صبح کو روپیہ کا خوردہ کچھ ہو اور شام کو کچھ تو ایسا روپیہ آخر کار چاندی کے بھاؤ پر چلیگا۔ اور وہ اعتبار کم ہو جائیگا جو روپیہ کے لئے ضروری شرط ہے۔ روپیہ سے دنیا بھر کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں اور جس شخص کے پاس روپیہ زیادہ ہے اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہے حاصل کر لے۔ اس سبب سے روپیہ الون کو لوگ دولت مند کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ روپیہ دنیا میں بہت بکار آمد چیز ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ بالواسطہ بکار آمد ہوتا ہے جن مقامات میں اس کے تبادلہ سے ضروری اشیاء مل سکتی ہیں وہیں روپیہ روپیہ ہے ورنہ روپیہ کے ڈھیر فی نفسہ کسی کام کے نہیں۔ روپیہ پاس ہے لیکن جنگل میں اناج نہیں ملتا بھوک

روپیہ بالواسطہ
عاجت روائی
کرتا ہے

کے مارے برا حال ہے۔ روپیہ ہے لیکن پیٹ نہیں بھرتا۔ بیابان میں پانی کا قطرہ
میسر نہیں دل چاہتا ہے کہ کوئی روپیوں کے توڑے لیلے اور پیاس بھر پانی پلا دے
لیکن ناممکن۔ غرض اسی طرح دنیا کی ہر ایک چیز کا حال ہے۔ کہ اگر وہ نہ ملے تو
خواہ کتنا ہی روپیہ ہو حاجت پوری نہیں ہوتی۔ انسان کو دراصل روپیہ کی
ضرورت نہیں بلکہ ضرورت اُن اشیاء کی ہے جو وہ روپیہ کے تبادلہ میں لیتا ہے
روپیہ دیتا ہے اور کرسیاں اور میز۔ قالین۔ لیمپ۔ گلدان۔ کپڑا۔ جوتہ۔ اناج۔
مکان خریدتا ہے اگر یہ اشیاء نہ ہوں تو روپیہ بیکار ہے۔ مزدور دن بھر محنت
مزدوری کرتے ہیں اور شام کو مزدوری کے پیسے لیجا کر ضروریات زندگی خرید لیتے
ہیں۔ لوگ ملازمت کرتے ہیں اور مہینہ بھر کے بعد قلیل و کثیر جس قدر تنخواہ ملتی
ہے اس سے تمام اشیاء جن کی ضرورت ہے لیتے ہیں۔ اس لئے خواہ مزدوری ہو
خواہ نوکری۔ یا تجارت یا کوئی اور پیشہ دراصل روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے
نہیں ہے بلکہ اُن اشیاء کے حاصل کرنے کی غرض سے ہے جن کی ضرورت واقع ہو
اور جو اس روپیہ سے جو مزدوری۔ یا تنخواہ۔ یا اشیاء تجارت کی قیمت میں ملا ہے
خریدی جائیں گی۔ فرض کرو کہ کوئی آقا یا کوئی سرکار اپنے نوکر کو یا کوئی شخص
کسی مزدور یا کاریگر کو نقد روپیہ نہ دے بلکہ وہ تمام اشیاء خورد و نوش۔ لباس
مکان وغیرہ جس کی اس کو ضرورت ہے اس کے حسبِ لیاقت مہیا کر دے تو
ملازم کو روپیہ لینے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس
ایک پانی بھی نہ ہو لیکن اس کے پاس اسباب و اشیاء موجود ہوں جن کی اس کو
یا اور لوگوں کو ضرورت پڑتی ہے۔ تو وہ دولت مند ہے۔ روپیہ دولت نہیں ہے بلکہ
جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے دولت کے اندازہ کرنے کا معیار ہے جیسے کہ وزن کے
اندازہ کرنے کا معیار ترازو ہے۔ ایک گھڑی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ
چار تولہ کی ہے تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا وزن کیا ہے۔ اسی طرح جب یہ
کہا جائے کہ اس کی قیمت پچاس روپیہ ہے تو اس کی قیمت کا حال معلوم ہوگا۔

اگر کسی شخص کے پاس ایک پیسہ بھی نہ ہو لیکن ایسی ایسی سو گھڑیاں ہوں تو اتنا ہی دولت مند ہے جیسا کہ اس کے پاس پانچ ہزار روپیہ ہوں۔ وہ ان گھڑیوں سے پانچ ہزار روپیہ کی اور مختلف چیزیں خرید سکتا ہے۔ غرض روپیہ اور چیز ہے اور دولت اور چیز ہے۔ دولت وہ ہے جس کا تبادلہ ہو سکے۔ بنظر ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ کا تبادلہ اشیاء سے ہوتا ہے۔ لیکن نہیں غور کرنے سے یہ معلوم ہو گا کہ روپیہ سے تبادلہ نہیں ہوتا بلکہ روپیہ تبادلہ کا ایک آلہ یا وسیلہ ہے۔ ایک شخص نے گھڑی بچاس روپیہ کو فروخت کی اور پانچ پانچ روپیہ کو دس کرسیاں اس روپیہ سے دوسرے دن خریدیں تو کرسیوں کی ضرورت نے اس سے گھڑی فروخت کرائی تھی نہ کہ روپیہ کی حاجت نے اور اگرچہ گھڑی کی قیمت بچاس روپیہ ملی اور کرسیوں کی قیمت بچاس روپیہ دینی پڑی لیکن روپیہ صرف گھڑی اور کرسیوں کے تبادلہ کا آلہ ہوا۔ ورنہ گھڑی جا کر کرسیاں آئی ہین۔ یہی حال تمام دنیا کے روپیہ کے مصرف کا ہے۔ غرض روپیہ دولت نہیں بلکہ دولت وہ اشیاء ہین جو دولت کے تبادلہ میں اور بنظر ظاہر روپیہ کے تبادلہ میں حاصل ہوتی ہین۔ اور انسان کے لئے آسائش یا آرائش کا باعث ہوتی ہین۔ جن اشیاء کا تبادلہ نہیں ہو سکتا وہ خواہ مدارحیات ہوں لیکن دولت نہیں خیال کی جاتیں۔ کوئی تنفس نہیں جو ایک لمحہ بغیر ہوا کے زندہ رہ سکے۔ ہر جاندار نمون ہوا ہر روز سو گھنٹا ہے لیکن ایک جہہ قیمت ادا نہیں کرتا۔ قریشی تیل اور موم بتی دولت ہے اور سورج کی کرن جو سب سے زیادہ تیز۔ روشن اور دنیا میں سب سے زیادہ مفید ہے دولت نہیں۔ پانی مدارحیات ہے لیکن دریا کے کنارہ اس کی قیمت نہیں۔ ماں! صحرا میں ایک ایک قطرہ آب زر سے زیادہ قیمتی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ قادر حقیقی کے بے پایاں انعامات اور اعلیٰ مہربانیوں اور فیاضی کے ادنیٰ کرشمہ ہین۔ ورنہ اگر حضرت انسان کے قبضہ میں ہوا اور سورج ہوتا تو دیکھتے کہ زر زمین زن پر تو کیا جھگڑے پڑتے ہین جو سانس بھر ہوا اور ایک کرن سورج پر رن پڑتے۔

۲۔ صنعت و حرفت

پیداوار اور دولت
کے ذرائع

دولت پیدا کرنے کی خواہش تو عموماً سب ہی لوگوں کو ہے اس لئے دولت پیدا کرنے کے اصول سے واقفیت حاصل کرنی بھی ضرور ہے۔ کسی قوم میں دولت آسمان نہیں برستی بلکہ خود پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ دولت کے پیدا کرنے کے تین ذرائع ہیں۔ زمین۔ محنت۔ اور اس اکمال ان تینوں پر علیحدہ علیحدہ غور کرنا چاہئے۔

زمین دولت کی پیداوار کا قدرتی ذریعہ ہے۔ دنیا کی کل چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اناج زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ پھل و رختوں میں لگتے ہیں۔ درخت جن کی لکڑی کی بڑی بڑی چیزیں کروڑوں روپیہ کے جہازوں کے بیڑے اور ریلوں کی گاڑیاں بنتی ہیں زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ گھاس زمین سے اُگتی ہے اور مولیشی جس سے ہمیں گوشت پوست ملتا ہے گھاس چرتے ہیں اور اس سے ان کا جسم نشوونما پاتا ہے۔ لوہا۔ چاندی۔ سونا۔ کوئلہ۔ پتھر اور ہر طرح کے معدنیات زمین سے نکلتے ہیں۔ روئی اور سن کے درخت زمین سے اُگتے ہیں جن سے تمام اقسام کے کپڑے بنتے ہیں۔ غرض کوئی چیز چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں ہے جو زمین سے نہ پیدا ہوتی ہو۔ زمین کل دنیا کی دولت کے پیداوار کا مخزن ہے۔ اگر زمین نہ ہو تو انسان عقل اور ہنر لئے ہوئے بیٹھا رہے اور اسے کچھ بھی نہ ملے۔

محنت

دولت پیدا کرنے کا دوسرا ذریعہ محنت یعنی صنعت و حرفت ہے اگرچہ سب چیزیں قدرتا زمین سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ان کو بکار آمد اور بیش قیمت بنانا انسان کا کام ہے۔ جس چیز پر محنت صرف نہ ہو وہ کچھ بڑی دولت نہیں ہے مثلاً ہوا اور ذریا کے کنارہ پانی دولت نہیں ہے۔ لکڑی زمین سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا بکار آمد سامان بنانا انسان کا کام ہے۔ لوہا زمین سے نکلتا ہے لیکن اوزار انسان بناتا ہے۔ چاندی سونا زمین سے پیدا ہوتے ہیں لیکن زیورات انسان گھڑتا ہے۔ غرض بہت کم چیزیں ہیں جن پر انسان کی محنت نہ صرف ہوتی ہو

یہ محنت ہی ایسی عمدہ چیز ہے کہ دھڑی کی چیز کو لاکھوں روپیوں کا بنا دیتی ہے۔ گھڑی کے پُرزے پیتل کے بنتے ہیں اتنے سے پیتل کی قیمت دو تین آنہ بھی نہیں ہوتی لیکن گھڑی سیکڑوں روپیہ کو فروخت ہوتی ہے۔ جس شخص کے ہاں گھڑی بنانے کا کارخانہ ہو اور سیکڑوں گھڑیاں روز بناسکے تو اس کے ہاں کیون نہ دولت ٹوٹ پڑے۔ روٹی ایک روپیہ کی گئی سیر فروخت ہوتی ہے لیکن جب اس کا کپڑا بنایا جاتا ہے تو کئی روپیہ کا ایک گز بکتا ہے۔ غرض اسی طرح ہر ایک چیز جو قدرتی حالت میں ارزان ہوتی ہے جب اس پر محنت کی جاتی ہے تو بہت قیمتی ہو جاتی ہے۔ جس قوم میں صنعت و حرفت زیادہ ہوگی وہ زیادہ دولت مند ہوگی۔ اہل یورپ کے ہاں اس محنت اور صنعت کی بدولت دولت کا چراغ روشن ہے۔ انہوں نے ہاتھوں کے علاوہ مشین سے کام لینے کا طرز اختیار کیا ہے جو ایک دن میں ہزاروں ہاتھوں کا کام کرتی ہے اور کام بھی وہ جو سونے کی تول بکتا ہے۔ ہندوستان ایسا ملک ہے کہ قدرتی پیداوار کا منبع اور طرح طرح کی صنعت و حرفت کا مخزن ہے لیکن یہاں مشین سے کام لینے کا رواج نہیں تھا اس سبب سے اہل یورپ کی مصنوعات کے آگے اس کی صنعت کا چراغ ٹھنڈا ہو گیا اور آج اس کی صنعت و حرفت کے بازار بند پڑے ہیں اگرچہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو یورپ سے یہاں آتی ہو اور یہاں نہ پیدا ہو سکتی ہو لیکن لوگوں کو اس طرف توجہ چاہئے کہ وہ صنعت و حرفت سیکھیں اور خود ہاتھ پاؤں ہلائیں۔ آج کل تو یہاں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ کپڑا یورپ سے بنکر آئے تو ہم پہنیں۔ سوئی تاگہ وہاں سے آئے تو ہمارا لباس سل سکے۔ شیشہ اور چینی کے سامان یورپ سے آئیں تو ہم برتیں۔ لیمپ اور قریشی تیل بلکہ لمپ کی بتیاں بھی اہل یورپ بنا کر بھیجیں تو ہمارے ہاں چراغ جلے۔ نب۔ قلم۔ دوات۔ کاغذ۔ چاقو پینسل یورپ سے آئے تو ہم لکھ سکیں۔ غرض ہم کل کاموں میں اہل یورپ کے محتاج اور دست نگر ہیں۔ ایک الپن بھی ہمارے ہاں نہیں بنتی۔ جب یہ حالت ہے تو کیا تعجب ہے کہ ہم

منفلس اور اہل یورپ دولت مند ہوں۔ جس قوم کو دولت کمائی مقصود ہے اُسے صنعت و حرفت میں ترقی کرنی چاہئے۔ اور ایسی اشیا و بنائی لازم ہیں جو خوبی اور فائدہ میں بہت اعلیٰ ہوں جو شئی جس قدر زیادہ بکار آمد ہے اسی قدر اوس کی حاجت زیادہ ہوگی۔

محنت کے عمدہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ محنت کی تقسیم و تالیف مناسب طور پر کی جائے۔ محنت کی تقسیم سے یہ مراد ہے کہ ایک چیز کے بنانے میں جس قدر مختلف کام کرنے پڑیں وہ مختلف آدمی سرانجام دیں۔ اس طرح محنت کی تقسیم سے کئی فائدے ہیں۔ اول تو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور ایک قسم کے کام کو چھوڑ کر دوسرا کام کرنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اگر ہر شخص کے متعلق ایک ہی کام ہوگا تو وہ زیادہ جلدی پورا ہوگا مثلاً ایک کرسی کے بنانے میں ایک شخص صرف فریم بناتا ہے دوسرا اسے بتاتا ہے اور تیسرا رنگ پھیرتا ہے۔ اگر یہ سب کام ایک ہی آدمی کو کرنے پڑیں تو کام نہایت مشکل سے اور بہت عرصہ میں ہوتا ہے۔ اس طرح تین آدمی ملکر مہینہ بھر میں اتنی کرسیاں بنا سکتے ہیں کہ اگر علیحدہ علیحدہ ہر ایک آدمی اول سے آخر تک کرسی بناتا تو ایک ماہ میں اس سے نصف کرسیاں بھی نہ بن سکتیں۔ فرض کرو کہ ریل کی چھت پر سے لائینیں اُتارنی ہیں۔ اگر ایک ہی شخص کا یہ کام ہو کہ ریل کی چھت پر چڑھے اور وہاں سے قندیل اُتار کر پھر نیچے اُترے اور اوسے ٹوکرے میں رکھ کر پھر دوسرے درجہ تک لیجائے پھر چھت پر چڑھے اور پھر اُترے تو سولہ لائینیں اُتارنے میں بہت وقت صرف ہوگا لیکن جب تین چار آدمی ملکر یہ کام کرتے ہیں کہ ایک شخص چھت پر سے صرف لائینیں نکالتا ہے دوسرا اوس کے ہاتھ سے لیکر ٹوکرے میں رکھتا ہے تیسرا ٹوکرے اس کاٹا ہے تو سولہ لائینیں پھٹکا بھر میں اُتر آتی ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کام کا حال ہے کہ جب کئی آدمی اوس کے مختلف حصہ انجام دیں گے تو جلدی ہوگا۔ تقسیم محنت سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایک کام کو

محنت کی تقسیم و تالیف

تقسیم محنت کے فوائد

کرتے کرتے کارِ یگر کو ملکہ ہو جاتا ہے۔ اور کام زیادہ عمدہ اور جلدی بہ آتا ہے تیسرا
فائدہ تقسیم محنت کا یہ ہے کہ جو شخص جس درجہ کا کام کر سکتا ہے وہی اوس سے
لیا جاتا ہے کیا ضرورت ہے کہ جو شخص ایک روپیہ روز کی مزدوری کا کام کر سکتا ہی
اوس کو بھی وہی چار آنہ روز کی مزدوری کا کام دیا جائے۔ ایک مطبع میں ایک
کاپی نویس کو دو روپیہ روز دئے جاتے ہیں اور پر لیسین کو چار آنہ روز۔ اگر
کاپی نویس کا ہی یہ کام ہو کہ وہ کاپی لکھنے کے بعد پریس پر کام کرے تو خواہ مخواہ
اوسے دن بھر کے دو روپیہ دینے پڑیں گے اور جو کام چار آنہ میں ہوتا وہ دو روپیہ
میں ہو گا۔

تقسیم محنت میں جہاں کئی فائدے ہیں وہاں ایک نقصان بھی ہے یعنی
ہمیشہ صرف ایک کام انجام دیتے دیتے کارِ یگر کو دوسرے کام کی مشق نہیں ہتی
اور اگر اس کام کا مذا ہو جائے تو وہ پھر کسی کام کا نہیں رہتا۔ دوسرے یہ کہ
پورے کام کی عمدگی کا کوئی ذمہ دار نہیں ہوتا کیونکہ جس شخص نے جتنا کام کیا ہے
وہ اوسے کا ذمہ دار ہے۔

تالیف محنت
کا فائدہ

تالیف محنت یہ ہے کہ چند آدمی متحدہ طور پر ایک ہی کام کے کرنے میں
مدد دین بہت سے کام ایک آدمی کی قوت سے باہر ہوتے ہیں مثلاً ایک بھاری
شہتیر کا ایک مکان کی چوٹی پر چڑھانا۔ اس صورت میں جب تک چند آدمی ملکر
کام نہ کریں کام نہیں چلتا۔

کارِ یگر کے اخلاقی
دو بات

کام تو سب ہی کرتے ہیں لیکن کارِ یگر میں چار صفتیں ہونی چاہئیں کہ وہ
اچھا کام کر سکے۔ ایک ہنرمندی۔ دوم ذکاوت۔ سوم پرہیزگاری۔ چہارم دیانت۔
بے ہنر آدمی تو صنعت و حرقت کے کام ہی کا نہیں۔ جسے آتا ہی نہ ہو وہ کیا
خاک کام کریگا۔ بعض کام ایسے دقیق اور مشکل ہوتے ہیں کہ اون کو سیکھنے کے لئے
عرصہ درکار ہوتا ہے اور بہت مشق سے آتے ہیں لیکن ایسی ہی پھر اون کی قدر
بھی ہوتی ہے۔

کاریگر کی ذکاوت خود کاریگر کے لئے بہت مفید ہے ذہین اور طبہ ع کاریگر کوئی نئی ایجاد کرتے ہیں اور اوس فن کو اور زیادہ ترقی دیتے ہیں۔ جن لوگوں میں ذکاوت نہیں ہوتی وہ مشین کی طرح کام کرتے ہیں کہ جس کام پر لگا دیا اسی طرح کئے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ کام نہ ملا تو خود بھی بیکار ہو گئے۔ جیسے کہ ہندوستان کے کاریگروں کا حال ہے کہ جو چیزیں یہاں بنتی تھیں وہی ولایت سے بن کر آنے لگیں لیکن اُن کی صورت اور وضع میں ذرا تغیر و تبدل ہو گیا۔ اور طبیعتیں چونکہ جدت پسند واقع ہوئی ہیں لکھل جدید لذتہ لوگوں نے انکی خریداری کی طرف زیادہ میل کیا۔ یہاں کے کاریگر چونکہ لکیر کے فقیر تھے یہ مقابلہ نہ کر سکے رفتہ رفتہ ان کا بازار ایسا سرد ہوا کہ اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔

پرہیزگاری کاریگر میں کام کرنے کی قوت بڑھا دیتی ہے۔ بے اعتدالی کا قاعدہ ہے کہ بدن کی قوت گھٹاتی ہے اور جب بدن میں قوت نہ ہو تو ہاتھ پاؤں کیا چلیں۔

اگر کاریگر دیانت دار ہوں گے تو کارخانہ دار کو یہ ضرورت نہ ہوگی کہ ایک نگران کار نوکر رکھے اور جو روپیہ نگران کار کی تنخواہ میں صرف ہوتا ہے وہ بچ رہیگا۔ ان اوصاف کے حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ کاریگروں کی جماعت کو بھی تعلیم دی جائے خصوصاً علم اخلاق کی تعلیم کہ یہ دیانت و پرہیزگاری کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ جن ممالک میں تعلیم عام کر دی گئی ہے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو تعلیم سے بہرہ دیا جاتا ہے اُن کے مان کی صنعت و حرفت آج اوس اوج ترقی پر ہے کہ ایک ایک مزدور اپنے گھر راج کر رہا ہے۔ اور قوم کا دماغ آسمان پر ہے۔

دولت کے پیدا کرنے میں مشین سے بہت مدد ملی ہے اور دوسرے ممالک میں ان مشینوں ہی کے استعمال نے ہندوستان کی صنعت و حرفت کو خاک میں ملا دیا۔ رولی ہمارے ملک میں پیدا ہوتی ہے لیکن کپڑا ولایت کا بنا ہوا پہنتے ہیں۔ اور ہمارے مان کے اہل حرفہ فاقہ مرتے ہیں۔ لہذا ہندوستان میں نکلتا ہے لیکن

کاریگروں کو تعلیم کی ضرورت ہے۔

مشین کا استعمال اور رواج

چاقو انگلستان کے کارخانہ میں بنتے ہیں۔ اور ہمارے کاریگر ایک الپن بھی نہیں بنا سکتے۔ اور بچارے کیا کریں ایک دن میں اتنا کیونکر بنا سکتے ہیں کہ اس قدر ارزان فروخت کریں۔ مشین سے کام لینے میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ وہ ایک دن میں اتنی ساری چیزیں بنا سکتی ہے کہ سیکڑوں انسان نہیں بنا سکتے۔ دوسرے یہ کہ مشین سے ایسے کام لئے جاسکتے ہیں کہ انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔ مثلاً لاکھوں من کا بوجھ جرتھیل سے اٹھایا جاتا ہے۔ انجن منون بوجھ کو سیکڑوں کو س کے فاصلہ پر تھوڑی دیر میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور اور بہت ایسے کام ہیں جو انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔ اسی طرح مشین کے ذریعہ سے جس ملک میں دولت پیدا کرنے کا کام لیا جائیگا۔ وہ ملک بہت جلدی اور بہت زیادہ مالا مال ہوگا۔ مشین کے جاری کرنے سے ایک یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک مشین ہزاروں آدمی کا کام کرنے لگے گی تو یہ لوگ بیکار ہو جائیں گے اور روٹیوں کو محتاج پھر نیگے بیشک ایسا ضرور ہوگا کہ مشین کی ایجاد سے وہ لوگ جو وہی کام ہاتھ سے کرتے تھے بیکار ہو جائیں گے لیکن بہت تھوڑے دن کے لئے کیونکہ مشین کے استعمال سے ایک قسم کا کام بند ہوتا ہے لیکن کئی قسم کے کام کھل جاتے ہیں۔ جبیل جاری نہ تھی تو گاڑی اور گھوڑے منازل کے طے کرنے میں کام آتے تھے۔ ریل نے گاڑی گھوڑوں کے بجائے خود کام دیا اور گاڑیاں بیکار ہو گئے۔ لیکن ریل پر سیکڑوں طرح کے کام ایسے کھل گئے کہ اس سے کہیں زیادہ آدمیوں کی کھپت ہو گئی اب یہ گاڑیاں اگر اپنی ہی نادانی سے ریل پر کام نہ کریں تو نہ کریں ورنہ کام کی کمی نہیں ہے۔ ان مشین کے جاری کرنے سے یہ ضرور ہوتا ہے۔ کہ اہل حرفہ کو بعض اوقات اپنے کام کی نوعیت بدلنی پڑتی ہے۔ غرض خاص طور پر مشین کے ایجاد سے اگر کسی شخص کو کچھ عرصہ کے لئے نقصان ہو تو ہو لیکن بالعموم ملک کے بہت سے بیکار آدمیوں کے واسطے کام نکل آتا ہے۔ اور وہ اپنی روزی پیدا کرنے لگتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں اس وقت گھڑی بنانے۔ کپڑا بننے۔ لوہے کے

اوزار گھڑنے اور شیشہ و چینی کے برتن بنانے اور اور بہت سی چیزوں کے کارخانہ جاری ہوں۔ تو اگر کپڑے کی مشین سے جولاہوں اور لوہے کی مشین سے لوہاروں کو۔ کپڑا دھونے کی مشین سے دھوہیوں کو کچھ نقصان پہونچے گا۔ تو اس نقصان کی تلافی بہت اچھی طرح یوں ہو جائے گی کہ گھڑی سازی اور شیشہ وغیرہ کے کارخانوں میں اس سے کمین زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ غرض اپنے ملک میں ہر قسم کی صنعت و حرفت کے جاری کرنے سے یہ فائدہ ملیگا کہ ملک میں بیکار آدمی جو اب تلاش معاش میں سرگردان ہیں نہ رہیں گے بلکہ عام خوشحالی اور بہبودی پھیل جائیگی۔

مشینوں کے جاری کرنے اور کارخانوں کے کھولنے کے لئے **راس المال** کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ دولت پیدا کرنے کا تیسرا ذریعہ ہے۔ راس المال اس ذخیرہ کو کہتے ہیں جو آئندہ دولت کمانے کی غرض سے اٹھا رکھا گیا ہو۔ یہ راس المال بہت ضروری چیز ہے۔ دولت اگرچہ زمین سے اور محنت سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کے پیدا ہونے میں عرصہ لگتا ہے۔ اور اتنے عرصہ میں بھی کام کرنے والوں کو ضروریات زندگی حاصل کرنے کی احتیاج ہوتی ہے۔ راس المال کا کام یہ ہے کہ آئندہ دولت پیدا کرنے کے لئے جو کوشش کی جا رہی ہے اس میں مدد دے۔ فرض کرو کہ ایک کپڑا بننے کا کارخانہ کھولنا ہے۔ روٹی خریدنے اور اس کے کاتنے اور بننے میں ایک عرصہ درکار ہے۔ اس قدر عرصہ میں اوّل روٹی کی قیمت ادا کرنی دوسرے کاتنے اور بننے والوں کو روزانہ مزدوری دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر پہلے سے ذخیرہ نہ ہوگا تو یہ کام کس طرح ہو سکیں گے بعض اوقات کارخانہ کی عمارت اور مشین کی قیمت پر بھی لاکھوں کا خرچ ہوتا ہے جتنا بڑا کارخانہ ہوگا اتنے ہی زیادہ راس المال کی ضرورت ہوگی۔ اور پھر اسی لحاظ سے منافع بھی ہوگا۔ کہ زر زر کشد در جہان گنج گنج۔ دو باتیں ہیں جو راس المال جمع کرنے کی محرک ہوتی ہیں۔ اوّل تو آئندہ کی پیش بینی۔ دوم تجارت کے

راس المال جمع
کرنے کی تحریک

ذریعہ سے دولت کمانے کی خواہش۔ غیر مہذب ملکوں میں جہاں لوگوں کا جان و مال محفوظ نہیں ہوتا لوگ ایسے کاموں میں روپیہ لگانے سے احتیاط کرتے ہیں اور اس سبب سے جو بڑی بھلی مزدوری ملجائے اس ہی پر قناعت کرتے ہیں دوسرے یہ بھی ہے کہ بڑے کارخانہ کھولنے اور مشین کے ذریعہ سے اشیاء پیدا کرنے میں بہت بڑے ذخیرہ اور اس الماں کی ضرورت ہوتی ہے اس سبب سے لوگوں سے بڑے کارخانہ اور مشین قائم کرنے کا سرانجام نہیں ہو سکتا لیکن درحقیقت اس کا بہت سہل علاج ہے۔ یعنی بہت سے لوگ ملکر اتنا سرمایہ جمع کریں کہ جو کام وہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے اچھی طرح کافی ہو "دانہ دانہ شود انازار" مثلاً اگر کسی کارخانہ کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ درکار ہے تو سو سو روپیہ کے دس ہزار حصے کئے جائیں اس طرح اگر کسی شخص کے پاس سو روپیہ بھی ہونگے تو وہ بھی اس کارخانہ میں حصہ لے سکیگا۔ جن لوگوں کے پاس زیادہ روپیہ ہے وہ بہت سے حصے خرید سکتے ہیں۔ جب نفع تقسیم ہوگا تو ہر ایک حصہ دار کو اس کے حصہ کی نسبت سے روپیہ تقسیم ہو جائیگا۔ اس صورت میں نفع بھی اتنا معقول حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہی سو روپیہ کسی علیحدہ کام میں لگائے جائیں تو اس کا نصف حصہ منافع بھی حاصل نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں بطور شراکت روپیہ لگانے سے ہر ایک شخص کو وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ حصہ دار اپنے اپنے متعلقہ دوسرے کاروبار میں مصروف رہ سکتے ہیں

مشترک کپیناں

راس المال کے مصرف

راس المال کو نہایت احتیاط سے صرف ضروری اخراجات میں صرف کرنا چاہئے۔ لیکن خرچ کرنا ضروری ہے۔ اگر کل سرمایہ جمع رہیگا تو اس سے کچھ بھی منافع حاصل نہ ہوگا۔ راس المال کے تین مصرف ہیں۔ مکان۔ آلات اور مزدوری۔

ذخیرہ قائم

مکان اور آلات ذخیرہ قائم ہیں کہ ایک دفعہ بن گئے اور عمر بھر کام دیتے ہیں لیکن مزدوری کا یہ حال نہیں وہ روزانہ دینی پڑتی ہے۔ اور جس قدر دو

اس ہی قدر خرچ ہو جاتی ہے یہ ذخیرہ دائر ہے کہ ایک دفعہ اپنا حق ادا کر دیتا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی متحدہ کمپنیاں قائم ہوئی ہیں اور ان میں سے اکثر اچھی حالت میں ہیں۔ لیکن بعض کمپنیوں کو ناکامی بھی ہوئی۔ اور لوگوں کے حصے ڈوب گئے اس سے لوگ ذرا اس طرف سے بدگمان ہونے لگے ہیں اور عوام میں یہ بردلی پھیلتی جاتی ہے کہ کمپنیوں میں روپیہ دینا محض خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اگر یہ کیفیت ہوئی تو ملک کی ترقی کی طرف سے قطعی ناامیدی ہوگی۔ لیکن کوئی مرض نہیں ہے جس کا علاج نہ ہو البتہ تشخیص مرض اور علاج کی پابندی ضرور ہے۔ اس ملک میں کمپنیوں کی ناکامی کے کئی وجوہ ہیں۔ اول تو لوگوں میں پیش بینی کی کمی ہے۔ ہمیشہ اُن اشیاء کا کارخانہ کھولنا چاہئے جن کی ضرورت زیادہ ہو۔ ہندوستان ایسا ملک ہے کہ کل اقسام کی اشیاء کی اس میں کھپت ہے۔ لیکن لوگ یہ نہیں خیال کرتے کہ کس قسم کی اشیاء یہاں بن رہی ہیں اور کتنی باقی ہیں جو غیر مالک سے آتی ہیں۔ کارخانہ ان اشیاء کا کھولنا چاہئے جو غیر مالک سے آکر یہاں کثرت سے فروخت ہو رہی ہیں۔ ذرا سے غور سے معلوم ہو جائیگا کہ سیکڑوں انواع و اقسام کا مال دوسرے مالک سے چلا آ رہا ہے۔ لیکن چونکہ ان اشیاء کی ساخت کا علم اور لاگت اور نفع و نقصان کا اندازہ یہاں کے لوگ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ایسے کارخانے جاری کرتے ہیں جو ابھی جاری ہو چکے ہیں اس طرح اس شے کی پیداوار کی اتنی کثرت ہو جاتی ہے کہ اس مقام میں ضرورت نہیں رہتی۔ اور دونوں کارخانوں کو نقصان پہنچتا ہی باوجودیکہ نئی اشیاء بنانے کے لئے بہت میدان کھلا پڑا ہے۔

کمپنیوں کی
ناکامی کے
وجوہ
ایک ہی شے کے
چند کارخانے
نہیں ہوتے

لوگ ساخت اشیاء
کا علم نہیں رکھتے

دوم۔ لوگ بہت سی اشیاء کی ساخت کے علم سے واقف نہیں ہیں۔ افسوس ہے کہ وہ ملک جو صنعت و حرفت کی کان تھا جس کی تہذیب اور ترقی کا سارے عالم میں چراغ جلتا تھا۔ ایک دیاسلائی ٹنک کا محتاج ہے کہ یورپ جاپان سے آئے تو اس کے ہاں چراغ چلے۔ اب یہ ضرورت باقی نہیں ہے کہ

ملک میں تعلیمی درس گاہیں قائم کی جائیں اور ان میں وہ ناقص تعلیم دیجاوے جو آج کل کے مدارس میں دیجا رہی ہے۔ بلکہ مجبان قوم جو ملک کی ترقی کے خواہاں ہیں اگر قوم پر احسان کرنا چاہتے ہیں تو صنعت و حرفت کے مدارس قائم کریں۔ لوگوں کی ضروریات مختلف ہیں لہذا صرف ایک قسم کے مدارس میں ایک ہی تائیس کا سب آدمیوں کو گھڑنا کیا مفید ہوگا؟ صنعت و حرفت کے مدارس بھی ایک ہی طرح کے نہیں بلکہ مختلف فنون کے قائم کئے جائیں۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ ایک مدرسہ میں تمام فنون سکھائے جائیں بلکہ اگر ایک مدرسہ ایک ہی فن کی کامل تعلیم دے تو اوسنے ہے۔

اشیا کی صورت
اور وضع میں
تبدیلی

سوم۔ اس ملک کے کاریگر زمانہ کے اداسناس نہیں ہیں۔ لوگوں کے مذاق اور پسندیدگی کے بہلان بدل گئے ہیں۔ روز بروز نئے فیشن نکلتے چلے آتے ہیں۔ نئی نئی وضع کی چیزیں اختراع ہوتی ہیں ان کو چاہئے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ چلیں اور جس طرف خریداروں کا رجحان دیکھیں ویسی چیزیں بنائیں جس نئی چیز یا نئی طرز کی ضرورت ہو یا دوسرے ملک سے جو نیا نمونہ بنکر آئے اس کو چلنے نہ دیں بلکہ خود اس سے بہتر اور اس سے ارزان بنا کر فروخت کریں۔ ہم لوگ نہ صرف اشیا کے لئے دوسروں کے محتاج ہو گئے بلکہ وہ ہم پر ایسے حاوی ہو گئے ہیں کہ خود ہمارے واسطے نئے فیشن ایجاد کر کے ہمیں لوٹتے ہیں۔

ڈائریکٹران کمپنی کی
مقابلیت نقصان
پہونچاتی ہے

چہارم۔ اس ملک میں متحدہ کمپنیاں قائم ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں لیکن ابھی سے دوالہ بچنے لگے۔ اور کئی کارخانہ بند ہو گئے۔ جس سے حصہ داروں کا بہت نقصان ہوا۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ملک میں اس مال کی ضرورت نہیں بلکہ ڈائریکٹروں کا قصور ہے کہ ان میں کام کرنے کی قابلیت نہیں۔ یہ ملک کی تنہا بد نصیبی ہے کہ جن چیزوں کی اسے بے انتہا ضرورت ہے اون کے کارخانہ جاری ہوں اور نہ چل سکیں غیر اقوام تو دل میں خوش ہونگی۔ کہ یہ جتنے مالایق رہیں بہت اچھا ہے تاکہ ہمیں ہاتھ رنگنے کا موقع ملے۔ لیکن کیا اب ہم اتنے گدے گذرے

ہو گئے ہیں کہ اتنی سی بات نہ سمجھ سکیں کیا ہماری خود غرضی ہمارا لالچ اور ہماری
 نادانی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اپنے نفع کے واسطے تمام قوم کے نقصان کا
 کچھ بھی لحاظ نہ کریں۔ کیا ہم میں اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ یہ سمجھ سکیں کہ قوم کی
 عزت ہماری عزت۔ قوم کی بہبودی ہماری بہبودی اور قوم کی سلامتی ہماری
 سلامتی ہے۔ یہ ماننا کہ اگر کسی کمپنی کی بدنیت ڈائریکٹر دوسروں کا مال لے کر
 کھا جائیں گے تو وہ اپنا گھر بھر لیں گے لیکن یہ عام نقصان جو اس سے پھیلے گا
 کہ لوگ صنعت و تجارت کی طرف سے بد دل ہو کر متحدہ کام کرتے ڈرین گے اور
 اپنے موجودہ افلاس پر اس سبب سے قناعت کریں گے کہ مبادا جو تھوڑا بہت
 سرمایہ موجود ہے یہ بھی جاتا رہے تو اس سے جو تنزل اور تنزل کے سبب سے جو
 تذلیل قوم کو حاصل ہوگی اس سے وہ نا عاقبت اندیش اور کور باطن ڈائریکٹر
 نہیں بچ سکتے جنہوں نے اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے قومی بربادی کی بنیاد
 قائم کی۔ اکثر کمپنیاں اس سبب سے نہیں چلیں کہ ڈائریکٹروں نے دیانت داری
 سے کام نہیں کیا۔ دوسرا سبب نہ چلنے کا یہ بھی ہوا کہ منتظمین میں اتفاق قائم نہ رہا
 اور ان کی نزاع نے کارخانہ کو نقصان پہنچایا۔ یہ عقل سلیم اور اصابت رائے
 کی کمی کا قصور ہے۔ تیسرا سبب کارخانجات نہ چل سکنے کا اور بھی ہے اور وہ
 بھی کام کرنے والوں کی جہالت اور نا واقفیت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔
 ہمارے ملک میں ایسے لوگ بھی نہیں ہیں جو مشین کے استعمال اور کارخانہ کے
 انتظام کی واقفیت رکھتے ہوں۔ اس سبب سے ان کو غیر ملک اور غیر قوم کے
 منیجر ملازم رکھنے پڑتے ہیں۔ یہ منیجر اول تو تنخواہ اتنی لیتے ہیں کہ منافع کا ایک معتدبہ
 حصہ اون کی نذر ہو جاتا ہے دوسرے ان کو ڈائریکٹر ان کمپنی کی کوئی پرواہ نہیں
 ہوتی وہ بجائے اون کا کہا ماننے کے خود اپنی ناز برداری بلکہ حکمرانی چاہتے ہیں۔
 اور ایسا ہوتا بھی ہے۔ ان کو قومی یا ملکی کوئی تعلق یا دلسوزی کمپنی کے ساتھ
 نہیں ہوتی۔ اس سبب سے ان کو اس کے چلنے یا نہ چلنے کی پرواہ بھی نہیں ہوتی

اور چونکہ یہاں کے کارخانجات کے فروغ سے اپنے اہل وطن کی کساد بازاری کا اثر ایشہ ہوتا ہے ان کو اس کے ڈبوں نے مین کوئی تامل نہیں ہوتا۔ مین یہ نہیں کہتا کہ سب غیر ملکی منیجر ایسا ہی کرتے ہیں بلکہ ممکن ہے کہ بعض نیک نفس اس کے خلاف تن دہی اور دیانت داری سے کام کرتے ہوں لیکن کوئی کمپنی کسی غیر ملکی منیجر کے ہاتھوں ڈوبی ہے تو ضرور اس کا سبب یہی ہوا ہے۔ اگر کسی کارخانہ مین کسی غیر ملکی منیجر کے بغیر کام چل ہی نہ سکے تو تنخواؤ کے علاوہ منافع مین اس کو شریک اور حصہ دار کر لینا چاہئے تاکہ کام مین اس کی ذاتی دلچسپی بڑھ جائے اور وہ پوری توجہ سے کام کرے۔ بلکہ کمپنی کے کل کاموں مین مناسب یہی ہے کہ کارندوں کا حصہ ضرور شامل کیا جائے اس صورت مین وہ نہایت جان توڑ کراچھا اور بہتر کام کرنے کی کوشش کریں گے۔

اہل ملک کا حق
ہل گیا ہے

پنجسم۔ ہمارے ملک کی حالت اس سقیم بیمار کی سی ہے جسے نہ صرف تشخیص مرض اور تجویز دو اکی ضرورت ہے بلکہ تیمار داری کی بھی حاجت ہے اس لئے صرف سودا گروں اور صناعتوں کو تحریک دلانا ہی مفید نہیں بلکہ خود خریدار کی توجہ بھی درکار ہے۔ بد قسمتی سے اہل ملک کا مذاق اس قدر بگڑا ہوا ہے کہ ان کو اپنے ہاں کی کوئی چیز خوش نہیں آتی۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے ملک کی چیز تلاش کریں غیر مالک کی اسٹیڈ کی فرمائش کی جاتی ہے اگرچہ اپنے ملک مین اس سے بہتر اور اس سے ارزان موجود ہو۔ خریداروں کو یہ جان لینا چاہئے کہ دولت بہت مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور اس کو کھونا اپنی عزت۔ اپنی قوت۔ اور اپنے آرام کو کھودینا ہے۔ بنظر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم ایک چیز کی قیمت ادا کرتے ہیں تو ہمارے پاس سے تو قیمت ہر حال مین جاتی ہے خواہ وہ چیز کسی ملک کی ساخت ہو۔ لیکن واقعی دولت کے اپنے ملک مین چکر کرنے اور اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملک مین جانے مین بہت بڑا فرق ہے جو قیمت اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملک مین گئی وہ پھر واپس نہیں آتی اور اتنی قوت اپنے ملک سے

کم ہو جاتی ہے۔ اگر وہی قیمت یہاں رہتی تو اس سے زیادہ اس کا تبادلہ ہوتا۔
 جیسے کہ کوئی چیز صندوقچہ کے ایک خانہ سے نکال کر دوسرے خانہ میں رکھ دی جائے
 اگرچہ اس وقت ہماری جیب میں سے وہ قیمت نکل جاتی ہے لیکن اپنے ہی ملک
 میں رہنے کی صورت میں ملک کے متول میں زیادتی ہوتی اور ہماری محنت کے
 صلہ میں ہمیں خاطر خواہ قیمت مل سکتی اس طرح ایک چکر رہتا کہ سب خوش حال
 رہتے لیکن ملک میں افلاس ہو تو وہ محنت کا صلہ نہیں دے سکتا۔ اور لوگ
 زیادہ غریب حالت میں رہتے ہیں پس جو لوگ اپنے ملک کے مصنوعات خریدتے
 ہیں وہ بالواسطہ اپنے تئیں بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اس لئے جب کسی چیز
 کی ضرورت ہو تو اپنے ہی ملک کی بنی ہوئی تلاش کرو اگر نہ ملے تو خیر کہیں اور کی
 خریدنے کا مضائقہ نہیں۔ یہ طلب ایسی چیز ہے کہ اگر خریدار اس طرف ذرا توجہ
 کریں گے تو کارگر بہتر سے بہتر بنا کر لائیں گے۔ اور تھوڑے دن میں کہیں اور سے
 چیز منگوانے کی ضرورت نہ رہیگی۔ ہندوستان کے افلاس کا یہ سبب نہیں ہے
 کہ اس میں پیداوار کی کمی ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ اس کی دولت مختلف ذرائع
 سے دوسرے ملکوں میں کھینچی چلی جاتی ہے۔ اگر اہل ملک دیسی چیزوں کی طرف
 توجہ کریں تو کارگر کیا کچھ نہ کر دکھائیں۔ اس موقع پر ایک غلطی کی تصحیح کر دینی ضرور
 ہے لوگ اعتراض کریں گے کہ جب ہم کوئی چیز خریدتے ہیں تو وہ چیز لیکر روپیہ دیتے
 ہیں۔ روپیہ فی نفسہ دولت نہیں ہے اور جو چیز لی گئی ہے وہ دولت میں داخل ہے
 لہذا ہمارے ملک میں جب کوئی شے روپیہ کے عوض آتی ہے جو دولت ہے تو پھر
 اس کے خریدنے اور لینے میں کیا تامل ہے۔ بلکہ جس قدر زیادہ آئے بہتر اور سبب
 ہے۔ اور جب ہم ایک چیز کے بدلے دوسری چیز لیتے ہیں تو ملک میں کیوں افلاس
 پھیلے اس کے جواب میں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ جو روپیہ ہم نے دیا ہے وہ کیا
 شے ہے بیشک وہ دولت نہیں ہے لیکن تبادلہ دولت کا ذریعہ ہے۔ اس سبب
 سے ہم نے جو روپیہ حاصل کیا ہے وہ کسی نہ کسی محنت کے عوض میں حاصل کیا ہوگا

خواہ وہ ہماری کسی شے کی قیمت ہو یا تنخواہ یا مزدوری یا کچھ اور۔ غرض کوئی چیز روپیہ کی صورت میں جمع ہے۔ اور اس روپیہ میں اب یہ قوت ہے کہ جس چیز سے چاہیں ہم اس کا تبادلہ کر لیں اور جب تک یہ روپیہ قائم ہے اس کی قوت بھی قائم رہیگی۔ اب یہ غور کرو کہ غیر مالک سے جو اشیاء آئی ہیں وہ کیا کیا ہیں وہ اسی چیزیں ہیں کہ استعمال کرنے سے تھوڑے دن بعد ہو چکین گی ان میں بعض بہت کم دیر پائیں۔ بعض سوائے آرائش کے کسی ضروری کام کی نہیں۔ بعض صرف کھیل تماشہ ہی ہیں جو بالکل غیر ضروری ہیں۔ اپنے ملک میں یہ بہت کم قیمت میں بنی ہیں اور یہاں آکر دو چنڈ اور سہ چنڈ قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کے خریدنے سے ملک میں دو طرح سے افلاس پھیلا۔ ایک تو یہ کہ جو چیز خریدی اس کا جس قدر منافع ہے وہ اس ملک سے مفت گیا اب رہی اصل قیمت اس کا ادا کرنا بھی خالی از نقصان نہیں۔ کیونکہ جو روپیہ دیا گیا وہ اُس ملک میں قائم رہیگا اور اس کا دور اُس ملک میں ہمیشہ ہوگا۔ اور یہاں وہ چیز اتنے روز میں اس قدر فرسودہ ہو جائے گی کہ اس کے خریدنے کی ضرورت پھر واقع ہوگی۔ اگر اس روپیہ کا سرکولیشن اس ملک میں ہوتا تو جس قدر دولت پیدا ہوتی۔ وہ کسی نہ کسی صورت میں محفوظ رہتی بلکہ روز بروز بڑھتی جاتی۔ اور اس طرح ملک دولت مند ہو جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیر ملک کی جو چیز ہم کو دی گئی ہے۔ اگر اس کی اصلی لاگت بھی لی جائے تو بھی ہمارے ملک میں افلاس ضرور پھیلے گا کیونکہ اصلی لاگت میں کاریگروں کی مزدوری وغیرہ شامل ہے اگر وہ چیز ہمارے ملک میں بنائی جاتی تو ہمارے ہاں کے مزدوروں اور کاریگروں کو اس کی اجرت ملتی اس طرح وہ خوش حال ہوتے۔ اور جب دوسرے ملک میں بنی ہے تو اگرچہ ہم نے اصلی قیمت دی اور بالفرض تبادلہ میں ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں ہوا لیکن ملک کے غریب پیشہ وروں کا بیشک نقصان ہوا۔ کہ ہم نے ان سے محنت نہ لی۔ اور وہ بیکار اور پریشان رہے۔ تجارت روپیہ کمانے کا ذریعہ ہے

لیکن۔ جس قوم میں صنعت و حرفت نہیں وہ تجارت کس چیز کی کریں گے۔ اگر دوسرے ملکوں کی بنائی ہوئی چیزیں خود فروخت کریں تو بھی زیادہ نفع حاصل نہ ہوگا تھوڑی سی کمیشن مل رہیگی۔ تجارت جس چیز کا نام ہے وہ تو اپنی ہی مصنوعات کی ہے۔ اور اس سے منافع کثیر حاصل ہوتا ہے۔ صنعت و حرفت میں حصہ لینا صرف غربا اور پیشہ ور لوگوں کا ہی کام نہیں ہے بلکہ اُمراء کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہئے کہ جو چیز درکار ہو اپنے ملک سے لین یا بنوائیں اور یہ کوشش کریں کہ ملک میں اعلیٰ اعلیٰ اشیاء بن سکیں خصوصاً مشین جاری کرنا اور ان کے حصے لینا یا کوئی بڑا کارخانہ کھولنا اُمراء سے زیادہ سہولت سے ممکن ہے۔ وہ زمانہ گیا جو یہ کام حقارت سے دیکھے جاتے تھے اب ان کے کرنے میں عزت ہے نہ صرف اس دنیا میں بلکہ دونوں جہان میں۔ الکا سب جلیب اللہ۔ دنیا میں تہذیب اور شائستگی صناعت کی بدولت پھیلی۔ جب قدیم زمانہ کی تاریخ میں کسی قوم کی تہذیب اور شائستگی کا پتہ لگاتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ کن کن پیشوں کے نام اوس زمانہ کی تاریخ میں ملتے ہیں اگر پہلے لوگ صنعت و دستکاری کی طرف توجہ نہ کرتے یا زراعت و فلاحت کو ترقی نہ دیتے تو آج دنیا میں تہذیب کی ابتدا بھی نہ ہوتی۔ آج وہ تمام راحت و آرام و سہولت مفقود ہوتی۔ جو ان کی ایجاد اور اختراعات سے حاصل ہوئی۔ اور جو اصول اُنہوں نے مقرر کئے وہ آج سائنس اور تمام علوم و فنون کی بنیاد ہیں۔ ہزار ہا کوششیں کرنے اور ہزار ہا کامیوں کے بعد دن رات کی محنت و جانفشانی سے ان لوگوں نے اشیاء کی ایجاد کی اور ان کے بنانے کے طریقے نکالے تاکہ بنی نوع انسان کی زندگی میں نطف و آسائش پیدا ہو۔

اس مضمون کو زیادہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اہل یورپ کی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ اُنہوں نے صرف صنعت و حرفت کے طفیل کہاں سے کہاں ترقی کی ہے اور کتنی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی بنائی ہوئی اشیاء

دوسرے ملک میں فروخت ہوں۔ دوسرے ملک کی مصنوعات اپنے ملک میں لینا اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں میں کھڑی مارنا ہے۔ ہاں قدرتی پیداوار جو ہمارے ملک میں نہ ہو دوسرے ممالک سے لیکر اپنے کام میں لائیں تو مضائقہ نہیں لیکن ہمارا ملک ایسا نہیں جو قدرتی پیداوار میں دوسروں کا دست نگر ہو۔ اپنے ملک سے مصنوعات کا دوسرے ممالک میں بھیجنا مفید ہے اور قدرتی پیداوار کا باہر جانا باشندوں کے حق میں مضر ہے۔ اور یہاں سے قدرتی پیداوار ہی باہر جاتی ہے اور اہل ملک کی بے توجہی اور بدسلوکی کے سبب اوس کی مصنوعات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ترقی کے لئے میدان موجود ہے اہل ہمت قدم آگے بڑھیں اور تعلیم صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہوں۔

تعلیم صنعت و حرفت

تعلیم صنعت و حرفت سے یہ مراد ہے کہ ایسی تعلیم دی جائے جو لوگوں کے لئے ضروریات زندگی مہیا کرنے میں مدد دے۔ انسان کی ضرورتیں مختلف واقع ہوتی ہیں اور اس تعلیم میں ان تمام اشیاء کا بنانا اور پیدا کرنا داخل ہے جس کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔

صنعت و حرفت کی تعلیم کی ضرورت لوگوں کو روز بروز زیادہ معلوم ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ ایک ایسی تعلیم کے لئے تقاضا کرنے لگے ہیں جو ان کو اپنے ملک کی پیداوار کو کام میں لانا اور اوس سے نفع اٹھانا سکھائے۔ آج کل بڑے بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبے اور دیہات میں بھی مدارس قائم ہیں لیکن وہ طلبہ کو کسی کام کا بتاتے ہیں۔ شاید اکثر کا وقت اس طرح صرف ہوتا ہے کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور جب مدرسہ سے نکلے ہیں تو نان شبینہ کو محتاج پھرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تعلیم سے قوار عقلی کی تہذیب اور تکمیل مراد ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی تو رکھنا چاہئے کہ قوار بدنی کی پرورش کے لئے کیا انتظام کیا جا رہا ہے ؟ تعلیم صنعت و حرفت سے یہ مراد ہے کہ لوگوں کو ایسے فنون اور اس قسم کے سائنس کی تعلیم دی جائے جس سے وہ کوئی پیشہ یا

کسی قسم کی تجارت کر سکیں۔ جن مدارس میں یہ تعلیم دی جاتی ہے وہ مذریعہ صنعت و حرفت کہلاتے ہیں اور تعلیم صنعت و حرفت انسان کو یہ سکھاتی ہے۔ کہ وہ کوئی ایسا کام کرنے لگے جو دولت پیدا کرنے کا سبب ہو۔ اور انسان کی احتیاج اور خواہشیں اس سے پوری ہو سکیں۔ اس علم میں دولت کی پیداوار کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ اور تمام ایسے علوم جن کا پیدار و دولت میں عملاً کام پڑتا ہے اس میں داخل ہیں۔ آج کل اشیاء کی ساخت اور پیداوار کے طریقہ اس قدر بدل گئے ہیں اور کلون اور دغانی انجن کے استعمال نے ان کا سیکھنا اس قدر مشکل کر دیا ہے کہ جب تک کسی شخص کو اس فن کی باقاعدہ تعلیم نہ دی جائے وہ اپنے پیشہ میں ترقی نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض پیشہ اختیار ہی نہیں کر سکتا۔ جن کارخانوں میں تقسیم محنت کا قاعدہ جاری ہے۔ اور ایک شخص سے ایک ہی قسم کا کام عمر بھر لیا جاتا ہے وہاں ایک کاریگر پورے طور سے سارے کام سے واقف نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی صنعتی مدرسہ میں پورے کام کو نہ سیکھے اور اسے اس کام کی باقاعدہ تعلیم نہ دی جائے اسی طرح بہت سے آدمی اگرچہ کارخانوں میں اپنی تمام عمر گزار دیتے ہیں لیکن خود کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے وہ بچوں کی طرح صرف کام کا ایک حصہ انجام دے سکتے ہیں۔ صنعتی کاموں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن میں مشین اور کلون اور انجن سے کام لیا جاتا ہے۔ جیسے لوہے کے کارخانہ۔ دوسرے وہ جن میں انسان اپنے ہاتھوں اور اوزاروں سے کام لیتا ہے۔ تیسرے وہ جن کا دار مدار صنائع کی دماغی قوا اور مشاقی پر ہے جیسے مصوری۔ سنگ تراشی۔ چوتھے زراعت۔ لوگوں کو ان پیشوں میں تین قسم کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ بعض کاریگر ہیں اور خود اپنے ہاتھ سے کام بناتے ہیں۔ بعض نگران کار ہیں۔ بعض منتظم اور صاحب کارخانہ ہیں اور ان تینوں قسم کے کاموں کے انجام دینے کے لئے بہت بڑی لیاقت۔ واقفیت تجربہ۔ پیش بینی اور انتظام کی ضرورت ہے۔ صنعتی تعلیم کے لئے جو مدارس

قائم کئے جائیں ان میں دو قسم کی تعلیم ہونی چاہئے ایک تو اُن علوم (سائنس) کی تعلیم ہو جو اشیاء کے بنانے اور پیدا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ مثلاً ریاضی۔ انجینیئر۔ نباتات۔ زراعت۔ وغیرہ اور ان علوم کو عملاً کام میں لانا سکھایا جائے۔ دوسری مختلف قسم کی صنعتیں اور ہاتھ کے کام سکھائے جائیں۔ تاکہ ہر شخص اپنا سرمایہ اور اپنی لیاقت کو کام میں لاسکے۔ اور غیر مالک کا محتاج نہ رہے۔

۳۔ تجارت

تجارت کی ضرورت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب انسان کی ضروریات اس کے لئے پوری نہ ہو سکیں تو اس نے یہ تدبیر نکالی کہ اپنے پاس کی اشیاء کو دوسرے لوگوں کو دے کر ان کے پاس سے اپنی ضرورت کی چیزیں لینے لگا یہ لین دین پہلے کچھ عرصہ تک تو اشیاء ہی کے تبادلہ سے ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ یہ طریقہ مشکل تھا بجائے باہمی تبادلہ کے اشیاء کی قیمت روپیہ میں لی جانے لگی۔ اس فن نے رفتہ رفتہ اس قدر زور پکڑا کہ قوموں کی قوت و دولت اور ملک کی ثروت کا انحصار تجارت کی ترقی پر ہو گیا۔ بلکہ تجارت ان کا جزو بن گئی۔ تجارت اس کا نام ہے کہ ایک شخص اپنی کسی چیز کو جس پر وہ مالکانہ قابض ہے کسی قیمت کو دوسرے شخص کو دے تاجر کو جس چیز پر ملکیت کا حق نہیں وہ فروخت نہیں کر سکتا۔ اور تجارت کے لئے ضرور ہے کہ پہلے کوئی چیز اپنی ملک قرار دی جائے بعض دوکاندار ایسا بھی کرتے ہیں کہ دوسروں سے مال منگا کر فروخت کرتے ہیں اور جب وہ فروخت ہو جاتا ہے تو اس کی قیمت ادا کر دیتے ہیں۔ دراصل یہ تجارت نہیں بلکہ دلالی ہے کہ اصل مالک کمال فروخت کرنے کے عوض کچھ اجرت ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ دراصل تجارت اپنے ہی مصنوعات فروخت کرنے کا نام ہے کوئی مال جس قدر روپیہ یا جس قدر کسی دوسری شے کے عوض میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ وہ روپیہ یا وہ شے اس مال کی قیمت ہے لیکن کسی چیز کی قیمت ہر حال میں یکساں نہیں رہتی بلکہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے قیمت کے گھٹنے اور بڑھنے کے دو سبب ہوتے ہیں یا تو اس شے کی مقدار یا خریداروں کی

تجارت کیلئے ملک ہونی شرط ہے۔

قیمت کی کمی و بیشی کے سبب

طلب میں فرق آجاتا ہے یا جس شے کے بدلے وہ فروخت کی جا رہی تھی یا یوں کہا جائے کہ جو چیز اوس کی قیمت تھی اوس کی مقدار یا طلب میں کوئی فرق واقع ہوتا ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک چیز کی قیمت بڑھتی ہے تو دوسری چیز کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ آج کل چونکہ لین دین روپیہ میں ہوتا ہے تو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ جب شے کی قیمت بڑھتی ہے تو اوس کے مقابلہ میں روپیہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے اور جب روپیہ کی قیمت بڑھتی ہے تو شے کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ اور اگر تبادلہ اشیاء کی صورت میں ہو تو بھی یہی قاعدہ رہیگا جن دو چیزوں کا تبادلہ مقصود ہو ان میں سے اگر ایک کی قیمت بڑھیں گی تو دوسری چیز کی قیمت گھٹ جائیگی۔ اور جب دوسری چیز کی قیمت بڑھیں گی تو پہلی چیز کی قیمت کم ہو جائے گی۔

جب مال کا قیمت کے ساتھ اندازہ کیا جائے تو تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں :-

۱۔ بعض مال تو اس قسم کا ہے کہ دنیا میں جس قدر موجود ہے اُتنا ہی ہے اب اگر اوس کو بڑھانا چاہو۔ تو ناممکن ہے۔ مثلاً ایک اعلیٰ درجہ کی مصور کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں یا کسی خوشنویس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں کہ مصور اور کاتب مرچکے ہیں لیکن تصویریں اور کتابیں ایسی لا جواب ہیں کہ لوگ خریداری کو آمادہ ہیں۔

۲۔ دوسری قسم کا مال اس طرح کا ہے کہ اگر مال میں افزائش کی جائے تو ساتھ ہی ساخت یا پیداوار کا خرچ بھی زیادہ پڑتا ہے مثلاً اناج کی زراعت یا معدنیات نکالنے کا خرچ کہ اگر کم پیدا کرنا ہو تو کم خرچ پڑیگا اور اگر زیادہ پیدا کرنا ہو تو اوس حساب سے لاگت بھی زیادہ آئے گی۔

۳۔ تیسری قسم کی چیزیں وہ ہیں کہ اون کے تھوڑے سے بنانے میں جس قدر لاگت آتی ہے اوس سے زیادہ بہت سے بنانے میں نہیں آتی۔ یہ

مصنوعات کا حال ہے خصوصاً وہ مصنوعات جو مشین سے تیار ہوتی ہیں۔ ان تینوں قسم کے مال کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کے مختلف سبب ہوتے ہیں۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ خود مال کی مقدار اور خریداری کی طلب (مانگ) کا قیمت پر کیا اثر ہوتا ہے۔ کسی چیز کی قیمت ایسی ہونی چاہئے کہ جتنی چیز ہے اسی قدر اوس کے خریدار بہم پہنچ جائیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر کم قیمت ہوگی اسی قدر زیادہ خریدار ہوں گے۔ اور جس قدر زیادہ قیمت ہوگی اسی قدر خریدار کم ہونگے اگر کسی چیز کی قیمت اس قدر زیادہ ہو کہ لاگت سے بہت زیادہ حصہ اوس میں منافع ہو تو نفع کے لالچ میں اور لوگ اوس چیز کو بہت کثرت سے بنانا شروع کر دیتے ہیں اور جب کسی چیز کی کثرت ہو جاتی ہے تو خریدار اوس قدر نہیں رہتے اور پھر قیمت گھٹتے گھٹتے مناسب معیار پر آ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مال کی اتنی مقدار موجود ہو کہ خریدار اُتنے نہ ہوں اور وہ بہت سستے داموں فروخت ہو تو سودا گروں کو نفع کم ملتا ہے۔ اور اس سبب سے لوگ اُسے بنانا چھوڑ دیتے ہیں یا کم کر دیتے ہیں۔ اور جب مال کی مقدار میں کمی آتی ہے تو اوس میں بھی خریداروں کی تعداد سے مساوات پیدا ہو جاتی ہے اور قیمت اس قدر بڑھ جاتی ہے جتنی کہ اوس شے کے لئے مناسب ہو۔ لیکن جو ایسی چیزیں ہیں جن کا قسم اول میں ذکر کیا گیا چونکہ ان کی تعداد نہیں بڑھتی خواہ خریدار زیادہ ہوں یا کم اوس کی قیمت میں اس قدر افزایش کرنی پڑتی ہے کہ خریداروں کی تعداد موجودہ شے کے برابر ہو جائے۔ باقی دونوں قسم کی چیزوں کی قیمت اس بات پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر بکار آمد ہیں۔ اور ان کا حاصل کرنا کس قدر مشکل ہے۔ بکار آمد ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ آسائش یا آرائش کے کام آسکیں اور ان کو دیکھ کر طبیعت میں لینے کی خواہش پیدا ہو اگر یہ بات نہ ہوگی تو کسی چیز کے حاصل کرنے میں خواہ کسی قدر وقت کیوں نہ ہو کوئی شخص بھی پروا نہ کرے گا کہ اسے خریدے یا لے۔ جو چیز ذرا بھی بکار آمد ہے

اوسے لینے کی خواہش ہر شخص کو ہوتی ہے اور جس قدر زیادہ قابل استعمال اور ضروری شے ہے اوسی قدر اوس کی خریدار اور طلبگار زیادہ ہون گے۔ اور اگر ایسی شے کی مقدار معین ہوگی تو سونے کی تول بلکہ بعض اوقات اوس سے بھی زیادہ گران فروخت ہوگی۔ بکار آمد ہونے کے ساتھ حصول شے میں جس قدر زیادہ وقت ہو اوسی قدر زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

اناج کی قیمت

اگرچہ مال کی قیمت زیادہ ہونے سے خریداروں کی کمی ہوتی ہے لیکن اناج کا یہ حال نہیں بلکہ اناج اگر گران ہو تو جب تک خریداروں کی جان میں جان ہے لینا نہیں چھوڑے اور چونکہ مدار حیات اسی پر ہے ہر طرح کے خرچ کم کر کے اناج لیتے ہیں۔ اس لئے اگر قحط پڑ جائے اور اناج کی پیداوار میں قلت ہو تو دوسرے مقامات اور دوسرے ممالک سے اناج لا کر فروخت کرنا پڑتا ہے۔ کسی مقام کی مزرعہ پیداوار محدود اور متعین ہو اور وہاں کی آبادی بڑھ جائے تو بھی اناج کی کمی واقع ہوتی ہے اس صورت میں جو زمین غیر مزرعہ پڑی تھی یا آبادی سے فاصلہ پر تھی اوس میں بھی زراعت کرتے ہیں چونکہ یہ کھیت آبادی سے دور ہوتے ہیں یہاں سے آبادی تک اناج کے لانے کا خرچ بھی زیادہ پڑتا ہے اور اسی سبب سے پہلے کی نسبت اناج کسی قدر گران فروخت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن اشیاء کی مقدار دنیا میں محدود ہے اور اب وہ کسی کے بڑھائے نہیں بڑھ سکتیں۔ اون کی قیمت تو اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ ہنسی چیز ہے اتنی ہی خریدار لے سکیں۔ اور باقی منہ دیکھتے رہ جائیں۔

جو چیزیں ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور اون کے زیادہ پیدا کرنے سے خرچ بھی زیادہ بڑھتا ہے وہ گران فروخت ہوتی ہیں لیکن جہاں تک ممکن ہو خریداروں کے واسطے اون کا مہیا کرنا ضرور ہے۔

جو اشیاء ایسی ہیں کہ اگر زیادہ بنائی جائیں تو خرچ بہت زیادہ نہیں بڑھتا وہ اول اول تو ضرورت کے لائق بنائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر ادن کی مانگ بڑھ جائے

تو ان کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ قیمت کی یہ زیادتی صرف چند روز ہی رہتی ہے۔ لوگ اس چیز کو اس کثرت سے بناتے ہیں کہ پھر بہت جلد ہی اصلی قیمت پر آجاتی ہے۔ یہ اشیاء کی قیمت کے اصول ہیں جن سے تجارت کو واقف ہونا لازم ہے۔ آج کل تجارت کا پیشہ آسان کام نہیں رہا ہے۔ اور بغیر وسیع معلومات کے کوئی شخص اس میں خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکتا۔ کلون اور انجنون کے استعمال اور وسائل آمد و رفت کی سہولت نے تمام دنیا کے نرخ میں تغیر و تبدل پیدا کر دیے ہیں۔ اگر ایک چیز کا دنیا کے کسی حصہ میں بھاؤ بدل جاتا ہے تو تمام دوسرے حصوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح کوئی نئی یا بہتر چیز کسی مقام پر کثرت سے بننے لگتی ہے تو اس قسم کی کمتر اشیاء کا بازار تمام دنیا میں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اس زمانہ میں تاجر کو صرف اپنے شہر اور قریہ کے حالات سے واقف ہونا کافی نہیں بلکہ اس کی معلومات کی وسعت اس قدر ہونی چاہئے کہ مشرق و مغرب تک کی خبر رکھ سکے۔ اور اپنے کاروبار کو گھٹنے نہ دے۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں تاجر کو علم حساب۔ علم جغرافیہ۔ اور مختلف زبانوں سے بھی واقف ہونا لازم ہے۔

اصول تجارت کی
معلومات کی ضرورت

ہندوستان میں تجارتی تعلیم بالکل نہیں دی جاتی اور لوگ صرف یونیورسٹی کی تعلیم پر اکتفا کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے بازار اور منڈیاں باہر لوگوں کے مال سے پٹی پڑی ہیں اور یہاں لانے اور بیچنے والے بھی باہر کے ہی لوگ ہیں۔

۴۔ زراعت

کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے جو زراعت سے زیادہ قابل تعریف ہو۔ یہ خود انسان کی ذات کے لئے مفید اور تمام بنی نوع کے لئے بکار آمد اور نہایت ضروری ہے نہ کوئی پیشہ اس سے زیادہ منترہ ہے نہ اس سے زیادہ تفریح بخش نہ اس سے زیادہ قدیم نہ اس سے زیادہ قابل عزت ہے۔

زراعت کی فضا

بدقسمتی سے اہل ملک کو زراعت کی طرف اس قدر توجہ نہیں جوتائے بڑے زرخیز ملک کے شایان ہو۔ لوگ ملازمت یا چھوٹی چھوٹی تجارتوں کی طرف زیادہ

اہل ملک کو زراعت
کی طرف توجہ نہیں

موجہ ہیں۔ اور خوش حال آدمیوں کو بالکل بھی یہ خیال نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں کو زراعت کا کام سکھائیں۔ سوائے کسانوں یا چند غریبوں کے زراعت کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ زراعت ایسے ادنیٰ طریقہ سے اور اتنے چھوٹے چھوٹے قطعوں کی ہوتی ہے کہ زمین کے محصول ہی میں ساری پیداوار کی ادنیٰ لگ جاتی ہے اور مزارعین کے پاس کچھ تھوڑی سی پیداوار بچ رہتی ہے۔ کہ وہیں اون کا پورا خرچ بھی نہیں چلتا۔ زمینداروں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اتنی سی اٹلاک پر مغرور ہو جاتے ہیں اور فن زراعت سے اس قدر ناواقف ہوتے ہیں کہ نہ تو پیداوار کو ترقی دے سکتے ہیں نہ زمین کی حالت درست کر سکتے ہیں۔ زراعت کو ترقی دینے کے اصول ایسے یقینی اور سہل ہیں اور ان سے اس قدر معتد بہ فائدہ ہوتا ہے کہ اگر اس طرف توجہ کی جائے تو اس سے زیادہ نفع حاصل ہو سکتا ہے جتنا کہ کسی بڑی سے بڑی تجارت یا کسی پیشہ میں کامیابی سے ممکن ہے۔ سب لوگوں کو ایک قسم کی تعلیم مفید نہیں ہو سکتی ہزاروں لڑکے ہر سال محنت کی محنت کے بعد امتحانات یونیورسٹی پاس کرتے ہیں اور پھر ناقدری اور کس مہیسی کی حالت میں تلاش معاش کے لئے ٹھوکرین کھاتے پھرتے ہیں۔ اگر ان میں سے بعضوں کو سات آٹھ برس کی عمر سے زراعت کے کام پر لگایا جائے اور ان میں کامل واقفیت اور مہارت پیدا کی جائے اور بڑے ہوئے پر ایک سرمایہ دیکر انہیں زراعت میں مشغول کر دیا جائے تو ملک کی سرسبزی آنا فنا بڑھے کیونکہ اس چھوٹے سے قطعہ زمین کی پیداوار بھی اس قدر کافی ہوگی کہ ایک کنبہ کا پیٹ بھر سکے۔ اور جن کے پاس بڑی بڑی زمینیں ہوں اور وہ محنت سے کام لیں تو ان کو بہت ہی نفع حاصل ہوگا۔

زراعت کی
ضرورت

زراعت قیام حیات کے لئے ضروری ہے اس کی ضرورت اسی پر قیاس کر لو کہ اگر ملک میں اور فنون نہ ہوں تو زراعت قائم رہ سکتی ہے لیکن اگر کسی جگہ زراعت نہ ہو تو وہاں کوئی فن نہ ہو نہیں رہ سکتا۔ اگر انسانوں میں قوت نطق نہ رہے

تو آج تمدن کی بنیاد خاک میں مل جائے اور حیوانوں کی طرح انسان پریشان ہو جائیں۔ یہی حال فنون میں زراعت کا ہے کہ سب کا شیرازہ زراعت کے طفیل بندھا ہوا ہے یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ایسی قومیں پہلے زمانہ میں تھیں کہ انہیں سوائے زراعت کے اور کوئی فن رائج نہ تھا اگرچہ ان کی زندگی اوس اعلیٰ درجہ کی نہ تھی جو مہذب قوموں کو حاصل ہے لیکن یہ ثابت ہے کہ وہ زندہ رہتے اور رہ سکے تھے۔

زراعت ایک پاک پیشہ ہے

زراعت کے پیشہ میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہایت پاک ہے اور مزارع اعلیٰ درجہ کی منزہ زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر مزارعین میں پرہیزگاری نہ رہے تو وہ سب سے زیادہ قابل الزام ہیں کیونکہ ناپرہیزگاری اور خرابی کی طرف مائل کرنے کے لئے مزارعین کے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ مزارعین کا دنیا میں سب سے زیادہ امن پسند اور بے آزار فرقہ ہے جس کو ملک کے قضیوں سے مطلب ہے نہ سلطنت کے جھگڑوں سے ان کی زندگی کا طریقہ ہی ایسا واقع ہوا ہے کہ امن اور سکون کو پسند کریں اور باہمدگر محبت اور موانست رکھیں۔

دیہاتی زندگی

دیہاتی زندگی جو ایک مزارع کو حاصل ہوتی ہے کیسی سادی اور کیسی لطیف زندگی ہوتی ہے۔ نیچر کے نظریہ منظر اس کی نگاہ کے سامنے ہوتے ہیں اور چونکہ دنیا کے پولٹکل جھگڑوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ قلبی تسکین اور راحت ہر وقت حاصل رہتی ہے۔ دیہات میں انسان کو ہر شے کی صاف سادہ اور قدرتی حالت کا مزہ آتا ہے لیکن شہروں میں مذاق بگڑ جاتے ہیں اور ہر چیز مصنوعی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ دیہات میں بے ضرر اور ارزان آسائش افراط سے ملتی ہے لیکن شہروں میں مضرت رسان اور گناہ میں مبتلا کرنے والے فیشن طبعیت کو خراب کر دیتے ہیں۔

کسان کو ایک اور حقیقی خوشی بھی اکثر حاصل ہوتی ہے یہ کہ جب وہ چاروں طرف دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے بونے ہوئے بیج ہیں

جواب پھل لارہے ہیں خدا نے میری محنت ٹھکانے لگائی ہے۔ اُسے اپنی غفری کا ثمرہ تیار نظر آتا ہے اور اپنے بوے ہوئے کھیت کو سرسبز و تر و تازہ دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔

زراعت کا فن دنیا میں سب سے پہلے ایجاد ہوا اور باقی تمام فنون اس کے پیچھے ایجاد اور اختراع ہوئے۔ ابتداءے آفرینش سے لوگ گلہ بانی۔ باغبانی اور کسانیاں میں مصروف ہیں۔ قدرت نے سب سے پہلے انسان کو زراعت کرنا اور زمین سے انج پیدا کرنا سکھایا ہے۔

یہ بات نہایت تعجب انگیز ہے کہ تمام علوم و فنون ریاضی منطبق۔ اخلاق طبعیات وغیرہ (جو بیشک فی نفسہ بہت اچھے علوم ہیں) کی تو تعلیم دی جائے اور ان کے علاوہ ناچنا گانا۔ مصوری۔ نقشہ نویسی۔ کھلونے بنانا۔ کھانا پکانا۔ سب کچھ تو سکھایا جائے اور ان کے واسطے مدارس اور مدرس مقرر کئے جائیں لیکن زراعت جو سب سے زیادہ دل خوش کن۔ زیادہ پاک۔ زیادہ مفید۔ زیادہ معزز اور سب سے زیادہ ضروری ہے سیکھنے سکھانے کا کہیں نام بھی نہ سنا جائے۔ مناسب تو یہ ہے کہ ہر یونیورسٹی میں کم سے کم ایک کالج ایسا بنایا جائے جس میں فن زراعت کا مل طور سے سکھایا جاتا ہو۔

زمین پیداوار دولت کا منبع ہے اور اس میں وہ اشیاء پیدا ہوتی ہیں جن پر انسان کی حیات کا دار و مدار ہے یعنی غلہ اجناس میوہ جات پھل پھول یہ دولت تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ محصول۔ مزدوری۔ نفع۔ مالک زمین کو پیداوار کا جو حصہ دیا جاتا ہے وہ محصول کہلاتا ہے۔ مزدور جو تردد کی محنت اٹھاتے ہیں مزدوری پاتے ہیں۔ جو شخص زمین پر روپیہ لگاتا ہے وہ نفع لیتا ہے اگر ایک ہی شخص مالک زمین بھی ہو خود ہی تردد کی محنت اٹھائے اور اپنے پاس سے روپیہ بھی خرچ کرے تو کل پیداوار کا وہی مالک اور مستحق ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں عموماً ایک شخص زمیندار ہوتا ہے اور کسان اپنا روپیہ صرف کرتے اور تردد کرتے ہیں

اس لئے یہاں ایک حصہ زمیندار کو دیا جاتا ہے اور مزدوری اور اس المال کا نفع کسان کو بچ رہتا ہے۔ زمیندار کو پیداوار زمین سے جس قدر حصہ یا اس کی قیمت دی جائے وہ گویا اس کی زمین کا کرایہ ہے۔ بعض مقامات میں زمین کا محصول رواجاً مقرر ہوتا ہے اور مزارعین کو اسی قدر دینا پڑتا ہے بعض جگہ زمین کا محصول منافست کے طور پر لگایا جاتا ہے اور جو شخص سب سے زیادہ محصول دینے کو آمادہ ہو اس کو زمین زراعت کے لئے دیجاتی ہے زمین کے محصول کا انحصار دو باتوں پر ہے ایک تو یہ کہ زمین بہت زرخیز ہو اور اس میں پیداوار خوب ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ عمدہ موقع پر واقع ہو کہ اس کی پیداوار کو آبادی تک لانے میں زیادہ صرف نہ ہو ورنہ کس کو غرض پڑی ہے کہ ایسی بنجر زمین پر اپنا روپیہ لگائے اور جان کھپائے جس میں اتنی پیداوار بھی نہ ہو کہ مزارعین کا پیٹ بھر سکے اور روپیہ پر نفع نہ ملے۔ یا زمین زرخیز ہے لیکن ایسی جگہ واقع ہے کہ وہاں سے آبادی تک اس کی پیداوار لاتے لاتے اتنا خرچ پڑتا ہے کہ نفع کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایسی زمین کو بھی کوئی لینا پسند نہیں کرتا۔ ہاں اگر ملک میں پیداوار کم ہو اور کھانے والوں کی کثرت زیادہ ہو تو ایسی زمینوں میں بھی زراعت کیجاتی ہے۔ جو آبادی سے زیادہ دور ہوں اور پہلے ان میں صرف اس سبب سے زراعت نہ ہوتی تھی کہ آبادی تک لانے کا خرچ زیادہ پڑتا تھا جب آبادی کی کثرت ہوگی تو اناج کی ضرورت زیادہ واقع ہوگی اور جب ضرورت زیادہ ہوگی تو قیمت بڑھنی لازمی ہے اور جب قیمت بڑھی تو ایسی زمینوں میں بھی زراعت کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ خواہ زمیندار اور مزارع ایک ہی شخص ہو یا جدا جدا۔ زمین کی پیداوار بڑھانے میں سب کا فائدہ ہے کیونکہ اگر پیداوار اچھی ہوگی تو زمیندار کو بھی محصول زیادہ ملے گا اور مزارعین کو بھی کافی مقدار نیچے گی۔

جو لوگ آج کل زراعت میں مشغول ہیں ان کو زراعت کو ترقی دینے اور ہر کام اچھی طرح انجام دینے کے لئے اُن آلات سے کام لینا چاہئے جو یورپ نے

زراعت کے لئے
آلات اور مشینوں
کا استعمال

اس زمانہ میں ایجاد کئے ہیں اور ان کلون کے ایجاد ہونے سے ان ممالک میں زراعت میں نمایاں ترقی ہوئی ہے جس سبب سے پیداوار کی سہولت اور کام کی عمدگی بڑھ گئی۔ اور اس کی لاگت گھٹ گئی ہے افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے مزارعین اس قدر جاہل اور زمانہ کی ترقی سے اس قدر ناواقف ہیں۔ کہ خود کوئی مشین ایجاد کرنا تو درکنار ان مشینوں سے کام لینا بھی نہیں جانتے۔ بلکہ ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ اس فن نے کمان تک ترقی کی ہے۔ زراعت کے ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے ایک مشین موجود ہے۔ اس ہی طرح زمین کے تیار کرنے مولیشی پالنے کی سیکڑوں ترکیبیں دریافت کی گئی ہیں۔ جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔ لیکن اگر فن زراعت کی انگریزی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ یا ان کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو جائے تو ہندوستان کی پیداوار کو بہت فائدہ پہونچے اور یہاں کے لوگ نہال ہو جائیں۔ جس طرح بغیر ترو کے فصل نہیں پیدا ہوتی اسی طرح بغیر تعلیم کے زراعت کی عمدہ لیاقت بھی حاصل نہیں ہوتی اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ زراعت جاہلون اور گنواروں کا پیشہ سمجھا جائے بلکہ دنیا کے عقلمندوں نے اس کو باقاعدہ علم بنا دیا ہے اور اس میں نمایاں ترقی کی ہے۔

۵۔ مزدوری اور تنخواہ

محنت کے صلہ میں جو معاوضہ دیا جاتا ہے وہ مزدوری کہلاتا ہے یہ محنت خواہ دماغی ہو یا جسمانی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ معزز ہو یا مبتذل ایک ہی سی ہر فرق مراتب اور وقعت میں ہے نہ کہ نوعیت میں دفاتر کے ادنیٰ و اعلیٰ ملازم بلکہ عمدہ دار کارخانوں کے مہتمم اور تمام کاریگر حمال اور خاکروب سب مزدور ہیں جو اپنی دماغی یا جسمانی محنت کو کچھ ماہوار یا روزانہ معاوضہ پر فروخت کرتے ہیں اور ان تمام قوانین کا ان پر یکسان اثر ہوتا ہے جو مزدوری سے متعلق ہیں۔ کاریگروں میں بہتیرے ایسے ہیں جو اپنی دستکاری سے اس سے کہیں زیادہ

کام کے فرق سے
مزدوری کی نوعیت
میں فرق نہیں پاتا

پیدا کریتے ہیں جو ایک دفتر کے ہیڈ کلرک کو ملتا ہو۔ اور کلرک سے کہیں زیادہ مطمئن اور آسائش میں ہیں۔

مزدوری کی مقدار

جب کسی دفتر یا کسی کارخانہ میں کسی شخص کی خدمات کی ضرورت ہوتی ہے تو آقا (خواہ گورنمنٹ ہو یا رئیس یا مالک کارخانہ یا کوئی اور) چاہتے ہیں۔ کہ کم سے کم معاوضہ پر ایسا شخص رکھیں جو اس کام کو بہت اچھے طور پر پورا کر سکے ملازم یہ کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک زیادہ ممکن ہو اس خدمت کا صلہ لین یا ایسے شخص کے پاس کام کریں جو ان کی خدمات کا سب سے زیادہ صلہ دینے کو مستعد ہو فیصلہ ضرورت کے ماتحت ہوتا ہے۔ اگر ایک کام کے کرنے والے تھوڑے ہیں اور ملک میں اس کی زیادہ قدر اور ضرورت ہے تو ان خدمات کے بڑے بڑے صلے ملتے ہیں لیکن اس کے خلاف اگر بہت سے آدمی ایک ہی کام کرنے کو آمادہ ہو جائیں تو خواہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا کام کیون نہ ہو اس کی قدر و قیمت بہت گھٹ جاتی ہے۔ اور بہت تھوڑا معاوضہ ملتا ہے۔ یہ معاوضہ اگر مستقلانہ یا مہوار دیا جائے ”تو تنخواہ“ کہلاتا ہے۔ اور اگر کام کی مقدار پر کم و بیش ہوتا رہے۔ اور روزانہ یا ہفتہ وار دیا جائے یا صرف چند روز ہو تو ”مزدوری یا اجرت“ کہلاتا ہے

تنخواہ

اجرت

اوم آسمتھ بیان کرتا ہے کہ مختلف کاموں میں اجرت کی کمی بیشی کے پانچ سبب ہوتے ہیں۔

اول تو کام ہی ایسا سہل اور خوش گوار ہو کہ لوگوں کو اس کے کرنے میں تکلیف یا کراہت نہ ہو ایسے کام کو بہت سے لوگ کرنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن اگر کوئی مشکل اور مکروہ کام ہے تو بہت تھوڑے سے لوگ ایسے ہوں گے جو اس کے کرنے پر آمادہ ہوں۔ اور اس سبب سے جو کریگا وہ اجرت بھی خاطر خواہ لے گا۔ مثلاً کان کھودنا۔ کہ زمین کے اندر کام کرنے میں بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس سبب سے کان کھودنے والوں سے کام کم لیا جاتا ہے اور انکو تنخواہیں

کام کی سہل
اور خوش گواہی

معقول دینی پڑتی ہیں اور تنخواہ ان کے کام کا صلہ نہیں بلکہ جان جو کھون میں ڈالنے کا صلہ ہے۔ اسی طرح کوئی معزز شخص ایسی خدمت کرنے پر جو اس کے مرتبہ کے لحاظ سے ذلیل ہو راضی نہ ہوگا جب تک اس کو اس قدر معاوضہ نہ دیا جائے کہ وہ معاوضہ کے لالچ میں اس کام کو کرنا گوارا کرے۔ البتہ اگر کوئی معزز خدمت دی جائے تو کم تنخواہ پر بھی خوشی سے راضی ہو جائیگا۔ وقت طلب اور مشکل کاموں کی انجام دہی کی اجرت عموماً زیادہ دینی پڑتی ہے لیکن ناخوشگوار یا مکروہ کام کی اجرت اس صورت میں زیادہ دینی پڑے گی جب وہ کام ایسے لوگوں سے لیا جائے جن کی وقعت کے خلاف ہے مگر دنیا میں ایسے فرقے بھی ہیں جو مبتذل سے مبتذل کام کوڑیوں میں کرتے ہیں۔ اور چونکہ ایسے کام عموماً ان ہی لوگوں سے لئے جاتے ہیں گران نہیں ہوتے۔

دوم۔ کام کے سیکھنے میں سہولت اور ارزانی یا وقت اور خرچ۔ جس کام کا اکتساب زیادہ مشکل ہوگا۔ اور جس کے سیکھنے میں بہت وقت اور بہت روپیہ صرف ہوگا۔ اس کے کرنے والے تھوڑے ہونگے اور جب تھوڑے ہونگے تو اس کا معاوضہ زیادہ لین گے۔ اس کے خلاف آسان اور کم خرچ کام بہت لوگ سیکھ لیتے ہیں۔ اور تھوڑی سی اجرت پر کرتے پھرتے ہیں اس زمانہ میں بھی کہ تعلیم اس قدر عام اور کم خرچ ہے۔ ایک عمدہ ڈاکٹر اور انجینئر کو جو تنخواہ ملتی ہے۔ وہ یونیورسٹی کے کسی اور ڈگری یافتہ کو نہیں ملتی۔ جو لوگ میکینیکل انجینیری میں ذرا دستگاہ رکھتے ہیں وہ دفاتر کے عمدہ داروں سے زیادہ کماتے ہیں۔ معمار اور مستری بلکہ ورک شاپ کے کاریگر عام مدرسوں سے زیادہ تنخواہ پاتے ہیں۔ سوم۔ کام کا استقلال یا غیر استقلالی۔ جو ایسے کام ہیں کہ بارہ مہینہ چلے جاتے ہیں ان کو لوگ اس سبب سے کم اجرت پر کرتے ہیں کہ اون سے ہمیشہ اکتساب معاش ہوتا رہے گا لیکن عارضی خدمتوں کے لئے زیادہ معاوضہ مانگتے ہیں۔ تاکہ بیکاری کے زمانہ میں سہارا رہے۔

کام سیکھنے کی وقت
یا سہولت

کام کا ہمیشہ
جاری رہنا

چہارم۔ ملازمون کا اعتبار۔ بہت سے کام ایسے ہیں جن میں ملازمون کی دیانت داری پر پورا اعتماد اور بھروسہ درکار ہوتا ہے اور اس پر بھی ان سے ضمانت لی جاتی ہے۔ مثلاً خطوط رساں۔ بنک کے مہاجن۔ انجنین ڈرائیور۔ ریلوے گارڈ۔ کہ لوگوں کے جان و مال ان کے سپرد ہوتے ہیں۔ جس قدر زیادہ کسی کام میں اعتماد کی ضرورت ہے۔ اسی قدر زیادہ اس کی اجرت ہے۔

پنجم۔ کام میں کامیابی یا ناکامی کا اسکان۔ جن کاموں میں کامیابی کا یقین ہوتا ہے وہ کام لوگ خوشی سے کرتے ہیں۔ اور جن میں کامیابی کا یقین نہ ہو اس کو بعض نیچے ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس سبب سے ایسے کاموں میں زیادہ اجرت دینی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک موچی اپنے پیشہ میں یقیناً کامیاب ہو سکتا ہے لیکن بیرسٹر اگر فیل ہو جائے تو کسی کام کا نہیں رہتا۔ اس سبب سے کامیاب بیرسٹر بڑی بڑی فیس لیتے ہیں۔

۶۔ کاروباری آدمی

خواہ وہ شخص جو دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے خواہ وہ تجارت ہو یا کوئی پیشہ یا ملازمت یا وکالت۔ کاروباری آدمی کہلاتا ہے۔ انسان کو دوسروں کے ساتھ معاملہ پڑنا لازمی اور ضروری بات ہے۔ اور حسن انتظام تمدن کے لئے معاملات میں صداقت۔ دیانت۔ راستبازی۔ پابندی وقت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ کشادہ دلی۔ مروت۔ راست گفتاری۔ ایمانداری اور تمام اخلاقی اصول معاملات کو فروغ دیتے اور سہولت پیدا کرتے ہیں۔ دنیا کے بازار معاملات کا مدرسہ ہیں۔ ایک دانشمند آدمی اس مدرسہ میں رہ کر نازک وقت میں کام چلانا بہت سے آدمیوں سے محنت کے کام لینا انسانی طبائع کو پہچاننا اور مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنا سیکھتا ہے اور اس طرح اس کا تجربہ ہر روز اسے کوئی نئی بات سکھاتا ہے۔ اور یہ انسانیت کی بہت بڑی شان ہے۔ اس طرح کاروبار کی عمرگی انسان کو انسان بناتی ہے۔ اور بد معاملگی خراب و رسوا کرتی ہے

کسی پیشہ میں
کامیابی کی تدبیر

کسی پیشہ کو عہدگی سے کرنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان کی پوری توجہ اس طرف مائل ہو۔ صحت و صفائی اور قاعدہ کا لحاظ رکھا جائے۔ وقت پر کام تیار کیا جائے۔ اور ضرورت کے مطابق بنایا جائے۔ بادی النظر میں یہ باتیں خفیف معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ انسان کی نیک نامی خوشی بلکہ سرسبزی کا باعث ہوتی ہیں۔ کوئی بات اس سبب سے حقیر نہیں کہ وہ چھوٹی اور خفیف ہے۔ انسان کی زندگی چھوٹے چھوٹے کاموں پر منقسم ہے۔ اور اگر ان میں ابتری پھیل جائے تو کوئی بڑا کام وقت پر نہیں ہو سکتا۔ یہی چھوٹی باتیں ہیں جو ایک انسان کا بلکہ ایک قوم کا رویہ ظاہر کرتی ہیں۔ اور جب ان کی ابتری عام ہو جاتی ہے تو ملک کے ملک تباہ کر دیتی ہیں۔ ہر انسان کے لئے کام اور فرض مقرر ہیں اور ضرور ہے کہ انسان میں ان فرائض کو انجام دینے کی لیاقت ہو۔ یہ فرض خواہ خانہ داری کا انتظام ہو یا تجارت یا دوکانداری۔ یا مزدوری یا ملازمت یا ممالک اور اقوام کا انتظام یا سیاست جو شخص اپنے فرض کو ادا نہیں کرتا وہ خود اپنے تئیں برباد کرتا ہے اور دوسروں کو تکلیف میں ڈالتا ہے۔ کاروباری آدمی کی ترقی کا دار و مدار اس پر ہے کہ وہ جزوی اور فروعی امور کو نہ بگڑنے دے ورنہ اصلی مقاصد غارت اور برباد ہو جائیں گے۔ کام کے دیر میں کرنے کا مضائقہ نہیں۔ لیکن جو کام ہو کامل توجہ اور پوری احتیاط سے کیا جائے۔ کام شروع کرنے سے پہلے تھوڑا سوچ لینا کام کو جلدی ختم کرتا ہے۔ جلد باز اور بے سوچے سمجھے کام کرنا آدمی ہمیشہ وقت میں پھنسے رہتے ہیں۔ کام کی عہدگی کام کرنے کے طریقہ پر منحصر ہے۔ جس طرح ایک خوش سلیقہ شخص چھوٹی سی جگہ میں بہت سا اسباب چن دیتا ہے اور وہ نظر میں خوش نما معلوم ہوتا ہے اسی طرح خوش فکر لوگ ہر کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔ بڑے بڑے کامی آدمیوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک کام کرتے ہیں اور اس کو پورا کر کے چھوڑتے ہیں آسان کام کو پہلے اور مشکل کو بعد نہیں کرتے۔ بلکہ جگہ کی ضرورت ہو

پہلے اُسے انجام دیتے ہیں خواہ کتنی محنت کتنا ہی وقت صرف کیوں نہ ہو۔
 بڑے یا ضروری کام نوکروں یا ایجنٹوں پر چھوڑنا کام خراب کرنا ہے۔ دوسرے
 لوگوں کے چونکہ ذاتی اغراض شامل نہیں ہوتے وہ اس توجہ اور دلسوزی
 سے کام انجام نہیں دیتے جیسا کہ خود اہل معاملہ اور اس سبب سے یا خراب
 کرتے ہیں یا دیر کرتے یا بالکل نہیں کرتے۔ اوّل وہ کام انجام دینے چاہتے
 جو پہلے کرنے کے ہیں اور فرصت و تفریح کا وقت کام کرنے کے اوقات کے
 بعد مقرر کیا جائے نہ کہ کام سے پہلے۔ پہلے کاموں کی ابتری پچھلے کاموں کو بھی
 خراب کرتی ہے اور انسان کا دماغ ایسا پریشان ہو جاتا ہے کہ پھر وہ کسی کام
 کو نہیں سنوار سکتا۔ وقت پر کام کرنا ترقی کا زینہ ہے۔ وقت پر کام کرنے سے
 فرصت کا وقت بہت زیادہ نکلتا ہے۔ وہ تفریح کے علاوہ تہذیب نفس اور
 تکمیل علم کے کاموں میں یا دوسرے مفید مشاغل میں استعمال کیا جاسکتا ہے
 جو لوگ وقت پر کام نہیں کرتے وہ گھبراہٹ۔ جلدی۔ وقت و تکلیف میں ایسے
 پھنسے رہتے ہیں کہ ان کو زندگی تلخ اور وبال معلوم ہونے لگتی ہے۔ جو لوگ
 پابندی وقت کی دوڑ میں پیچھے رہتے ہیں وہ حصول مقصد میں بھی پیچھے رہتے
 ہیں۔ اور چونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملات میں دوسرے لوگوں کا وقت
 بھی ضائع ہوتا ہے اکثر ان سے معاملہ نہیں کرنا چاہتے۔ قوت ادراک اور فہم
 اگرچہ قدرت سے عطا ہوتی ہیں لیکن تجربہ کی کثرت اور تخیل کو قوت دینے سے
 بھی یہ قوت بڑھتی ہے اور کارباری آدمی کے لئے یہ دونوں صفات بہت
 ضروری ہیں۔ تاکہ اس کو جن لوگوں سے کام پڑے۔ ان کی عادات اور خصائل
 و ضروریات کو سمجھ سکے۔ اور اپنا کام سہولت اور نرمی سے لے سکے۔ افعال میں
 دیانت اور اقوال میں صداقت بھی کارباری آدمی کے لئے ضرور ہے۔ اس سے
 نیکنامی اور شہرت حاصل ہوتی ہے۔ اور بہت سے لوگ صداقت شعار سے
 معاملہ کرنا پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح اخلاق کی عمدگی اشتہار کا کام دیتی ہے

جب لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلان شخص سچ بولتا ہے۔ اور ہر چیز کے عیب اور صواب صاف کہہ دیتا ہے۔ تو ان کو اس سے معاملہ کرنا سہل اور قابل اطمینان معلوم ہوتا ہے۔ سچائی کے بغیر انسان کی عزت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ایک سوداگر۔ صناع۔ وکیل۔ ملازم کو اپنی عزت کی ایسی پاسداری ہوتی ہے۔ جیسے کہ رئیس یا عالم یا حاکم کو ہو۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بددیانت آدمی اوّل اوّل فروغ پاتے ہیں۔ یہ فروغ نہایت ناپائدار ہوتا ہے۔ اور بہت جلد ہی ان کی بددیانتی لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے۔ راستباز آدمی اگرچہ دیر میں پھلتے ہیں لیکن اخیر میں یہ زیادہ نفع میں رہتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایسی ناکامی جس میں عزت و وقعت قائم رہے۔ بے آبروئی کی کامیابی سے بدرجہا بہتر ہے۔

باب سوم

ایسائے جنس کے ساتھ مدارات

۱۔ عام لوگوں کے ساتھ مدارات کا طریقہ

غوش اخلاقی

اور لوگوں کے ساتھ اپنے ہون یا پرانے دوست ہون یا دشمن واقف ہون یا اجنبی جس طرح ہم پیش آتے ہیں اوس کا نام مدارات ہے۔ مدارات ممکن ہے کہ اچھی ہو یا بُری۔ اگر اچھی ہے تو معمولی کام بھی طریقہ مدارات کی عمدگی کے سبب خوش نما اور دل خوش کن ہوتے ہیں۔ اور اگر بُری ہے تو بھلے کام بھی دل آزار معلوم ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً نصیحت جو دوسرے کو خاص نفع پہنچانے اور اوس کی بھی خواہی کی خاطر کی جائے اگر سخت الفاظ میں کی جائے گی تو سننے والے تنفر ہون گے اور وہ دوستی دشمنی اور نکتہ چینی خیال کی جائیگی۔ لیکن اگر اوسی مطلب کو مہربانی اور خوش اخلاقی سے ادا کیا جائے تو لوگ نہ صرف قبول کریں گے بلکہ اوس بیش بہا رائے دینے کے شکر گزار ہون گے۔ خوش اخلاقی تمام ایسے کاموں کو جن میں دوسروں کی شرکت کی ضرورت ہے سہل کر دیتی ہے۔ تمدن کے تعلقات میں لطف و محبت پیدا کرتی ہے۔ اور سرانجام امور دنیا میں بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ کچھ خلقی دلون میں رنجش اور کبیدگی پیدا کر کے لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتی اور سرانجام امور میں سدراہ ہوتی ہے۔ کسی کا قول ہے کہ خندہ پیشانی ہونا خوبصورت ہونے سے بہتر ہے اچھی اچھی تصویرون یا صورتوں کو دیکھ کر کوئی اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا خوش اخلاق آدمی سے ملے۔ چند مہربانی کے الفاظ یا جملہ دل کو موہ لینے کو کافی ہوتے ہیں یا کوئی ذرا سا فعل یا کوئی عنایت دل میں گھر کر لیتی ہے۔ ہمارے افعال و اقوال سے

ہماری طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے پس دلون میں گھر کرنے کا اس سے بہتر طریقہ نہیں ہے کہ ہماری مدارات سے لوگ ہمارے گرویدہ ہوں نہ کہ ہم سے بھاگین۔ بعض لوگ اگرچہ صاف باطن اور نیک طبیعت ہوتے ہیں مگر اون کی ظاہری بیدماغی لوگوں میں اون کی طرف سے سخت پسند یا خشک مزاج ہونے کا غلط خیال پیدا کر دیتی ہے۔ اور اسی سبب سے ان کے تمام عمدہ اوصاف کی نصف بلکہ اس سے بھی کم قدر کی جاتی ہے۔ ایک میٹھا بول دلون کو مسخر کرنے میں وہ کام کرتا ہے جو تلوارین نہیں کر سکتیں۔ اور یہ فتح کرنا حقیقی فتح کرنا ہے۔

خوش اخلاقی کی
خواہش

لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے کی خواہش اس عرض سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ ہمارے برتاؤ سے ناراض نہ ہوں۔ امیر ہو یا غریب۔ عقلمند ہو یا بے وقوف سب کے ساتھ یکساں مہربانی اور ملاحظت سے پیش آنا چاہئے تاکہ دوسروں کو خوشی پہنچے۔ اور اون سے خوشی حاصل ہو۔ ایسے شخص کو کوئی پسند نہیں کرتا جو اپنے قول یا فعل سے اشارۃً یا کنایتہً بھی کسی پر نکتہ چینی کرے یا اوس کی تضحیک و تذلیل کرنا یا اپنے منہ میان مٹھو بنگرا اپنے تئیں بڑا جستا فہ چاہتا ہو۔ حتیٰ کہ اگر احسان بھی چین بہ چین ہو کر کے جائین تو محسن الیہ کے دل پر احسان مندی کا احساس نہیں ہوتا اور احسان کی قیمت جاتی رہتی ہے خوش اخلاقی ایسی چیز ہے کہ اوس پر خرچ تو کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن اوس سے بہت کچھ مل جاتا ہے جس شخص کا دل ہاتھ میں لاؤ اوس کا رویہ بھی ہاتھ سے آجاتا ہے۔ اور جہان طاقت اور قوت کا زور نہیں چلتا وہاں میٹھی میٹھی باتیں کام بنالیتی ہیں۔ اکثر لوگ جن میں ہنرمندی کا جوہر نہیں ہوتا صرف خوش اخلاقی اور ظاہری طریقہ مدارات سے اپنے بہت سے کام نکال لیتے ہیں۔ اور بہت سے لایق آدمی اپنی بے دماغی اور خشک مزاجی کے سبب لوگوں کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں۔

اشتعال طبع اور غصہ کے وقت بھی آپے سے باہر ہونا اور زبان کو قابو

میں نہ رکھنا انسانیت کے خلاف ہے چہ جائیکہ عام برتاؤ میں۔ لوگوں کی آنکھوں کو اپنے اوضاع و اطوار حرکات و سکنات کی عمدگی سے اور قانون کو اپنی شیریں کلامی سے اپنی طرف متوجہ کر لو اور پھر یقین جانو کہ ان کے دل بھی تمہاری طرف کھینچ آئیں گے۔

کاروباری آدمی
کو خوش اخلاقی
کی ضرورت

ایک کاروباری آدمی کے لئے خوش اخلاقی بہت ہی ضروری اور لا بدی صفت ہے کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے آدمی سے معاملہ کرنا پسند نہیں کرتا جس کی بد مزاجی کے سبب اس سے مل کر خوشی تو نہ حاصل ہو اور طبیعت کو کوفت اور انقباض اٹھانا پڑے۔ اس لئے تمام تاجروں۔ صنعتاء۔ وکیلوں۔ اور کل ملازمت پیشہ اشخاص کو اپنا طریقہ مدارات بہت ہی دلچسپ رکھنا چاہئے۔ اور صرف محکموں یا ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ حاکموں اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو بھی۔ کیونکہ اگر ادنیٰ درجہ کے لوگ اپنی بد مزاجی کے سبب اہل معاملہ کو راضی نہ رکھ سکیں گے اور اپنے کاروبار میں نقصان ڈالیں گے تو اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی اپنی کج خلقی سے نوکروں اور محکموں کو اپنے سے بدظن کر کے ان کو متنفر کر لیں گے۔ اور وہ نہ تو کوئی خدمت دل سے انجام دیں گے نہ ان کی طبیعت میں وفاداری اور محبت قائم رہے گی۔ اور اس طرح جب موقع بنیگا علیحدگی اختیار کریں گے یا نقصان پہنچائیں گے۔

مختلف لوگوں کے
ساتھ مدارات کے
طریقے

یہ سچ ہے کہ ہمیں لوگوں کے ساتھ مہربانی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہئے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے لوگوں کی بد خلقی یا ان بُرائیوں کا جو ان میں ہن بالکل خیال نہ کریں۔ یا اپنے برتاؤ میں احتیاط کا خیال نہ رکھیں بلکہ ہر شخص کے ساتھ اس کی حالت اور طبیعت کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے اگر کوئی شخص بد اطوار ہے تو یہ ضرور نہیں کہ اس سے اجتناب نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ اس قدر شیر و شکر ہوں کہ خود ہمیں نقصان پہنچے۔ بلکہ ہر طبقہ کے ساتھ مدارات کے طریقے جدا جدا ہیں۔

دوستان حقیقی کے
ساتھ مدارات

حقیقی دوستوں کے ساتھ خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے دلی خلوص محبت و عزت اور یکگانگت سے پیش آنا اور ان کے رنج و راحت میں شریک ہونا اور ان کی مدد کرنا۔ اپنی مشکلات کے وقت ان سے مشورہ کرنا بلکہ ہر قسم کی مدد طلب کرنا جائز ہے۔

دوستان غیر حقیقی کے
ساتھ مدارات

دوستان غیر حقیقی سے بھی جو صرف زبانی باتیں بناتے اور تعلق و ظاہر داری سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں مہربانی اور کشادہ پیشانی سے پیش آنا اور اپنی استطاعت کے موافق ان کی حاجت روائی کرنا مناسب ہے تاکہ دوستی کو ترقی ہو۔ اور رفتہ رفتہ حقیقی دوست کے درجہ پر پہنچ جائیں۔ لیکن ان لوگوں سے اپنے راز چھپانے چاہئیں۔ اور بہت اعتماد و بھروسہ نہ کیا جائے۔

دشمنوں کے ساتھ
مدارات

دشمنوں کے ساتھ اگر مدارات اور تلطف سے کام چل سکے تو ضرور ہے کہ ان کے دل میں گھر کر کے سبب دشمنی کو زائل کیا جائے۔ تاکہ اگر وہ دوست نہ بنیں تو دشمن بھی نہ رہیں۔ اگر یہ مطلب روپیہ صرف کر کے بھی حاصل ہو سکے تو ہرگز دریغ نہ کرنا چاہئے۔ اس شخص سے زیادہ کون بے فکر ہو سکتا ہے جس کا کوئی دشمن نہ ہو اور اگر دشمن اظہار دشمنی نہ کرے۔ تو خود اسے کبھی نہیں چھڑنا چاہئے۔ بلکہ اس کی بہت سی ناپسندیدہ باتوں کا تحمل کرنا اور ٹال جانا مناسب ہے۔ تاکہ عداوت زیادہ نہ ہو۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ عمر گرا نہ یہ فتنہ و فساد میں کٹے اور آتش غضب دل کو جلا کر خاک کرے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ انسان دشمن کے حالات اور عیوب سے واقفیت حاصل کرے۔ اور جہان تنگ ممکن ہو اس پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن نہ اس طرح کہ آشکارا ہو یا اسے دشمنی کا اور موقع ملے۔ بلکہ اس طرح کہ اگر وہ دشمنی پر جا رہے تو اس کی مضرتوں کو دور کرنے کے لئے کام آ سکے۔ اور اگر دشمنی سے باز آئے اور صلح کی طرف مائل ہو تو اپنی کارروائیوں سے نہ اسے آگاہی ہو نہ یہ کارروائیاں صلح میں مارج ہوں۔

عام لوگوں کے
ساتھ مدارات

انسان کو ایسے بہت سے اشخاص کے ساتھ معاشرت کا اتفاق ہوتا ہے جو نہ دوست ہوں نہ دشمن اور ان کے ساتھ گزارا کرنے کے لئے بہت بڑی مردم شناسی کی ضرورت ہے۔ کتاب کا مطالعہ آسان ہے لیکن لوگوں کی طبیعت اور فطرت کا مطالعہ کرنا بہت مشکل ہے۔ طریقہ معاشرت یہ ہونا چاہئے۔ کہ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کا اوس کے مرتبہ کے موافق اعزاز کیا جائے اور اپنے کسی قول و فعل بلکہ کسی حرکت سے بھی اوس کی دل آزاری یا تضحیک نہ کی جائے۔ اگر ممکن ہو تو حسب موقع اظہارِ اخلاص یا مناسب معاونت سے اوس کے دل میں دوستی اور محبت قائم کریں۔ تاکہ ہر شخص حسنِ اخلاق کا مداح رہے۔ اور اگر ایک مدت تک اوس کے ساتھ موافقت کا اتفاق ہو تو دوست بن جائے لیکن پہلے ہی کسی کی ظاہری باتوں پر فریفتہ ہو کر اوس سے شیر و شکر ہونا اور اپنا راز دانا بنانا یا بغیر امتحان کئے اوس پر اعتماد کرنا احتیاط کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ وہ خود غرض ہو اور کچھ اپنا کام نکالنے کے لئے اظہارِ موافقت کرتا ہو۔ لیکن اتنی بدگمانی بھی نہیں چاہئے کہ خواہ مخواہ کسی کو اپنا مخالفت یا دشمن سمجھ لیں۔

۲۔ سیاستِ خدم

نوکر بہت سی تنخواہ دینے سے اتنے راضی نہیں رہتے جتنی نرمی اور انصاف کے برتاؤ سے خوش ہوتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی ذاتی عزت و وقعت کا کچھ نہ کچھ خیال ہوتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ اوس کے خلاف برتاؤ کیا جائے تو وہ چڑ جاتا ہے۔ بلکہ بد زبان آقاؤں کی عزت خادموں کے دل میں باقی نہیں رہتی۔ جو لوگ اپنے نوکروں کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں اور ان کو بُرے الفاظ نہیں کہتے نوکر ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور ایسے آقاؤں کی خدمت دلی جوش سے کرتے اور ان کے راحت اور آرام کا خیال رکھتے ہیں ان کی خدمت بد دلی سے نہیں بلکہ طبعی جوش اور خواہش سے ہوتی ہے۔ آقا اکثر بابتے ہیں کہ نوکر ایسے بے نفس ہوں کہ وہ ان کے ہر بُرے لفظ اور بُری عادت

نوکروں کے ساتھ
مہربانی

برداشت کریں یہ لوگ گویا تنخواہ نہیں دیتے۔ احسان کرتے ہیں۔ اور اپنے راحت و آرام کے آگے نوکر کی جان اور آرام کا ذرا لحاظ نہیں کرتے۔ اور اس کو کولھو کے بیل کی طرح دن رات پیلنا چاہتے ہیں۔ ایسے نوکر یا تو بد دل ہو کر نوکری چھوڑ دیتے ہیں۔ یا بد دلی کے سبب اچھی طرح کام انجام نہیں دیتے۔ جب ان سے بہت سے غیر ضروری کام لئے جاتے ہیں۔ تو وہ ضروری کاموں میں غفلت کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور عدیم الفرستی کا بہانہ بتا دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کے خادم ان کی بہت اچھی طرح خدمت کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ نوکروں کے ساتھ رعایت کرتے ہیں۔ اور ان کی عقل اور طاقت کے موافق ان سے کام لیتے ہیں۔ ہر شخص کا کام اور وقت مخصوص کر دیتے ہیں اور ان کو اتنی مہلت دیتے ہیں کہ وہ اپنی ضروریات بھی پوری کریں یا آرام لے لیں خدمتگار فی نفسہ اتنے خود غرض اور کام چور نہیں ہوتے جتنے آقاؤں کی بے تمیزی اور خود غرضی سے کاہل اور ننگ حرام بن جاتے ہیں۔ کیونکہ آقا بعض وقت نوکروں کو غیر ضروری تکلیف دیتے ہیں اور جب وہ تھکے ہوئے ہوں۔ یا کھانا کھا رہے ہوں اوس وقت ایسے کاموں کا حکم کرتے ہیں۔ جو ایک عرصہ بعد بھی اچھی طرح ہو سکتے ہیں۔ یا بعض کاموں کے کرنے کا بے وقت حکم دیتے ہیں۔ اور اپنی بھول یا غفلت کا الزام نوکروں کے سر رکھتے ہیں یا ذرا سی غفلت اور کام خراب ہونے پر بے تحقیق کئے نوکروں کو زجر و توبیخ شروع کر دیتے ہیں۔

۳۔ ہمدردی

ہمدردی اس خصلت کا نام ہے، جس سے دوسروں کو خوش حال دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اور جو دوسروں کی تکلیف میں مدد دینے کی باعث ہوتی ہے یہ تعلق جب صرف ایک شخص کے ساتھ ہو تو دوستی یا اتحاد کہلاتا ہے۔ اور جب ایسے بہت سے آدمیوں پر رحم آئے جو تکلیف میں مبتلا ہوں تو اس کا نام رحمہاں ہے۔ یہ تعلق جب اور وسیع ہو یا ساری قوم کے حال پر شفقت ہو تو قومی محبت

کہلاتا ہے۔ اور جب تمام انسانوں کے ساتھ یہ تعلق ہو تو اس کا نام انسانی ہمدردی رکھا جاتا ہے۔

مہربان اور رحم دل اشخاص اور دن کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا خود اپنے لئے چاہتے ہیں۔ بے سبب کسی کی دل آزاری یا خاطر شکنی کرنا تو درکنار ذرا سی باتوں میں بھی اور دن کو خوشی پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے کیونکہ اور دن کو راحت پہنچانے کی کوشش کرنے سے خواہ خفیف ہی کیونچ ہو طبیعت میں خوشی اور اُلُو العز می پیدا ہوتی ہے جو روح کو ترقی دیتی اور انسان کو اعلیٰ مرتبہ کی طرف اُبھارتی ہے۔ ظاہری برتاؤ سے ہی لوگ دلی مہربانی اور باطنی خوبی کو جان سکتے ہیں۔ پس انسان کے افعال و اقوال دونوں ایسے شائستہ ہونے چاہئیں کہ زمانہ اوس کی حسن اخلاق کا گرویدہ رہے۔ ان صرف باتیں ہی باتیں اور ظاہری مدارات نہ ہو بلکہ اوس میں صداقت بھی شامل ہو۔ جس طرح امیرون کی خوشامد کرنا نازیا ہے اسی طرح غریبوں کو حقارت سے دیکھنا بھی ناروا ہے۔ بلکہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے سے انسان عند اللہ ماجور اور عبد الناس مشکور ہوتا ہے۔ رشتہ داروں اور اور ایسے لوگوں سے تو جن سے قدرت نے محبت کے رشتہ میں جکڑ دیا ہے سب ہی محبت کیا کرتے ہیں۔ انسانیت یہ ہے کہ غریبوں کے ساتھ اپنوں سے زیادہ عمدہ برتاؤ ہو اور اپنے ملک اپنی قوم اپنے اپنے اہلکے جنس کے واسطے خواہ تکلیفیں سہین مصیبتیں جھیلین ہر ہر سہام ملامت بنیں۔ مگر سعی کریں اور نہ کسی سے صلہ کی تمنا ہو نہ انعام کی خواہش۔ یہ صفت اوس وقت پیدا ہوتی ہے کہ انسان خود غرضی کو دور کرے اور اپنی نفسانی اور ذاتی خواہشوں کے پورا کرنے میں ساری ہمت نہ صرف کر دے۔ ہم دنیا میں بعض جانوروں کی طرح بے لگاؤ نہیں پیدا ہوئے بلکہ قدرت نے ہمیں مدنی بالطبع بنایا ہے اور ہمارے اغراض اور حاجتیں ایک دوسرے سے وابستہ کی گئی ہیں تاکہ لوگوں میں سلوک اور ہمدردی پیدا ہو۔ سب ملکر رہیں۔ عدالت اور محبت کے قوانین پر عمل کریں۔

ہمدردی کا اثر

انسانیت

اپنے ہاتھ پاؤں سے۔ زبان سے۔ قلم سے۔ روپیہ سے۔ نصیحت سے۔ ملائمت سے غرض جس طرح کسی کو کوئی اصلی فائدہ پہنچ سکے۔ اوس کے پہنچانے میں سچی کرین اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہرت حاصل کرنے یا حکام و پبلک کی نظر میں اعتبار و وقت قائم کرنے کے لئے اکثر لوگ نام و نمود کے کاموں میں تو شریک ہو جاتے ہیں مگر اس پاس کے حاجت مندوں کی خبر نہیں لیتے۔ دراصل لیکہ لازم یہ ہے کہ سب سے پہلے قریبی حاجت مندوں کی حاجتیں روا کی جائیں۔ اپنا شہر۔ اپنی قوم۔ اپنا ملک اول ہمدردی کا مستحق ہے۔ اور پھر کل انبا سے جنس۔ قدرت جس طرح کسی گناہ کی سزا دے بغیر نہیں رہتی۔ کسی بھلائی کو بے انعام بھی نہیں چھوڑتی۔ دوسروں پر مہربانی کرنے سے خود اپنی خوشیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ سنیکا کا قول ہے کہ ”جو لوگ اوروں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں وہ اپنے ہی حق میں بھلا کرتے ہیں کیونکہ اوں کے فعل کا نتیجہ بلکہ خود وہ فعل ہی اوں کی ذاتی بھلائی کا باعث ہوتا ہے۔ اور اچھے کام کرنے کا یقین ہی طبیعت کے واسطے اعلیٰ درجہ کا انعام ہے۔“

عالی حوصلگی

عالی حوصلہ اشخاص اپنی تن پروری نہیں کرتے بلکہ اپنا وقت۔ اپنا مال دوسروں کی بہبودی اور قوم کی ترقی کے واسطے صرف کر دیتے ہیں اور حتی الامکان سوسائٹی کی خرابی کو رفع اور تکلیف کو دور کرنے میں سعی کرتے ہیں۔ فیاضی دل سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ ہاتھوں سے تقسیم مال و دولت صرف دلی جوہر کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص جو ذرا بھی دولت مند نہ ہو اور کسی کو کچھ بھی نہ دیتا ہو یا نہ دے سکتا ہو فیاض ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ کسی اور کے ساتھ کسی طرح کی بھلائی کرنے میں یا اوس کو کسی قسم کی خوشی پہنچانے میں وہ کچھ کرتا ہے یا نہیں۔ فیاضی وہی خواہی خلائق ایک طبعی خصلت ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اوروں کی محبت۔ ہمدردی و مدد پر بلا تکلف مائل ہوتا ہے اور محتاجوں کی معاونت کرتا ہے۔

ہمدردی پیدا کرنے کا
طریقہ

دوسروں کے ساتھ ہمدردی پیدا کرنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ انسان یہ سوچے کہ اگر ہم اس کی جگہ اس حالت میں ہوتے تو ہم پر کیا گزرتی۔ اور پھر یہ خیال کرے کہ انقلابات زمانہ کے آگے اس حالت میں گرفتار کر دینا نہ مشکل ہے نہ بعید۔ زمانہ کو نہ بگاڑتے دیر لگے نہ بناتے۔ پھر شاید ہمیں بھی کبھی ایسی ہی نازک حالت میں کسی کی مدد کی ضرورت ہو۔

ہمدردی ایک برقی قوت ہے کہ دلون میں دوڑی ہوئی ہے اور قوی سے نکل کر کمزور تک پہنچتی ہے باہمی ہمدردی سے نہ صرف غم غلط ہوتے ہیں بلکہ ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر بندھ جاتی ہیں۔ مہربانی آمیز کلمات اور ہمدردانہ الطاف دلون کو تقویت دیتے ہیں۔ ہمدردی۔ ظلم۔ جہالت۔ مصیبت پر اپنا متبرک ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور انکو کم کرنے اور تسکین دینے کی کوشش کرتی ہے۔

ہمدردی کا اثر

ہمدردی بنی نوع انسان کو افلاس اور نکبت سے نکال کر اون کی حالتوں کو درست اور دہجہ کو بلند اور قابلیتوں کو مکمل کرتی ہے۔ ہمدردی تہذیب کو دور دور تک پھیلاتی ہے اور لوگوں کو اخوت اور یگانگت کا سبق پڑھاتی ہے۔ پس جن لوگوں کو خدا نے دولت مقدرت۔ علم۔ لیاقت۔ ہمت دی ہے۔ اون کا فرض ہے کہ وقت کا کچھ حصہ عوام کی بھی خواہی میں صرف کریں۔ جس قدر ہم کسی شخص سے محبت کرتے ہیں اسی قدر اوس کے رنج ہمارے رنج اور اوس کی خوشیاں ہماری خوشیاں ہو جاتی ہیں۔ ہمسایوں سے محبت۔ اور اہل بے جنس کی کارروائی اور معاونت۔ لوگوں کی تکالیف اور مصیبت کو کم کرنے کی خواہش اور دنیا کو زیادہ خوش اور زیادہ بہتر حالت میں چھوڑنے کی آرزو نہ صرف دوسروں ہی کو آرام و راحت پہنچانے کا باعث ہوتی ہے بلکہ اپنی خوشی کی مقدار بھی دو چند بلکہ وہ چند کر دیتی ہے۔ اپنے سے کمزور یا اونے درجہ کے آدمیوں پر رحم نہ کرنا نہ صرف سنگ دلی ہے بلکہ خلاف شان انسانیت ہے۔ اس کے علاوہ خطا وار۔ گنہگار پر رحم کرنا بھی ہمت و حوصلہ کا کام ہے۔ ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ اوس کی خطا

بخشنے سے نہ تو دوسروں کے خراب ہونے کا اندیشہ ہونہ اوس پر رحم کرنا انصاف کے خلاف ہو۔ ورنہ ایسے شخص پر رحم کرنا دوسروں پر ظلم کرنا ہے۔

جانوروں سے
بدسلوکی

انسان تو انسان جانوروں سے بھی بدسلوکی نبٹ نفس اور سنگدلی کی علامت ہے۔ جو شخص بے زبان جانوروں پر رحم نہ کرے ہرگز اوس کے دل میں رحم کا مادہ نہیں۔ اگر وہ اپنے اپناے جنس کے ساتھ بڑے سلوک نہیں کرتا تو یا تو اسے لوگوں کی شکایت کا خوف ہے یا حاکم کے انصاف کا ڈر ہے۔ بے چارے بے زبان جانور بھی جان رکھتے ہیں۔ ان کو بھی عقل حیوانی دی گئی ہے۔ خوف ان کے دل پر طاری ہوتا ہے۔ آرام و مہربانی سے خوش ہوتے ہیں۔ تکلیف سے بھاگتے ہیں۔ ڈر سے کانپتے ہیں۔ محنت سے تھکتے ہیں۔ بھوک پیاس مار پیٹ اور بدسلوکی سے متاؤمی ہوتے ہیں۔ واویلا کرتے ہیں۔ غرض وہ بے حس نہیں ہیں پھر کس طرح اون پر ظلم روا رکھا جائے۔ اگر وہ انسان کی طرح نہیں بولتے تو زبان حال سے اظہار کئے بغیر نہیں رہتے۔ پس جو شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جانوروں میں جس موجود ہے اور پھر عمداً اُن کو تکلیف دیتا ہے سنگدلی نہیں تو کیا ہے۔ اوسے صرف اس قدر خیال کر لینا چاہئے کہ اگر کوئی زبردست اسی طرح اوس کے ساتھ سلوک کرے اور منہ بند کر کے اُف بھی نہ کرنے دے تو اوس پر کیا گزرے گی۔

زیر پائیت گردانی حال مور ہچو حال تست زیر پائے پیل

جانور بھی خدا نے پیدا کئے ہیں نہ انسان نے۔ پس انسان کو کسی طرح حق نہیں ہے کہ خدا کی مخلوق کو بلا وجہ آزار دے۔ اگرچہ انسان دنیا میں اشراف و افضل بنایا گیا ہے لیکن اوس کے حقوق غیر متناہی نہیں ہیں اور وہ اپنے اعمال کا جواب دہ بھی ہے۔ جانور ہماری خدمت کے لئے ہیں مگر یہ فرض ہے کہ اون سے مناسب خدمت لی جائے اور طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ اور اون کے ساتھ بے پروائی یا بدسلوکی نہ کی جائے۔ یہ بھی فرض ہے کہ اون کی پرداخت اور نگہداشت پوری پوری طرح کریں۔ اون کو بھوکا نہ ماریں۔ اون کے آرام کا

بھی خیال رکھیں۔ افسوس ہے کہ کچھ تو دلوں میں رحم کم ہے اور کچھ بے پروائی نے ان مظلوموں پر اور ستم ڈھا رکھا ہے۔

۴ - دوستی

دوستی کے فوائد

اگرچہ ہمدردی۔ رحم۔ التفات ہر شخص کے ساتھ ہونا چاہئے الا اگر خاص خاص اشخاص کے ساتھ خاص خاص روابط ہوں اور دلی تعلقات زیادہ تر باہمی مودت و اتحاد کا سبب ہوں تو ناجائز نہیں بلکہ مناسب ہے۔ کیونکہ دوست باہمی فوائد کو ترقی دینے میں ساعی اور مدد ہوتے ہیں۔ انسان کو بمقتضائے فطرت کسی نگسار ہمدرد۔ بے تحلف جلیس کی ضرورت ہے کہ مصیبت میں دل بہلانے والا ضرورت میں کام آنے والا۔ دقتوں میں ہاتھ بٹانے والا ہو نیز عمدہ مشیر۔ صلاح کار اور ناصح ہو۔ بیکن کا قول ہے کہ ”وفادار دوست عمدہ پناہ ہے اور جسے ایسا دوست مل گیا اسے بیش بہا خزانہ مل گیا“ للی کا قول ہے کہ ”دوستی انسان کی زندگی کا جوہر ہے“ سچا دوست ایک قیمتی خزانہ سے زیادہ بہتر اور زیادہ بکار آمد ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ فی زمانہ روپیہ حاصل کرنے کے لئے تو بہت سی کھکھڑاٹھانی جاتی ہے لیکن کسی کو دوست بنانے کے لئے ذرا بھی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ سقراط کا قول ہے کہ لوگ مکان۔ زمین۔ غلام۔ مولیٰ اور طرح طرح کی چیزیں خریدنے میں بڑی احتیاط کرتے ہیں اور جب کوئی اچھی چیز ان کے ہاتھ لگ جاتی ہے تو اس کی حفاظت بھی بہت کرتے ہیں لیکن دوست اگرچہ ان چیزوں سے زیادہ خوشی بخشتا ہے لیکن چند ہی لوگ ہیں کہ ایک مخلص دوست کی تلاش کرتے ہوں۔

یاجب ایک اچھا دوست مل جائے تو اس کی محبت اور ہمدردی کی قدر اور حفاظت کریں۔ ایک حقیقی دوست اپنے دوست کی حاجت برآری کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی جان کی میان تک حفاظت کرتا ہے کہ اگر دشمن اس پر حملہ کرے تو اپنی جان لڑانے کو مستعد ہو جاتا ہے۔ خوش حالی کے زمانہ میں اس کی صحبت لطف زندگی کو بڑھاتی اور بد حالی کے زمانہ میں مصائب گھٹاتی ہے۔ یہ کیسی جہت

کی بات ہے کہ اس امید پر کہ تھوڑے سے اچھے پھل کھانے کو ملین گے لگنے میں کو
دوست کرتے اور باغیچہ لگاتے ہیں اور محبت کی زمین میں جو نہایت فائدہ بخش اور
بہت زرخیز ہے اور جہاں سے کہ عمدہ عمدہ پھل ملنے یقینی ہیں کچھ بھی نہیں بولتے۔
دنیا کی سیر خوشی آرام راحت کے سامان دوستوں کے بغیر بدفرہ معلوم
ہوتے ہیں اور معمولی دل چسپان دوستوں کے ساتھ نہایت دل خوش کن اور
فرحت بخش ہوتی ہیں۔ سب سے زیادہ قابل قدر دوستوں کی صلاح ہے کیونکہ
غیروں کو چونکہ پوری پوری ہمدردی نہیں ہوتی اون کی رائے یا تو سرسری ہوتی
ہے یا کسی نہ کسی طرف داری پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن کتا ہے کہ ”اپنے معاملات میں
کسی شخص کی اپنی صلاح اور دوست کی صلاح میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ خوشام
اور آزادی میں ہے۔ کیونکہ انسان اپنے نفس کے دھوکہ میں بہت گرفتار ہوتا
ہے اور اپنے نفسانی دھوکہ سے بچنے کا علاج دوست کی آزادی سے زیادہ
نہیں“ دوست کی وفاداری۔ جان نثاری۔ مدد کی مثالوں سے تاریخ کے صفحے
بھرے پڑے ہیں۔ دوستانہ ہمدردی۔ اُلوالعزمی۔ شرافت۔ دلیری کا نشان
ہے۔ بہت سے کام انسان اپنے واسطے نہیں کر سکتا مثلاً اپنے اوصاف یا قابلیتوں
کی ستائش۔ لیکن دوست اسے شہرت دیتے ہیں۔ یا مثلاً نامکمل کام اور
بعض تمنائیں جو موت پوری نہیں کرنے دیتی دوست ہمارے موافق انھیں
پورا کر دیتے ہیں۔

سچے دوست خوشامد نہیں کرتے بلکہ عیوب پر ملامت کرتے ہیں وہ جس
طرح دوست کے محاسن اخلاق کو دنیا میں شہرت دیتے ہیں۔ اسی طرح اوس کے
عیوب کو اوس کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ اور پوری نکتہ چینی سے کام لیتے ہیں
مگر اس کا مطلب اصلاح اور دوست کی بھی خواہی ہوتا ہے تاکہ وہ اوروں کی
نظروں میں حقیر نہ ہو۔ اور اوس کا دامن کمال داغ عیوب سے پاک و صاف
نظر آئے۔ ایسے دوستوں سے کہ صرف تعریفیں ہی کریں دشمن بہتر کہ اون کی

دوستوں کی
نکتہ چینی

نکتہ چینی سے ہوشمند سبق حاصل کر لیتے ہیں۔

از صحبت دوستے برنجم کا خلاق بدم حسن بنساید
عیب ہم ہنس و صواب بیند خاتم گل و یاسمن بنساید
کو دشمن شونخ چشم بیباک تا عیب مرا بمن بنساید

غلط فہمی

اگر کبھی کسی دوست سے کوئی غلط فہمی ہو جائے تو اسے عیب بنے خیال کرنا چاہئے بلکہ سمجھ لو کہ اس نے اپنی رائے کے موافق بہتر خیال کیا ہے۔ انسان مختلف الطبائع اور مختلف الآراہین اور اس سبب سے کبھی کسی خاص امر پر اختلاف ہونا کسی خفیف شکر بخشی کے باعث ملال و شکایت پیدا ہونی ممکن ہے مگر اسے دل میں جگہ دیکر دوست کی خوبیوں کو برباد نہ کرنا زیبائین۔ اور جلدی سے لڑ جھگڑ کر رشتہٴ مودت توڑنا نامناسب ہے۔ بلکہ طبیعت کو روکنا اور دوسرے وقت جب جوش کم ہو جائے غور و انصاف کرنا لازم ہے تاکہ اصل حقیقت معلوم ہو جائے اور شتاب زدگی کی پشیمانی نہ اٹھانی پڑے۔

سچے اور جھوٹے دوست

سچے اور وفادار دوست دنیا میں بہت مشکل سے ملتے ہیں اور بہت کم ہوتے ہیں۔ اگر ایک دوست بھی مل جائے تو غنیمت ہے۔ دوستوں کے انتخاب میں ان کی عمدہ خوبیوں اور ذاتی جوہروں اور وفاداری کا لحاظ رکھنا بہت ضرور ہے۔ بڑا دوست ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔ جھوٹی دوستی کا دعویٰ کرینو یا کسی لالچ یا ذاتی فائدہ یا زمانہٴ عیش میں لطف اٹھانے کی خاطر بہت سے لوگ دوستی کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ بدترین مصاحب اور بدتر از دشمن ہیں۔ کیونکہ دوستی کے پردہ میں لوٹے اور خراب کرتے ہیں۔ جو شاید دشمن بھی نہ کرے ایسوں سے وفاداری کی امید محض نافرمانی ہے۔ ایسے لوگ زمانہٴ کنی ہو ابد لہی تشریف ہو جاتے ہیں۔ اور پھر بات بھی نہیں پوچھتے۔ نصیبت اور ضرورت کے وقت دوستی کے امتحان میں پورے اترنے والے اور جان و مال سے مدد کرنے والے حقیقی دوست ہیں۔ اقبال مندی کے زمانہ میں تو اپنے بیگانے سب ہی یگانگت

اور محبت جتایا کرتے ہیں۔

جھوٹے دوستوں
کے نقصانات

بعض اوقات ایسے خراب اور واہی مصاحبوں کی جماعت ہی بربادی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ یہ دوستی کے پردہ میں بیخ کنی کرتے ہیں۔ فضول لہو و لعب و ناشائستہ افعال میں پھنساتے ہیں۔ غرض کل امور جن سے سچا دوست متنبہ کرتا ہے یہ جھوٹے دعویداران کی طرف راعب کرتے ہیں۔ ان کی صحبت اخلاق کے حق میں زہر۔ ترقی الہد اکتساب کمال کے حق میں روک۔ ان کی بے حیا غوغا اور دھوکہ بازی بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا کسی شخص کو بغیر سوچے سمجھے دل میں دوستی کی جگہ نہ دینی چاہئے خصوصاً جاہل و بد وضع اشخاص سے تو کمال درجہ پر ہیز کرنا لازم ہے۔

برے دوستوں کا
اثر خراب کرنا ہے

انسان کی طبیعت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ بے تکلفی اور قیو و تہذیب سے آزادی پسند کرتا ہے۔ اور اس میں دوستوں کے اوضاع و اطوار کے چربے اُتارنے اور ان کی اخلاق سے متاثر ہونے کا بھی بہت مادہ ہے۔ پس آوارہ مزاج شخصوں سے ملنے میں ڈر یہ ہے کہ کہیں ان کے رذیل خصائل اپنی طبیعت میں نہ اثر کر جائیں۔ نوجوانوں کو خصوصیت سے یہ احتیاط رکھنی چاہئے کہ جن لوگوں کے اوضاع و اطوار شرف و فضلاء کے نزدیک ناشائستہ ہوں ان سے پرہیز کریں کیونکہ آئندہ طبیعت نہ صرف ان کی بعض عادات اختیار کر لیتی ہے بلکہ تمام حرکات و سکنات افعال و اقوال خیالات کل اُسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔

اول اؤل تو ایسا ہوتا ہے کہ افعال شنیعہ مکروہ معلوم ہوتے ہیں اور طبیعت ان سے اجتناب کرتی ہے لیکن پھر اوس کا دیکھنا گوارا ہو جاتا ہے اور کتاب کی کراہت زائل ہو جاتی اور رفتہ رفتہ خود اوسی میں گرفتار ہو جاتی ہے خود غرض۔ اوباش اور بازاری آدمیوں کی صحبت انسان کے رویہ پر بہت بڑا اثر ڈالتی ہے اور اوس کو اپنے رنگ میں رنگ کر اوس کی شرافت۔ صداقت

اور مردانگی کا جو ہر کھو دیتی ہے اور وہی خراب اور تباہ کن جذبات جو اوس سوسائٹی میں عام طور پر پھیلے ہوئے تھے اس شخص کی طبیعت میں بھی جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ دل میں تنگی اور سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اخلاقی حالت کمزور ہو جاتی ہے اور اوس میں الوالعز می اور جرأت باقی نہیں رہتی اس کے برخلاف ایسے لوگوں کی صحبت جو اپنے سے زیادہ عاقل فہیم۔ عالم۔ تجربہ کار ہیں۔ ضرور تقویت پہونچاتی اور فائدہ بخشتی ہے۔ وہ خود ہمارے علم کو زیادہ کرتے ہیں اور ان کی باتیں سن سن کر ہم اپنی غلط رایوں کی تصحیح کرتے ہیں۔ مشاہدہ اور تجربہ کے میدان میں جب انسان اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور عالم شخص کو دیکھتا ہے تو ان کی راحت و تکلیف کے ہر واقعہ سے اوس کو سبق ملتا ہے۔ غرض دانا اور عالم آدمی کی صحبت رویہ پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔ انسان کے ارادوں کو بلند اور نظر کو وسیع کرتی اور دل کو ناگوار خیالات کے بوجھ سے ہلکا کرتی ہے عقل و فراست کو جلا دیتی ذکاوت اور علم میں ترقی ہوتی اچھی اور نیک رائے قائم ہوتی ہیں۔

لایق دوستوں کا اثر
لایق بناتا ہے

مختلف انسانوں کے طبائع اور خصائل معلوم کرنے سے زیادہ مفید کوئی سائنس نہیں۔ آدمی کی شناخت مشکل کام ہے لیکن جب ملکہ پیدا ہو جائے تو اس سے یہ سہولت پیدا ہوتی ہے کہ جو شخص جس قدر بھروسہ کرنے کے لائق ہو اسی قدر اوس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ بعض اشخاص کسی خاص کام کی خوب مہارت اور قابلیت رکھتے ہیں ان سے وہی کام لینا زیادہ مناسب ہوتا ہے اگر بے سوچے سمجھے ہر امر میں ان پر بھروسہ کر لیا جائے تو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور یہ ان کا قصور نہیں بلکہ اپنا قصور ہے کہ ان کی قابلیت کو اچھی طرح نہ جانچا کہ کس کام آسکتی ہیں۔

مردم شناسی کی
ضرورت

۵۔ سخاوت

سخاوت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس قدر ضرورت ہے اُتنا ہی ان

سخاوت کی تعریف

لوگوں کو دیا جائے جو اس خیرات کے مستحق ہوں۔ کیونکہ اگر غیر مستحقین کو دیا جائے گا تو وہ سخاوت کی حد سے خارج ہوگا۔ یہ بھی سخاوت نہیں ہے کہ اپنی استطاعت یا دوسرے کی ضرورت سے زیادہ دے بلکہ جس طرح ہر کام میں طریقہ اعتدال ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے اسی طرح خیرات بھی اسی وقت تک مستحسن ہے کہ عدالت کے خلاف نہ ہو۔ نفس میں جب سخاوت کا یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کو حاجتمندوں کی مدد کرنے میں تامل نہیں ہوتا تو بہت سی خوبیاں انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً کرم۔ ایثار۔ عفو۔ مروت۔ نیل۔ مواسات۔ سماحت۔ مسامحت۔

کرم یہ ہے کہ رفاه عام کے کاموں میں جن کا نفع عام ہو یا جن سے ملک و قوم کے بہت سے افراد مستفید ہو سکتے ہوں بہت سا روپیہ صرف کرنا بھی گرانہ گذرے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کام میں مدد دینا اقتضا، مصلحت ہو ورنہ ایسے کاموں میں چندے دینا جو پبلک کے نفع یا فائدہ کی غرض سے نہیں ہیں کرم نہیں ہے۔

ایثار زیادہ دشوار اور بہت فیاضی کا کام ہے کہ جس چیز کی اپنے تئیں حاجت ہے اگر دوسرے شخص کو بھی اس کی ضرورت ہے تو اس کو دیدے اور خود استعمال نہ کرے۔ مگر اس میں یہ دیکھ لینا ضرور ہے کہ دوسرے شخص کی حاجت اتنی شدید ہو کہ وہ اسے پورا نہ کر سکتا ہو ورنہ اپنی حاجت بند کر کے صاحب استطاعت کو دینا ایثار نہیں ہے۔

عفو۔ وہ شریف ملکہ ہے کہ جس شخص سے کوئی رنج یا نقصان یا بدی پہنچی ہو اور اس پر اتنی قدرت حاصل ہو کہ اسے سزا دے سکے یا اس کا بدلہ لے سکے لیکن معاف کر دین اور طبیعت کو یہ ملال نہ ہو کہ کیون اس سے بدلہ نہ لیا۔

مروت۔ دوسروں کا کام کرنے یا اون کو کوئی فائدہ پہنچانے کی

رغبت کا نام ہے کہ جس قدر اپنے امکان میں ہے اتنا نہ کرے تو طبیعت کو ملال ہو۔

نیل۔ نفس پر قدرت حاصل کرنا ہے کہ اوس کو افعال پسندیدہ اور خضائل نیک کی طرف نہ صرف توجہ ہو بلکہ اوس پر عمل بھی کرے۔

یارون۔ دوستوں۔ رشتہ داروں کو معیشت میں اپنے ساتھ شریک کرنا اور مستحقوں کو قوت و مال سے مدد دینا مواسات کہلاتا ہے۔

سماحت۔ بخشش کرنا ہے کہ جو چیز کسی کو دینی اور بخشی واجب نہیں ہے اور قانوناً اور شرعاً ہماری ملک اور ہمارا حق ہے وہ نجوشی دوسروں کو دیدین۔

مسامحت۔ کسی شخص سے کوئی چیز لینے یا نہ لینے کا اختیار حاصل ہو لیکن نہ لین اور اوس کو بخش دین۔

دوسروں کو کچھ دینا تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو زکوٰۃ۔ صدقہ۔ نذر۔ یعنی حکم الہی اور قانون شریعت کے بموجب دینا۔ دوسرے بطریق انعام و اکرام

و ایثار۔ جیسے ہدیہ و تحفہ دینا۔ تیسرے کسی فائدہ یا نفع کے حاصل کرنے یا کسی نقصان کے روکنے کے لئے دینا۔ تیسری شق تو خیرات سے خارج ہے۔ البتہ

اوّل کی دوسخاوت و خیرات کی مدین آسکتی ہیں۔ بشرطیکہ دائرہ اعتدال سے خارج نہ ہوں۔ اور مستحقین کو دی جائیں۔ زکوٰۃ و صدقہ احکام شریعت سے

تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کے لئے یہ شرط ہے کہ جو کچھ دے بطیب خاطر دے اور نہ بظاہر نہ دل میں یہ ملال پیدا ہو کہ کیوں دیا۔ اگر برضا و رغبت نہ دیا جائے

تو ایسا دینا کچھ کام نہیں دے سکتا۔ دوم یہ کہ خیرات خاص اللہ کے واسطے ہو اور اپنی ذاتی کوئی غرض اوس میں نہ ہو۔ سوم۔ مستحقین اور ایسے لوگوں کو

دیا جائے جو واقعی محتاج ہوں۔ چہارم جو کچھ دے حتی الامکان پوشیدہ دے پنجم جو کچھ دینا ہو اوس میں بے وجہ دیر اور تاقل نہ کرے تاکہ الم انتظار خیرات کی

لذت کو نہ کھو دے۔

نیل

مواسات

سماحت

مسامحت

دوسروں کو
دینے کے اقسامزکوٰۃ و صدقہ کی
شرائط

سختی کے لئے
مقرر ہو کر انسانی
اپنی خواہشوں کو
روکے۔

دوسروں کو دینے اور اپنے مال سے دوسروں کی مدد کرنے کی قوت اور
شخص کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جو اپنی آمدنی کو کفایت شعاری سے خرچ کرے
اور اوس کا ایک حصہ اپنا بے جنس کی خاطر صرف کر سکے۔ شفا خانہ۔ مدارس
محتاج خانہ۔ یتیم خانہ۔ نہریں۔ کنوئین۔ سرائیں۔ پل وغیرہ ایسے بزرگ قائم
کرتے ہیں جن کے دل میں انسان کی ہمدردی کا اس قدر مادہ ہوتا ہے کہ وہ
اون کے واسطے اپنی نفسانی خواہشوں کو روک سکتے ہیں اور اپنا روپیہ فیضول
برباد نہیں کرتے۔ بلکہ غریبوں کا جہنم دون کو اپنے حال میں شریک کرتے ہیں
اور خیرات کے کاموں میں خود اون کو بھی ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسی کہ
اوس شخص کو جس کی وہ مدد کرتے ہیں۔ بلکہ اظہار ہر شخص کا فرض ہے
کہ وہ دوسرے انسانوں کی مدد کرے اور دوسروں کی مصیبت کے کم کرنے
میں حصہ لے تاکہ کل سوسائٹی میں فلاح اور بہبودی قائم رہے۔ یہ لازم نہیں
ہے کہ دولت مند آدمی ہی دوسروں کا ہاتھ بٹائیں بلکہ ہر شخص کو اپنی استطاعت
کے بموجب خیراتی کاموں میں حصہ لینا چاہئے لیکن جس طرح ذاتی کاموں
میں روپیہ خرچ کرنے کے لئے ضرورت اور عاقبت اندیشی کی حاجت ہے۔
اسی طرح خیراتی امور میں بھی روپیہ صرف کرنا توجہ کا محتاج ہے۔ اگر بے سوچے
سمجھے روپیہ دیدیا جائے تو ممکن ہے کہ بنی نوع انسان کو نفع پہونچانے کی بجائے
وہ نقصان پہونچائے اور بجائے راحت اور مدد کے انسان کیلئے تکلیف اور مصیبت
کا باعث ہو۔ غیر مستحقین کو روپیہ دینا سختی نہیں ہے اور ایسی خیرات
محسن الیہ میں سے خود داری۔ عزت۔ اور محنت اور خود اعتمادی کی عادت کو
کھودیتی ہے اور اوس میں پرہیزگاری۔ دیانت داری نہیں قائم رہتی۔ ایسی
خیرات جیسی کہ آج کل رائج ہے غریبوں کا علاج نہیں بلکہ اون کے حق میں
مضر ہے کیونکہ اون کو دوسرے کے مال پر زندگی بسر کرنے اور بھیگ مانگنے کی
عادت پڑ جاتی ہے اور جس قدر کسب معاش وہ کر سکتے ہیں وہ بھی نہیں کرنے

سختی کا
غلط طریقہ

اس طرح سوسائٹی میں ایک کثیر جماعت مفت خواروں کی پیدا ہو جاتی ہے اور جب اون لوگوں کو بلا محنت و مشقت ملتا ہے تو باوجود محنت کر سکتے اور اپنی قوت بازو سے پیدا کرنے کی قدرت کے وہ بھی یک مانگنے لگتی ہیں۔ بلکہ ایسے بٹے کٹے فقیرون کو جب کسی کام کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ اس طرح ایسے لوگ جو ہر طرح کام کر کے کھانے کی قوت رکھتے ہیں خوب پیدا کر لیتے ہیں اور جو واقعی محتاج ہیں اور جو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا کر کسی سے طلب کرنا عار سمجھتے ہیں بلا مدد و استعانت رہ جاتے ہیں۔ جو خیرات اس طرح تقسیم کی جائے کہ جو سامنے آگیا اوس کو دیدیا۔ وہ خیرات نہیں روپیہ کا برباد کرنا ہے اور ایسا دینے والا بالکل بھی ہمدرد انسان نہیں ہے سچے ہمدرد وہ ہیں جو دنیا میں سے مصیبت۔ تکلیف۔ احتیاج کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے کے لائق ہو جائیں۔ ہزاروں فقیرون کو کھانا کھلانے سے یہ بہتر ہے کہ ایک تعلیم گاہ۔ ایک صنعتی مدرسہ۔ ایک کارخانہ میں وظیفہ یا چندہ دیا جائے۔ اور فقیرون کو پیسے بانٹنے کی جگہ یہ مناسب ہے کہ ایسے غریبوں کے لئے جنہیں کام نہیں ملتا کوئی کام جاری کر کے شام کو انہیں مزدوری دی جائے۔ لوگوں میں علم و فن کی ترقی دینا اور اون کی تمدنی حالت کو درست کرنا سب سے بہتر خیرات ہے۔ کیونکہ اس سے لوگوں میں خود اپنی مدد کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اور اون کی حالت ترقی کرتی جاتی ہے۔

خیرات کا
صحیح طریقہ

دوسروں کی مدد کما حقہ کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی دل ہوزی۔ دانشمندی اور دور بینی کی ضرورت ہے۔ کسی کا بوجھ اپنے سر دھر لینا اوس کی اچھی طرح مدد کرنا نہیں ہے بلکہ اوس کو اس قابل بنانا کہ خود اپنا بوجھ سنبھال سکے اور اوس میں اتنی ہمت و جرات و قابلیت پیدا کرنا کہ آئندہ زندگی کی کھکیڑ اٹھا سکے اصلی مدد کرنا ہے۔ کسی شخص کو روپیہ دینے کی نسبت ڈھارس دینا اور

اوس کی بہت بندھانا زیادہ مشکل اور زیادہ مفید ہے۔ دقت اور محنت دولت سے زیادہ قیمتی ہیں پس غریب اپنا سبب جنس کی بھی خواہی کی خاطر تھوڑا وقت صرف کرنا اور اون کی عام حالت کی درستی کی کوشش کرنا بھی خیرات اور فیاضی میں داخل ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ صاحبانِ مقدرت روپیہ سے مدد نہ کریں بلکہ یہ مراد ہے کہ خیرات کا جو طریقہ آج کل مروج ہے یہ بجائے مفید ہونے کے مضر ہے۔ کہ اس نے کاہل اور مفت خوار کھجکاریوں کا ایک گروہ پیدا کر دیا ہے جو باوجود محنت پر قدرت حاصل ہونے کے بھی مزدوری نہیں کرتے۔ اور اون غریبوں کی حق تلفی کرتے ہیں جو واقعی معذور ہیں۔ انسان کے خصائل میں فطرتاً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ جب اُسے مفت اور بے مشقت ملنے لگے تو ذرا سے کام سے بھی جی چڑانے لگتا ہے لہذا خیرات کے جوش میں اوس کی محنت اور اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی قوت کو برباد کر دینا اوس کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ کسی کو بروٹی دی جائے اسے روٹی کمانے کے طریقہ پر لگانا چاہئے۔ اور اس طرح مدد کرنی چاہئے کہ وہ خود اپنی مدد کرنے کے قابل ہو جائے مثلاً یتیموں اور لاوارثوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ میں مفلسوں کی خاطر صنعت گاہوں میں غریب بیوہ عورتوں کے لئے اون کے اکتسابِ معاش کے ذرائع میں معذوروں کے لئے محتاج خانوں میں روپیہ سے مدد دینا خیرات کا اصل منشاء پورا کرنا ہی لیکن پیشہ ور فقیروں کو دیکر ملک میں مفت خواروں کی تعداد بڑھانا روپیہ کو برباد اور ملک کو خراب کرنا ہے۔ لفظ خیرات کے معنی کی اس غلط فہمی نے ملک میں آوارہ گرد اور کاہل فقیروں کی تعداد بہت بڑھا دی ہے۔

باب چہارم

آداب معاشرت

آداب معیشت
کی تفصیل

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آداب معیشت حکمت کا ایک شعبہ ہے اس میں یہ بیان ہے کہ تمدن اور منزل کی جو تدابیر تجربہ سے صحیح ثابت ہوں اور جو نفع سے قریب اور ضرر سے بعید ہوں وہ اختیار کی جائیں۔ جو لوگ کامل انخلقت اور صحیح العقل ہیں یا الہام ربانی سے مستفیض ہوتے ہیں ان کے اخلاق کو دیکھا جائے اور اوس کے بموجب قواعد مستنبط کئے جائیں یہ بھی دیکھا جائے کہ جو آداب مقرر کئے جاتے ہیں یہ حسن معاشرت اور لطف مشارکت میں مدد دین گے۔ اور ایسے مقاصد ملحوظ رکھے جائیں جو اسے کلی سے پیدا ہوں۔ یعنی اون کی تحریک حیوانات کی طرح کسی طبعی خواہش یا جوش کے پورا کرنے کے لئے نہ ہو لی ہو بلکہ اون میں ایسی منفعت بھی ہو جس کا اثر عام طور پر پھیلتا ہو۔ معاشرت کے اہم مسائل یہ ہیں۔ کھانے پینے کے آداب۔ لوگوں سے ملنے بچلنے۔ بات چیت کرنے۔ چلنے پھرنے۔ نشست و برخاست کے طریقے۔ سفر کرنا۔ لباس۔ مکان وغیرہ۔ نکاح۔ وکیمہ۔ ولادت پر اظہار خوشی۔ مصائب و رنج کا اظہار۔ درخینوں کی عیادت۔ مجالسوں اور عام لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ میں لوگوں کو مدعو کرنا اور اون سے ملنا۔ لوگوں کے گرد ہون میں ان امور کے متعلق خاص خاص رسم و رواج مقرر ہو جاتے ہیں جو بچائے قاعدہ اور ضابطہ کے خیال کئے جاتے ہیں۔ یہ ضوابط عام پسندیدگی کے لحاظ سے مقرر ہوتے ہیں یعنی جن امور کو سب لوگ مستحسن خیال کرتے ہیں ان پر کاربند ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کے سامنے خواہ بہ تکلف ہوں قواعد

تہذیب

کی پابندی ضروری خیال کی جاتی ہے۔ تاکہ کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو دوسروں کو ناپسند ہو اور ان کی کبیدگی خاطر یا انقباض کا سبب ہو اسی کا نام تہذیب ہے۔ اور جو لوگ اس کی سختی سے پابندی کرتے ہیں وہ مہذب اور شائستہ کہلاتے ہیں۔ یہہ آداب ہر قوم کے جدا جدا ہوتے ہیں اور ہر فرقہ کے لوگ اپنے مان کے قواعد کو مہذب خیال کرتے ہیں اگرچہ دوسری اقوام او سے پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اس واسطے آداب معاشرت کا کوئی ایسا جامع طریقہ مقرر نہیں کیا جاسکتا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں ہو۔ آداب معاشرت کی خوبیاں زیادہ تر اعتباری ہوتی ہیں لیکن تمدن میں حسن اور شائستگی قائم رکھنے کے لئے اس اعتبار کو قائم رکھنا بلکہ ترقی دینا ضرور ہے۔ اور قومیت و اخوت کے خیال کو زیادہ مستحکم رکھنے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ ہر فرقہ اپنے کے آداب کی پیروی کرے۔ آداب معاشرت میں گفتگو اور لباس کا بیان کسی قدر وضاحت سے کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ گفتگو

گفتگو کے نتائج

گفتگو اپنے خیالات ظاہر کرنے اور دوسرے شخص کے خیالات اخذ کرنے کا ذریعہ ہے۔ گفتگو خوشی۔ تسکین اور اطمینان بخشی ہے اور وہ غصہ رنج اور فساد پیدا کرتی ہے۔ عقلمند۔ نیک مزاج اور بھلا بالئس یا بے وقوف جاہل اور کوہ باطن ثابت کرتی ہے۔ گفتگو لوگوں کی نظروں میں عزت و وقعت اور ہیبت قائم کرتی ہے اور وہی بے عزت ذلیل رسوا اور خوار کر دیتی ہے۔ کبھی ترقی اور حصول مطالب کا سبب ہوتی ہے اور کبھی تنزل اور ناکامی کا باعث۔

زبان کے کام

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب احیاء العلوم میں زبان اور اس کی آفات کا مفصل ذکر لکھا ہے۔ اور خاموشی کے بہت فضائل بیان فرمائے ہیں کل تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ زبان اگرچہ چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے لیکن نعمت الہی اور عجیب و غریب صنعت کا نمونہ ہے۔ زبان سے ایک طرف تو انعام۔

کفر و گناہ کبیرہ کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف عبودیت اطاعت۔ اور حق کی شہادت ظاہر ہوتی ہے۔ زبان ایسی چیز ہے کہ تمام چیزیں جو انسان کے علم میں ہیں خواہ وہ معدوم ہوں یا موجود یا اون کی ہیئت و حالت حقیقت و اصلیت کچھ ہی ہو زبان پر آسکتی ہیں۔ یہ خاصیت زبان کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ کائنات کی کل چیزوں سے تعرض کر سکتی ہے اور ہر امر کو خواہ حق ہو یا باطل بیان کر سکتی ہے۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ صرف رنگ آواز اور بو ہی کو جان سکتی ہیں لیکن زبان کا میدان اتنا وسیع ہے کہ کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ جس طرح خیر کے بولنے پر قادر ہے ویسے ہی شر کے بولنے پر بھی اور تمام اعضاء انسانی میں سب سے زیادہ نافرمان اور بہت جلدی خرابی میں پھنسانے والی زبان ہی ہے۔ کیونکہ انسان کو زبان ہلانے میں ذرا بار نہیں معلوم ہوتا اور اس سبب سے لوگ اس کی حفاظت سے غافل ہیں۔

بات کرنا

بات کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ ہمیں کیا کہنا ہے اور اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے کون سے مناسب الفاظ ہیں جو سامع کے عقل اور رتبہ کے موافق ہوں اور اون میں کوئی کلمہ زائد۔ حشو۔ اور خلاف تہذیب نہ ہو۔ لوگ رات دن باتیں کرتے ہیں لیکن تھوڑے ہیں جو بات کرنے کے فن سے واقف ہوں۔ ضرور نہیں ہے کہ بہت باتیں کرنے والے آدمی اچھی باتیں کرنے والے بھی ہو۔ بہت سے لوگ صرف اس لئے یکسان بکواس کئے جاتے ہیں کہ اونکو اپنی زبان کو مصروف رکھنے کے لئے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایسی بہت سی باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے آخر کو پچھتا نا پڑتا ہے اور چاہتے ہیں کہ کاش نہ کہتے اور یہ بے سوچنی سمجھی باتیں ایسی ایسی آفتیں ڈھاتی ہیں کہ ہزاروں فتنہ اور نقصان پکڑ دیتی ہیں۔ بہت سے مفید مقصدوں کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ ترقیوں کو روک دیتی ہیں اس لئے ضرور ہے کہ گفتگو کے اصول سے واقفیت ہو اور یہ علوم ہو کہ کلام کے محاسن کیا کیا ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو

ان اصول پر کار بند ہوں تاکہ عادت زبان کو قابو میں رکھے۔

خاموشی

اول۔ سب سے پہلا اگر یہی ہے کہ بہت سی باتیں ہی نہ کرے زیادہ بلکہ اس کرنا خفتِ عقل کی دلیل ہے جو لوگوں کے دلوں سے ہیبت و وقعت کو کھو دیتی ہے۔ سب کی سنی آسان ہے لیکن اپنی بات کہنی بہت مشکل ہے لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اوس کو خاموشی سے سنے جاؤ اور اون کے دلی بھید و ن اور راؤن پر غور کرو۔ لیکن اپنی رائے کے اظہار میں جلدی مت کرو۔ اور جب تک روئے سخن تمھاری طرف نہ ہو اگرچہ تمھارا ہی ذکر ہو بول اٹھنا اور دخل در معقولات کرنا نہ چاہئے۔ اور اگر کسی مجلس میں چند آدمیوں کے بعد تمھارے گفتگو کرنے کا موقع آئے تو دوسروں پر اگرچہ اون کی رائے غلط ہو نکتہ چینی کرنا یا طعن کرنا مناسب نہیں بلکہ جو کچھ تمھاری رائے اور تمھارا علم ہے اوس کو متانت و سنجیدگی سے ظاہر کرو۔ لوگ اتنے کسی بات سے نہیں چڑتے جتنے کہ نکتہ چینی سے خصوصاً کسی فرقہ یا جماعت کے کسی فعل پر یا اوس کے کسی پیشہ پر نکتہ چینی کرنا اور سب کو برا کہنا بالکل خلاف مصلحت ہے۔ ایک شخص بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے یا بھول جاتا ہے لیکن کوئی جماعت اپنے خلاف شان یا خلاف طبع امر کو نہیں بھولتی اور کبھی نہیں معاف کرتی۔ تلوار کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ امام غزالیؒ کا قول ہے کہ ”کلام چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ کہ اون میں ضرر ہی ضرر ہو۔ دوسرے وہ کہ اون میں محض نفع ہی ہو۔ تیسرے وہ کہ ضرر و نفع دونوں ہوں۔ چوتھے وہ کہ نہ نفع ہو نہ ضرر۔ قسم اول سے تو سکوت لازم ہے۔ قسم سوم میں اگر ضرر نفع سے زیادہ ہو تو خاموشی لازم ہے۔ چوتھی قسم کے کلام میں وقت کا ضائع کرنا ہے اور یہ بھی بڑا نقصان ہے۔ پس قابل بولنے کے دوسری قسم ہی ہے اور اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ صَمِمَتْ لِسَانُهُ

دوم یہ کہ ہمیشہ سچ بولے۔ سچ کہنے والے کا اعتبار اور عزت قائم رہتی ہے اور کبھی کسی کے سامنے شرمانا نہیں پڑتا۔ حتیٰ کہ اگر اپنے سے کوئی خطا بھی سرزد ہو تو اس کا مردانہ و اراعترا ف کرنا جھوٹ بولکر چھپانے سے بہتر ہے۔ جھوٹ بولنے سے ایک گناہ دو چند ہو جاتا ہے ایک پہلی خطا اور دوسرا کذب۔ کذب ایک بے بنیاد عمارت ہے کہ کبھی نہ کبھی آریگی۔ اور نہ صرف خود گر پڑیگی بلکہ جھوٹ بولنے والے کو بھی اپنے ساتھ خراب و برباد کریگی۔ جب جھوٹ کی فلمی ٹھل جاتی ہے تو جھوٹ بولنے والے لوگ ایسے بے اعتبار ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ کوئی سچ بات بھی کہیں تو کہہ فی شخص یقین نہیں کرتا اور اگر دیانت داری بھی کریں تو کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ باہمی معاملات اور دنیا کے کاروبار میں صداقت اور ایمان داری کی بہت ضرورت ہے اور اس سے ہی اہل معاملہ کی ساکھ بندھتی ہے اور اون کے کام کی شہرت و عزت ہوتی ہے۔ کذب ایک مذہوم صفت ہے اور اس کے ظاہر ہو جانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ بظاہر خلاف واقعہ نہیں لیکن اون کا طرز او ایسا دھوکہ سن ڈالتا ہے کہ سامع کے دل میں غلط خیال پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی مبالغہ بھی جھوٹ ہے۔ یا ایسے موقع پر خاموش رہنا جہاں اصل بات کو ظاہر کرنا چاہئے۔ جھوٹ بولنے کے برابر ہے۔ اسی طرح اشارہ یا کنایہ سے کوئی غلط خیال دوسرے کے دل میں پیدا کرنا دھوکہ دینا اور جھوٹ بولنا ہے۔ وعدہ کر کے پورا نہ کرنا۔ امید بندھا کرنا امید کرنا لوگوں کو دھوکہ دینا ایسے صریح جھوٹ ہیں کہ ان کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ جھوٹ بولنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان خدا سے بے خوف ہے اور لوگوں سے ڈرتا ہے۔ جھوٹ بُزدلی کی علامت ہے کیونکہ جھوٹ بولنے والے میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں ہوتی کہ صاف صاف سچ بات کو ظاہر کرے۔ اس واسطے وہ یہ کمینہ حرکت کرتا ہے کہ جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ بولنے سے باہمی گفتگو کی خوبی اور فائدہ جاتا رہتا ہے اور جن لوگوں میں

جھوٹ کی عادت زیادہ ہے اور کی سوسائٹی میں یگانگت اور ربط و ضبط نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب باہم ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں اور دھوکہ دہی کریں تو گفتگو کا فائدہ مفقود ہو جائیگا اور لوگوں کے دلوں میں چونکہ اعتبار نہ رہے گا صداقت اور محبت بھی اٹھ جائیگی اور بے اطمینانی پھیل جائیگی جس سے ذرا سے معمولی کام کرنے بھی مشکل اور پیچیدہ ہو جائیں گے۔

صداقت کا اثر
قوم پر

جو شخص اپنا اداسے فرض کرتا ہے یا اپنا چال و چلن نیک رکھنا چاہتا ہے وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اسی طرح صداقت قومیت کا شیرازہ ہے جس قوم میں سے صداقت جاتی رہے اس میں سے قوت جاتی رہے گی نہ کسی قوم پر دروغ گوئی سے حکومت کی جاسکتی ہے نہ کسی گھربین دروغ گوئی سے امن قائم رہ سکتا ہے۔

وعدہ پورا نہ کرنا

جھوٹی باتوں میں سخت تر وعدہ کا پورا نہ کرنا ہے کیونکہ اس سے دوسرے شخص کو اُمید بندھتی ہے اور اس کو پھرنا اُمیدی کی سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اور اکثر اوقات یہ نقصان بھی ہوتا ہے کہ جو کوئی اور تدبیر کام کے کرنے کی ممکن تھی وہ اس کے وعدہ کرنے سے نہیں کرتا اور جب دوسری تدبیر کا موقع نکل جاتا ہے اور وعدہ پورا نہیں ہوتا تو وہ بے چارہ سخت نقصان اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس سبب سے جھوٹا وعدہ کرنا شرعاً نفاق کی علامت بیان کیا گیا ہے اور ایفائے وعدہ کا صریح حکم دیا گیا ہے یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔

سچ بولنا شخص پر
ہر حال میں فرض
ہے۔

انسان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب لوگوں کے ساتھ یکساں مہربانی سے پیش آئے۔ سب کی یکساں خبر لے۔ تمام لوگوں کو یکساں فائدہ پہنچائے کیونکہ یہ انسان کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ تمام زمانہ کی خبر رکھ سکے اور سب کے ساتھ یکساں فیاضی برتے قدرتا اس کو اپنے رشتہ دار اپنے دوست اپنے ہم وطن اپنے ہم مذہب زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ اور وہ جتنی خدمت علی قدر مراد

ان کی کرتا ہے اتنی دوسرے لوگوں کی جو اوس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے
 نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ خواہ اپنا ہو
 یا غیر۔ واقف ہو یا ناواقف۔ دوست ہو یا دشمن سچ بولے۔ کیونکہ دنیا میں اور
 تمام فرائض انسان کے مرتبہ کے مناسب ہوتے ہیں۔ لیکن سچ بولنا ایسا
 فرض ہے کہ اوس میں کسی مرتبہ یا عہدہ یا حالت سے فرق نہیں آتا۔ انسان
 کو دولت مند اور غریب امیر اور ماتحت سب کے ساتھ سچ بولنا چاہئے بلکہ
 جو لوگ خود جھوٹ بولتے اور سچ سے نفرت کرتے ہیں اون سے بھی سچ کہنا
 لازم ہے یہاں تک کہ اون دشمنوں سے بھی جو اوس سچ بات کو اوس کے
 خلاف استعمال کریں یا خود اوس سے کوئی نفع اٹھائیں سچ ہی کہنا چاہئے۔
 سچائی بلکہ ہر نیک کام کی محبت اس سبب سے ہونی چاہئے کہ وہ سچ اور نیک
 ہے نہ اس سبب سے کہ اوس سے کسی خاص وقت میں کوئی مطلب نکلتا ہے
 جو شخص صرف مطلب نکالنے کے لئے سچ بولے وہ سچا نہیں اور جو صرف کوئی
 نفع حاصل کرنے کے لئے نیک کام کرے سعید نہیں بلکہ ریاکار ہے۔ انسان پر
 بعض وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اپنی پاک محبت کو بھی جو اوس سے اپنے کسی رشتہ دار
 سے ہو ظاہر نہیں کر سکتا اور اگر ظاہر کرے تو خلاف مصلحت ہوتا ہے۔ لیکن
 کوئی وقت ایسا نہیں آسکتا کہ وہ حق بات چھپائے کیونکہ صداقت کسی کی
 ملک نہیں بلکہ انسان اوس کا شاہد اور امانت دار اور محافظ ہے۔ صداقت
 خدا کا نور ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے اور ضرور ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر
 حال میں چمکے۔

۳۔ سجدہ و تکرار کرنا ہمیشہ خوفناک ثابت ہوا ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ
 اور غلط فہمی میں پڑے اور طبیعت میں ضد کا مادہ بڑھا۔ اور اگر بحث و تکرار سے
 کسی بات کو قبول بھی کرایا لیکن طرف ثانی جو پہلے دوست تھا اب دشمن ہو گیا
 تو کیا فائدہ اٹھ آیا۔ اگر کسی امر پر بحث و محنت کرنے کی ضرورت بھی ہو تو بھی

بحث و تکرار

نہایت نرم الفاظ میں اور اس طریقہ سے ہونی چاہئے کہ سامع کو یہ نہ معلوم ہو کہ میرے ساتھ تکرار کرنا مقصود ہے بلکہ صلاح اور مصلحت کا طرز اختیار کیا جائے کیونکہ محبت و تکرار ایسی بری چیز ہے کہ اول تو لوگ مانتے ہی نہیں اور اگر ذل میں تسلیم بھی کر لیں تو علانیہ اپنی غلط فہمی کا اعتراف کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اور کج بختی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ لہذا جہاں تک ممکن ہو اپنا مطلب صاف اور مشرح الفاظ میں نہایت متانت اور تہذیب سے ادا کیا جائے۔ اور اگر سامع کا دل قبول کر لے تو بحث کا نتیجہ حاصل ہو گیا اس سے زیادہ کی امید فضول ہے۔

۴۔ فحش الفاظ زبان سے نکالنے خلاف تہذیب ہیں بلکہ اگر کسی ایسے بیان کی ضرورت پڑے جن کی اصطلاحیں فحش ہیں تو بھی اشارۃً یا کنایتاً ادا کرنا مناسب ہے چہ جائیکہ تکیہ کلام گالی یا کوئی خلاف تہذیب لفظ ہو۔ شرافت نسبی اس قدر قابل اعتبار نہیں جس قدر افعال و اقوال کی پاکیزگی میں شرافت ہے۔ جو لوگ اپنی زبان فحش سے آلودہ کرتے ہیں وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اون کی طبیعت میں شرافت کا جوہر نہیں ہے۔ فحش بکنے کی عادت اکثر اوباش لوگوں کی صحبت میں پڑ جاتی ہے اور اس کا مقصد یا سننے والے کو ایذا پہنچانا ہوتا ہے یا مسخر اپن کرنا اور یہ دونوں قبیح ہیں۔

۵۔ سامع کے اندازہ اور عقل کے موافق بات کہنی چاہئے اگر سامع نہ سمجھے تو بات خواہ کیسی لطیف اور پر مغز کیوں نہ ہو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح اگر لوگ متوجہ نہ ہوں تو بات کہنا بیکار ہے۔

۶۔ جواب ہمیشہ نرمی اور ملائمت سے دینا چاہئے اگر اپنی زبان سے کسی کو دشمن بنایا تو اس سے بُرا کوئی کام نہیں۔ لوگوں کو سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ اون کی تضحیک کی جائے اور خواہ کوئی شخص بے وقوف ہی کیوں نہ ہو وہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ او سے بے وقوف کہیں یا اس کی تحقیر کریں۔

سامع کی عقل کا اندازہ

جواب دینا

نفسیک

اگر کوئی شخص اپنے تئیں بے وقوف بنائے اور اپنے اوپر ہنسے تو بات ٹالنے اور اسے شرمندہ کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ خود بھی اوس کی ہان میں ہان ملائے اور ہنسی میں شریک ہو اس سے نہ صرف اپنی دانشمندی ظاہر ہوتی ہے بلکہ وہ خود جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اور اپنی خوش اخلاقی کا سکھ جم جاتا ہے۔ اور جب تم خود اپنے اوپر ہنسو تو کوئی تم پر ہنسنے نہیں گے۔

اپنا ذکر

۷۔ اپنا بہت سا ذکر کرنا یا اپنے حالات بیان کرنے یا موافق یا مخالف بہت کچھ کہنا نہ چاہئے بلکہ اپنی نسبت جو کچھ جتنا ہے وہ اقوال سے نہیں بلکہ کردار سے ظاہر کرنا چاہئے۔ ہان یہ دیکھو کہ اور لوگ تمہاری نسبت کیا کہتے اور کیا رائے ظاہر کرتے ہیں۔

راز

۸۔ اپنا راز کسی سے نہیں کہنا چاہئے اگر تم خود اپنا راز پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تو دوسرے اوس کو کبھی نہیں چھپائیں گے۔ چینی فلاسفر کنفیوسیوس کا قول ہے کہ عقلمند آدمی کی زبان اس کے دل میں ہے اور بے وقوف آدمی کا دل اس کی زبان میں ہے کہ جو کچھ اوس کے دل میں آتا ہے جھٹ سے کہہ دیتا ہے۔ جس طرح اپنا راز دوسروں سے کہنا نامناسب ہے اسی طرح دوسروں کا راز بھی لوگوں سے کہنا نازیبا ہے خصوصاً ایسے دوستوں کا راز جنہوں نے غم غصہ۔ رنج کی حالت میں کوئی بات اس طرح بے اختیار بیان کی ہو گویا وہ اپنے دل سے کہہ رہے ہیں ایسے راز کی باتیں جو اس اعتماد اور اعتبار سے بیان کی گئی ہوں کہ ہمیشہ محفوظ رہیں گی دوسروں سے کہنا دغا بازی اور ہتکت ہے۔

رہے

۹۔ اپنی رائے کے وثوق میں بہت زور مت دو ممکن ہے کہ تم کو اپنی رائے کے درست ہونے کا یقین حاصل ہو لیکن غلطی بہ ہو۔ حافظہ۔ کان۔ آنکھ۔ اکثر دھوکہ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں جس قدر زیادہ وثوق سے زور دیا جائے اسی قدر زیادہ غلطی کی گئی اٹھانی پڑتی ہے۔

۱۰۔ مزاح۔ کسی شخص کو بنانا اوس کے ساتھ متسخر اور ٹھٹھا اس طرح کرنا
 کہ اوسے بُرا معلوم ہو ایک مذموم صفت ہے۔ کیونکہ اوس سے دوسروں کو
 ایذا اور رنج پہونچتا ہے۔ اور گویا یہ اوس کی امانت اور حقارت کرنی ہے۔ اور
 وہ بھی ایسی بُری طرح سے کہ سننے والوں کو ہنسی آئے۔ اگر متسخر کسی کے مُنہ
 کے سامنے ہو تو استہزا ہے اور اگر پیٹ پیچھے ہو تو غیبت ہے اور دونوں کا
 مقصد ایک ہی ہے۔

۱۱۔ غیبت۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب احیاء العلوم میں اس کا
 بیان مفصل کیا ہے اوس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ”دوسرے کا ذکر کرنا تین
 طرح ہوتا ہے۔ غیبت۔ بہتان اور افک۔ غیبت کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے
 کے واقعی عیوب کا اس طرح ذکر کریں کہ اگر وہ سنے تو بُرا جائے۔ بہتان یہ ہے
 کہ کسی پر جھوٹ الزام لگایا جائے اور جو عیوب اوس میں فی الحقیقت نہیں
 ہیں اوس سے منسوب کئے جائیں۔ افک یہ ہے کہ جیسا دوسروں کو کہتے
 سنا بے تحقیق خود بھی ویسا ہی کہنے لگے۔ غیبت کے لئے یہ ضرور نہیں کہ زبان
 سے صریح الفاظ میں کسی کے عیوب بیان کئے جائیں یا اوس پر نکتہ چینی کی جائے
 بلکہ اشارۃً۔ کنایتہً اور رمز سے بھی کسی کے عیوب اس طرح ظاہر کرے کہ دوسرے
 کی سمجھ میں آجائیں غیبت ہے اور شرعاً یہ سب حرام اور ناجائز ہیں“

عوام جو ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں اوس کے آٹھ سبب ہیں :-
 ۱۔ کینہ اور غضب۔ یعنی جب کسی پر غصہ آئے تو اپنا جی ٹھنڈا کرنے کے
 لئے کسی پر نکتہ چینی کرے۔ اور عیوب بیان کرے تاکہ دوسروں کی نظروں میں
 اس کی حقارت ہو۔

۲۔ دوسروں کے خوش کرنے کو ان کی مان میں مان ملانا تاکہ وہ اس سے
 خوش ہوں۔ اگرچہ بظاہر یہ ملنساری اور حسن معاشرت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن
 دراصل کینہ اور عداوت کی آگ کو بھڑکاتا ہے۔

غیبت کے
 اسباب

۳۔ پیش بندی۔ جب کسی کی جانب سے یہ گمان ہو کہ وہ ہمارے عیوب بیان کرے گا۔ یا ہمیں بدنام اور مشہم کرے گا۔ تو انسان اس سے پہلے اس کے عیوب بیان کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف سے بدظن کر دینا شروع کر دیتا ہے تاکہ لوگ حریف کی بات باور نہ کریں اور وہ جب اس کی برائیاں کرے تو خود اس کو جھوٹا اور خطا وار سمجھیں۔

۴۔ کسی عیب سے اپنا بری ہونا ظاہر کرنا مقصد ہوتا ہے۔ تو دوسروں کے ویسے ہی عیوب ظاہر کرنے لگتا اور ان کو بُرا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کو اس گناہ سے پاک سمجھنے لگیں۔

۵۔ فخر و مباہات۔ تاکہ دوسروں کو ناقص بتا کر اپنا کمال اور افضلیت ظاہر کرے۔

۶۔ حسد۔ انسان جب دوسرے صاحب کمال کی عزت و حرمت ہوتے دیکھتا ہے تو اس کو ناگوار گزرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے نام کو بڑے لگائے اس واسطے اس کے عیوب جن جن کر بیان کرتا پھرتا ہے۔ تاکہ لوگ بدظن ہو جائیں۔

۷۔ کھیل اور دل لگی کے طور پر۔ دوسروں کے حالات بیان کرنا اور وقت گزارنے کے لئے ان حکایات پر ہنسنا۔

۸۔ دوسرے کی حقارت کرنے کے لئے اُسے بنانا خواہ اس کے مُنہ پر اسے بنانا اور اس طرح ذکر کرنا کہ اس کی برائی ثابت ہو۔ یا سپیٹ پیچھے حقارت آمیز الفاظ میں اس کا ذکرنا۔

غیبت سے بچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اسباب غیبت کو دور کیا جائے۔ اور انسان یہ غور کرے کہ خود میرے نفس میں کیسے عیوب ہیں پھر میں کس مُنہ سے دوسرے کو بُرا کہتا ہوں۔ جیسے دوسرے کی عیب چینی مجھے بُری معلوم ہوتی ہے ویسے ہی میری عیب چینی دوسرے کو بُری معلوم ہوتی ہوگی۔ پھر خواہ مخواہ

کسی کو آزار دینا یا کسی کا راز فاش کر دینا اور بدنام کرنا ثواب نہیں بلکہ شرعاً ناجائز اور قابل باز پرس ہے۔ انسان کو خود اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہئے نہ کہ دوسرے کی عیب چینی کے پیچھے پڑے۔ طُوبٰی لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عَيْبِ النَّاسِ۔ بعض عیوب تو ایسے ہوتے ہیں جو انسان سے عادتاً یا حیثاً ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کم و بیش کل انسان ان میں مبتلا ہیں۔ کسی کو کسی پر نکتہ چینی کا حق نہیں ہے۔ بعض جہلی مثلاً بد صورتی وغیرہ۔ ایسی باتوں پر نام دھرنا گویا خالق پر نام دھرنا اور لغو ذبا لہ اس کو برا کہنا ہے۔ کیونکہ خود وہ شخص جس کی اس طرح مذمت کی جا رہی ہے معذور ہے۔

البتہ چہ وجوہ ایسے ہیں جن کے سبب سے کسی کی غیبت جائز ہے :-

۱۔ ظلم کی داد رسی کے لئے مظلوم خود یا اس کی طرف سے کوئی اور حاکم اعلیٰ سے اس کی کیفیت بیان کرے۔ لیکن اس کے سوا کوئی غرض ہوگی تو وہ غیبت میں داخل ہے۔

۲۔ کسی شخص کی اصلاح کے لئے۔ اس کے استاد یا ماں باپ یا حاکم یا کسی ایسے شخص سے اس کا حال بیان کرنا جس کی نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہو لیکن اس سے مقصود اصلاح حال ہو۔ نہ نکتہ چینی۔ اگر یہ حال نیک نیتی سے نہ بیان کیا جائیگا تو غیبت ہوگا۔

۳۔ کسی مسئلہ میں حکم شرع یا قانون پوچھنا منظور ہے۔ اور اس پر بھی اولیٰ یہ ہے کہ بالکل نیا یہ پوچھے۔ اور کسی کا نام نہ لے۔

۴۔ کسی نیک اور خوش اطوار شخص کو کسی بُرے آدمی کی شر سے بچانا مقصود ہو۔ مثلاً کوئی خوش معاملہ اور بھلا آدمی ایک بد معاملہ جھوٹے فریبی شخص کی عادات سے ناواقف ہو اور اس سے معاملہ کرنا چاہے۔ جس میں اندیشہ ہے کہ یہ دھوکا کھائے گا۔ تو اسے آگاہ کرنے کا مضائقہ نہیں۔ یا کوئی شخص ایک نیا نوکر رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس کے عادات سے واقف نہیں تو اس کی

کن حالتوں میں
غیبت جائز ہے

شرے آقا کو بچانے کے لئے اس کی کیفیت کہہ دینی جائز ہے۔ یا کوئی حاکم کسی گواہ کی نسبت دریافت کرے۔ یا کوئی شخص کناخ کرنے یا ودیعت کھنے کے باب میں دریافت کرے۔ تو خیر خواہانہ مشورہ دینا لازم ہے۔ اور چونکہ نیک نیتی سے ایک شخص کو بچانا مقصود ہے۔ اس کے سامنے کسی کی عادات اور حالات کا صحیح صحیح بیان کر دینا غیبت نہیں ہے۔

۵۔ کوئی شخص نابینا یا بہرا ہے اور وہ اس ہی نام سے مشہور ہو جائے
۶۔ فاسق ملعن۔ یعنی وہ شخص جو کسی عیب کو چھپا کر نہ کرتا ہو بلکہ علانیہ اوس کا ارتکاب کرے اور اوسے بُرا نہ جانے۔ مثلاً ایک شراب خوار کہ برابر مجلسوں میں شراب پیئے۔ اور مجلسوں میں گلاس اڑائے اور اسے داخل تہذیب سمجھے تو ایسے شخص کو شراب خوار کہنا جائز ہے لیکن اگر وہ کوئی بُرا فعل چھپا کر کرتا ہے تو پردہ پوشی لازم ہے۔“

غرض جہاں تک ممکن ہو دوسرے شخص کی بُرائی کرنے سے بچنا چاہئے
اس سے دنیا میں انسان بے اعتبار اور دین میں گنہگار ہوتا ہے۔ چغلی کھانا لالہ دورخی بات کنا بھی خود قائل کی خباثت اور بدظہنتی ظاہر کرتا ہے۔

باتیں کرنا

مجالس میں باتیں کرنے یا بزرگوں اور دوستوں کی مجلس میں گفتگو کرنے میں چند ایسی باتوں کا خیال رکھنا چاہئے جو آداب مجلس کے موافق ہوں مثلاً بہت سی باتیں نہ کرنیں کیونکہ بہت سی باتیں کنبے عقلی کی دلیل ہے۔ اور لوگوں کی نظروں میں بے وقعتی ہوتی اور ہیبت کم ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بے ضرورت باتیں کئے جائے تو سمجھو کہ دیوانہ ہے۔ ایک بات کو دوبارہ مت دہراؤ لیکن اگر دوبارہ کہنے کی ضرورت ہو تو تنگ نہ ہو۔ اگر کوئی سوال ساری جماعت سے کیا جائے تو اگر تم کو اس کا جواب معلوم بھی ہے تو بھی جواب دینے میں دوسروں پر سبقت نہ کرو اور جب کوئی دوسرا شخص جواب دے رہا ہے اور تم کو اس سے بہتر معلوم ہے تو جب تک وہ اپنا جواب

ختم نہ کرے بیچ میں مداخلت نہ کرو۔ اور بعد میں اپنا جواب بیان کرو مگر اس طرح کہ پہلے شخص پر طعن نہ ہو۔ اور جب تک سوال ختم نہ ہو جواب نہ دو۔ اگر لوگ کوئی بات تم سے چھپانی چاہیں تو کن سُنیاں مت لو۔ بزرگوں کے سامنے یا محفل میں بات چیت کرتے وقت اس طرح بات کرنی چاہئے کہ مخاطب اچھی طرح سُن لے اور نہ آواز زیادہ پست ہو نہ بہت بلند۔ باتیں کرنے میں چشم و ابرو سے اشارہ کرتے جانا بھی بدناما ہے۔ اور ایسی باتیں جن سے کینہ عداوت اور جھگڑا پیدا ہو یا کسی کی دل آزاری متصور ہو ہرگز نہیں کرنی چاہئیں۔ ہر شخص سے اوس کی عقل کے مطابق بات کہنی لازم ہے یہ نہیں کہ معمولی سمجھ کے آدمی کے سامنے ایسی دقیق باتیں کرنے لگے کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے۔

۲۔ لباس

لباس کی ضرورت
مرن انسان کو
ہے

حیوان اور انسان میں ایک تمیز یہ بھی ہے کہ قدرت نے حیوانات کو اون کی ضرورت کے مطابق پوست عطا کیا ہے کہ وہ گرمی سے محفوظ رہیں لیکن انسان کو خواہ کسی ملک کا باشندہ ہو جانوروں کی طرح پوستین عطا نہیں ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خلاق عالم نے اوسے ایک چیز عقل ایسی عطا فرمائی ہے کہ اوس کے ذریعہ سے اپنی ضرورت کے مطابق اپنا لباس بناتا ہے جاکے کے لئے گرم کپڑے تیار کرتا ہے تو گرمی میں ٹھنڈے کپڑے پہنتا ہے۔ اور جس چیز کو لباس کے لئے زیادہ مناسب خیال کرتا ہے استعمال کرتا ہے۔

لباس کی غرض

لباس سے بڑی غرض یہ ہے کہ جسم ڈھکے اور بدن گرمی و سردی سے محفوظ رہے۔ انسان اکثر اس سبب سے بیمار ہو جاتا ہے کہ موسم میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اوس موسم کے مطابق اپنا لباس تبدیل نہیں کرتا۔ کبھی سردی پڑتی ہے کبھی گرمی کبھی موسم بہار ہوتا ہے ان تمام موسموں میں اون کے مطابق لباس پہننا چاہئے۔ اور کوئی لباس جو ایک زمانہ میں مفید ہے دوسرے زمانہ

مین ہکار آمدنیں ہو سکتا۔ لیکن فالالین ایک ایسا کپڑا ہے کہ ہر موسم میں اوس کا پہننا مفید صحت ہے۔

جاڑے کے کپڑے ایسے ہونے چاہئیں کہ باہر کی سردی بدن تک پہنچے اور بدن کی گرمی قائم رہے۔ اسی طرح گرمی کے کپڑوں کی یہ خاصیت ہو کہ بدن کی گرمی کو نکلنے نہ دین اور سورج کی شعاعوں کو جذب نہ کریں۔ رنگین کپڑے خصوصاً سیاہ رنگ کا لباس سورج کی شعاعوں کو زیادہ جذب کرتا ہے اسی سبب سے گرمی کے لئے مناسب نہیں ہے۔ سفید لباس شعاعوں کو ہٹاتا ہے اور بدن کو گرمی سے بچاتا ہے۔

ڈاکٹر بیہر لکھتے ہیں کہ کوئی لباس ایسا تنگ نہ ہونا چاہئے کہ جسم کا کوئی حصہ دبے یا کھنچے۔ اس لحاظ سے ہندوستانیوں کا لباس یورپین اقوام کے لباس سے بہتر ہے۔ گلوبند۔ کولر۔ نکٹائی وغیرہ تمام کپڑے خون کی گردش کو روکتے ہیں اور درد سر۔ دوران سر بلکہ غشی پیدا کرتے ہیں۔ سینہ اور کمر کو کسی چیز سے نہیں جکڑنا چاہئے۔ سینہ بند اور پیٹی وغیرہ چیزیں بہت بُری ہیں کیونکہ ان سے معدہ۔ دل اور شش اور رودون کے افعال میں خلل پڑتا ہے اور سورہضم۔ ضیق اور قبض پیدا ہوتا ہے۔

لباس ایسا ہونا چاہئے کہ بدن کی حرارت کو قائم رکھے اور آرام دہ ہو۔ یکایک گرم کپڑے اتار کر سرد کپڑے نہ پہننے چاہئیں۔ اگر موسم بھی یکایک ایسا ہی بدل جائے تو مضائقہ نہیں۔

کپڑے زیادہ تر سن۔ رولی۔ اون اور ریشم کے بنتے ہیں۔ سن کے کپڑے ملائم ہوتے ہیں اور گرمی بھی ان میں سے خوب خارج ہوتی ہے اس لئے گرمی میں سن کے کپڑوں کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔ لیکن سن کے کپڑے جسم کے ملمق نہیں پہننے چاہئیں۔ کیونکہ جب پسینہ آتا ہے تو سن بدن کو یکایک ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

لباس کی وضع

کپڑوں کی عینیں

روئی مین سے ایسی گرمی خارج نہیں ہوتی جیسی کہ سن مین سے اس سبب سے روئی کے کپڑے بنسبت سن کے زیادہ گرم ہوتے ہیں۔ جازون مین اسی کا استعمال کسی قدر زیادہ مفید ہوتا ہے۔
 اُون کے کپڑے پسینہ خوب جذب کرتے ہیں وہ گرمی کو خارج نہیں کرتے اور یکا یک موسم کے تغیر کے اثر سے بچاتے ہیں۔
 ریشم اون سے بہتر ہے ریشم کے کپڑے ہلکے صاف اور نرم ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو استطاعت ہے اون کو ریشم کے کپڑے بدن سے ملحق پہننے چاہئیں۔

لباس کی صفائی

اس کے علاوہ لباس مین چند اخلاقی خصوصیات بھی ہیں اور اس واسطے لباس کی حالت۔ وضع۔ صفائی۔ پر توجہ کرنی لازم ہے۔ ہمیشہ صاف لباس پہننے سے لوگوں کی نظر مین عزت اور وقعت قائم ہوتی ہے
 النَّاسُ بِاللِّبَاسِ۔ بازار مین سے گزرو۔ مجالس مین شریک ہو تو بہت سے لوگ ایسے ہی ملتے ہیں جو سابقہ تعارف نہیں رکھتے وہ صرف لباس سے وقعت کا اندازہ کرتے اور کر سکتے ہیں۔ خراب اور نا صاف لباس سے لوگوں کی نظر مین بے وقعتی ہوتی ہے اور وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لباس کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ بہت پیش قیمت ہو۔ بلکہ ہر شخص کو اپنی استطاعت کے موافق صاف اور خوش وضع لباس پہننا چاہئے تاکہ لوگ غلط فہمی مین نہ پڑیں۔ لباس سے انسان کے عادات۔ اخلاق۔ چال و چلن اور مذاق کا اندازہ ہوتا ہے اور لوگ فطرتاً سب سے زیادہ لباس کو دیکھتے اور نکتہ چینی کرتے ہیں۔ لباس کی خوبیاں اگرچہ اعتباری ہیں لیکن یہ انسان کا اعتبار بڑھاتی ہیں اور سوسائٹی مین موقر و ممتاز کرتی ہیں۔

لباس کی صفائی

لباس دوسری اقوام سے بھی امتیاز پیدا کرتا ہے جو لوگ اپنے قومی لباس کو قائم نہیں رکھتے وہ نیشنلسٹی اور اخوت کے بڑے رکن کو کھولے دیتے

ہیں۔ قوم کی خصوصیات کے قائم رکھنے سے قومیت کے قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اور لباس کی خصوصیت بہت اہم اور بہت ضروری شے ہے۔ اگرچہ ہر زمانہ میں لباس کی وضع بدلتی رہتی ہے اور لوگ اپنے مذاق اور پسندیدگی کے مطابق اس میں تبدیلیاں کرتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میں کوئی خصوصیت ایسی قائم رہے جو بادی النظر میں ظاہر کر دے کہ کس قوم سے تعلق ہے۔ یہ فرق ایسے چھوٹے چھوٹے فرقوں میں بھی نہ ہونا چاہئے کہ ایک ہی قوم کے چند گروہ بن جائیں بلکہ ایک مذہب کے پابند ایک ملک کے رہنے والے ایک زبان بولنے والے۔ ایک سا لباس پہنیں اور قومیت کے نشان قائم رکھیں۔

باب پنجم

رسم و رواج

انسان کی طبیعت فطرتاً اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے کاموں کے لئے قاعدہ اور ضابطہ مقرر کر لیتا ہے یہ قواعد جب کسی پیغمبر یا ایسے شخص کی طرف سے مقرر کئے جائیں جو الہام ربانی سے ممتاز ہو تو شریعت کہلاتے ہیں اور جب بادشاہ یا حاکم وقت اس عامہ اور انتظام مملکت قائم رکھنے کے لئے مقرر کرے تو ان کا نام قانون ہے۔ اور جو قاعدے اور طریقے کہ عوام بلکہ خواص بھی اپنے روزمرہ کے کاموں کی پورا کرنے یا تقریبات کے سرانجام کے لئے مقرر کریں رسم و رواج کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ شریعت و قانون کا ایک حصہ ایسے ہی رسم و رواج کی تہذیب اور اصلاح کرتا ہے بلکہ ایک بُری رسم کی جگہ دوسری عمدہ رسم قائم کر دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم

قواعد کی پابندی
فطرتاً انسان
میں داخل ہے

خواہ مہذب ہو یا وحشی عالم ہو یا جاہل رسم و رواج سے خالی ہنن بلکہ انسانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بھی ایسے رسم و رواج پائے جاتے ہیں جو انہیں بمنزلہ قانون اور شریعت کے ہوتے ہیں۔

رسم و رواج کے پیدا ہونے اور اون کے رواج پانے کے بہت سے سبب ہوتے ہیں۔

۱۔ حکمران قوم یا بادشاہ کی عادات اور طریقوں کی طرف لوگوں کو زیادہ رغبت ہوتی ہے اور اون کے خیالات اور لباس اور طریقے اخذ کرتے اور ان پر کاربند ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ یہ طریقے رواج پا جاتے ہیں۔

۲۔ کوئی حکیم یا دانشمند شخص کسی مصلحت سے ایک قاعدہ جاری کرتا ہے یا کسی فعل کو اختیار کر لیتا ہے۔ اور لوگ بھی اوس کا اتباع کرتے ہیں اور اوس پر کاربند ہوتے ہیں۔

۳۔ بعض لوگ بعض کام اظہار تفوق اور نمائش کے لئے کرتے ہیں اونکی دیکھا دیکھی دوسروں کو بھی اوس قسم کی نمائش کا شوق ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات ایسی عام ہو جاتی ہے کہ وہ خصوصیت جاتی رہتی ہے اور سب لوگ اوس قسم کے موقعوں پر وہ فعل لازم اور فرض سمجھ لیتے ہیں اور اگرچہ اس میں بعض کا نقصان ہوتا ہے لیکن رسم کی پابندی کے سبب نقصان گوارا کرتے ہیں مثلاً شادی بیاہ کے موقعہ پر فضول خرچی اور بہت سا جہیز دینا یہاں تک کہ قرضدار ہو جائیں۔

رسم و رواج کا اثر انسان کی طبیعت پر اس شدت سے ہوتا ہے کہ وہ جان و مال کا نقصان گوارا کرتا ہے لیکن رواج کے خلاف کرنا پسند نہیں کرتا فضول تقریبوں میں لاکھوں روپیہ برباد کر دیتا ہے تاکہ لوگ تعریف کریں یا کم از کم نام نہ دھریں۔ ہندو عورت آگ میں ستی ہو جاتی تھی اور اُن تک نہیں کرتی تھی۔ زمانہ جہالت میں عرب اور ہندوستان کی بعض قوموں میں

رسم کے پیدائش
ہونے کا سبب

رسم و رواج
کا اثر

دختر کشتی کی رسم جاری تھی اور وہ اولاد جو انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہے رسم و رواج پر قربان کر دی جاتی تھی۔ آج تک اکثر اقوام اپنے جسم کو سونی سے گودتے اور اوس میں سرمہ بھر کر پھول گل بناتے ہیں۔ چینی عورتیں پاؤں کو اس قدر چھوٹا کرتی ہیں کہ چلنے پھرنے سے محتاج ہو جاتی ہیں۔

قانون مملکت کا اثر دلون پر قومی بنین ہوتا لوگ مارے باندھے کو اون کا کار بند ہوتے ہیں لیکن مذہب و شریعت کا حکم بھی جو دلون پر سب سے زیادہ اثر کرنے والا ہے رسم و رواج کے آگے ماند ہو جاتا ہے اور اون احکام شریعت کی زیادہ پابندی ہوتی ہے جن کا رسم و رواج بھی ساتھ دین مثلاً شراب و زنا مذہباً دونوں ممنوع ہیں۔ زمانہ کی بد اعمالی نے جب یہ اعتبار اٹھا دیا تو امرا کے ہاں علانیہ عورتیں نوکر رہنے لگیں لیکن کسی کو شرابی کہنا گویا گالی دینا اور ہتک عزت تھا۔ وہ شراب پیتے بھی تھے تو چھپ کر۔ آج کل انگریزی تہذیب اور شائستگی کا اتباع کیا جاتا ہے۔ دعوت کی مجلسوں اور ڈنر کے جلسوں میں علانیہ میز پر شراب رکھی جاتی ہے۔ اور پینے والے سب کے سامنے پیتے ہیں۔ اونکو اس کے اظہار میں اس سبب سے شرم نہیں آتی کہ شراب خواری نے عام رواج حاصل کر لیا ہے۔ نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی فرض ہے۔ لوگ اس بات سے شرماتے تھے کہ اور لوگ اون کو بے نمازی جانیں اور سب کے ساتھ نماز پڑھنے کو ضرور تیار ہو جاتے تھے۔ آج کل بے دینی عام ہے تو نماز پڑھتے شرماتے ہیں۔ اور اکثر نمازین اس سبب سے قضا ہو جاتی ہیں کہ نماز کے وقت کسی جلسہ یا پارٹی میں شریک تھے اگرچہ وہ ان تمام یا اکثر مسلمان ہوں۔ ہندو دوسری اقوام کے ہاں کا پانی پینا یا کوئی چیز کھانی مذہباً منع سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ معاشرت سے بہت احتراز کرتے ہیں لیکن ڈاکٹری دوا اور شفا خانہ کا پانی اب اب اون میں بھی جائز ہو گیا ہے اگرچہ ڈاکٹر مسلمان یا انگریز ہو۔ اور دوا میں کسی مسلمان نے پانی ڈالا ہو یا انگلستان سے بکر آئی ہو۔

رسم و رواج کا دوسرا نام فیشن ہے بڑے بڑے عقلمند اس میں گرفتار ہیں اور بعض فضول حرکتیں اُن سے اس سبب سے صادر ہوتی ہیں کہ وہ فیشن کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اور طریقہ مردہ کے ذرا خلاف ہو تو وہ اس قدر ہتک سمجھتے ہیں گویا درجہ انسانیت سے گر پڑے۔

غرض انسان کے تمدن میں رسم و رواج کو یہاں تک دخل ہے کہ گویا تمدن رسم و رواج ہی کے مجموعہ کا نام ہے اس سبب سے رسم و رواج کی اصلاح تمدن کی اصلاح ہے اور شریعت نے بڑا کام یہ کیا ہے کہ اُس زمانہ کے جو مذموم عادات اور رواج پھیلے ہوئے تھے اُن کی اصلاح کی ہے اور اُسکی بجائے بہتر رسوم قرار دی ہیں۔

رسم و رواج
کی اصلاح

زمانہ کے استداد اور لوگوں کی غفلت یا احکام شریعت سے عدم واقفیت کے سبب تمدن میں خرابی پڑ جاتی ہے اور بعض برے رسم و رواج پیدا ہو جاتے ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بعض ریفاہی رسم و رواج کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ رسم و رواج میں دیکھنے کی باتیں یہ ہیں:-

- ۱۔ کون سی رسمیں کس سبب سے پیدا ہو گئی ہیں۔
- ۲۔ کون سی رسمیں فی نفسہ اچھی ہیں۔ لیکن افراط و تفریط سے اُن میں نقصان پیدا ہو گیا ہے یا کس سبب سے کوئی مضرت رسان جزا اُن میں مل گیا ہے۔
- ۳۔ بعض رسوم ایسی بھی ہوتی ہیں کہ وہ صرف انسان کے دل کا ہلکاوا ہیں اور کسی خاص وقت کو چمک ہیل سے گزارنا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ طبیعت کو تازگی حاصل ہو۔ اور ان کے قیام میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔
- ۴۔ بعض رسوم مصلحت وقت پر مبنی ہیں اور ان کا قیام ضروری اور مفید ہے۔

جو لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ رسوم کو مٹا دیں وہ انسان کی زندگی کو پھیکا۔ بد مزہ۔ سُست کرنا اور اُس میں سے لطافت و تازگی

کھودینا چاہتے ہیں۔ یہ ناممکن بات ہے کہ انسان رسوم کو بالکل چھوڑ دے وہ ایک رسم کو ترک کرے گا تو دوسری ضرور اختیار کر لگا۔ اس لئے بری رسوم کے بجائے عمدہ رسمیں قائم کرنی لازم ہیں اور جن رسوم کا کوئی حصہ خراب ہو گیا ہے اوس کے صرف اوسی قدر حصہ کی اصلاح کر دینی مناسب ہے۔ جو رسوم مصلحت وقت کے مناسب ہیں اون کے تو قائم رکھنے کی ضرورت ہی ہے۔ ایسی رسمیں بھی جن میں نہ نفع ہو نہ نقصان قائم رکھنی چاہئیں۔ تاکہ انسان کی زندگی میں لطافت۔ رنگینی اور دل چسپی قائم رہے۔ ایسی رسوم کا بہت سا حصہ عورتوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اون کا وقت زیادہ تر گھر کے کاروبار میں گزرتا ہے۔ جس کی وسعت محدود ہوتی ہے۔ مہمات امور میں اون کو مصروفیت نہیں ہوتی۔ اون کے مشاغل ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں جنہیں اون کی ساری عمر گزرتی ہے۔ اس لئے اون کا دل تبدیلی کو چاہتا ہے اس لئے ایسے طریقے اور رسمیں ایجاد کرتی ہیں جس میں دل بہلے۔ کسی قدر فرحت اور دل چسپی ہو۔ جب عورتیں تعلیم یافتہ ہونگی اور ہر چیز کے نفع و نقصان کو سمجھنے لگیں گی۔ تو وہ خود ان رسوم کی اصلاح کرتی جائیں گی۔ مسلمانوں میں تو رسوم کی اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر تقریب کے لئے جو احکامات شرع مقرر ہیں اون کا ایک دستور العمل بنا کر جاری کر دیا جائے اس سے وہ مضرتیں دفع ہو جائیں گی جو تقریبات میں افراط و تفریط یا خلاف مصلحت امور کے داخل ہونے سے پیدا ہو گئی ہیں۔ رسوم کے ادا کرنے کا طرز یا اور فروعی امور ہر فرقہ اپنی پسند اور مذاق کے مطابق مقرر کر لیگا۔

رسوم میں
عورتوں کا حصہ

رسوم میں بے ہنگامی
اصلاح

بعض لوگ جو رسوم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور اپنی کوشش میں ناکام ہوتے ہیں۔ اوس کا سبب ایک تو یہ ہوتا ہے کہ وہ بالکل رسوم کو مٹا دینا چاہتے ہیں یا ایک بری رسم کی جگہ دوسری بری بلکہ اوس سے بدتر رسم قائم کر دیتے ہیں مثلاً یہ کوشش کہ شادی یا بیاہ کی تقریبوں میں کوئی رسم ادا نہ کی جائے او

شادی بالکل سادگی سے روزمرہ کے کاموں کی طرح ہو جائے نوع انسان پر ظلم کرنا ہے۔ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت جمع ہونا اور کوئی نہ کوئی وقت خوشی سے گزارنا چاہتا ہے۔ جمع ہو کر بیٹھنے کے لئے مشاغل کی ضرورت ہو اور وہ مشاغل ہی رسوم ہیں۔ بعض صاحب یہ تو منع کرتے ہیں کہ دو گھنٹہ کو شربت تک نہ پلایا جائے لیکن شادی کی محفل میں شراب اڑے تو مضائقہ نہیں۔ دعوت و لیمہ اون کی رائے میں ناجائز ہے لیکن ڈنر دینا مستحسن ہے زیورات بنانے روپیہ کا برباد کرنا ہے لیکن یورپین لیڈیوں کی نقل اتارنے کے لئے اوس سے زیادہ روپیہ درزیوں کی نذر کرنا جائز ہے۔ فی الحقیقت یہ اصلاح نہیں فقط تغیر ہے کہ بجائے ایک برسی رسم کے دوسری برسی رسم کا رواج دیا جاتا ہے۔

باب ششم

انسان بہ حیثیت رکن قوم

۱۔ حُب وطن

وطن ایک ایسا لفظ ہے کہ ایک بکیں اور غریب آدمی کے دل میں بھی جو اپنے وطن سے کوسوں دور ہو جوش اور محبت پیدا کرتا ہے۔ جس طرح سورج مکھی کا رخ آفتاب کی طرف رہتا ہے اسی طرح دل کا رخ ہمیشہ اپنے عزیز وطن کی طرف رہتا ہے۔ کبھی اوس کی یاد بے چین کرتی اور کبھی مسرت بخش جوشیہ خیال پیدا کرتی ہے۔ قدیمی گھر۔ بچپن کے دوست۔ عزیز اور رشتہ دار۔ غرض بہت سی چیزیں جن سے دلی محبت ہوتی ہے اور جو خوشی کا سرچشمہ ہوتی ہیں وطن سے تعلق رکھتی ہیں۔ خاک وطن کچھ ایسی دلفریب ہوتی ہے جہاں ایک غریب کسان

وطن کی خصوصیت

ملک و وطن کی
اصلی محبت

اپنے گھائس کے جھونپڑے میں بادشاہ کے محلون کا مزا آتا ہے۔ لیکن جب وطن کا اقتضایہ ہے کہ انسان وطن کو صرف آرام و راحت ہی کے لئے نہ چاہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو اپنے ملک کے عام امن اور بہبودی کی ترقی میں سعی کرے اور جہاں تک ہو سکے اوں اسباب اور موافقات کو دور کرے جو ملک میں خرابی پیدا کرنے والے یا اوس کی سرسبزی۔ اوس کی آزادی۔ اوس کی شان و شوکت کو مٹانے والے یا گھٹانے والے ہوں۔ اپنے ملک کی بہبودی میں کچھ نہ کچھ سعی کرنا ہر شخص کے اختیار میں ہے مثلاً نا جربذریعہ تجارت نفع پہونچاتے ہیں صنّاع دوسرے ملکوں کی مصنوعات سے مستغنی کر کے اپنے ملک کا نام روشن کرتے ہیں۔ اہل سیف دشمنوں کے حملوں کو روکتے اور حفاظت کرتے ہیں۔ اہل قلم اپنے حسن تدبیر سے انتظام مملکت میں مدد دیتے یا اپنی بیش بہا تصنیفات سے نئے نئے علوم و فنون کے خزانے اور معلومات کے ذخیرے زیادہ کرتے ہیں۔ ہر محب وطن کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ملک کے قانون کی اطاعت اور بادشاہ کی حق گزاری اور ابنائے ملک کو راحت اور آرام پہونچانے کی عمدہ مثال بنے۔ محبان وطن نے اپنے ملک کی آزادی اور اپنے مذہب کی حمایت میں جان تک کی بھی پروا نہیں کی اور وہ نام پیدا کیا کہ دنیا میں آفتاب و ماہتاب کے ساتھ قائم رہے گا۔

قومی عظمت

کسی ملک یا کسی قوم کے بڑے ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اوس کی آبادی بہت ہے یا ملک کا رقبہ وسیع ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ قوم کے بہت سے افراد بلکہ کہنا چاہئے کہ کل افراد میں اوصاف حمیدہ موجود ہیں۔ اور وہ محنتی۔ دانشمند۔ راست باز۔ عالم۔ شجاع ہیں۔ اسی طرح کسی قوم کی مردم شماری خواہ کسی قدر زیادہ کیوں نہ ہو اگر وہ کاہل۔ خود غرض۔ جاہل۔ بزدل ہیں تو وہ قوم کمزور اور وہ ملک ضعیف ہے۔ کسی ملک کو موجودہ حالت سے ترقی دینے کے لئے قوانین بنانے اور ریگولیشن جاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ابنائے ملک کے دلوں

میں عام بھی خواہی اور اخوت قائم کرنی چاہئے کیونکہ اگر تنزل کا سیلاب بند نہ رہے
 قوانین ایک طرف سے روکا گیا تو وہ دوسری طرف سے کسی اور صورت میں
 ظاہر ہوگا۔ جو شخص جہالت۔ خود غرضی اور بُرائیوں میں گرفتار ہے وہ اس سے
 بدتر ہے جو کسی خود مختار کے ہاتھ میں گرفتار ہو۔ انسان کو خود اپنی طبیعت کا حاکم
 ہونا اور اپنے دلی جذبات پر قابو حاصل کرنا چاہئے۔ اور اگر یہ نہیں تو گورنمنٹ
 خواہ کیسے ہی اعلیٰ اصول کیون نہ مقرر کرے اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں
 ہو سکتا۔ اور جو قومیں اس طرح اپنی خرابیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں ان پر
 حکومت کی تبدیلی یا قوانین کے تغیر سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ
 آزادی کی بنیاد صرف گورنمنٹ میں نہیں بلکہ قوم کے ہر فرد میں قائم ہونی چاہیے
 اور صرف اسی صورت میں ابناے ملک میں حیث القوم ترقی کر سکتے ہیں اور
 ملک میں آزادی اور سرسبزی ہو سکتی ہے۔ جو قومیں آج ترقی یافتہ ہیں انہوں
 نے یہ عروج ایک دفعہ ہی نہیں حاصل کیا بلکہ یہ گزشتہ زمانہ اور پہلے لوگوں
 کے حالات کا نتیجہ ہے۔ اور ایک نسل دوسری نسل کی ترقی اور افزائش میں
 مدد دیتی اور ان کا پایہ بلند کرتی رہی ہے۔ اور اس طرح ان عمدہ کام کرنے
 والوں نے صنعت و حرفت۔ علم و فن کا ذخیرہ اپنے اخلاف کو ورثہ دیا اور
 انہوں نے اس میں اور ترقی کی۔ اور اس سے بہتر حالت میں اپنی نسلوں
 کے لئے چھوڑا۔ وطن کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ شریفانہ کاموں سے ملک کا نام
 روشن کیا جائے۔ اور اس کے رتبہ اور قوت کو بڑھایا جائے۔ جو قوم کہ دیانت داری
 پر سہزگاری۔ صداقت۔ بلند ہمتی سے زندگی بسر کرتی ہے اور ترقی کرنے کے جو
 ذرائع اسے موجود ملتے ہیں ان کو اپنی محنت اور جانفشانی سے کام میں لاتی
 ہے وہ بے شک محب وطن ہے۔

جب لوگ مجتمع ہو کر کسی کام کے انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں ان کو
 قومی عزت
 دل میں ایک خاص قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے جو ان کی ہمت باندھتی ہے۔ جو

شخص کسی خسارہ یا موت کے ڈر سے اپنے ملک کی خدمت سے مُنہ موڑے اور اپنے نام کو بڑے لگائے وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک و قوم کی خدمت میں تکالیف کا سامنا بھی ہے سب سے پہلے اپنے راحت و آرام کو ترک کرنا پڑتا ہے اور بہت سے بڑے بڑے کام ایسے کرنے ہوتے ہیں جن کا کوئی مالی معاوضہ نہیں ملتا لیکن صرف دولت یا مکانات اور عالیشان فرنیچر ہی زندگی کا مقصد نہیں بلکہ سب سے زیادہ ضروری چیز عزت ہے۔ جن لوگوں کو قومی عزت حاصل ہے ان کے غریب۔ اور مفلس اور کمینہ آدمیوں کی بھی وہ وقعت ہے جو دوسرے اقوام کے امیرون اور سربراہان اور وہ لوگوں کی نہیں۔ کیونکہ دنیا میں قومی عزت قوم کے تمام افراد کو معزز بنا دیتی ہے اور اس سے زیادہ شریف کام اور کونسا ہو سکتا ہے جو نہ صرف ہمارا بلکہ ہماری قوم کے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ کا پایہ بلند کرے اپنے ذاتی منفعت کی پروا نہ کر کے تمام ملک کی خاطر محنت اٹھانا بڑے جوان مردوں کا کام ہے لیکن اگر ملک کے تمام افراد یہ لیاقت پیدا کرنی اور ایسا جوان مرد بننا چاہیں تو ممکن ہے کہ وہ اپنا تھوڑا سا وقت اپناے ملک کی خاطر صرف کریں تاکہ سب لوگوں کی زندگی سنور جائے۔ اور آئندہ نسلیں زیادہ لائق اور فایز ہوں۔ ملک کی محبت تمدن کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔ اور خود غرضی کے تنگ حلقے سے نکال کر نظر میں وسعت اور دل میں حوصلہ طبیعت میں اُمنگ پیدا کرتی اور قومی اعزاز کا تاج سر پر رکھتی ہے۔ اپنے ملک کا نام روشن کرنے اپنی لٹریچر اپنی زبان کو ترقی دینے اپنے ملک کے باشندوں اور اپنی تجارت کو بحر و بر میں پھیلانے کا فخر حاصل ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے ہندوستان کی ہوا ایسی بگڑی ہوئی ہے کہ اتفاق اور اتحاد کا کوئی کام یہاں راس نہیں آتا قدرتی طور پر بھی ایسے اختلافات واقع ہوئے ہیں کہ ہندوستانیوں کا کسی کام پر مجتمعاً کمر ہمت باندھنا محال کے قریب قریب ہے۔ ہر خطہ کی آب و ہوا۔ مزاج عادات زبان اور لوگوں کی طرز معاشرت میں اس قدر اختلاف ہے کہ گویا وہ

قومی محبت کا اثر

باہم بالکل غیر ہیں۔ اس پر مذہب کے اختلاف نے سب سے زیادہ غضب ڈھایا ہے جو اہل ہند کو کسی ایک مطلب پر خواہ کیسا ہی اعلیٰ اور کیسا ہی عمدہ کیون نہ ہو متفق ہونے نہیں دیتا۔ یہ سچ ہے کہ ہر شخص کو پابند مذہب ہونا چاہیے اور ارکان مذہب کو بہت اچھی طرح ادا کرنا انسان کا فرض ہے لیکن مذہب کو باہمی نفاق کا بیج بنا کر جھگڑے فساد اور باہمی تنازع کی جڑ قائم کرنی اور بجائے ترقی کے تنزل کا آلہ بنانا ٹھیک نہیں ہر زمانہ کا اقتضا اور ہر ملک کی مصلحت جدا جدا ہوتی ہے ہندوستان کی تمام اقوام کے لئے خواہ کسی مذہب و ملت کے کیون نہ ہوں تعصب مذہبی کو بالائے طاق رکھ کر ترقی تمدن میں متحدہ طور پر کام کرنا اور اپنے اپنے مذہب کی پابندی کے ساتھ امور دنیا میں ایک دل و یک جان ہو کر کوشش کرنا لازم ہے۔ مذہب نجات اخروی کا ذریعہ ہے نہ دنیوی فساد کا آلہ۔ اہل کشتی کی سلامتی کشتی کی سلامتی پر منحصر ہے۔ اہل ہند کی رفاہ ملک کی رفاہ اور ملک کی دولت اور ملک کی عزت پر منحصر ہے۔

۲۔ قومیت

قومی ترقی افراد قوم کی محنت۔ لیاقت۔ دانش۔ راستبازی کا نتیجہ ہوتی ہے اور قومی زوال یہ ہے کہ افراد قوم میں سے خصائل حسنہ جاتے رہیں اور اون میں خود غرضی۔ جہالت۔ نا عاقبت اندیشی پھیل جائے۔ جب لوگوں کے رویہ خراب ہو جاتے ہیں اور اون میں سے ترقی کی قابلیت سلب ہو جاتی ہے تو وہ ترقی معکوس کرنے لگتی ہے۔ اور تمدن کی جو خرابیاں قوم میں پائی جاتی ہیں وہ اس سبب سے ناقابل اصلاح ہوتی ہیں کہ افراد قوم اپنی حالت پر نظر نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اون کے سوا دوسرے لوگ اس الزام کے مورد ہیں اور اگر کوئی قانون یا قاعدہ ایک بات کے اسناد کے لئے مقرر کیا جائے تو دوسری خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ مرض ایک سے دہ چند ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ خرابی اس وقت رفع ہو سکتی ہے کہ افراد قوم جلدی اور متواتر ترقی شروع کر دیں۔ مجبان قوم کا

قومی ترقی اور تنزل

ہر شخص قوم کو بناتا
یا بگاڑتا ہے

کام یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ قواعد و آئین کی اصلاح کریں لوگوں کے اصلاح
حال کی طرف متوجہ ہوں اور ان میں ترقی کی روح پھونکیں۔ قوم ایک دن میں
نہیں پیدا ہوتی نہ اوس کی حالت تھوڑے عرصہ میں بن یا بگاڑ سکتی ہے۔ بلکہ موجود
حالت گزشتہ نسلوں کے خیالات اور کاموں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ صرف علماء و فضلاء
خطیب۔ فلسفی۔ بادشاہ اور امراء ہی قوم کو نہیں بناتے بلکہ صنّاع اور مزدور جو
دن بھر دوکانوں اور میدانوں میں کام کرتے ہیں۔ کسان جو کھیتوں میں مل جوتے
ہیں۔ وہ محنتی اور جفاکش لوگ جو دن رات کانوں میں کام کرتے ہیں وہ عالی دماغ
اور فہیم اشخاص جو نئی ایجادیں اور اختراع کرتے ہیں۔ وہ نازک خیال شاعر جو اپنی
سحر بانی سے دلوں کو مسح کرتے ہیں۔ سب قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں مدد
دیتے ہیں۔ ایک نسل دوسری نسل کے لئے ایک نیا مواد چھوڑ جاتی ہے۔ اور یہ
نئی نسل اپنی آئندہ نسل کے ہاتھ میں اوسے سنوار اور بنا کر دیتی ہے یا خراب اور
تباہ کر کے۔ اس طرح ایک کا نتیجہ ترقی اور دوسری کا حشر تزلزل ہوتا ہے یہ ورثہ
جو ایک قوم کو اپنی گزشتہ نسل سے ملتا ہے اوس کی موجودہ حالت کی بنیاد
بلکہ سانچہ ہوتا ہے۔ تاریخ اور سوانح عمری میں صرف چند بڑے بڑے لوگوں کے
نام لکھے جاتے ہیں لیکن بہت سے لوگ جن کے نام معلوم نہیں ہوتے ایسے ہوتے
ہیں جن کو قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں بہت دخل ہوتا ہے۔ ایک غریب سے غریب
محنتی مزدور بھی اپنی محنت۔ پرہیزگاری۔ دیانت داری کی مثال سے لوگوں پر
اثر ڈالتا ہے اور یہ اثر صرف اوس وقت بکار آمد ہوتا ہے بلکہ آئندہ بھی قائم رہتا
ہے۔ تنازع کا مسئلہ خواہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ مسئلہ ہے کہ ایک نسل کے اخلاق کا
اثر دوسری نسل میں منتقل ہوتا ہے۔

مدارس یا کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ نہایت ابتدائی اور سب سے
ہوتی ہے اصلی تعلیم و تربیت خود انسان کے گھر میں اوس کے دوستوں کی
صحبت میں۔ کارخانوں میں۔ دوکانوں میں۔ بازاروں میں۔ ہوتی ہے جہاں سے

دنیا کا درس
قوم کا تعلیم گاہ
ہے

کہ انسان نامعلوم طور پر اخلاق عادات سیکھتا ہے۔ حروف و الفاظ کی شکل یا معنی سے آگاہ ہو جانا تعلیم نہیں بلکہ تعلیم وہ ہے جس کا انسان کے رویہ پر اثر پڑے۔ جس قسم کی مثالیں انسان کے پیش نظر اور چاروں طرف ہوتی ہیں وہ اوسی قسم کے قالب میں ڈھلتا ہے۔ سانچہ خراب ہو جائے تو ساری چیزیں خراب ڈھلین گی۔ اسی طرح اگر قوم کا قوام بگڑ جائے تو ہر فرد اوسی خراب رنگ کا ہوگا۔ بان اگر قوم کی حالت درست ہے ہر طبقہ اور ہر حالت کے شخص میں وہ وصف ہے جو اوس میں ہونا چاہئے تو جو شخص وہاں پیدا ہوگا وہ اوسی طریقہ اور قاعدہ پر چلے گا۔

محبان قوم جو اپنے ملک کی عام بھلائی کے لئے کوشش کرتے ہیں اون میں صبر و استقلال کی قوت اور آدمیوں کی نسبت زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ اون کے بولے ہوئے سچ بہت عرصہ میں پھل لاتے ہیں۔ بلکہ اکثر اون کی زندگی کے بعد اون کی محنتوں کے نتیجے نکلتے ہیں۔ اور اون کے لگائے ہوئے پودے بار آور ہوتے ہیں لیکن ایک زمانہ آتا ہے کہ اون کے نام روشن ہوتے ہیں اور زمانہ اوس کی شریفانہ کاموں کی قدر کرتا ہے۔



خاتمہ

موت

زندگی کی
محبت

انسان کی طبعی عمر ستر برس قرار دی گئی ہے۔ یہ زمانہ اگر نظر انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو طرح طرح کی دشواریوں گونا گوں دقتوں بے شمار آلام۔ بے انتہا افکار کا ایک پیچیدہ جال ہے جس میں انسان کی نازک جان گرفتار ہے۔ طفولیت میں وہ بالکل محتاج ہے مان باپ عزیز و اقربا کے سہارے کے بغیر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ بڑا ہوا تو اکتساب معاش کا فکر ہے رات دن کی محنت سخت سے سخت کام دشوار سے دشوار اور ذلیل سے ذلیل پیشہ اس لئے اختیار کرتا ہے کہ پیٹ بھر کھانا اور تن کو کپڑا ملے اور بے فکری سے وہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں پھر وہی بے کسی اور بے بسی کا عالم ہے کہ بیماریوں نے گھر کر لیا ہے ضعف زیادہ ہے۔ تاب و توان جواب دے چکے ہیں اعضا کی قوت کم ہو گئی ہے۔ دشمنوں کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے۔ عزیز و اقارب کی بے مروتی سے کلیجہ چھلنی ہے زمانہ نے وہ وہ رنج و الم دے دیے ہیں کہ اون کی یاد سے آنسوؤں کی جگہ خون کے قطرے ٹپکتے ہیں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو آرام نہ گزشتہ زمانہ کے نقصانات کی تلافی کی توقع ہے نہ آئندہ کسی امید کے پورا ہونے کا امکان باقی ہے لیکن پھر بھی زندگی کی اتنی محبت ہے کہ موت کے نام سے دم نکلتا ہے۔ اس سے زیادہ ہزاروں آفتیں سہنی منظور بے کار او ایا ہج پڑے رہنا گوارا لیکن تعلقات دنیا سے مفارقت گوارا نہیں۔ یہ تعجب ہوتا ہے کہ جب ہر انسان کے لئے خواہ کسی درجہ اور کسی طبقہ کا کیون نہ ہو خوشی اور راحت کا حصہ بہت کم ہے اور جب زندگی ایسی بے ثبات اور موت ایسی یقینی ہے تو کیوں انسان بجاے زندگی کے موت کی تمنا نہیں کرتے اور

سوت بجائے اس کے کہ قانون کی سب سے بڑی سزا اور قہر سلطانی میں داخل ہے کیونکہ اعلیٰ درجہ کا انعام اور رحمت نہیں خیال کی جاتی ؟

زندگی کی محبت
فطرتی ہے

زندگی کی محبت صرف انسان ہی کے فرقہ میں محدود نہیں بلکہ حیوانات میں بھی اسی قدر ہے جتنی کہ انسان میں۔ شہ زور جانور اپنے قاتلوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور اگر ہو سکتا ہے تو شکار یوں کو بھی شکار کر ڈالتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پرندے صیاد کی شکل دیکھ کر اڑ جاتے ہیں۔ بھوکے پیاسے لیسر کرتے ہیں لیکن خوف کے مارے دانہ پانی کا رخ نہیں کرتے۔ ایک چیونٹی کو بھی پکڑنا چاہو تو جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی اتنی محبت تعلیم یا تہذیب کا نتیجہ نہیں بلکہ عقل حیوانی کا تقاضا ہے کہ جان کی حفاظت کی جائے۔

زندگی کی محبت
کی وجہ

مدبر عالم جو کام جس کسی سے لینا چاہتا ہے اوس کی ویسی ہی تدبیر میں فرماتا ہے اور جس قدر جو کام زیادہ مشکل ہے اوس کی خواہش اور دل چسپی اُسی قدر زیادہ ہے۔ تاکہ اوس انتظام میں جو فطرت کا منشاء ہے فرق نہ آئے۔ دنیا میں اکتساب معاش کا کام سہل نہ تھا لیکن باوجود اس کے کہ غذا قیام و ثبات بدن کے لئے ضروری ہے زبان میں ذائقہ دیا گیا تاکہ معاش کے کاموں سے دل چسپی زیادہ بڑھ جائے۔ اگر انسان کا مذاق ایسا اعلیٰ نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ بھی دوسرے حیوانات کی طرح کسی درخت کے پتوں یا جڑوں یا زیادہ سے زیادہ قدرتی جھاڑیوں کے پھلون پر گزارہ کرتا۔ اسی طرح اولاد کی پرورش بہت مشکل کام ہے کہ انسان اپنے آرام و راحت کو ترک کرے اور باوجود دوسرے کاموں اور دوسرے مشاغل کے جو خود اوس کی ذات کے لئے ضروری ہیں ایک بیکس بچہ کی پرورش کا بکھیرا اپنے سر لے اور وہ بھی ایک دن دو دن نہیں بلکہ برسوں اور پھر تعلیم و تربیت کے جھگڑے جدا رہے۔ لیکن اس مشکل کو سہل اور اس مشقت میں دل چسپی پیدا کرنے کے لئے اولاد کی محبت دوسرے تمام تعلقات کی

محبت سے زیادہ قوی اور زیادہ موثر دی گئی ہے۔ تاکہ یہ محنت بار نہ معلوم ہو۔ اور چونکہ پرورش میں مان کا حصہ زیادہ ہے اس کو اولاد کے ساتھ محبت بھی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ گھر کے سارے دھندے اور محنت و مزدوری بھی کرتی جاتی ہے اور بچہ کو دودھ بھی پلاتی جاتی ہے اور دن بھر تکان اور ماندگی میں صرف یہی راحت نصیب ہوتی ہے کہ اپنے بچہ سے دل بہلائے۔ دیگر حیوانات کو چونکہ زیادہ عرصہ تک نگہداشت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اون کی محبت بھی بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اور جہاں بچے بڑے ہوئے تو نہ صرف مغائرت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ دشمنی۔ اگر انسان کو اولاد کی محبت نہ ہوتی تو کسی کو کیا غرض پڑی تھی کہ اتنی کھلیڑ اٹھاتا بلکہ ادھر بچہ پیدا ہوا اور ادھر مارا اور جب یہ حالت ہوتی تو آج دنیا کی مردم شماری صفر ہوتی۔ یہی حال زندگی کا ہے کہ زندگی میں دشواریوں اور دقتوں کا غیر متناہی سلسلہ لگا رہتا ہے اور ہر حالت میں افکارات اور ترددات کا تار بندھا ہوا ہے۔ انسان کو ہزاروں خواہشوں اور بے شمار متناہوں کے خون ہونے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور صرف زندگی کے قائم رکھنے کے لئے ہزاروں محنتیں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس لئے زندگی کی محبت اور دنیا کے ہر ایک اچھے یا بُرے تعلق میں دلچسپی اس قدر زیادہ ہے کہ انسان کی یہ سمجھ ہی میں نہیں آ سکتا کہ دنیوی حالت کو ترک کر کے راحت ملنی ممکن بھی ہے۔ اگر یہ دل چسپی نہ ہوتی یا اتنے درجہ پر نہ ہوتی تو لوگ ہزار جان سے موت کی تمنا کرتے اور ہر شخص بہت جلدی اپنی عمر کا خاتمہ کر دیتا۔

ہر انسان کے لئے موت یقینی چیز ہے۔ بچپن میں مرے یا جوانی یا بڑھاپے میں اس لئے موت سے بھی اسے دل چسپی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن یہ دلیل صحیح نہیں کیونکہ زندگی اور موت میں یہ فرق ہے کہ زندگی انتظام دنیا کے لئے ضروری ہے اور موت زندگی کے لئے یقینی ہے نہ انتظام کے لئے۔ پیدائش

انسان کو نہ پیدائش کی خوشی ہوتی ہے نہ موت سے دل چسپی ہے

اور موت زندگی کے حدود ہیں اور چونکہ اس دنیا میں صرف اون ہی چیزوں کا عمل ہے جو یہاں کے لئے بکار آمد ہیں اس لئے انسان کو نہ پیدائش کی خوشی ہے نہ موت سے دل چسپی۔

لوگ موت سے ایسا ڈرتے ہیں جیسے کہ بچے تاریکی میں جاتے ڈرتے ہیں بچوں کے آگے اگر خوفناک کہانیاں بیان کی جائیں تو بھی ڈرنے لگتے ہیں۔ یہی حال انسان کا ہے کہ موت کی سختی اور تکالیف کا خوف اور اس دنیا سے جدا ہونے کی حسرت ایسی دل نشین ہو گئی ہے کہ زندگی پر جان دیتا ہے۔ موت کا خوف اس سبب سے کرنا کہ گناہوں کی سزا ملنے کا اندیشہ ہے بری بات نہیں۔ کیونکہ یہ خیال معصیت سے بچاتا ہے۔ لیکن زندگی کی اتنی محبت کہ باوجود عمر طبعی کو پہنچ جانے کے بھی تعلقات دنیا کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا کم عقلی کی بات ہے۔ جن لوگوں نے اپنی زندگی بھلے کاموں میں صرف کی ہے اون کو اس جہان فانی کے چھوڑنے کا ذرا بھی ملال نہیں ہوتا بلکہ وہ آخر دم تک خوش بلباش اور مطمئن رہتے ہیں۔ جو کچھ ایک بار پیدا ہوا ہے وہ ضرور اور یقینی فنا ہو گا۔ بچپن میں مرے تو اور جوانی یا بڑھاپے میں مرے تو۔ اور موت کی تکلیف سب کو سہنی ہے۔ کسی کو کچھ کم کسی کو کچھ زیادہ۔ اس لئے جو لوگ اپنی زندگی اعمال حسہ میں گزارتے ہیں وہ موت کی پرواہ نہیں کرتے اون کے نام ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور وہ اس دنیا کے کھڑاگ سے چھوٹ جاتے ہیں۔

مرنے میں بے شک تکلیف ہوتی ہے لیکن کیا زندگی میں اوس سے زیادہ تکلیفیں نہیں ہوتیں۔ ہزاروں بیماریاں ہیں جن کی تکلیف نہایت سخت ہوتی ہے۔ ایک درد ہی ہے کہ موت کا مزا چکھا دیتا ہے۔ لیکن انسان اوس سے ایسا نہیں ڈرتا جیسا کہ موت سے۔ انسان کا موت سے ڈرنا اس سبب سے نہیں ہے کہ اوس میں کسی تکلیف کا خیال ہے بلکہ فی نفسہ

موت سے نفرت اور جان کی محبت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اگر موت میں راحت بھی ہو تو بھی منظور نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیا کے تفکرات اور اون فضول بکھیروں سے چھوٹنا جو اس زندگی کے ساتھ ہیں راحت ہے۔ جب کوئی مشکل کام آپڑتا ہے تو اس کا پورا کرنا کیسا اہم اور دقت طلب معلوم ہوتا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر کے کس قدر راحت اور تسکین معلوم ہوتی ہے۔ یا جس دن کوئی ایسا کام نہ ہو اس روز کس قدر اطمینان اور دل کو خوشی ہوتی ہے۔ جب دنیا کے کاموں سے فرداً فرداً ایسی گھبراہٹ ہوتی ہے اور اون سے فراغت حاصل کرنے میں خوشی ہوتی ہے تو ان تمام کاموں سے سبکدوش ہونا اور تمام دقتوں سے رہا ہونا بہت زیادہ تسکین اور اطمینان بخش ہونا چاہئے۔

بقدر ہر سکون راحت بود بگر تفاوت را

دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

موت کی اہمیت

یہ سمجھنا کہ موت کیا چیز ہے مشکل ہے اور بڑے بڑے حکماء نے اس کی تعریف میں اختلاف کیا ہے تاہم کسی قدر غور و فکر سے زندگی اور موت کا تعلق معلوم ہو سکتا ہے۔ پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ زندگی میں انسان کس حالت میں ہے۔ وہ زمین کے اوپر رہتا ہے۔ ہوا اور خوشبو سونگھتا ہے۔ پانی پیتا ہے۔ غذا کھاتا ہے۔ آواز سنتا ہے۔ کل چیزوں کو دیکھتا ہے۔ گرمی اور سردی کا احساس کرتا ہے۔ ہاتھوں سے کام کرتا ہے۔ پاؤں سے چلتا ہے۔ زبان سے باتیں کرتا ہے۔ معاملات اور مسائل کو سوچتا ہے اور اون سے نتائج نکالتا اور یاد رکھتا ہے۔ غرض موجودات عالم کی ہر ایک چیز سے تھوڑا یا بہت قریب یا بعید کا تعلق ہے اور اس تعلق کی وجہ سے وہ تمام دوسری چیزوں پر اثر ڈالتا ہے یا اون کے اثر سے متاثر ہوتا ہے۔ موجودات عالم کے ساتھ جب تک یہ تعلق قائم ہے انسان زندہ کہلاتا ہے

اور اس تعلق کا قائم رکھنا زندگی کا قیام ہے لیکن اگر کسی سبب سے یہ تعلق قائم نہ رہے تو وہ مردہ ہے اور جس قدر یہ تعلقات کم ہوتے جائیں گے اسی قدر حیات کی وسعت کم ہوتی جائیگی۔ اگر وہ اندھا ہو جائے تو بصارت کے لحاظ سے مردہ ہے۔ سورج کی چمک ویسی ہی قائم ہے عجائبات دنیا کا نظارہ ویسا ہی دلفریب ہے لیکن نابینا کے لئے نہیں۔ برا آدمی سماعت کے لحاظ سے مردہ ہے پرندوں کی خوش آسانی۔ موسیقی کے راگ۔ عزیزوں اور دوستوں کی میٹھی میٹھی باتیں سب ویسے ہی دلکش ہیں لیکن اوس کے لئے نہیں۔ گونگا آدمی نطق کے لحاظ سے مردہ ہے۔ اپنا بچ چلنے پھرنے اور کام کرنے کے لحاظ سے مردہ ہے۔ فائر العقل و معنی قوتوں کے لحاظ سے مردہ ہے نہ سوچ سکتا ہے نہ نتیجہ نکال سکتا ہے نہ یاد رکھ سکتا ہے۔ غرض جس قدر بیرونی تعلقات میں کمی ہوتی جائے گی۔ اسی قدر حیات کی وسعت کم ہوتی جائیگی فرض کرو کہ ایک شخص اندھا اور بہرا ہے تو وہ سماعت اور بصارت کے لحاظ سے مردہ ہے۔ اگر اندھا بہرا اور گونگا بھی ہو تو اوس کی حیات کی وسعت ایک درجہ اور کم ہوگی۔ اگر اندھا بہرا گونگا اور فائر العقل اور ماتھ پاؤں سے اپنا بچ بھی ہے تو اوس کی حیات کی وسعت بہت ہی کم ہے اسی طرح بالکل مردہ وہ ہے جس کے سب تعلقات قطع ہو جائیں۔

موت ہر وقت
مسلط ہے

موت کوئی اجنبی چیز نہیں ہے ہماری آنکھوں کے سامنے ہزار ہا آدمی روز مرتے ہیں دنیا کی بے ثباتی کا یہ عالم ہے کہ بچے اور جوان۔ بیمار اور تندرست توانا اور ناتوان بادشاہ اور فقیر امیر اور غریب کافر اور مسلمان۔ عقل مند اور بیوقوف حکیم اور جاہل روز مرتے رہتے ہیں۔ اور موت کسی نہ کسی بہانہ سے آدبائی ہے نہ کوئی تدبیر اسے روک سکتی ہے نہ کوئی قوت اس سے بچا سکتی ہے ایک آندھی ہے کہ زور شور سے چل رہی ہے اور اوس میں تن آور درخت اور ضعیف پودے پتہ کی طرح

اُڑ رہے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ہماری باری کب آئے گی۔ اور حوادث زمانہ کا صدمہ کب ہمارے شجر حیات کو تنکے کی طرح توڑ ڈالے گا۔ اختتام تو جب ہو گا تب ہو گا لیکن ہر روز بھی ہم جام مرگ سے ایک چمچہ چکھ لیتے ہیں۔ زندگی کی مدت ایام کی تعداد پر معین ہے اور جڑوں گزر جاتا ہے وہ گویا موت کا ایک حصہ ہے کہ ہمیں نصیب ہو گیا۔ عمر اسی قدر کم ہو گئی اور گزشتہ زمانہ پر ہمارا کوئی اختیار اور کوئی اقتدار نہ رہا۔ بسبب یہ سب دن پورے ہو جاتے ہیں تو وہ آخری دن آتا ہے جس کے بعد ہمارے حصہ کا کوئی دن نہیں ہے۔ اور موت جو ہم پر مسلط تھی اپنا کام کر چکتی ہے۔ اور پھر ایک ابدی حالت خواہ کیسی بھی ہو نصیب ہو جاتی ہے۔ جس میں یہ روز و رات فنا ہو نیک اندیشہ نہیں ہے۔ اس طرح مرنا موت میں داخل ہونا نہیں بلکہ اس سے نجات پانا ہے۔ ہاں مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے دن اس طرح گزارتے ہوں کہ اس ابدی حالت میں ان کو چین اور آرام نصیب رہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جس حالت کا نام زندگی ہے وہ تغیرات کا ایک سلسلہ ہی جو ہر لمحہ ایک نیا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور جس وقت یہ تغیر رک جاتا ہے وہ موت ہے۔ موت معلوم نہیں کہ کب آئے اور کس طرح آئے۔ پیدائش سے پہلے انسان فنا کی حالت میں تھا اور مرنے کے بعد پھر فنا ہوتا ہے۔ زندگی بجلی کا سالعہ ہے کہ اندھیرے میں چمک جائے۔ پھر وہی تاریکی۔ اگر زندگی کے دن اچھی طرح گزرے ہیں تو گور ایک ایسا گوشہ عافیت ہے جس میں ”کس نہ گوید کہ ازین جا بخیز و آسجا رو“۔ اور اگر ناکردنی افعال میں کٹے ہیں تو زندان ہے جس میں سخت سے سخت عذاب اور شدید سے شدید تکلیف ہے۔ ہم ایک سمندر کے کنارہ کھڑے ہیں جس کے طوفان ہم سے پہلے کڑوں جانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئے ہیں اور معلوم نہیں کہ کب ایک لہر آئے گی اور ہم کو بھی وہاں لیجا لیگی جہاں سے بازگشت

ناممکن ہے۔ اس لئے ہر روز اس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے جیسا کہ موت کے روز ہم چاہتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی کو بسر کیا ہوتا۔ یہ ضرور نہیں کہ موت کے دور کے مارے انسان دنیا کو چھوڑ کر الگ تھلگ ہو بیٹھے اور کوئی کام نہ کرے بلکہ یہ لازم ہے کہ اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام دے اور جو کام جس وقت کرنے کا ہے اسے پورا کرے تاکہ یہ حسرت نہ رہ جائے کہ ہم نے دنیا میں فضول وقت ضائع کیا اور کوئی مفید کام نہ کیا۔ لذاتِ دنیا سے متمتع ہونا اور آرام سے زندگی بسر کرنے کا مضائقہ نہیں۔ لیکن لذات اور آرام جائز اور مباح ہوں تاکہ جس وقت موت کا سامنا ہو کیفرِ کردار سے بچنا اور گھبرانا نہ پڑے۔ عالمِ جوانی میں جب ہم گناہ اور شہوت پرستی میں پڑ جاتے ہیں تو ہم کو اس وقت نتیجہ کا کچھ بھی خیال نہیں آتا بعد میں چلکر خواہ ہم کتنا ہی بچتا ہیں لیکن خواہشاتِ نفسانی کا طوفان بغیر نقصان پہنچائے نہیں رہتا۔ اور معصیت کا دھبہ لگا ہوا رہ جاتا ہے۔ صفائیِ قلب میں کمی آ جاتی ہے۔ سکونِ طبیعت میں فرق پڑ جاتا ہے اور کسی وقت جب رنج آکر گھیرتا ہے تو پچھلے گناہوں کی یاد ایسا ڈراتی ہے جیسا کہ بھوت پُرانی قبروں میں سے نکل کر ڈراتے ہوں۔ خوفِ طبیعت پر چھا جاتا ہے اور شرمِ دامگیر ہوتی ہے۔ گزشتہ زمانہ کو اس طرح برباد کرنے کا غم کہ اس کی تلافی بھی نہ ہو سکے چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اور یہ حسرت رہ جاتی ہے کہ ہم نے کیوں نیک کام نہ کئے اور بد اعمالیوں کو مول لیا۔

ہشیار باش خواجہ کہ از مرگ چارہ نیست

غافل مشو کہ عمر عزیزت دوبارہ نیست

در زندگی بکوشش کہ فرصت ہمیں دم است

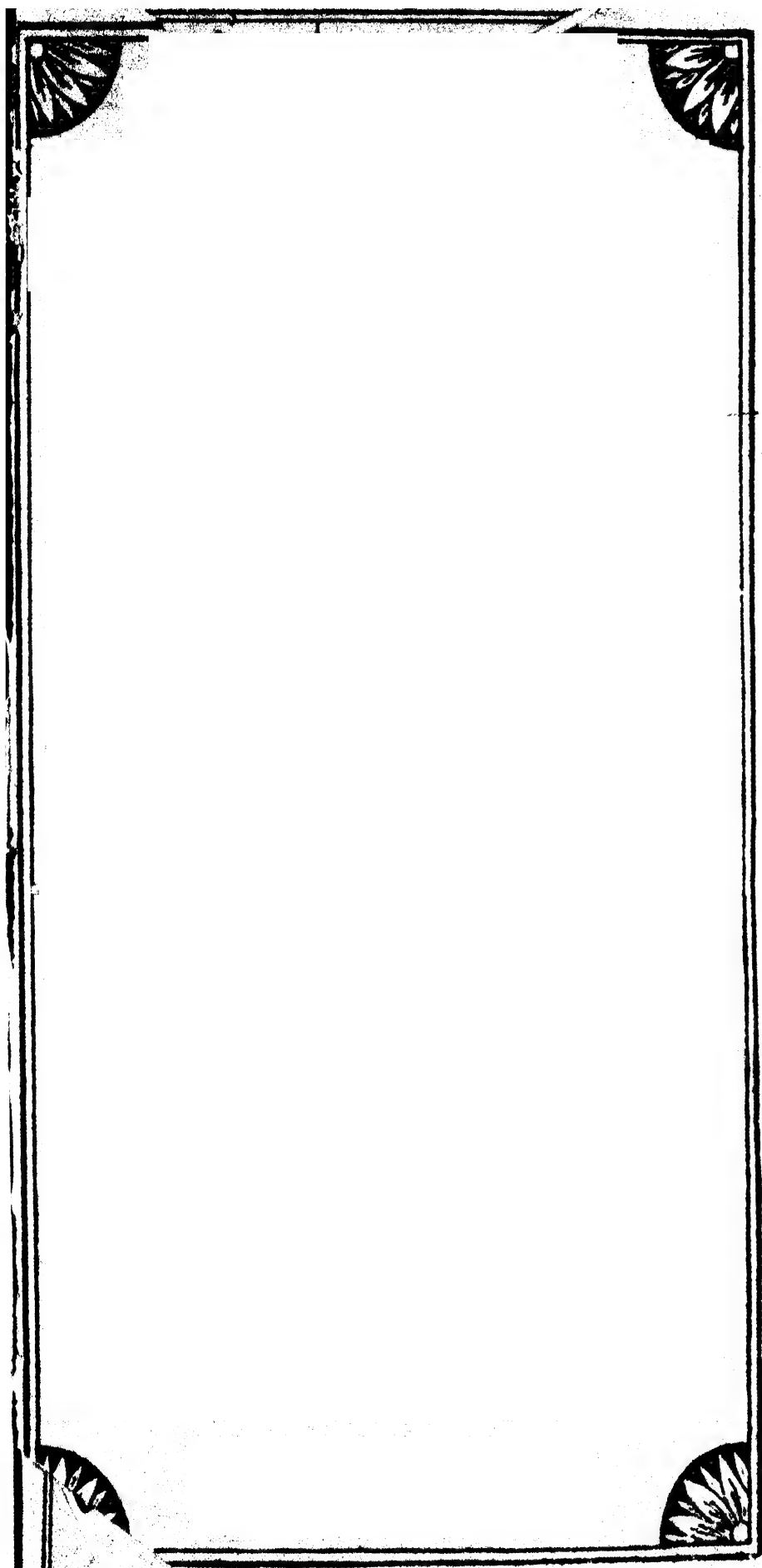
زیرا کہ روز مرگ بہ کس آشکارہ نیست



صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۱	اون	اوس
۱۹	۲۳	باریک	باریک نکات
۲۲	۱۶	گزشتہ	گزشتہ کے
۵۴	۲	ہوگانہ	ہوگا
۶۰	۵	فضیلت	فضیلت
۶۶	۷	ہونے	ہونے
۶۹	۲۳	انکارات	انکار
۸۰	۱۹	موجبات گاس ہے جو پانی کو	موجبات گاس ہے پانی کو
۸۷	۱۴	حصہ	حصہ کا
۱۰۴	۱۳	انکارات	انکار
۱۲۲	۴	اللسان	ذاللسان
۱۲۸	۲	اصل	در اصل
۱۵۰	۲	رکبنا	رہنا
۱۵۵	۶	رذیل	ذلیل
۱۶۳	۱۳	پہنچے	سوچے
۱۶۸	۹	لسان	اللسان
۱۸۹	۱۷	افراط حاصل ہوتی ہے	افراط سے حاصل ہوتی ہے
۲۰۹	۱۳	اسی	اس
۲۱۱	۵	مین یا مصبت	یا مصبت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۶	۶	واقفیت	واقف
۲۱۸	۱۸	تو پھر تو	تو پھر
۲۲۲	۱۷	تھی	ہے
۲۳۲	۱۸	آبرو ہی نہیں	آبرو نہیں
۲۴۵	۱۶	کہ جس قدر	جس قدر
۲۴۵	۱۷	نکہ اس قدر	نہ اس قدر
۲۵۷	۱۱	عند اللہ	عند اللہ ماجور
۲۶۱	۱۱	دولت و دیانتداری	دولت دیانتداری
۲۷۰	۲	الگ	ایک
۲۷۰	۱۱	دفع	رفع
۲۸۳	۱۷	ان	انسان
۲۸۴	۲۰	ایک ایک	ایک
۳۰۴	۹	دعوے ہے	دعوے
۳۲۲	۱۶	زرعت	زراعت
۳۳۵	۱۱	نبتا	نبتا
۳۵۵	۱۶	ان میں	اس میں
۳۵۸	۸	ہوئی ہے	ہوئی ہو
۳۷۸	۹	برباد نہ کرنا	برباد کرنا
۳۷۹	۶	بے حیا	بے جا
"	۱۷	بکہ	بلکہ
"	۲۱	ہو جاتی ہے	ہو جاتے ہیں
۳۸۸	۱۷	ہو	ہوں



[illegible]

